فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

☆......☆......☆

کتاب الإیمان والعقائد

مایتعلق بالإیمان

(ایمان کا بیان)

ما يتعلق بالقدر

(تقدیر کا بیان)

مایتعلق بالسعادۃ والنحوسۃ

(نیک شگونی اور بدشگونی کا بیان)

باب العقائد

مایتعلق باللہ تعالیٰ و صفاتہ

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان)

مایتعلق بالإشراک باللہ تعالیٰ وصفاته

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کا بیان)

مایتعلق بالاستمداد بغیر اللہ تعالیٰ

(غیر اللہ سے مدد مانگنا)

مايتعلق بالأنبياء عليهم السلام وأتباعهم

(انبیائے کرام اوران کے متبعین)

مایتعلق بعلم الغیب

(علم غیب کا بیان)

مایتعلق بالحاضر والناظر، والنور والبشر

(حاضر وناظر اور نور وبشر کا بیان)

مایتعلق بالمعجزة والكرامة والإلهام

(معجزہ، کرامت اور الہام کا بیان)

مایتعلق بحیاة الأنبیاء وسماع الموتی

(حیات انبیاء اور سماع موتی کا بیان)

مایتعلق بالتوسل فی الدعاء

(دعاء میں توسل کا بیان)

مایتعلق بأحوال القبور والأرواح

(روح اور قبر کے احوال کا بیان)

مایتعلق بالجزآء والعقوبة

(جزاء اور سزا کا بیان)

مایتعلق بالجنة و نعیمها

(جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان)

متفرقات العقائد

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم العالیہ

الحمدلله الذی رفع درجات حَمَلة الشرع المبین، ومن أراد به خیراً فقهه فی الدین، أشهد أن لا إله إلاهو، وحده لاشریك له فی الدنیا والدین، فإیاه نعبد وإیاه نستعین، وأشهد أن سیدناومولانا محمداً عبده ورسوله سید الأنبیاء والمرسلین، صلی الله علیه وعلی آله وصحبه ومن تبعهم صلاةً دائمةً بدوام السماوات والأرضین۔

أما بعد!

یہ بات تو کسی پر مخفی نہیں کہ انسانی زندگی سے متعلق تمام احکامِ شرعیہ کا تذکرہ تفصیلی طور پر قرآن مجید میں موجود نہیں، بلکہ حلال وحرام کے اصولی قواعد وضوابط اور کلیات پر قرآن پاک حاوی اور مشتمل ہے اور یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث قرآن پاک کی تشریح ہے، بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پوری زندگی، آپ کا ہر قول وفعل قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام ارشادات اور فرمودات درجہ کے اعتبار سے مختلف ہیں، بعض میں ضروری مسائل کا حکم بتایا گیا ہے، بعض میں اس سے کم درجے کا، بلکہ بعض احکام نہایت ہی ضروری تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی زیادہ تاکید فرمائی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضراتِ فقہائے کرام اور مجتہدین کو جزائے خیر عطاء فرمائے جنہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں احکامِ شرعیہ کے مراتب حلال وحرام، مکروہ تحریمی وتنزیہی، فرض،

واجب، سنت موکدہ اور مستحب مباح کی تعیین کر کے امت مسلمہ کے لئے آسانی کردی۔ یقیناً یہی حضرات درحقیقت رازدانِ شریعت کہلانے کے مستحق ہیں۔اہلِ علم یہ بھی جانتے ہیں کہ نصوصِ شرعیہ محدود ہیں اور انسانی زندگی میں نئے پیش آنے والے مسائل کا ایک طویل سلسلہ ہے جو کسی موڑ پر رُکنے والا نہیں، چنانچہ کہا گیا ہے کہ "النصوص محدودة والحوادث ممدودة"۔

ہر زمانہ کے فقہائے کرام نے اپنے زمانہ میں نئے پیش آنے والے مسائل کو نصوصِ شرعیہ کے ساتھ جوڑ کر کس طرح حل کیا ہے، ان تفصیلات کے لئے کتبِ فقہیہ کی مراجعت کے بعد اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

پھر شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو کہ جس کا بعینہ یا اس کی نظیر کا حل فقہ میں موجود نہ ہو، خاص طور پر فقہ حنفی کو اللہ تعالیٰ نے جو جامعیت عطا فرمائی ہے اس کے پیشِ نظر یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حیاتِ انسانی کے تقریباً تمام پہلوؤں میں سے کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں جس کا جواب اور حل فقہ حنفی میں موجود نہ ہو، خاص طور پر فقہ تقدیری (وہ مسائل جن کا اُس زمانہ میں وجود نہیں تھا ان کی فرضی صورتیں اور ان کا حکمِ شرعی بیان کیا گیا ہے) کا باب دوسرے فقہاء کے ہاں اتنا وسیع نہیں جتنا فقہ حنفی میں ہے، پھر بسا اوقات بعضے مسائل ایسے بھی سامنے آتے ہیں کہ ان کا جواب اور حل اگر کسی ایک مجتہد کے مذہب میں نہیں تو اس کے حل کے لئے دوسرے کسی مجتہد کے قول کو لیا جاتا ہے، لیکن اس عمل کو سرانجام دینا ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے مفتی کے طویل تجربے اور اس کے فقہ میں ماہر ہونے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے ماہرینِ فقہ وفتویٰ سے بھی مشاورت کی جائے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب سے برِصغیر پاک و ہند کو مرکزِ علم بننے کا شرف حاصل ہوا تو برصغیر کے علماء نے اس شرف کو برقرار رکھنے کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دیں، فتاویٰ عالمگیری انہی حضرات کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔متاخرین حنفیہ کے طویل دور کے اندر برصغیر پاک و ہند میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے علمائے دیوبند کو جو علمی مقام عطاء فرمایا ہے اس کا انکار شاید ہی کوئی انسان کرتا ہو ورنہ دیکھنے اور سننے میں آج تک یہ نہیں آیا کہ دنیا کا کوئی علمی ذخیرہ اور ادارہ ہو اور اس میں علمائے دیوبند کے علوم سے استغناء برتا گیا ہو۔

یوں تو علمائے دیوبند نے ہر علم وفن میں اپنی جامعیت کا لوہا منوایا لیکن علمِ فقہ کے ساتھ ان کے تعلق اور لگاؤ کی شان ہی نرالی ہے۔فتاویٰ رشیدیہ، امداد الفتاویٰ، فتاویٰ محمودیہ، امداد الاحکام، فتاویٰ دار العلوم دیوبند،

فتاویٰ خلیلیہ، کفایت المفتی، فتاویٰ رحیمیہ اور جدید مسائل کے متعلق لکھے گئے مستقل مقالات اور رسائل سے علمِ فقہ میں ان حضرات کی تبحرانہ شان کی جھلک محسوس کی جاسکتی ہے۔

علمائے دیوبند نے فتاویٰ کے ضمن میں جس طرح علم فقہ کو منقح ومہذب انداز میں پیش کیا اور مفتی بہ اقوال کی تعیین کی اور نئے پیش آنے والے مسائل کو سابقہ اصول اور تفریعات پر منطبق کیا اسے دیکھ کر اگر کہا جائے کہ علمائے دیوبند فقہ حنفی کے مجدّد ہیں تو اس کی صحت میں تامل نہیں ہونا چاہیے۔

مذکورہ بالا فتاویٰ میں سے ہر ایک کی اپنی خصوصیت اور شان ہے، لیکن ''فتاویٰ محمودیہ'' کو جو حضرت اقدس، فقیہ الامت، مفتی اعظمِ ہند مفتی محمود حسن گنگوہی کے نام منسوب ہے اپنی جامعیت، اعتدال، آسان ودلنشین انداز کی بناء پر ایک منفرد وممتاز مقام حاصل ہے۔ انہی خصوصیات کی بناء پر حضرت مفتی صاحب مرجع العوام تو تھے ہی لیکن اہل علم حضرات کی نگاہیں بھی آپ پر مرکوز رہتی تھیں۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ فتاویٰ محمودیہ کو جدید انداز میں تبویب وتخریج کے ساتھ پیش کیا جائے تاکہ اس سے استفادہ آسان وممکن ہو، دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کے اساتذہ ومتخصصین مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا اور نہایت ہی قلیل عرصے میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مدظلہم مہتمم جامعہ محمودیہ میرٹھ انڈیا نے جو حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذِ خاص ہیں، فتاویٰ محمودیہ کی اشاعت کا اہتمام فرمایا۔ ہم نے مفتی محمد فاروق صاحب مدظلہم سے باقاعدہ فتاویٰ محمودیہ کو جدید انداز میں تبویب وتخریج کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت طلب کی اور بحمداللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف نے جامعہ فاروقیہ کراچی کو اس کی اجازت عطا فرمائی اور اپنی مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ فالحمدُللّٰہ تعالیٰ علیٰ ذلک۔

اسی طرح کراچی میں کتب خانہ مظہری نے فتاویٰ محمودیہ کو شائع کیا تھا اور اب وہ تبویب وتخریج کے ساتھ دوبارہ شائع کرنے کا ارادہ کررہے تھے تو ہم نے مولانا حکیم محمد مظہر مدظلہم سے ملاقات کرکے ان کو بتایا کہ تبویب وتخریج کا کام جامعہ فاروقیہ کراچی میں مکمل کرلیا گیا ہے اور مفتی محمد فاروق صاحب کی اجازت سے اس کی طباعت شروع کی جارہی ہے اگر آپ جامعہ فاروقیہ کراچی کی اس کوشش کو پذیرائی عطا فرماتے ہوئے اپنے یہاں تخریج وتبویب کے عمل کو شروع نہ کریں تو بہتر ہوگا۔ جناب مولانا حکیم محمد مظہر نے اخلاقِ کریمانہ کے مطابق اس

درخواست کو منظور فرمایا اور اُسی وقت متعلقہ حضرات کو ہدایت کی کہ جامعہ فاروقیہ کراچی میں عمدہ پیمانے پر خاص اہتمام کے ساتھ تبویب وتخریج کا کام ہو چکا ہے اب آپ اس کی کوشش نہ کریں اور تبویب وتخریج کا کام بند کر دیں۔

اللہ رب العزت اس عمل کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرمائے، حضرت مفتی صاحب اور ہم سب کے لئے اسے رفعِ درجات کا ذریعہ بنائے۔

آمین!

سلیم اللہ خان

۱۵/۲/۱۴۲۶ھ

۲۶/۳/۲۰۰۵م

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقیہ الامہ مفتی أعظم ہند

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے

مفتی عبدالباری صاحب ☆

حالاتِ زندگی

دنیا میں ہر روز ہزاروں انسانوں کا اضافہ ہو جاتا ہے جو اپنی زندگی جی کر چلے جاتے ہیں، مگر دنیا کو نہ ان کے آنے سے دلچسپی ہوتی ہے نہ جانے سے۔ بعض لوگ اپنی صلاحیت سے کوئی مقام اپنے لئے بنا لیتے ہیں تو ان کے چلے جانے پر یقیناً غم کا اظہار کیا جاتا ہے، جانے کے کچھ عرصہ بعد نہ ان کے لئے کوئی بے چین ہوتا ہے نہ ان کی یادیں عمومی طور پر دلوں کو بے قرار رکھتی ہیں، لیکن اسی عالمِ فانی میں کچھ شخصیات ایسی بھی آتی ہیں جو جانے کے بعد لاکھوں انسانوں کو اپنے فراق کے ایسے غم دے جاتی ہیں جو کبھی نہیں بھرتے، محفلوں میں ان کے تذکرے مسلسل ہوا کرتے ہیں (☆)۔

یہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس امتِ مرحوم کو تاریخ کے کسی بھی دور میں عظیم تر شخصیات سے بانجھ نہیں رکھا، اسلام کی آغوش سے ایسی ایسی بلند قامت شخصیات ظاہر ہوئیں جنہوں نے اپنی گرمیٔ نفس سے

☆ ...... رفیق شعبۂ افتاء جامعہ فاروقیہ، کراچی

(☆) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے حالات ''حیاتِ محمود'' سے لئے گئے ہیں مزید تفصیل کے لئے ''حیاتِ محمود'' ملاحظہ فرمائیں۔

انجمنِ عالَم کو زندگی و بندگی کی روشنی سے منور کردیا، آج صدیاں گذرنے کے باوجود ان کی یادیں، ان کے تذکرے اور ان کی خدمات نہ صرف کاغذ کے سفینوں میں موجود ہیں بلکہ انسانیت کے سینوں کو مسلسل حرارتِ ایمانی دے کر اپنی ہستیاں منوا رہی ہیں۔

چنانچہ ہماری تاریخ عظیم ہستیوں اور عبقری شخصیات کا ایک خوبصورت کہکشاں ہے، اس لڑی کا ہر دانہ دیدۂ بینا کے لئے ایک دُرِّ آبدار ہے، جس پر امتِ مرحوم تا قیامت فخر کرتی رہے گی اور اس کی جلا سے تاریک دل روشنی پاتے رہیں گے۔ قریب کی ہندوستانی تاریخ میں حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ سے لے کر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند تک اور پھر حضرت تھانوی سے لے کر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب تک فرزندانِ جلیل اسلام کی آغوش سے نکلے، ان کی فکر، اخلاص اور بے کراں خدمات سے یہ بقعۂ عالم رہتی دنیا تک تابناکیاں حاصل کرتا رہے گا۔

لیکن نورِ نبوت کا یہ فیضان نہ کسی شخصیت پہ آکے رکا ہے نہ انشاء اللہ رکے گا، قافلۂ اسلام کی راہ میں ہزاروں سنگ میل آئے اور ہر سنگ میل پر اتنے مینارہائے نور اس راہ کو روشن رکھنے کے لئے ملے کہ اس کاروانِ خیر کے کسی ہمرکاب کو تاریک رات کا مسافر نہیں کہا جاسکتا، بلکہ راہِ ہدایت کے یہ راہی اپنی منزل کی طرف مسلسل گامزن رہے ہیں اور رہیں گے انشاء اللہ۔

ان ہی دینی رہنماؤں کے سلسلۃ الذہب میں ایک روشن نام حضرت شیخ مفتی اعظم ہند، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور ماضی قریب میں ایک عرصہ دراز تک اپنی طویل متاعِ گراں مایہ دینی رہنمائی کے ساتھ اصلاحِ امت کی زبردست خدمات سرانجام دیتے رہے۔

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ میزبانِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں، اسی خانوادۂ ایوبی کے چشم و چراغ اور بدرمنیر ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کو ہجرت کے موقع پر مدینۂ منورہ میں سرورِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور ناقۂ مبارکہ ان کے مکان کے دروازہ کے سامنے بیٹھ گئی، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سامان اپنے گھر لے گئے اور آں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے مکان پر چند ماہ قیام فرما کر ان کے مکان کو

رشکِ خلد بنا دیا(۱)۔

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

نام ونسب

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ کا نام ونسب یہ ہے:

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالیٰ عنه قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة، فنزل في علو المدينة في حيٍ يقال لهم: بنو عمرو بن عوف، فأقام فيهم أربع عشرة ليلةً، ثم أرسل إلى بني النجار فجاؤا متقلدين سيوفهم، فقال أنس: فكأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على راحلته وأبوبكر ردفه وملأ بني النجار حوله حتى ألقى بفناء أبي أيوب رضي الله تعالیٰ عنه". (سنن أبي داؤد، باب في بناء المساجد، ص: ٧٧، رقم الحديث: ٤٥٣، دارالسلام)

(الحديث أخرجه البخاري في كتاب الصلاة، باب: هل ينبش قبور مشركي الجاهلية؟: ١/ ٦١، قديمي)

(ومسلم في كتاب المساجد، قبيل باب تحويل القبلة من القدس إلى الكعبة: ١/ ٢٠٠، رقم الحديث: ١١٧٣، قديمي)

وقال البيهقي رحمه الله تعالى: " أخبرنا أبو الحسن بن الفضل القطان ببغداد (وذكر الواقعة بطولها: ثم قال:) وقال مجمّع بن يزيد: مكث رسول الله صلى الله عليه وسلم فينا اثنين وعشرين ليلةً، وكانت الأنصار قد اجتمعت، فتلقوه قبل أن يركب من بني عمرو بن عوف، فمشوا حول ناقته لا يزال أحدهم ينازع صاحبه زمام الناقة شحّاً على كرامة رسول الله صلى الله عليه وسلم وتعظيماً له، وكلما مرّ بدارٍ من دُور الأنصار دعوه إلى المنزل، فيقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: " دعوها، فإنها مأمورة، إنما أنزلُ حيث أنزلني الله تعالى". فلما انتهت به الناقة إلى باب بني أيوب، بركت على الباب، فنزل فدخل بيت أبي أيوب، فنزل عليه، فأنزله في سفل بيته وظهر أبو أيوب إلى أعلى البيت (إلى قوله): فلم يزل أبو أيوب يتضرع إليه حتى انتقل النبي صلى الله عليه وسلم إلى العلو، وأقام رسول الله صلى الله عليه وسلم ساكناً في بيتِ أبي أيوب، ينزل عليه القرآن ويأتيه فيه جبريل حتى ابتنى رسول الله صلى الله عليه وسلم مسجده ومسكنه". (دلائل النبوة، جماع أبواب المبعث، باب من استقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم وصاحبه من أصحابه: ٢/ ٥٠١، دارالكتب العلمية، بيروت)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی بن مولانا حامد حسن بن حاجی خلیل بن ولی محمد بن قلندر بخش بن محمد علی بن غلام رسول بن عبدالحمید بن قاضی محمد فاضل بن جمیل محمد بن قاضی محمد خلیل بن قاضی ولی محمد بن قاضی کبیر بن قاضی امن بن خواجہ فریدالدین بن خواجہ محمد فاضل بن خواجہ محمد ہاشم بن خواجہ علاؤالدین بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ نجم الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ عبدالحمید بن خواجہ کبیر بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ تاج الدین بن خواجہ منہاج الدین بن خواجہ ہاشم بزرگ بن خواجہ اسماعیل بن شیخ الاسلام خواجہ ابواسماعیل عبداللہ انصاری بن خواجہ ابومنصور بن علی بن محمد بن احمد بن علی بن جعفر بن ابومنصور بن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میزبانِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت مفتی صاحب کے دادا جناب حاجی خلیل احمد صاحب قدس سرہ

حضرت والا قدس سرہ کے جدِ امجد حاجی خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ نیک، صالح اور متبعِ سنت بزرگ تھے، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ سے بیعت تھے، اَوراد، اشغال ووظائف کے نہایت پابند تھے، تہجد گذار اور گوشہ نشین تھے، حضرات علمائے کرام وصلحا اور اتقیاء سے محبت کرتے تھے۔

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ ''دردنامہ غمناک'' بہت کثرت سے پڑھتے تھے اور پڑھتے پڑھتے کثرت سے رویا کرتے تھے، رسالہ کے شروع میں یہ نظم ہے:

''سنو یارو عجب قصہ ہمارا سناتا ہے تمہیں جو غم کا مارا'' (۱)

حضرت نانوتوی قدس سرہ کی وفات کے بعد اس میں اَور اضافہ ہوگیا اور حضرت رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے باقاعدہ بیعت وارادت کا تعلق قائم فرمالیا، حضرت گنگوہی کی مجالس میں اکثر وبیشتر حاضر رہا کرتے تھے اور حضرت گنگوہی کو بھی ان سے حد درجہ دلی تعلق تھا، اور ان پر بڑا اعتماد واطمینان فرمایا کرتے تھے۔

حاجی صاحب اپنے ہونہار سعادت مند پوتے (حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ) سے بہت شفقت فرماتے تھے اور اپنے ساتھ رکھ کر کھلاتے تھے، مگر حضرت مفتی صاحب کی کم عمری میں دادا صاحب کا سایہ سر سے

(۱) دیکھئے: (کلیاتِ امداد، رسالہ، دردغمناک، ص: ۱۹۵، دارالاشاعت، کراچی)

اٹھ گیا، دادا کی وفات کے وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر تقریباً پانچ، چھ سال تھی، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔

والد محترم حضرت مولانا حامد حسن گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت مولانا حامد حسن گنگوہی قدس سرہ دہلی کے کسی مدرسہ میں پڑھتے تھے، اس مدرسہ میں مطبخ کا انتظام نہیں تھا، طلبہ کو وظیفہ ملتا تھا اور وہ اپنے طور پر کھانے کا انتظام کرتے تھے، حضرت مولانا کو روزانہ مدرسہ کی طرف سے ایک آنہ وظیفہ ملا کرتا تھا اسی میں سے کھانے کا بندوبست کرتے تھے، قحط اور تنگدستی کا زمانہ تھا، ایک عرصہ حضرت مولانا ایک ہی وقت کے کھانے پر اکتفاء فرماتے رہے۔

اس محنت، صبر وقناعت پر اللہ تعالیٰ نے ان کو کن کن نعمتوں سے نوازا؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، البتہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے ایک ملفوظ سے کسی قدر اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کتنا احسان فرمایا اور کتنا اکرام کیا؟ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ میں نے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے کہا: جتنی کتابیں آپ نے پڑھیں، میں نے بھی پڑھیں اور مطالعہ میں نے زیادہ کیا ہے، مگر آپ نے جس صبر وقناعت اور تقویٰ کے ساتھ پڑھا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں احادیث آپ کو ازبر ہیں، میرا حال یہ ہے کہ رات کو دیکھتا ہوں اور صبح کو بھول جاتا ہوں، غرض قناعت، صبر اور تقویٰ کے ساتھ جو علم حاصل کیا جاتا ہے اس میں بڑی برکت ہوتی ہے''۔

فراغت وتدریس

حضرت مولانا حامد حسن صاحب قدس سرہ کی فراغت دارالعلوم دیوبند سے تھی اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے، فراغت کے بعد حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے اپنے مدرسہ (جو قصبہ نہٹور ضلع بجنور میں تھا) میں درس وتدریس کے لئے بھیجا، حضرت مولانا کا وہاں تقریباً پچاس سال قیام رہا، جس مکان میں مدرس بنا کر بٹھایا تھا اسی مکان سے ان کا جنازہ نکلا۔

امر بالمعروف اور احتیاط

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ اس قدر زیادہ تھا کہ اگر کوئی واعظ، وعظ وبیان میں کوئی مسئلہ یا روایت غلط بیان کرتا، فوراً وعظ کے دوران کھڑے ہوجاتے اور اس کی تغلیط فرماتے اور جو روایت اور مسئلہ صحیح ہوتا

اس کو بیان فرماتے کہ صحیح روایت اس طرح ہے، صحیح مسئلہ اس طرح ہے، وعظ ختم ہونے کا انتظار نہیں فرماتے تھے۔ مزاج میں احتیاط بہت زیادہ تھی، خاص طور پر کھانے کے معاملہ میں بہت زیادہ محتاط تھے، کوشش فرماتے کہ کوئی مشتبہ لقمہ حلق میں نہ چلا جائے، اسی لئے اگر کوئی شخص دعوت کرتا تو عامۃً دعوت میں جانے سے معذرت فرما دیتے، البتہ اگر کوئی ان کے مکان پر ہی کھانا بھیج دیتا تو اس کو واپس بھی نہ فرماتے تاکہ اس کی دل شکنی نہ ہو، لیکن وہ کھانا خود بھی تناول نہ فرماتے نہ اپنے گھر والوں کو کھلاتے بلکہ پڑوس میں ایک غریب آدمی تھا کھانا ان کے ہاں بھیج دیتے۔

بیعت وارادت

اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا حامد حسن صاحب کا بہت گہرا ربط وتعلق تھا، اس غیر معمولی تعلق کی بناء پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت بھی ہیں، خود حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کا بھی یہی گمان تھا، ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے بیعت کے متعلق ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کن سے بیعت ہیں؟ حضرت نے جواب میں فرمایا:

''ارے! کہاں بیعت؟ جب فارغ ہوکر ملازمت کے لئے جانے کا وقت آیا تو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نائب مہتمم دار العلوم دیوبند نے حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت! یہ ملازمت پر جارہے ہیں ان کی بیعت فرمالیں، حضرت اس وقت نماز فجر پڑھا کر مصلّٰی سے اٹھ گئے تھے، سردی کا موسم تھا، رضائی اوڑھے ہوئے تھے، فرمایا: تم تو اپنے ہی ہو اور ہاتھ رضائی کے اندر ہی سے بڑھا کر میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، اس طرح کہ رضائی درمیان حائل رہی، بس یہ بیعت تھی''۔

حضرت مفتی صاحب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کو غایت درجہ اطمینان تھا کہ باقاعدہ بیعت ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

علالت ووفات

اخیر عمر میں جب ضعف زیادہ ہوگیا تو حضرت مفتی صاحب نے والد محترم سے ملازمت ترک کرکے مکان پر قیام کرنے کی درخواست کی، لیکن حضرت نے انکار فرمایا، چنانچہ وہیں ان کا انتقال ہوا اور اسی مکان سے جنازہ نکلا۔

حضرت مفتی صاحب کے والد محترم کو یکم محرم الحرام ۱۳۷۱ھ سے بخار ہوا، اور بخار کا یہ سلسلہ طویل ہوگیا اور اسی بخار کی وجہ سے ۲۱ر محرم الحرام ۱۳۷۱ھ کو دن میں نو بجے کے قریب انتقال ہوگیا اور قصبہ نہٹور ہی میں ان کی تدفین ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب نوراللہ مرقدہ

ولادت باسعادت

آفتابِ رشد وہدایت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی وفات کے ٹھیک دوسال بعد اسی مہینہ کے اسی دن اوراسی تاریخ میں ماہتابِ رشد وہدایت فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ ۸ یا ۹ رجمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ (اذان جمعہ کے بعد) بوقت ساڑھے بارہ بجے دن، اٹھتر سال، سات مہینہ اور تین دن کی عمر میں اس دارفانی سے رحلت فرماگئے اور ۸ یا ۹ رجمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ کو ہی شب جمعہ میں اسی خانوادہ کے چشم وچراغ اور بدرمنیر حضرت مولانا محمود حسن گنگوہی قدس سرہ کی ولادت ہوئی۔

بسم اللہ

بزرگانِ دین اوراولیاء اللہ سے بچوں کی ''بسم اللہ'' کرانے کا دستور دینی وعلمی گھرانوں میں ہے، تاکہ ان اولیاء اللہ واھل اللہ کی دعاء اور توجہ کے اثرات وبرکات بچے تک پہنچ جائیں، اس لئے بزرگوں سے بسم اللہ کرانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

ایک موقع پر حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس اللہ اسرارہما گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے اور بھی چند بزرگ وعلماء ساتھ تھے، حضرت مفتی صاحب کے والد محترم حضرت مولانا حامد حسن صاحب قدس سرہ نے اپنے فرزندار جمند کی بسم اللہ ان دونوں بزرگوں سے کرائی۔

حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ اپنی ''بسم اللہ'' کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں:

''میری بسم اللہ کا قصہ یوں ہوا کہ میں ایک بار گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، والد صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر لے گئے، دیکھا کہ دروازہ پر چند بزرگ جمع ہیں ان میں سے کسی ایک صاحب نے مجھ سے کچھ کلمات کہلوائے، میں نے زور سے کہے نہیں، آہستہ آہستہ کہے، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ میری ''بسم اللہ'' تھی اور بسم اللہ

کرانے والے حضرت شیخ الہند رحمہ تعالیٰ اللہ تھے اور ان کے ہمراہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ تھے''۔

ابتدائی تعلیم

حضرت مولانا حامد حسن صاحب کے مکان کے قریب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صاحبزادی صفیہ کا مکان تھا، اسی کی بیٹھک میں ایک مکتب قائم تھا، اسی مبارک مکتب میں حضرت مفتی صاحب کو ابتدائی تعلیم کے لئے بٹھایا گیا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صاحبزادی صاحبہ ولیۂ کاملہ تھی اور اپنے زمانہ کی رابعہ بصریہ، حضرت گنگوہی نے ان کے متعلق فرمایا: ''اگر عورت کو بیعت کی اجازت ہوتی تو میری صفیہ بیعت لیا کرتی''، اور حضرت نے ہی ایک بار یہ بھی ارشاد فرمایا:

''الحمد للہ میری بیٹی کو دنیا کی محبت بالکل نہیں اور انصاف سے دیکھئے تو اصل ولایت یہی ہے۔'' تذکرۃ الرشید۔

حضرت مفتی صاحب کے بچپن کی تعلیم وتربیت کے لئے ایسے نورانی ومبارک ماحول کا انتخاب پھر حضرت گنگوہی کی جگر گوشہ، تربیت یافتہ کی صحبت وتوجہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس ہونہار فرزند کو کسی مخصوص وبلند مقام کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

بالائے	سرش	زِ	ہوشمندی
می	تافت	ستارۂ	بلندی

حفظِ قرآن کریم

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے صاحبزادی صفیہ صاحبہ کی ہی بیٹھک میں حافظ کریم بخش صاحب (جو نابینا تھے) کے سامنے کلام پاک حفظ کیا، کلام پاک کے ختم ہونے میں صرف سترہ سطر باقی تھیں کہ حافظ صاحب کا انتقال ہوگیا، حافظ صاحب کی وفات کے بعد حافظ عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی۔

درس نظامی

کلام پاک حفظ مکمل کرنے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے حضرت مولانا فخر الدین گنگوہی قدس سرہ سے ''آمدنامہ'' شروع کیا تھا، مگر ابھی آمدنامہ کا ایک ہی صفحہ ہوا تھا اور بوستان کے چند اشعار کہ حضرت کے والد محترم مولانا حامد حسن صاحب قدس سرہ نہٹور تشریف لے گئے اور اپنے ساتھ اس ہونہار فرزند کو بھی لے گئے، نہٹور ہی میں حضرت قدس سرہ نے اپنے والد محترم کی زیر نگرانی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور مولانا امتیاز حسین صاحب (جو حضرت والد صاحب کے مدرسہ کے فارسی کے استاذ تھے) سے ''آمدنامہ، حمد باری تعالیٰ، مصدر فیوض، کریما اور پند نامہ'' پڑھیں اور والد صاحب سے ''میزان، منشعب، مالا بدمنہ اور بوستان'' کے چند سبق پڑھے۔

مظاہر علوم میں حاضری

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ۱۳۴۱ھ میں مظاہر علوم تشریف لاکر داخلہ لیا، اس وقت محدثِ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ یہیں تھے، حضرت کے فیوض و برکات، علوم ظاہرہ کی تکمیل کے ساتھ تزکیۂ نفس اور باطنی تربیت کے لئے دور دراز سے لوگ آیا کرتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے یہاں رہ کر مختلف فنون کی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے مظاہر علوم میں حاضر ہوکر میزان منشعب کا امتحانِ داخلہ دیا اور پھر صرف میر بعدہ علم الصیغہ، بعدہ فصول اکبری، بعدہ مراح الارواح سب کتب حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسی سے پڑھیں، اور پنج گنج، زبدہ، دستور المبتدی صرف اور نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو مولانا عبد الرحمٰن اورنگ آبادی سے پڑھیں۔

نور الایضاح بعدہ قدوری مولانا مفتی ضیاء احمد صاحب سے، بعدہ کافیہ حضرت مولانا ظہور الحق صاحب سے پڑھیں اور شرح جامی بحثِ فعل، کبریٰ، تہذیب اور شرح تہذیب حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب اورنگ آبادی سے پڑھیں۔

قطبی، سلم، مقامات، سبعہ معلقہ اور میبذی مولانا اخلاق احمد صاحب سہارنپوری اور تلخیص المفتاح

مولانا زکریا قدوسی صاحب سے پڑھیں۔

مختصر المعانی حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کیمل پوری سے پڑھی، مگر حضرت قدس سرہ دورانِ سال دو دفعہ سخت بیمار ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے کتاب ناقص رہ گئی اس لئے آئندہ سال پھر مختصر المعانی پڑھی، ہدایہ اولین بھی مولانا عبدالشکور صاحب کیمل پوری ہی سے پڑھی، جلالین شریف، متنبّی اور حماسہ مولانا اسعد اللہ صاحب سے پڑھیں۔

مفید الطالبین، مرقاۃ ایک ہفتہ میں اور قصیدہ بردہ بھی حضرت مولانا سے ہی خارج اوقات میں پڑھیں۔

فارسی کی تعلیم کا سلسلہ جلالین شریف پڑھنے تک جاری رہا: اخلاق جلالی، گلستان، اخلاق محسنی، انشاء بہارِ عجم، بوستان، انشاء خلیفہ رقعات، ملا حسینی، سکندر نامہ اور انوار سہیلی فارسی کی سب کتابیں حضرت مولانا عبدالمجید صاحب سے پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں حاضری

مظاہر علوم سہارنپور میں سات سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۴۸ھ میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ دارالعلوم دیوبند میں حاضر ہوئے اور یہاں تین سال رہ کر مختلف کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

سال اول ۱۳۴۸ھ

ہدایۂ ثالث اور بیضاوی شریف حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ سے، مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب سے، شرح عقائد اور خیالی حضرت مولانا ابراہیم صاحب سے پڑھیں۔

سال دوم ۱۳۴۹ھ

ابوداؤد شریف حضرت مولانا قاری میاں اصغر حسین صاحب سے مسلم شریف حضرت مولانا رسول خان صاحب سے، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، صدرا، شمس بازغہ، علامہ ابراہیم صاحب سے پڑھیں۔

سال سوم ۱۳۵۰ھ

بخاری شریف، ترمذی شریف حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب (مدنی) قدس سرہ سے پڑھیں، اس سال دو کتابیں ہی پڑھیں۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سفرِ حج پر تشریف لیجانے کی وجہ سے تین ماہ چھٹی رہی، سفر سے واپس تشریف لاکر کتابیں ختم کرائیں اور ترمذی ثانی کا سبق عصر کے بعد ہوتا تھا۔

دار العلوم دیوبند میں درسِ حدیث مکمل کرنے کے بعد دوبارہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے، والد محترم، اپنی خواہش اور حضرت شیخ الحدیث مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی اجازت سے دوبارہ حدیث کی کتابیں پڑھیں، اس سے حضرت مفتی صاحب کا حدیث کے ساتھ شوق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ایک مرتبہ حدیث کی کتابیں پڑھنے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ مکرر حدیث کی کتابیں پڑھ لیں۔

بیعت

بازارِ عشق و شوق و محبت کے جان فروش
لپکیں کہ چل چلاؤ ہے دنیائے دون کا
سیکھیں طریقِ وصل ولقائے خدائے پاک
دل بیچ کر خرید لیں سودا جنون کا

اللہ جل جلالہ عم نوالہ نے اپنے عشق و محبت کی چنگاری بچپن سے آپ کے قلب مبارک پر رکھی تھی، خاندان اور گنگوہ کے عشق و محبت کے نورانی ماحول نے اس کو اور زیادہ روشن کیا تھا، علومِ نبوت کی تحصیل نے تو اس شرابِ محبت کو مزید دو آتشہ بنادیا تھا جس کی بناء پر عشق و محبت کی حرارت رگ و پے میں سرایت کرتی اور پھیلتی جارہی تھی اور قدرت نے بھی ولایت کا مقام آپ کے مقدر میں لکھا تھا اور وقت کا ولی کامل اور شیخ ہونا آپ کے لئے مقدر فرمایا تھا اور سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ بغیر شیخِ کامل اور رہبر صادق کی صحبت اور رہنمائی کے یہ گراں مایہ دولت میسر نہیں آتی جس طرح دنیا کے دیگر فنون بھی استاد کی صحبت و رہنمائی کے بغیر عموماً حاصل نہیں ہوتے، اس لئے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے قلب مبارک میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ وہ کسی شیخ کامل کے مبارک ہاتھ میں ہاتھ دے کر، اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر کے مقصودِ زندگی حاصل کریں۔

انتخابِ شیخ

چنانچہ اس وقت مشائخ کاملین حکیم الامت، اشرف العلماء، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب، شیخ الاسلام وشیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری، بانی تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب محدث سہارنپوری رحمہم اللہ تعالیٰ موجود تھے اور سب کی خانقاہیں آباد تھیں۔

مگر اس کے باوجود حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے بوجوہِ مختلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کا انتخاب فرمایا، حالانکہ حضرت شیخ الحدیث ان سب اکابر میں سے کم عمر تھے اور شہرت بھی اس وقت اتنی زیادہ نہ تھی مگر:

همه شهر پُر زِخوبان منم وخیال ماہے
چہ کنم کہ چشم خودبیں نکند بکس نگاہے

بیعت کی درخواست اور حضرت شیخ کا امتحان

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے بیعت کی درخواست کی، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے حضرت مدنی قدس سرہ سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا، حضرت مفتی صاحب نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی جانب اپنے طبعی میلان کا ذکر کیا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے استخارہ مسنونہ کا حکم فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر استخارہ کے ذریعہ بھی شرح صدر نہ ہو تو دہلی، رائے پور اور سہارنپور کا سفر کریں اور ہر ایک کی مجلس میں بیٹھیں، پھر جس کی طرف رجحان اور میلان ہو ان سے بیعت ہو جائیں۔

غرضیکہ کئی ماہ تک حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے بیعت نہیں فرمایا، اسی طرح ٹالتے رہے اور طلبِ صادق کا امتحان فرماتے رہے، آخر جب طلب صادق کا یقین ہو گیا تب بیعت فرمایا۔

پھر حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی بیعت کوئی رسمی بیعت نہیں تھی، بلکہ وہ ایک حقیقی بیعت تھی کہ انہوں نے مکمل طور پر اپنے آپ کو حضرت شیخ کے حوالہ اور سپرد فرمایا، ہر کلی وجزئی کام میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے مشورہ کو ضروری جانا، اور حضرت کی مرضی ومنشاء کی کبھی مخالفت نہیں کی اور یوں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اس شعر کا مصداق ہو گئے:

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم وبیش را

شیخ کے ساتھ ربطِ قلب اور محبت وتعظیم کے ساتھ تھوڑے عمل پر بھی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے وہ کچھ عطاء ہوتا ہے جو بڑے مجاہدات پر بھی میسر آنا مشکل ہوتا ہے۔حضرت والا قدس سرہ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے ساتھ دلی ربط ومحبت اور قلبی تعلق قائم کرنے کے ساتھ ساتھ مجاہدات بھی اتنے کئے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے اسی بناء پر حق تعالیٰ شانہ نے جس قرب واختصاص اور انوار وکیفیات سے نوازا ان کے ثمرات واثرات روز روشن کی طرح ظاہر وباہر ہیں۔

اجازت وخلافت

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ فراغت اور مظاہر علوم میں قیام کے چند سال بعد ہی اجازت وخلافت سے سرفراز کردیئے گئے،حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ علاج ومعالجہ کی غرض سے سہارنپور میں قیام پذیر تھے، ان کی عیادت کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

اجازت وخلافت ملنے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ گنگوہ میں ایک عورت تھی جو اوراد ووظائف کی بہت پابند تھی،اس کے پیر کا انتقال ہوا،اس نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی،حضرت نے بیعت سے انکار فرمایا اور یہ خیال کیا کہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ جب گنگوہ تشریف لائیں گے ان سے بیعت کرادوں گا،حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے سفرِ گنگوہ کے بارے میں حضرت شیخ قدس سرہ سے دریافت کیا اور بتایا کہ گنگوہ میں ایک عورت ہے، بیعت ہونا چاہتی ہے اس کو بیعت کرانا ہے،اس پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے حضرت والا کو اس کو بیعت کرنے کا حکم فرمایا اور اجازتِ بیعت مرحمت فرمائی۔

تدریس وافتاء اور مظاہر علوم میں تقرری

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا تقرر ۱۳۵۱ھ میں مظاہر علوم میں معینِ مفتی کی حیثیت سے دس روپیہ ماہوار مشاہرہ پر ہوا۔تقرری اس طرح ہوئی کہ مفتی اعظم مظاہر علوم مفتی سعید احمد صاحب قدس سرہ حج کے لئے تشریف لے گئے اور معین مفتی حضرت مولانا ضیاء احمد صاحب گنگوہی طویل رخصت لے کر حیدرآباد تشریف لے گئے، دار الافتاء خالی رہ گیا، اربابِ مظاہر علوم کو بڑی فکر ہوئی کہ مظاہر علوم جیسی مرکزی اور عالمی جگہ، جس کے

دارالافتاء سے مختلف ممالک اور اندرونِ ملک ہر جانب سے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے رجوع کرتے ہیں، بعض پیچیدہ اور مشکل مسائل میں مفتیانِ کرام بھی اس مرکز علمی سے رجوع تشفی چاہتے ہیں، یہ بہت بڑا منصب اور بڑی ذمہ داری ہے، اس منصب کے لئے ہر عالم یا ہر مفتی کا تقرر مناسب نہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب قدس سرہ ناظم مظاہر علوم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ محدث مظاہر علوم نے باہمی مشورہ سے از خود ہی حضرت قدس سرہ کو منتخب فرمایا اور پھر خود ہی اربابِ شوریٰ سے اس کی منظوری بھی حاصل کر لی، جبکہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اس مکمل کارروائی سے بے خبر تھے اور حضرت مفتی صاحب اس وقت حضرت مولانا عبد الرحمٰن کیمل پوری سے عقود رسم المفتی پڑھ رہے تھے اور فتویٰ نویسی کی تمرین بھی جاری تھی۔

تقرری کے بعد حضرت مولانا سعید احمد صاحب قدس سرہ کی حج سے واپسی تک تمام خطوط کے جوابات حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے اور پھر حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب کو دکھایا کرتے، حضرت ناظم صاحب تصحیح فرماتے، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کو بھی بعض خطوط کے جوابات دکھاتے، اصلاح کی ضرورت شاذ ونادر پیش آتی جبکہ فتاویٰ کے ساتھ دیگر علمی مسائل بھی انجام دیتے۔

فتاویٰ سنانے میں ایک خاص معمول

حضرت مفتی صاحب تمام سوالات کے جوابات جامع المنقول والمعقول حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب قدس سرہ کو دکھاتے اور بالاستیعاب سنایا کرتے۔ حضرت ناظم صاحب کے اَسفار بہت ہوتے تھے، اس لئے حضرت ناظم صاحب اسٹیشن تک پہنچنے کے لئے تانگہ میں بیٹھتے تو حضرت مفتی صاحب کو بھی اپنے ہمراہ لے جاتے اور تانگہ میں بیٹھتے ہی فتاویٰ سنانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا، اسٹیشن تک یہ سلسلہ جاری رہتا اور اگر گاڑی آنے میں کچھ دیر ہوتی تو گاڑی کے آنے تک یہ سلسلہ جاری رہتا، اس کے بعد حضرت ناظم صاحب سفر میں تشریف لے جاتے اور حضرت مفتی صاحب واپس مظاہر علوم تشریف لاتے۔

بے مثال تواضع وکسر نفسی

حضرت مفتی قدس سرہ کا تقرر ''معین مفتی'' کی حیثیت سے کیا گیا تھا، دوسرے سال ہی آپ کو نائب

مفتی تجویز کیا گیا اور تقریباً بیس برس مظاہر علوم میں قیام رہا، اس پوری مدت میں تفقہ ومہارت کے باوجود اپنے آپ کو معین مفتی لکھتے رہے، اپنے آپ کو مفتی تو درکنار کبھی نائب مفتی بھی لکھنا گوارہ نہ کیا، حالانکہ حضرت نے بے شمار فتاویٰ لکھے، جن میں بعض فتاویٰ مستقل رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں (۱)۔

شدتِ علالت کی بناء پر مظاہر علوم سے استعفیٰ

مظاہر علوم سہانپور کے زمانہ قیام میں آپ کو مختلف عوارض نزلہ، زکام، دردسر اور بخار کا عارضہ لاحق ہوا، ہچکیوں کی بھی تکلیف ہوئی، یہ کیفیت کم وبیش چھ ماہ رہی، اطباء اور معالجین کی رائے تھی کہ مرض پر قابو پانے کے لئے تبدیلیٔ آب وہوا ضروری ہے اس لئے آپ عارضی رخصت لے کر اپنے وطن گنگوہ تشریف لے گئے، رجب شعبان اور رمضان ۱۳۷۱ھ وطن میں گزار کر واپس تشریف لائے، کچھ عرصہ بعد پھر مرض کی شروعات ہوئی تو اپنے معالجین کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سہارنپور کا قیام بادلِ ناخواستہ ترک کیا، اس موقع پر آپ نے تحریر حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ناظم مدرسہ کو ارسال فرمائی۔

بہرحال بمجبوری استعفاء منظور کیا گیا اور حضرت والا قدس سرہ تبدیلیٔ آب وہوا کے لئے گنگوہ تشریف لے گئے اور پھر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حسبِ منشا رائے پور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں ایک عرصہ قیام رہا، اس کے بعد پھر گنگوہ تشریف لے آئے۔ گنگوہ کے قیام کے دوران مختلف علمی ودینی اداروں کی جانب سے حضرت والا کو اپنے یہاں آنے کی دعوت اور پیش کش ملتی رہی، اس موقع پر بھی حضرت والا برابر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے صلاح ومشورہ اور مسلسل استصوابِ رائے فرماتے رہے۔

مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں قیام

بارہ جمادی الثانیہ ۱۳۷۲ھ میں بمشورۂ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ بغرض تبدیلیٔ آب وہوا ہردوئی تشریف لے گئے، وہاں حضرت شاہ ابرار الحق صاحب زید مجدہم کو ایک طویل سفر درپیش تھا۔ حضرت مولانا زید مجدہم نے

---

(۱) دیکھئے: (کتاب الإیمان والعقائد، مایتعلق بالمودودیة، جماعت اسلامی اورتنقید) اور (باب البدعات، والرسوم، میں میلاد اورسیرت کی محافل کا بیان، قیامِ میلاد، میلاد مفصل) اور (کتاب الصلوٰة، باب الجمعة، جمعه فی القریٰ) کہ تمام مفصل رسائل ہیں۔

اس موقع کو غنیمت سمجھا، اس لئے اپنے متعلقین سے فرما گئے کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو کسی طرح روک لینا جانے نہ دینا، چنانچہ وہاں کے حضرات نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے قیام پر اصرار فرمایا جس کو حضرت نے منظور فرمالیا۔ وہاں کے قیام کے دوران ہدایہ وغیرہ کا درس بھی دیا، طلبہ کی تعلیمی وتربیتی نگرانی بھی فرمائی، عوام وخواص کے افادہ کے لئے عشاء کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ بھی شروع فرمایا جس میں مشکوٰۃ شریف سے کوئی حدیث پڑھ کر سناتے اس کی تشریح فرماتے اور ایک روز تمام اہلِ بستی کے لئے مقرر فرمایا، بستی کی ایک مسجد میں شنبہ کے روز بعد عشاء قرآن پاک کی تفسیر بیان فرماتے جس میں اہلِ بستی ذوق وشوق سے جمع ہوتے اور دامنِ مراد بھرتے۔

پونہ میں قیام

اواخر شوال میں تبدیلیٔ آب وہوا کی غرض سے پونہ تشریف لے گئے، حضرت والا کے کوئی اہلِ تعلق اپنے یہاں لے گئے، انھوں نے وہاں حضرت والا کو روکنے کے لئے ایک دارالعلوم قائم کرنے کا ارادہ کیا مگر اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوسکی اور عربی کی اونچی کتابوں کا بندوبست نہ ہوسکا جس کی وجہ سے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے وہاں کے قیام کو پسند نہیں فرمایا۔ گو وہاں حضرت والا قدس سرہ کے ذریعہ کچھ اصلاحات ہوئیں اور بہت سی غیر اسلامی رسومات وبدعات ان کی زندگیوں سے نکل گئیں۔ ادھر بمبئی بھی کسی ادارہ کی طرف سے حضرت والا کے لئے اصرار رہا تھا، حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے بمبئی کو ترجیح دی۔

جامع العلوم کانپور کیلئے حضرت فقیہ الامت کا انتخاب

مدرسہ جامع العلوم محلّہ پٹکا پور کان پور میں حکیم الامت، اشرف العلماء، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا چودہ برس قیام رہا، جس کی وجہ سے مدرسہ جامع العلوم کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تھی اور دور دراز سے طلبہ کھنچ کھنچ کر آنے لگے اور پورے علاقہ میں مواعظ کے ذریعہ بہت کچھ اصلاحات ہوئیں، بدعات ختم ہوئیں، سنتیں زندہ ہوئیں، ہزاروں بندگانِ خدا نے معاصی سے توبہ کی، طاعات پر کمربستہ ہوئے۔

حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہ کو اللہ پاک نے عجیب وغریب مقبولیت ومحبوبیت سے نوازا تھا، کانپور

کے پورے علاقہ میں آپ کی بڑی مقبولیت ومحبوبیت تھی جس کی وجہ سے عمومی طور پر دینی معاملات میں آپ کی طرف ہی رجوع کیا جاتا تھا۔غرض کہ ایک بڑی مخلوق حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے فیوض سے فیضیاب ومستفیض ہوئی اور پورے علاقہ میں دین کی ایک لہر دوڑ گئی مگر چودہ برس تک اس علاقہ کو سیراب فرمانے کے بعد جب حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے کانپور کا قیام ترک فرما کر تھانہ بھون مستقل سکونت اختیار فرمائی اور وہاں اپنی جگہ اپنے شاگردِ خاص مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی کو مقرر فرمایا تو مولانا موصوف نے بڑی محنت وجانفشانی سے کام کیا اور مدرسہ کو سنبھالے رکھا مگر موصوف کے بعد ان شعبوں میں اضمحلال شروع ہوگیا اور دن بدن کمزوری آنے لگی۔

ذمہ داران جامع العلوم کو اس کا احساس ہوا کہ مدرسہ دوبارہ ترقی کرے، اہلیانِ شہر وعلاقہ کے اربابِ فکر کو شہر وعلاقہ کی فکر ہوئی اور ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی جامع شخصیت ہو جو حکیم الامتؒ کی قائم مقامی کے فرائض انجام دے سکے، اربابِ بصیرت کی نظر فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ پر پڑی، چوں کہ وہ حضرت قدس سرہ کی خداداد صفات وکمالات اور صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے کہ حضرت قدس سرہ اعلیٰ علمی استعداد اور تفقہ وافتاء میں اعلیٰ مہارت کے ساتھ ساتھ ان ابھرنے اور جنم لینے والے بیسیوں فتنوں کی سرکوبی کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے ہیں۔مظاہر علوم کے حضرات سرپرستان سے درخواست کی گئی کہ حضرت قدس سرہ کو کانپور جامع العلوم میں بحیثیتِ صدر مدرس منتخب فرما کر بھیج دیا جائے اور مدرسہ کو ضائع ہونے سے بچالیا جائے۔مدرسہ اور علاقہ کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر درخواست قبول کر لی گئی اور حضرت قدس سرہ کی کانپور تشریف بری تجویز کردی گئی، چوں کہ سہارنپور کی آب وہوا موافق نہ ہونے کی بناء پر حضرت والا بعض شدید امراض میں مبتلا ہو گئے تھے اس لئے تبدیلی آب وہوا کی بھی ضرورت تھی اسی بناء پر بعض دوسری جگہوں پر بھی جانا ہوا۔

حضرات سرپرستان کی تجویز پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے اور جامع العلوم کی بحالی ودرستگی اور ترقی میں ہمہ تن مصروف اور شہر وعلاقہ کی اصلاحی تدابیر اور کوششوں میں مشغول ہوگئے۔

جامع العلوم کانپور کے لئے اصلاحی مساعی

حضرت والا قدس سرہ جامع العلوم کانپور، ربیع الاول ۱۳۷۳ھ میں تشریف لے گئے اس وقت مدرسہ جامع العلوم کس مپرسی کی حالت میں تھا، اساتذہ بھی بعض رہ گئے تھے، کتب خانہ بھی غیر مرتب، گویا کچھ کتابوں کا

ڈھیر بعض بوریوں میں اور بعض صندوقوں میں بند، بعض اسی طرح کباڑہ کی طرح بکھری ہوئی، جلدیں ٹوٹی ہوئی، اوراق پھٹے ہوئے جن کا رجسٹر میں باقاعدہ اندراج تک نہ تھا، ادھر مدرسہ کا خزانہ بھی خالی۔ ایسی حالت میں حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ نے جس تندہی و جانفشانی سے رات دن مشغول رہ کر کام کیا اور نہ صرف مدرسہ کی اصلاح ودرستگی فرمائی بلکہ مدرسہ کو ترقی دے کر ممتاز اداروں کی صف میں ممتاز مقام پر لا کھڑا کیا، یہ حضرت قدس سرہ کا بڑا کارنامہ ہے۔

غرض کہ حضرت والا نے کانپور پہنچ کر طلبہ کی تعلیم کا صحیح بندوبست فرمایا، طلبہ کو توجہ دلا کر جماعتوں کا باقاعدہ نظام بنایا، اساتذہ کم ہونے کی وجہ سے چودہ چودہ اسباق ایک دن میں پڑھاتے، اس کے علاوہ آئے ہوئے فتاویٰ کے جوابات تحریر فرماتے، طلبہ کی ضروریات کی اکثر خود ہی کفالت فرماتے، طلبہ پر وہ شفقت فرماتے جس کی وجہ سے کچھ ہی عرصہ میں طلبہ کی چہل پہل رہنے لگی اور ذی استعداد طلبہ دور دراز سے جمع ہونے لگے حتی کہ طلبہ حضرت قدس سرہ کی وجہ سے بعض بڑے مدارس کو چھوڑ کر مدرسہ جامع العلوم حاضری کی کوشش کرتے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پوری قدس سرہ مفتی مظاہر علوم نے جامع العلوم حاضر ہوکر ہی فتویٰ نویسی کی حضرت قدس سرہ سے مشق کی اور اس سے متعلق اور دیگر کتب حمد اللہ، صدرا، توضیح تلویح وغیرہ پڑھیں۔ مولانا مفتی منظور احمد صاحب قدس سرہ مفتی وقاضی شہر کانپور اور مولانا مفتی نصیر صاحب زید مجدہم مفتی جامع العلوم، مولانا ظہیر الاسلام صاحب ہردوئی زید مجدہم نے بھی جامع العلوم میں ہی حضرت قدس سرہ سے فتویٰ نویسی کی مشق کی اور کتنے حضرات نے کسبِ فیض کیا اور جید علماء بنے۔ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب زید مجدہم داماد حضرت شیخ الحدیث نور اللہ تعالیٰ مرقدہ واستاذ حدیث مظاہر علوم سہارنپور نے جو اس وقت مظاہر علوم سہارنپور میں طالب علم تھے، مظاہر علوم چھوڑ کر جامع العلوم کانپور حاضر ہوکر حضرت - رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً - سے مشکوٰۃ شریف پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند نہ فرمایا کہ مظاہر علوم چھوڑ کر کانپور حاضر ہوں۔

جامع العلوم کانپور سے مظاہر علوم سہارنپور واپسی کی تجویز

مظاہر علوم کے بعض اساتذۂ حدیث کے سانحۂ ارتحال کی بناء پر ضرورت ہوئی کسی کہنہ مشق تجربہ کار استاذ حدیث کی جو مظاہر علوم جیسی علمی وروحانی درس گاہ کے شایانِ شان بھی ہو۔ حضرات سرپرستان مظاہر علوم حضرت

مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا حکیم محمد ایوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مراقدہم کی نظریں حضرت والا قدس سرہ پر گئیں۔

دار الافتاء دار العلوم دیو بند کیلئے تقرر وانتخاب

اکابر مظاہر علوم کی طرف سے مظاہر علوم بلانے کے لئے برابر اصرار ہو رہا تھا اور حضرت مولانا امیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی شدید علالت اور پھر وفات پر یہ اصرار وتقاضا اور زیادہ بڑھ گیا کہ مرکز العلوم دار العلوم دیو بند کے دار الافتاء کیلئے حضرت والا قدس سرہ کی شدید ضرورت محسوس کی گئی اور صورتِ حال بھی ایسی پیش آئی کہ مولانا قاضی مسعود احمد صاحب کی وفات ہوگئی، مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تقریباً لکھنے پڑھنے سے معذور ہوگئے، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی پیرانہ سالی اور انتہائی ضعف اور پھر فالج کے حملہ سے تقریباً معذور ہی ہو چکے تھے۔

دار العلوم کے لئے ضروری ہوا کہ کسی تجربہ کار و پختہ کار کثیر المطالعہ، صائب الرائے وصاحب البصیرت ایسی عظیم شخصیت کو (جس کو حدیث وتفسیر میں کمالِ درک کے ساتھ فقہ میں امتیازی مقام حاصل ہو) دار العلوم میں بلایا جائے اور دار الافتاء کی مسند کو اس کے ذریعہ زینت بخشی جائے۔ اکابر دار العلوم نے دور نزدیک سب پر نظر ڈالی مگر کہیں یہ صفات نظر نہ آئیں، اس لئے سب کی نظریں حضرت والا قدس سرہ پر پڑیں، اور دار الافتاء دار العلوم کے لئے حضرت والا قدس سرہ کی تشریف آوری کو ضروری سمجھا۔ حضرت والا قدس سرہ چوں کہ جامع العلوم کانپور میں افتاء ودرسِ حدیث اور رشد وہدایت، دعوت وتبلیغ اور اس نوع کی بیسیوں خدمات انجام دے رہے تھے مگر ان سب کے مقابلہ میں دار العلوم کے دار الافتاء کی ضرورت کو اہم اور مقدم سمجھا گیا اور ارا کینِ شوریٰ دار العلوم دیو بند نے باتفاقِ رائے حضرت والا قدس سرہ کی دار العلوم میں تشریف آوری کی تجویز پاس کی اور چونکہ جامع العلوم اور اہلِ علاقہ کی ضروریات کی بناء پر حضرت والا قدس سرہ کے لئے اس تجویز کو منظور فرمانا معمولی اور سہل امر نہ تھا، اس لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کو واسطہ بنایا کہ حضرت والا قدس سرہ کے لئے سفارشی خط لکھ دیں۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی خواہش یہ تھی کہ اگر دار العلوم دیو بند میں آمد ہو تو حضرت شیخ نور اللہ

مرقدہ کے حکم پر ہو، چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت نے آپ کو بطور حکم خط تحریر فرمایا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے والا نامہ کے ساتھ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا سفارشی خط حضرت والا قدس سرہ کی خدمت میں پہنچا اور دارالعلوم دیوبند کے بعض اکابر نے کانپور جا کر ملاقات بھی کی، مگر جامع العلوم کانپور اور اہلِ علاقہ میں خدمات وضروریات کے پیشِ نظر وہاں سے تشریف لانے کی صورت میں بظاہر ناقابلِ تلافی نقصان ہونے کے خطرہ کی بناء پر حضرت والا قدس سرہ نے تشریف آوری سے معذرت فرمادی اور تشریف آوری کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حکم پر محمول فرمادیا۔ حضرت والا قدس سرہ کے معذرت نامہ کو لے کر حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا حمید الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں پہنچے اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ پر زور دیا کہ حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کو بطورِ حکم تحریر فرمادیں، چنانچہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنی عادت ومعمول کے برخلاف حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو دیوبند تشریف آوری کے سلسلہ میں حکم نامہ تحریر فرمایا۔

آخر مجبور ہو کر اکابر دارالعلوم کے اصرار اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حکم کی تعمیل میں دارالعلوم میں قیام کا فیصلہ منظور کرنا ہی پڑا، اہلِ کانپور کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو ان کے حزن وملال کی انتہا نہ رہی۔

دارالعلوم دیوبند تشریف آوری

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذاتی فکر ولگن، مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے اجتماعی فیصلے اور دیگر حضرات اکابر کی جد وجہد واہتمام اور پھر سب سے آخر میں حضرت اقدس مخدوم العالم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے ارشاد بلکہ حکم پر بروز جمعرات ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۳/ستمبر ۱۹۶۵ء آپ کی تشریف آوری دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اس موقع پر اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''آج صبح مفتی محمود صاحبؒ کانپور سے دہلی پہنچے، مولوی اسعد صاحب سے ملاقات کے بعد رات کو دیوبند پہنچے، بدھ کی صبح کو مہتمم صاحب، علامہ ابراہیم صاحب وغیرہ حضرات سے ملاقات ہوئی، سب نے بہت زیادہ اعزاز واکرام کیا، جمعرات کی صبح کو افتاء کا چارج لے لیا''۔

قیام گاہ

ابتداء میں آپ کا قیام مہمان خانہ میں رہا پھر مسجد دارالعلوم سے متصل کمرہ (یہ کمرہ حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسکن بھی رہا) احاطہ مسجد میں رہا، پانچ چھ سال یہاں تشریف فرما رہے۔ یہاں کے قیام میں ایک مرتبہ یہ لطیفہ پیش آیا کہ ایک دن حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اور علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے راستہ میں ملاقات ہوگئی، حضرت مہتمم صاحبؒ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ ''کیا کروں فرصت نہیں ملتی ورنہ جی چاہتا ہے کہ کچھ آپ سے استفادہ کے لئے حاضر ہوا کروں اور علامہ ابراہیم صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت! یہ تو بخیل ہے، آج تک اس نے اپنا کمرہ بھی نہیں دکھایا''، حضرت مفتی صاحب نے جواباً فرمایا کہ ''حضرت میں تو مفلس ہوں جو کچھ میرے پاس ہے وہ حضرت ہی کا عطیہ ہے''، اس پر حضرت مہتمم صاحبؒ نے ہنس کر فرمایا کہ ''میں یہاں تک نہیں پہنچا تھا''۔

دارالعلوم دیوبند میں درسِ بخاری شریف

دارالعلوم دیوبند ایک عالمی دینی درسگاہ ہے وہاں کے درس حدیث بالخصوص درسِ بخاری شریف کی بڑی اہمیت رہی ہے اور اس کے لئے عظیم ترین شخصیتوں کا انتخاب ہوتا رہا ہے۔

حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ کی وفات (بارہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ ۵/دسمبر ۱۹۵۷ء) کے بعد دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ نے صحیح بخاری شریف کے درس کے لئے فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب کیا، آپ نہایت نیک نامی و کامیابی کے ساتھ علمِ حدیث کی اس بلند پایہ کتاب کا درس دیتے رہے۔

وصال سے چار پانچ سال قبل جب ضعفِ طبع اور کمزوری وعلالت حد سے بڑھ گئی تو آپ نے شدت کے ساتھ یہ محسوس کیا کہ درس بخاری کی ذمہ داری کا یہ بوجھ کسی حد تک کم ہو جائے، اس کے لئے آپ کی نگاہِ انتخاب حضرت مفتی صاحب قدس سرہ پر پڑی اور آپ نے محرم الحرام ۱۳۸۷ھ سے حضرت مفتی صاحب پر اصرار شروع کیا اور بخاری شریف جلد ثانی شروع کرادینے کی تاکید فرمائی، متعدد مرتبہ اس مقصد سے حضرت مفتی صاحب کے پاس ان کے کمرے میں تشریف لا کر اصرار بھی فرمایا۔ مفتی صاحب بعض مصالح کی وجہ سے معذرت

اور انکار فرماتے رہے، غرض اصرار اور انکار دونوں چلتے رہے یہاں تک کہ انکار پر اصرار غالب آ گیا اور ۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ (۱۳/ اگست ۱۹۶۸ء) میں آپ کے یہاں باب غزوۃ ذی الخلصہ سے بخاری شریف شروع ہوئی۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے کم وبیش بارہ سال دارالعلوم دیوبند میں بخاری جلد ثانی کا درس دیا، حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کے وصال کے سال بخاری جلد اول بھی مکمل آپ نے کرائی اور ان کے وصال کے بعد حضرت مہتمم صاحب کے پاس تشریف لے جا کر فرمایا کہ ''اب تک حضرت مولانا فخر الدین صاحب کی رعایت اور ان کے حکم پر بخاری شریف پڑھاتا تھا لیکن میں اس کا اہل نہیں، اس لئے معذور ہوں، کوئی دوسرا انتظام فرمالیا جائے''۔

کیفیت درس

حضرت والا کے درس کی تقریر اکابر کے طرز پر بہت مختصر ہوتی تھی مگر انتہائی جامع مانع، نہایت پُر مغز اور خیر الکلام ما قل ودل کا پورا مصداق، درس کے لئے متعلقہ شروح وحواشی کے مطالعہ کا اہتمام فرماتے، چنانچہ فتح الباری، لامع الدراری تو تقریباً بالاستیعاب دیکھتے اور بضرورت دیگر شروحِ بخاری بھی ملاحظہ فرماتے۔ غزوات سے متعلق سیرت ابن ہشام، سیرت النبویہ لسید زینی دحلان وغیرہ کتبِ سیرت کے مطالعہ کا بھی اہتمام تھا، اس زمانہ میں ایسا بھی ہوتا کہ حضرت والا قدس سرہ کے کمرہ پر قفل لگا دیا جاتا جس سے آنے والے سمجھیں کہ حضرت والا یہاں نہیں ہیں اور حضرت والا کمرہ کے اندر مطالعہ میں مشغول ہوتے۔

طلباء درس میں اشکالات کی بھر مار کرتے، مگر حضرت والا نہایت مَتانت اور سنجیدگی سے سب کے جوابات عنایت فرماتے اور اتنے تسلی بخش جواب ہوتے کہ گویا ان اشکالات کا آپ کو پہلے سے علم ہو گیا تھا اس لئے آپ ان کی گویا پوری تیاری کر کے لاتے ہیں، حالانکہ یہ خالص اللہ پاک کی مدد اور نصرتِ خاص تھی کہ طلبہ بہت جوش سے اعتراضات کرتے مگر جوابات سن کر حیران رہ جاتے اور آہستہ آہستہ ان کے قلوب میں بھی حضرت والا کے تبحرِ علمی کی عظمت وعقیدت بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ سوالات کی کثرت اور بوچھاڑ کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

دورانِ درس طلبہ پر عجیب کیفیت طاری رہتی، معلوم ہوتا حق تعالیٰ شانہ اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعشق کو قلوب میں انڈیلا جا رہا ہے جس کی وجہ سے بہت سے خوش نصیب درس ہی کی وجہ سے دولتِ

احسانی سے مالا مال ہوجاتے۔

دارالعلوم سے مظاہر علوم مراجعت

اجلاسِ صد سالہ کے بعد جب اکابر دارالعلوم دیوبند میں اختلاف پیدا ہوا، اور حدودِ آداب سے تجاوز کر کے جب اس نے شدت اختیار کر لی تو حضرت والا قدس سرہ اس سانحہ کے عظیم صدمہ کی تاب نہ لا کر اور فریقین کے اختلاف سے بچنے کی غرض سے بیرونِ ملک تشریف لے گئے، تقریباً سات ماہ مختلف بیرونی ممالک میں قیام رہا، یہ پورا وقت سانحۂ دارالعلوم پر کرب و بے چینی میں گذرا۔ سفر سے واپسی پر بھی فریقین کا باہمی نزاع شباب پر تھا اور مصالحت و مفاہمت کی کوششیں بھی نا کام ہوچکی تھیں، حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے فرمایا کہ ''مفتی جی! کب تک اس طرح پھرتے رہوگے کہیں ایک جگہ بیٹھ کر کام کرو''، مفتی صاحب نے عرض کیا ''کہاں بیٹھوں''؟ ارشاد فرمایا ''یہیں مظاہر علوم میں قیام کرو'' عرض کیا ''بہت اچھا'' اور مظاہر علوم میں رہ کر کام شروع کر دیا اور ہفتہ میں ایک دن ارباب دارالعلوم کے اصرار پر دارالعلوم دیوبند کے لئے تجویز فرما دیا۔

اس طرح ۱۴۰۲ھ میں حضرت اقدس مخدوم العالم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ نے پھر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو مظاہر علوم کے لئے مخصوص و منتخب فرما لیا۔

جامعہ مظاہر علوم میں تشریف آوری

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی خواہش کے احترام اور اراکینِ مجلس شوریٰ کی متفقہ تجویز پر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ جامعہ مظاہر علوم میں تشریف لے آئے، مفتی اعظم کا منصب آپ کے لئے تجویز کیا گیا اور آپ کے لئے علیحدہ سے ایک مستقل قیام گاہ اور مستفیدین اور مسترشدین کے لئے ایک علیحدہ سے خلوت گاہ بنوائی گئی جس کا صرفہ خود حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ادا فرمایا۔

۱۳/ رجب ۱۴۰۲ھ (۷/مئی ۱۹۸۲ء) میں حضرت مفتی صاحب اس جدید قیام گاہ میں رونق افروز ہوئے، جس سے مہمانوں کو بڑا سکون ملا اور حضرت شیخ کی منشاء اور خواہش کے مطابق دارالافتاء کی نگرانی، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ کے تحریر فرمودہ فتاویٰ کی ترتیب و تکمیل اور اس پر نظر ثانی، طالبین کی روحانی تربیت و تعلیم، طلباء کی علمی اور اخلاقی رہنمائی کے ساتھ کتبِ فقہ واصولِ فقہ اور حدیث پاک

کا درس شروع فرمایا، الاشباہ والنظائر، اور حدیث پاک میں نسائی شریف وغیرہ آپ کے زیر درس رہیں، جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا طالبانِ بیعت اور ذکر وفکر کرنے والوں کا حلقہ بھی وسیع ہو رہا تھا اور اس طور پر مظاہر علوم علم نبوت اور نور نبوت کا مرکز بنتے ہوئے اس خلا کو بتدریج پر کر رہا تھا جو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مدینہ منورہ قیام کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔

مظاہر علوم سے دار العلوم مراجعت

یکم شعبان ۱۴۰۲ھ کو شیخ المشائخ قطب عالم حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا وصال ہو گیا اور گویا وہ آہنی حصار اور مضبوط دیوار منہدم ہو گئی جو مظاہر علوم کو اندرونی اور بیرونی بہت سے فتنوں سے محفوظ کئے ہوئے تھی جس کے منہدم ہوتے ہی ایسا عظیم فتنہ (باہمی نزاع واختلاف کی شکل میں) رونما ہوا جس نے دار العلوم کے اختلاف کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ دار العلوم کے سانحہ کا صدمہ ہی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ مظاہر علوم کے اس حادثہ نے اس میں اور اضافہ کر کے حضرت والا قدس سرہ کے مجروح قلب کو اور زیادہ بے چین بنا دیا اور جو چیز دار العلوم سے مظاہر علوم مراجعت کا سبب بنی تھی وہی چیز مظاہر علوم سے دار العلوم تشریف آوری کا ذریعہ بن گئی، چنانچہ ۱۵/ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ ۸/جنوری ۱۹۸۵ء کو حضرت والا دار العلوم تشریف لے گئے اور چند دن قیام فرما کر پھر بیرون ملک کے طویل سفر پر تشریف لے گئے۔ حضرت والا قدس سرہ دار العلوم دیوبند تشریف لے آئے، وہاں دار العلوم کی شوریٰ کا اجلاس ہو رہا تھا، اکابر دار العلوم پہلے سے خواہشمند تھے کہ کسی طرح پھر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ دار العلوم مستقل قیام قبول فرمالیں اور اس کے لئے برابر کوشاں تھے، یہ موقع ان کے لئے غنیمت تھا، چنانچہ ارکانِ شوریٰ دار العلوم دیوبند نے باتفاقِ رائے حضرت والا قدس سرہ کے مستقل دار العلوم میں قیام کی تجویز پاس کی اور شوریٰ کے تمام اراکین قیام گاہ پر تشریف لائے اور سب نے اپنی اس تجویز کے منظور فرمانے پر اصرار کیا۔ حضرت والا قدس سرہ نے بہت معذرت کی، مگر وفد کے متکلم حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جن کی دلداری دیگر وجوہ کے علاوہ استاذزادہ (گویا شاہزادہ) ہونے کی بنا پر زیادہ مقدم تھی، اس لئے دار العلوم میں مستقل قیام منظور فرمالیا گیا۔ اراکین شوریٰ نے یہ چیز بھی منظور فرمالی کہ مظاہر علوم کے حالات درست ہونے پر مظاہر علوم قیام کی اجازت دے دی جائے گی۔

دارالافتاء

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ دارالافتاء عموماً اول وقت پہنچ جاتے اور فتاویٰ کے جوابات تحریر فرماتے، کچھ دیر کے لئے حضرت مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہم کے پاس ان کی مسند پر تشریف لیجاتے اور کسی فتویٰ سے متعلق گفتگو فرماتے، حضرت مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہم بھی اپنا تحریر فرمودہ فتویٰ پیش فرماتے اور حضرت کچھ دیر گفتگو فرما کر اپنی مسند پر تشریف لے آتے اور کام میں مشغول ہوجاتے۔ جن طلبہ کی تمرین حضرت سے متعلق ہوتی وہ اپنی اپنی کاپیاں لے کر اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ دکھانے کے لئے جمع ہوجاتے، سب کو بغور ملاحظہ فرماتے اور مناسب اصلاح فرماتے اور کسی کو کسی کتاب کی رہنمائی فرماتے کہ اس کو فلاں کتاب میں دیکھو، اس کو فلاں کتاب میں دیکھو، کبھی خود کتاب کھول کر بتاتے: ''دیکھو یہ مسئلہ یہاں ہے اس پر یہ بحث کی گئی ہے''۔ درمیان درمیان کوئی تفریحی جملہ بھی ارشاد فرمادیتے، کبھی کوئی شعر سنا دیتے، جس سے سب طلبہ کھل پڑتے، بعض دفعہ ہنسی کو قابو نہ رکھ پاتے، کوئی طالب علم سخت غلطی کرتا، اس پر تنبیہ بھی فرماتے، غصہ کا اظہار بھی فرماتے، گو اس کی نوبت بہت کم آتی ورنہ عموماً اصلاح بھی تفریحی جملوں کے ذریعہ ہی ہوتی۔

طرزِ درس اور طلبہ سے بے تکلفی

تمرینِ افتاء کے طلبہ کی عموماً دو کتابیں ''شرح عقود رسم المفتی'' اور ''الاشباہ والنظائر'' حضرت کے یہاں ہوتیں، ابتداءً تو ان کتابوں کا درس دارالافتاء ہی میں ہوتا تھا، بعد میں طلبہ کی کثرت کی وجہ سے حضرت کے کمرہ میں ہوتا تھا۔

حضرت والا مدرسہ کے اخیر وقت تک بلکہ کچھ بعد تک دارالافتاء میں رہتے مگر جب کمرہ میں درس تجویز ہوگیا، درس کے لئے کمرہ میں تشریف لے آتے۔

حضرت والا کے یہاں تقریر بہت مختصر ہوتی، کتاب کو اصل عبارت سے حل کرنے کا ہی معمول تھا، اس میں کبھی کچھ کمی نہ کی جاتی، کتاب کی مناسبت سے واقعات ولطائف بھی سنائے جاتے اور حسب موقع کبھی اشعار بھی سناتے جس سے سب طلبہ باغ وبہار ہوجاتے۔

افتاء وتفقہ

اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿یؤتی الحکمة من یشاء، ومن یؤتی الحکمة فقد أوتی خیراً کثیراً، وما یذکر إلا أولو الألباب﴾ (۱)۔

''دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور جس کو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں''۔(بیان القرآن)۔

اللہ پاک جس بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو فقیہ فی الدین بناتے ہیں، یعنی اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: ''من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین''.(۲)۔

''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو فقیہ فی الدین بناتے ہیں'' (اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں)

فقیہ فی الدین کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''فقیه واحد أشد علی الشیطان من ألف عابد''. (مشکوٰۃ شریف، ص: ۳٤)(۳)۔

''ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے''۔

نیز ارشاد فرمایا:

''نعم الرجل الفقیه فی الدین، إن احتیج إلیه نفع، وإن استغنی عنه أغنی نفسه''. رواه رزین''. (مشکوٰۃ شریف، ص: ۳٦)(٤)۔

''بہترین مرد ہے فقیہ فی الدین کہ اگر اس کی طرف ضرورت لائی جائے نفع پہنچائے اور اگر اس سے

---

(۱) (البقرة: ۲۶۹)

(۲) (مشکوٰة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الأول، ص: ۳۲، قدیمی)

(ورواه البخاری فی صحیحه فی کتاب العلم، باب من یرد الله به خیراً اهـ: ۱/۱٦، قدیمی)

(والترمذی فی أبواب العلم، باب إذا أراد الله بعبد خیراً اهـ: ۲/۹۳، سعید)

(۳) (مشکوٰة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، ص: ۳۴، قدیمی)

(وأخرجه الترمذی فی أبواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة: ۲/۹۷، سعید)

(۴) (مشکوٰة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث، ص: ۳٦)

بے پرواہی کی جائے اپنے آپ کو مستغنی بنالے"۔

جو حضرات تفقہ فی الدین حاصل کرتے ہیں ان کی فضیلت بیان فرمائی اور ان کے ساتھ خیر کا سلوک کرنے کی وصیت وتاکید فرمائی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إن الناس لکم تبعٌ، وإن رجالًا یأتونکم من أقطار الأرض یتفقهون فی الدین، فإذا أتوکم فاستوصوا بهم خیراً". رواه الترمذی". (مشکوٰة شریف، ص: ۳٤)(۱)۔

ترجمہ: "بیشک لوگ تمہارے تابع ہوں گے اور بیشک کچھ لوگ تمہارے پاس روئے زمین کے مختلف اطراف سے آئیں گے جو تفقہ فی الدین حاصل کریں گے، پس جب وہ تمہارے پاس آئیں ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنے کی وصیت قبول کرو"۔

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا کو تفقہ فی الدین میں وہ عظیم مقام عطا فرمایا جو لاکھوں کروڑوں علماء میں کسی خوش نصیب کو عطا ہوتا ہے، علومِ درسیہ کی تکمیل اور فراغت کے بعد سے اخیر تک زندگی کا تمام وقت درس وتدریس اور دیگر دینی خدمات کے ساتھ تفقہ فی الدین اور فتویٰ نویسی میں ہی بسر ہوا۔

بصیرت وتیقظ اور فقہی مسائل کی تحقیق وتدقیق میں کمالِ درک، مطالعہ کی کثرت ووسعت اور گہرائی وگیرائی، علوم کا استحضار رسوخ فی العلم ورسوخ فی الدین، کتاب وسنت، فقہ واصولِ فقہ میں اختصاصی مہارت، اس کے ساتھ طبعِ سلیم، فہمِ مستقیم، فطرتِ صحیحہ، پھر قدیم وجدید علمی ذخیرہ پر اطلاع وواقفیت کے ساتھ اہلِ زمانہ کی طبائع سے بھی واقفیت، عرف سے بھی باخبری کو فقہاء نے بڑی اہمیت دی ہے (۲) نیز تیسیر کے حدود کی نگہداشت

---

(۱) (مشکوٰة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، ص: ۳۴، قدیمی)

(ورواه الترمذی فی أبواب العلم، باب ماجاء فی الإستیصاء بمن یطلب العلم: ۲/۹۳، سعید)

(۲) قال العلامة ابن عابدینؒ: " فللمفتی اتباع عرفه الحادث، وکذا فی الأحکام التی بناها المجتهد علی ما کان فی عرف زمانه ..... لکن بعد أن یکون المفتی ممن یکون له رأیٌ ونظرٌ صحیح ومعرفةٌ بقواعد الشرع ..... وهذا صریح فیما قلنا من أن المفتی لا یفتی بخلاف عرف أهل زمانه، ویقرب منه مانقله فی الأشباه عن البزازیة من أن المفتی یفتی بما یقع عنده من المصلحة ..... والتحقیق أن المفتی فی الوقائع لا بدله من ضرب اجتهاد، ومعرفته بأحوال الناس ..... فینظر إلی صاحب الواقعة ..... قلت: یعمل بمثل ما عملوا من اعتبار تغیرات العرف وأحوال الناس، وما هو الأرفق بالناس، وما ظهر علیه التعامل وما =

اور عموم بلویٰ کی صحیح تعریف اور اس کے لحاظ سے فقہی شرائط سے آگاہی اہلِ زمانہ کے عقود ومعاملات اور تعلقات کی نوعیت، نوایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت تغیراتِ زمانہ اور ان کے شرعی احکام سے واقفیت اور ان کے لحاظ سے حدود سے آگاہی، مقاصدِ شریعت اور حکمتِ تشریع کا علم جو استنباط مسائل کی روح اور قیاس واستحسان اور مصالحِ مرسلہ کی نگہبان وپاسبان ہے اور اس پر جذبۂ خدمتِ خلق اور کمالِ اخلاص وللّٰہیت، صلاح وتقویٰ، امانت ودیانت وہ آپ کا وصفِ ممتاز اور موہوبِ خداوندی ہے، جس نے آپ کو تمام اَقران وامثال میں ممتاز ومخصوص مقام پر لا کھڑا کیا۔

ہندوستان کے اسلامی علوم وفنون کے دو عظیم مرکز: دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور ہر دو کے دار الافتاء کے مفتیٔ اعظم ہوئے اور دیگر متعدد مدارس کے دارالافتاؤں کی سرپرستی اور مکمل رہبری ورہنمائی کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے مفتیانِ کرام تیار ہوئے اور انھوں نے اپنے اپنے مقام پر پہلے سے قائم شدہ دارالافتاؤں کو سنبھالا، یا نئے قائم کئے اور فتویٰ نویسی کے ذریعہ اشاعتِ دین اور مخلوق کی رہبری وہدایت میں مشغول ومصروف ہوئے کہ آج دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، شاہی مرادآباد، مدرسہ تعلیم الدین، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، جامعہ رحمانیہ، ہتھورہ ضلع باندہ اور دیگر ملکی اور بہت سے غیر ملکی اداروں کے دارالافتاء کی مسند کو زینت دینے والے اکثر حضرت والا کے تربیت یافتہ اور تلامیذ ہی ہیں۔

فتاویٰ پر اکابر کا اعتماد

حضرت والا قدس سرہ کے فتاویٰ پر اکابر کو اعتماد ابتدا ہی سے رہا، اسی کمالِ اعتماد کی بناء پر اکابر مظاہر علوم سہارنپور: حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانیٔ تبلیغ، حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم نور اللہ مراقدہم نے فتویٰ نویسی کے عظیم منصب پر مظاہر علوم میں تقرر فرمایا، اور جامع العلوم کانپور تشریف بری کے بعد یہ تمام اکابر مظاہر علوم واپسی کے لئے برابر کوشاں اور ساعی رہے اور اسی کمالِ اعتماد کی بناء پر مرکز العلوم دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی

= قوی بوجهه ...... اهـ". (شرح عقود رسم المفتی، تحت قوله: قال فی المستصفی: العرف والعادة اهـ، ص: ۷۹، میر محمد کتب خانه)

صدارت اور مفتی اعظم کے عظیم منصب کے لئے اکابرِ دارالعلوم دیوبند: حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند نوراللہ مراقدہم اور دیگر اکابر شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے تقرر فرمایا اور انتہائی کوشش کے بعد جامع العلوم کانپور سے دارالعلوم دیوبند بلالیا گیا۔ دیگر مفتیانِ کرام کی آراء اگر کسی مسئلہ میں مختلف ہوتیں تو حضرت والا کی رائے اور تحقیق ہی عام طور پر آخری رائے اور فیصلہ کن اور قابلِ اعتماد سمجھی جاتی۔ قطبِ عالم حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کو خود ذاتی طور پر کسی مسئلہ میں تحقیق کی ضرورت پیش آتی تو حضرت والا قدس سرہ کی طرف ہی رجوع فرماتے اور حضرت کے فتویٰ پر ہی کامل اعتماد فرماتے۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں - زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً - قیام کے دوران حضرت مولانا قاری محمد عباس بخاری نوراللہ مرقدہ نے گھوڑے کا گوشت حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں بھیجا، حاضرینِ مجلس میں باہم چہ میگوئیاں اس کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں ہوئیں، حضرت شیخ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے دریافت فرمایا، حضرت نے جواب دیا، جائز ہے، حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے فرمایا: ''بھئی! مجھ کو تو میرے مفتی نے فتویٰ دے دیا، میں تو کھاؤں گا، جس کا جی چاہے کھائے، جس کا جی چاہے نہ کھائے''۔

حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کی تدفین اور ہندوستان جنازہ کی منتقلی کے سلسلہ میں ہندوپاک کے علماء ومفتیانِ کرام میں سخت اختلاف ہوا، حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ سے بھی دریافت کیا گیا، بلکہ بہت سے حضرات نے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی رائے پر ہی فیصلہ موقوف کردیا، حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو کانپور پوری تفصیل لکھ کر فتویٰ طلب کیا اور پھر اسی فتویٰ کو اپنی رائے قرار دے کر لکھ کر بھیج دیا اور اسی کے مطابق عمل درآمد کیا گیا۔

اس نوع کا سوال بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کو رنگون سے دہلی لال قلعہ میں منتقل کرنے کا پیش آیا، بعض اربابِ حکومت اس میں کافی شدت پر تھے۔ جنرل شاہنواز نے اس سلسلہ میں استفتاء مولانا محمد میاں صاحبؒ ناظم جمعیۃ العلمائے ہند کی خدمت میں بھیجا، انہوں نے حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ سے استفسار کیا، حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے استفتاء مع مکتوب حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے اس کا تحقیقی جواب تحریر فرمایا جس کو ان سب اکابر نے تسلیم کیا اور اسی

کے مطابق عمل کیا گیا کہ بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کو منتقل کرنے کا ارادہ ختم کر دیا گیا، اس موقع پر حضرت مفتی صاحب نے جو جواب تحریر فرمایا وہ مندرجہ ذیل ہے:

الجواب حامداً ومصلياً:

''اصل یہ ہے کہ آدمی کا جس بستی میں انتقال ہوا اس بستی میں اس کو دفن کیا جاوے، اگر اس نے وصیت کی ہو کہ مجھ کو فلاں جگہ دفن کرنا تو اس وصیت پر عمل لازم نہیں، شرعاً یہ وصیت باطل ہے:

"يندب دفنه في جهة موته: أي في مقابر أهل المكان الذي مات فيه أو قُتِل اه". (شامی)۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انتقال کے بعد دوسرے مقام پر لے جا کر دفن کیا گیا، جہاں انتقال ہوا وہاں دفن نہیں کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سفر میں جاتے ہوئے جب ان کی قبر پر گزریں تو فرمانے لگیں کہ ''اگر میرا بس چلتا تو تم یہاں دفن نہ کئے جاتے، بلکہ جہاں انتقال ہوا تھا وہیں دفن ہوتے''۔

تاہم اس مسئلہ میں اتنی تنگی نہیں، امام محمدؒ نے میل دو میل مقامِ وفات سے حسبِ مصالح دور لے جا کر دفن کرنے کی گنجائش بتائی ہے:

"ولا بأس بنقله قبل دفنه، قيل: مطلقاً، وقيل: إلى ما دون السفر. وقيده محمد بقدر ميل أو ميلين؛ لأن مقابر البلد ربما بلغت هذه المسافة، فيكره فيما زاد. قال في النهر عن عقد الفرائد: هو الظاهر اه"۔

لیکن دفن کے بعد منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی: ''وأما نقله بعد دفنه، فلا مطلقاً اه". (شامی)۔

طحطاوی نے دفن کے بعد منتقل کرنے کی تین صورتیں لکھی ہیں: ایک یہ کہ میت کو کسی غیر کی زمین میں بغیر اجازتِ مالک دفن کر دیا گیا ہو جس سے وہ حصۂ زمین غصب ہو گیا اور مالک کسی طرح میت کے یہاں رہنے پر رضامند نہیں ہے، بلکہ اس کے نکالنے پر مصر ہے تو ایسی حالت میں مجبوراً دوسری قبر میں منتقل کر دیا جائے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ دوسری صورت یہ کہ میت کو دوسرے قبرستان میں منتقل کرنا مقصود ہے (خواہ میت کی عظمت ومحبت کی وجہ سے یا اس کی تمنا اور وصیت کی خاطر) یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ میت کی قبر پر پانی غالب آجائے جس سے میت محفوظ نہ رہ سکے، اس صورت میں بعض حضرات نے میت کو

منتقل کرنے کی اجازت دی ہے، بعض نے منع کیا ہے۔

واقعہ مسئولہ دوسری صورت میں داخل ہے جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ یہ تاویل کہ دوڈھائی گز زمین کھود کر اٹھالی جائے کارآمد نہیں، کیوں کہ اصل مقصود نعش کو منتقل کرنا ہے اور جو کچھ مٹی ساتھ آئے گی وہ نعش کے تابع ہوکر منتقل ہوگی، جس طرح کہ میت کے ساتھ کفن، تابوت ہو کہ وہ تابع میت ہے نہ کہ مقصود اصل، لہٰذا اس منتقل کرنے کو بھی کہا جائے گا کہ میت کو منتقل کیا گیا ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ قبر کی مٹی منتقل کرکے لائے ہیں۔

پھر دہلی لاکر شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے گا یہ بناء علی القبر ہے جس کی حدیثِ پاک میں ممانعت آئی ہے اور فقہاء نے اس کو حرام لکھا ہے: "في الشرنبلالي عن البرهان: يحرم البناء عليه للزينة، ويكره للإحكام بعد الدفن اه". (طحاوی)۔

تنبیه: شہنشاہ کا لفظ غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں"(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اس طرح جو بھی اہم تحقیقی سوالات حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں آتے، حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے پاس بھیج دیتے اور مرسل کو لکھ دیتے کہ میں نے آپ کا خط اپنے معتمد مفتی محمود صاحب کے پاس بھیج دیا اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ ان کے جوابات تحریر فرماتے۔

نقولِ فتاویٰ کے رجسٹروں کو ملاحظہ فرمانے کی تجویز

اسی کمال اعتماد کی بنا پر قیام کانپور کے دوران حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے یہ تجویز فرمایا کہ ماہ مبارک (رمضان) میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ مظاہر علوم کے نقولِ فتاویٰ کے رجسٹروں کو بالاستیعاب ملاحظہ فرمایا کریں اور کسی فتویٰ میں سقم رہ گیا ہو تو اس کی نشان دہی فرمایا کریں۔

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"رمضان میں حضرت مفتی محمود صاحب حسبِ معمول یہاں رمضان گزارنے کے لئے آئے، زکریا نے ان سے درخواست کی کہ صاحب کے فتاویٰ پر جو درج رجسٹر ہیں ایک گہری نظر ڈال لیں اور جو مسائل غلط لکھے گئے

---

(۱) مسئلہ مذکورہ کے لئے ملاحظہ ہو (كتاب الجنائز، فصل في القبر والدفن، عنوان: "میت کو بعد الدفن منتقل کرنا" اور عنوان "بہادر شاہ ظفر کی قبر سے منتقلی")

ہوں ان کی نشاندہی کردیں انھوں نے اس کی تعمیل کی"۔(ملخصا)(دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم،ص:۷۸)

مظاہر علوم کے اہم فتاویٰ کے بارے میں تجویز

اسی طرح حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے دارالعلوم دیوبند قیام کے دوران حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے تجویز فرمایا کہ مظاہر علوم کے اہم فتاویٰ حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ کے مشورہ اور استصوابِ رائے بلکہ دستخط کے بغیر روانہ نہ کئے جائیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب صدر مفتی مظاہر علوم تو حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ کے کانپور کے دوران بھی اہم فتاویٰ کے جوابات حضرت والا سے استصوابِ رائے کے بغیر نہیں لکھتے تھے، ڈاک سے سوال لکھ کر دریافت فرماتے جواب آنے پر ہی اس کا جواب تحریر فرماتے، اور دارالعلوم قیام کے زمانہ میں حضرت اقدس قدس سرہ حسبِ معمول جمعرات کو مظاہر علوم تشریف لے جاتے تو حضرت مفتی یحییٰ صاحب قدس سرہ ہفتہ بھر کے اہم فتاویٰ جمع کرکے رکھتے اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی مظاہر علوم تشریف آوری پر مشورہ کرکے ہی جوابات لکھتے۔

رائے کی پختگی

حضرت والا قدس سرہ جس مسئلہ میں دلائل کی روشنی میں جو رائے قائم فرماتے، جب تک دلائل کی روشنی ہی میں اس رائے کا مرجوح یا کمزور ہونا معلوم نہ ہوجائے آپ اس پر قائم رہتے اور کسی عظیم شخصیت سے محض شخصیت کی بناء پر مرعوب نہ ہوتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک مسئلہ دریافت کیا گیا اس کا جواب حضرت والا نے تحریر فرمایا، اسی مسئلہ کا جواب حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا جو حضرت والا کے جواب کے خلاف تھا اور وہ صورت کا اختلاف تھا، حضرت تھانوی قدس سرہ نے جو جواب تحریر فرمایا وہ دوسری صورت سے متعلق تھا، استفتاء میں جو صورت تھی اس سے مختلف وہ دوسری صورت تھی۔ وہ جواب حضرت والا کے سامنے آیا، محض شخصیت سے مرعوب ہوکر حضرت نے اپنی تحقیق سے رجوع نہیں فرمایا، بلکہ وضاحت فرمادی کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی نقل فرمودہ عبارات دوسری صورت سے متعلق ہیں، سوال میں جو صورت ہے وہ اس سے

مختلف ہے، اس کا حکم وہی ہے جو یہاں سے تحریر کیا گیا۔

فتویٰ نویسی سے متعلق چند عادات مبارکہ

۱...... حضرت والا کی خدمت میں جب ڈاک پیش کی جاتی تو اولاً اس کو سرسری نظر سے ملاحظہ فرماتے اور دیکھتے کون سا استفتاء ہے، کون سا ذاتی خط ہے، ہر ایک کو الگ الگ فرماتے اور نشان کے لئے استفتاء پر ''ف'' بنادیتے اور جواب لکھ کر ''ف'' کے نیچے ''م'' بنادیتے ''ف''، ''م''۔ ''ف'' سے اشارہ فتوی کی طرف او ر ''م'' سے محمود کی طرف اشارہ ہے۔ پلاسٹک کے دو تھیلے حضرت کے پاس ہوتے، ایک میں ذاتی خطوط رکھتے ایک میں فتاویٰ اور چمڑہ کا ایک تھیلا رہتا اس میں یہ دونوں تھیلے ہوتے، جہاں موقع ملا تھیلے سے ڈاک نکالی اور جوابات لکھنا شروع فرمادیتے، سفر میں بھی یہ تھیلا ساتھ رہتا، بس میں، ریل میں، قیام گاہ پر جہاں موقع ملتا ڈاک شروع ہوجاتی جن کے جوابات لکھے جاچکے ہوتے ان خطوط کو جواب لکھے ہوؤں سے الگ رکھتے۔

۲...... اولاً استفتاء کے جوابات لکھتے بعد میں ذاتی ڈاک، البتہ اگر کوئی استفتاء تفصیل طلب ہوتا اور اس کے لئے مراجعت کتب کی ضرورت ہوتی اور اس وقت اس کا موقع نہ ہوتا یا انشراح نہ ہوتا تو ذاتی ڈاک پہلے لکھ دیتے۔

۳...... جب تک مکمل انشراح نہ ہوتا استفتاء کا جواب نہ لکھتے خواہ کتنی مراجعتِ کتب کرنا پڑے۔

۴...... عموماً جوابات مختصر لکھتے مگر تحقیقی اور خیر الکلام ما قل و دل کے مطابق، البتہ کسی مسئلہ میں تفصیل مطلوب ہوتی تو پھر تفصیل سے بھی گریز نہ فرماتے حتی کہ بعض فتاویٰ نے مستقل رسالہ کی شکل اختیار کرلی۔

۵...... عبارت صاف اور عام فہم لکھتے جس سے سائل کو الجھن اور پریشانی نہ ہو خود خط بھی حضرت والا کا بہت صاف تھا۔

۶...... جوابات لکھنے میں ترتیب کا لحاظ فرماتے جس ترتیب سے خطوط آتے اسی ترتیب سے جوابات تحریر فرماتے، الاّ یہ کہ کسی کا فوری تقاضا ہوتا تو اس کی ضرورت اور اہمیت کی بنا پر اس کا جواب پہلے تحریر فرمادیتے۔

۷...... عموماً یہ کوشش فرماتے کہ ہر روز کی ڈاک ہر روز نمٹ جائے جب تک ڈاک پوری نہ ہوتی برابر فکر مند رہتے، حتی کہ ایک دفعہ مظاہر علوم میں حضرت ناظم صاحب نے فرمایا: ''کل سفر میں جانا ہے'' ڈاک کافی جمع تھی، پوری رات لکھ کر اس کو نمٹایا، پھر علی الصباح سفر میں تشریف لے گئے۔

۸...... محض قواعد واصول کو سامنے رکھ کر حضرت والا جواب لکھنے کو کافی نہ سمجھتے، بلکہ ہر مسئلہ کے لئے

فقہاء کی عبارات میں جزئیۂ صریحہ تلاش فرماتے خواہ کتنی بھی محنت کرنا پڑے، بعض دفعہ کسی جزئیہ کی تلاش میں بیسیوں بلکہ بعض دفعہ پچاسوں کتب کی ورق گردانی کرنی پڑتی اور اس کے لئے راتوں کو جاگنا پڑتا مگر کبھی ہمت نہ ہارتے (۱) اور جزئیہ مل جانے پر وہ مسرت محسوس فرماتے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت کی لذت ومسرت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے اور جب تک جزئیہ نہ ملتا برابر فکرمند رہتے حتی کہ ایک مرتبہ ایک جزئیہ کی تلاش میں کئی روز ہوگئے برابر کتابیں دیکھتے رہے مگر کامیابی نہ ہوسکی۔ اسی فکر اور بے چینی میں دوپہر کو سوگئے سو کر اٹھے تو دیکھا کہ ایک آنکھ کا پردہ پھٹ گیا ہے، ڈاکٹروں کو دکھایا گیا، ڈاکٹر نے بتایا آنکھ پر کوئی بوجھ پڑا ہے جس سے پردہ پھٹ گیا ہے، ڈاکٹر سے کہا گیا بوجھ تو نہیں پڑا، ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ بوجھ کسی فکر اور سوچ کا بھی ہوتا ہے وہی بوجھ پڑا ہے جس سے پردہ پھٹ گیا ہے، یہی وہ محنت اور جفاکشی تھی کہ جب آنکھیں جاتی رہیں ایک آنکھ کا پردہ پھٹ گیا ایک میں موتیا اتر آیا، (گو بعد میں موتیا کا آپریشن ہوکر کامیابی ہوگئی)۔

ارشاد فرمایا: ''الحمدللہ یہ حسرت نہیں رہی کہ آنکھوں سے کام نہیں لیا، الحمدللہ کام خوب لیا''۔

۹...... کسی استفتاء کا جواب لکھتے ہوئے کسی دوسری جانب متوجہ ہونا ناپسند فرماتے اس حالت میں کوئی اپنی جانب سلام، مصافحہ میں مشغول کرنا چاہتا وہ بھی ناگوارِ خاطر ہوتا۔

۱۰...... آپ کو فتاوی سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا کہ اس کو زندگی کا بڑا مقصد تصور فرماتے اور اسی انہماک ومشغولی میں خوش ہوتے اور اس میں جان تک چلے جانے کی پرواہ نہ کرتے، چنانچہ ایک دفعہ سخت زلزلہ آیا حضرت والا ایک فتوی لکھنے میں مشغول تھے، زلزلہ کے سہم سے سب حضرات دارالافتاء سے باہر نکل آئے کہ کہیں یہ عمارت نہ گر جائے، مگر حضرت والا کو دیکھا گیا کہ برابر بیٹھے ہوئے اطمینان سے جواب لکھنے میں مشغول ہیں، بعد میں حضرت والا سے پوچھا گیا کہ آپ باہر کیوں نہیں نکلے فرمایا کہ مجھے فکر ہوئی کہ کہیں فتوی درمیان میں نہ رہ جائے اس لئے سوچا کہ فتوی تو پورا کرلوں۔

۱۱...... حضرت والا اس کا بھی اہتمام فرماتے کہ حضرت والا کا تحریر فرمودہ جواب دوسرے حضرات بھی ملاحظہ فرمالیں، حتی کہ اپنے تلامذہ بھی حاضر ہوتے تو ان کو بھی بتاکید دیکھنے کو فرماتے اور اگر کوئی کچھ مشورہ دیتا تو

---

(۱) دیکھئے: (كتاب الإيمان والعقائد، باب الفرق الباطلة، ما يتعلق بالروافض، عنوان: خلافتِ یزید) اس مسئلہ میں حضرت نے خود تقریباً سو (۱۰۰) کتابوں کے مطالعہ کا ذکر فرمایا ہے۔

اس کو بہت غور سے خوش ہو کر سنتے، اگر معقول بات ہوتی تو تسلیم فرمالیتے، ورنہ خوبصورتی کے ساتھ اس کو سمجھا دیتے۔

۱۲...... آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے کہ فتاویٰ لکھنے کے بعد جلد روانہ کئے جائیں، اس لئے محرر کو تاکید فرماتے کہ رجسٹر میں جلد نقل کر کے ڈاک میں ڈال دے اگر نقل ہونے میں تاخیر ہوتی یا سستی کی بناء پر ڈاک میں ڈالنے میں تاخیر ہوجاتی تو حضرت والا کو سخت ناگوار گزرتا اور خوبصورتی کے ساتھ مناسب طریقہ پر اس پر تنبیہ فرماتے، ایک دفعہ ایک طالب علم ایک خط کسی کتاب میں رکھ کر بھول گیا اور کئی روز بعد وہ خط ملا، حضرت کی ناراضگی کے خیال سے چپکے سے وہ خط حضرت کے خطوط میں رکھ کر آ گیا، حضرت نے جب اس کو دیکھا تو سخت ناراض ہوئے یہ حرکت کس نے کی ہے؟ کس نے یہ خط چھپائے رکھا؟ اور سب طلبہ سے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ خط لکھنے والا کیا معلوم کیا ضروری بات لکھتا ہے اور اس کے جواب کا منتظر رہتا ہے یہ سخت غلط حرکت ہے، آئندہ پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اس سلسلہ میں کوتاہی کریں۔

ایسے ہی ایک دفعہ کسی طالب علم سے کوئی استفتاء گم ہوگیا، حضرت نے تلاش کرایا، نہیں ملا، حضرت کو بہت فکر ہوئی، ڈاک رجسٹر بھی منگایا اور اس میں تمام ڈاک کو دیکھا اور اس کی مدد سے معلوم کیا کہ فلاں خط کا جواب نہیں دیا گیا، رجسٹر میں مستفتی کا پتہ دیکھ کر خط لکھا کہ آپ کا استفتاء گم ہوگیا لہذا دوبارہ استفتاء بھیج دیں اس کے بعد جواب لکھ کر ارسال فرمایا تب حضرت کو اطمینان ہوا۔

۱۳...... آپ محرر کو بھی تاکید فرماتے کہ رجسٹر میں صاف و مکمل نقل کریں، بعض صاحبان رجسٹر میں صرف خلاصہ نقل کر دیتے، حضرت والا قدس سرہ کو اس سے سخت تکلیف ہوتی۔

۱۴...... حضرت والا کی خواہش ہوتی کہ دارالافتاء سے کسی مفتی کا جواب کسی دوسرے مفتی کے خلاف نہ چلا جائے، اس لئے کوشش فرماتے کہ ہر مفتی کا جواب ہر مفتی کی نظر سے گزر جائے اور کسی کو کوئی اشکال ہو تو اس کو سمجھ لیا جائے یا اس کی اصلاح کر دی جائے۔

۱۵...... حضرت اس کی بھی کوشش فرماتے کہ پورے عملہ میں اتفاق، باہم قلبی تعلق ہو اس کے لئے آپ روزانہ چائے منگواتے اور سب کو بلوا کر چائے پلاتے، تاکہ اس بہانہ سے سب جمع ہوجائیں اور باہم گفتگو ہوجائے، کسی کو کسی سے رنجش ہو وہ بھی دور ہوجائے، تھوڑی دیر ہنسی خوشی گفتگو ہو کر یہ مجلس ختم ہوجاتی اور اس کے

اچھے اثرات قائم ہوتے۔

۱۶......ایک خصوصی کمال یہ ہے کہ باوجودیکہ حضرت والا کے تحریر فرمودہ فتاویٰ بڑے جامع اور استدلالی ہوتے ہیں کہ کہیں کوئی کیسا ہی نازک جزئیہ یا اہم مسئلہ پیش آجائے اس کا اتنی شائستگی وعمدگی کے ساتھ مختصر اور جچے تلے الفاظ میں جواب تحریر فرماتے کہ پڑھنے والا اور سیکھنے والا آپ کے تبحرِ علمی، فقہی دسترس اور علم ومطالعہ کی کثرت ووسعت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہتا، مگر اس کے باوجود وصف تواضع وفروتنی اور اپنی شرعی ذمہ داری کے احساس کا یہ عالم ہے کہ جس مسئلہ کی پوری تحقیق مستحضر نہیں ہوتی اس کے متعلق برملا مجمع میں کہہ دیتے کہ مجھے اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق نہیں، مجھے اس کا علم نہیں اور اس میں آپ کو ذرہ برابر حجاب نہ ہوتا اور اہلِ علم حضرات کی شان یہی ہوتی ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک نقل کیا گیا ہے:

"إن من العلم أن يقول لما لا يعلم: لا أعلم". (الحديث)(۱)۔

''بے شک علم (کی نشانی میں) سے یہ ہے کہ نہ جانی ہوئی چیز کے بارے میں کہہ دے میں نہیں جانتا''۔

دوسرے مفتی صاحب کے فتویٰ کی تصدیق

۱۷......کسی دوسرے مفتی صاحب کا تحریر فرمودہ فتویٰ برائے تصدیق لایا جاتا جب تک اس پر پورا اطمینان نہ ہوجاتا ہرگز دستخط نہ فرماتے، اطمینان ہونے پر تصدیق فرمانے سے کبھی اعراض بھی نہ فرماتے۔

تمرینِ فتاویٰ

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں جو طلباء شعبۂ افتاء میں داخل ہوتے ان کو مشق وتمرین فتاویٰ کے لئے مفتیانِ کرام میں تقسیم کردیا جاتا اور ان کی مختلف جماعتیں بنادی جاتیں، ان کے اسباق مختلف مفتیانِ کرام کے پاس رکھے جاتے، ہر سبق میں تمام طلباء شریک ہوتے، مگر فتویٰ نویسی کی مشق ہر جماعت الگ الگ مفتی صاحب کے پاس کرتی۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے پاس عموماً رسم المفتی، الاشباہ والنظائر ہوتی اور کبھی قواعد الفقہ بھی

(۱) "عن عبدالله قال: " يأيها الناس! من علم شيئاً فليقل به، ومن لم يعلم فليقل: الله أعلم، فإن من العلم أن تقول لما لا تعلم: الله أعلم ...... اهـ"۔ (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثالث، ص: ۳۷، قديمى)

ہوتی، حضرت والا سبق میں مختصر تقریر فرماتے، مگر اس طرح کہ کتاب کا مطلب پورے طور پر سمجھ میں آجائے، ہر مسئلہ کو کچھ مثالوں سے ضرور سمجھاتے جن سے طلبہ کو فن سے پوری مناسبت ہوجاتی، درمیان میں کوئی لطیفہ بھی سنادیتے جس سے طلبہ اکتاتے نہیں اور موقع کی مناسبت سے اشعار بھی سناتے۔ تمرین فتاویٰ کے لئے طلبہ کو سوالات لکھوادیتے اور ان کو تاکید فرماتے کہ ان کے جوابات لکھ کر لائیں، طلبہ کے ان سوالات کے جوابات بغور ملاحظہ فرماتے، ضروری مشورہ دیتے، اصلاح فرماتے، حوصلہ افزائی فرماتے جس سے خوب محنت کرنے کا جذبہ وشوق پیدا ہوتا، کتابیں مطالعہ کے لئے عنایت فرماتے، جن طلبہ کو ہونہار دیکھتے ان کے لئے فتاویٰ سے متعلق کتب شامی وغیرہ خرید کر عنایت فرماتے اور درمیانی سال میں بھی کچھ ضروری کتابیں سب طلبہ کو تقسیم فرماتے اس تقسیم کتب کی سال کے اندر کئی کئی بار نوبت آتی۔

تمرین ومشق فتاویٰ کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت واصلاح کی بھی پوری فکر فرماتے، کسی بزرگ سے بیعت ہونے کی طرف متوجہ فرماتے، جو حضرت سے بیعت کی درخواست کرتے استخارہ مسنونہ کا حکم فرماتے پھر بھی ان کا اصرار ہوتا تو بیعت فرمالیتے اور ان کے لئے اذکار واشغال ان کے حسب حال تجویز فرمادیتے، اس طرح ان کو ذکر وشغل سے بھی مناسبت پیدا ہوجاتی کہ پھر بعد فراغت اس کو مزید بڑھاتے۔

سال کے اخیر میں طلبہ کا امتحان ہوتا ہے حضرت والا کی خواہش تھی کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں امتحان ہو، تاکہ رمضان اور رویت ہلال سے متعلق مسائل سے بھی مناسبت اور واقفیت ہوجائے اس کو تجویز بھی کردیا گیا تھا مگر اس پر عمل کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ پھر شعبان ہی میں امتحان کا سلسلہ شروع ہوگیا، مگر اب ایک سال کے بجائے، دوسال تمرین فتاویٰ کے لئے تجویز کردئے گئے۔

امتحان سے فراغت پر دارالعلوم کی طرف سے طلبہ کو افتاء کی سند بھی دیجاتی، حضرت والا بھی اس پر دستخط فرماتے، اپنی خصوصی سند دینے کا حضرت والا کا دستور نہیں رہا اور سند کا زیادہ شوق بھی حضرت کو پسند نہیں تھا، جس طالبِ علم میں سند کا شوق دیکھتے اس کو حضرت تھانویؒ کا قصہ سناتے کہ جب مدرسہ والوں نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو سند دینے اور دستار بندی کا ارادہ فرمایا تو ان حضرات نے درخواست دی کہ ہم نے سنا ہے کہ اربابِ مدرسہ ہم کو سند دینا اور دستار بندی کرنا چاہتے ہیں ایسا ہرگز نہ کیا جائے، چوں کہ اس سے دارالعلوم بدنام ہو جائے گا کہ ایسے نااہلوں کو سند دی اور ان کی دستار بندی کی، ہم ہرگز اس کے اہل نہیں۔

کوئی حضرت والا سے سند کی درخواست کرتا تو اس کو بھی یہی ارشاد فرماتے ''میرے پاس سند کا کوئی پُرزہ بھی نہیں، کسی نے آج تک پوچھا بھی نہیں کہ تیرے پاس سند ہے یا نہیں، پوری زندگی بلا سند ہی گزر گئی''۔

فراغت کے بعد جب طلبہ اپنے وطن واپس جاتے ان کو معمولات کی پابندی اور درس وتدریس شروع کرنے کی تاکید فرماتے، بعض خواص کے لئے خود سے جگہ تجویز فرما کر وہاں بھیج دیتے، بقیہ کے لئے بھی برابر فکر فرماتے اور آنے جانے والوں سے حالات دریافت فرماتے رہتے، بعض مدرسہ والوں کو از خود بھی متوجہ فرماتے کہ فلاں کو اپنے یہاں رکھ لو۔ اگر مدرس کی جگہ خالی نہ ہوتی تو فرماتے کہ بلا تنخواہ ہی فلاں کو رکھ لو اور دو چار کتابیں اس کو دے دو تاکہ ابتدائی کتابیں نکل جائیں اور کتابوں سے کچھ مناسبت ہو جائے، ان کو دوسری جگہ بھیجنا ہے اس کے بعد پھر کسی دوسری جگہ کے لئے تجویز فرما کر بھیج دیتے۔ جو طلبہ کسی جگہ کام شروع کرتے ان کی بھی پوری خبر گیری رکھتے، مفید مشوروں سے نوازتے رہتے اور کتابوں کی ضرورت ہوتی تو بڑی بڑی قیمتی کتب خرید کر عنایت فرماتے۔

فقہ وفتاویٰ میں مناسبت پیدا ہونے کی تدبیر

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ فتویٰ کی مشق کرنے والے طلبہ میں فقہ وفتاویٰ سے کمالِ مناسبت پیدا ہو جائے، ان کو ترغیب دیتے، رہنمائی فرماتے، ترغیب کے لئے کوئی مسئلہ بیان فرماتے ہوئے کتابیں کھول کر دکھاتے اور ضعف کے باوجود کوئی سستی نہ کرتے، فوراً کتاب اٹھا کر لاتے اور مسئلہ نکال کر دکھاتے، بعض مرتبہ متعدد بار اس کی نوبت آتی۔

فقہ میں مناسبت اور مہارت پیدا ہونے کے لئے بدائع الصنائع، شامی، فتح القدیر زیلعی شرح کنز (تبیین الحقائق) کے مطالعہ کی تاکید فرماتے اور فرمایا کرتے۔

اصول اور لِم کے لئے بدائع الصنائع، جزئیات کے لئے شامی، تعارضِ ادلہ کے لئے فتح القدیر، اور استدلال بالحدیث کے لئے زیلعی کا مطالعہ بہت مفید ہے، تفسیر میں مہارت ومناسبت کے لئے تفسیر مظہری، تفسیر عزیزی، تفسیر روح المعانی، احکام القرآن للجصاص اور تفسیر کبیر للامام رازی کی تاکید فرماتے۔

فرقِ باطلہ کی تردید کے لئے طلباء کی تیاری

فرقِ باطلہ کی تردید وبیخ کنی حضرت والا قدس سرہ کی زندگی کا اہم مشغلہ رہا ہے(۱)، حضرت والا طلباء کو بھی اس کی طرف توجہ دلاتے اور ان کی ذہن سازی فرماتے، فرق باطلہ کے ساتھ اپنی گفتگو اور مکالمات بڑی دلچسپی کے ساتھ تفصیل سے سناتے، اپنے اور دیگر اکابر علمائے حق کے مناظروں کے واقعات وحالات بھی تفصیل سے سناتے، متعلقہ کتب کی طرف رہنمائی بھی فرماتے، جو طلباء باذوق اور ذہین ہوتے ہیں ان پر خاص توجہ فرماتے جس کی وجہ سے طلبہ میں فرقِ باطلہ کی تردید وبیخ کنی کا خاص ذوق ومزاج پیدا ہو جاتا اور اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ کر دیگر مشاغل کے ساتھ اس نوع کے فتنوں کی سرکوبی سے بھی غفلت نہ کرتے۔ چنانچہ آج کثیر تعداد ان اصحابِ افتاء کی ملک وبیرون ملک میں موجود ہے جنھوں نے حضرت قدس سرہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور حضرت سے فتویٰ نویسی کی تمرین ومشق کی اور اب وہ فقہ وفتاویٰ کی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں، بلکہ خود دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، شاہی مرادآباد، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، جامعہ رحمانیہ ہتورہ باندہ اور ملک کے دیگر بڑے مدارس میں اور غیر ممالک میں بھی متعدد مدارس میں مسندِ افتاء کو زینت بخشنے والے عموماً حضرت والا قدس سرہ کے تلامیذ ومسترشدین ہی نظر آتے ہیں۔ ان اصحابِ افتاء کی بھی خاصی تعداد ہے جنھوں نے افتاء کی تمرین ومشق تو حضرت قدس سرہ سے نہیں کی، البتہ استفادہ کیا اور حضرت والا نے ان کی سرپرستی اور رہنمائی فرمائی، مشوروں سے نوازا اور انھوں نے فقہ وفتاویٰ کی عظیم خدمات انجام دیں یا انجام دے رہے ہیں۔

زندۂ جاوید ہیں تیرے فدائی، جاں نثار
جن کے دم سے آئی اس صحرائے اعظم میں بہار
جن کے خونِ دل سے تاریخیں بنی ہیں زرنگار
شاہدِ عظمت ہے جن کی گردشِ لیل ونہار

---

(۱) اس کا اندازہ (كتاب الإيمان والعقائد، باب الفرق الباطلة) سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

امراض وتکالیف

قبض اور ہچکیوں کی تکلیف

بچپن میں حضرت والا کو قبض کی بھی سخت تکلیف ہوئی، جس کی وجہ سے حضرت کو مسہل دیا جاتا تھا، جو سخت بدبودار ہوتا تھا۔

ہچکیاں

ہچکیوں کی تکلیف بھی حضرت والا کو کئی مرتبہ ہوئی، یہ تکلیف بہت سخت ہوتی تھی کسی طرح سکون نہیں ہوتا تھا جس کی وجہ سے نیند بھی نہیں آسکتی تھی، کئی کئی روز بلکہ بعض دفعہ ہفتہ دو ہفتہ تک اس کا سلسلہ شب و روز چلتا تھا کہ کسی کروٹ چین نہ ملتا۔

آنکھ کا آپریشن

۱۹۷۶ء میں ایک دفعہ ایک مسئلہ کی تلاش تھی، کئی روز ہو گئے، متعدد کتابوں میں تلاش کیا، نہیں ملا، ایک روز صبح سے ہی اس کو تلاش کرنا شروع کیا تلاش کرتے کرتے دوپہر ہوگئی نہیں ملا، اسی فکر میں لیٹ گئے، نماز ظہر کے لئے اٹھے تو بائیں آنکھ میں درد تھا، ڈاکٹر کو دکھایا اس نے معائنہ کر کے بتایا کہ آنکھ کا پردہ پھٹ گیا اور آنکھ پر کسی چیز کا وزن پڑا ہے جس کی وجہ سے پردہ پھٹا ہے، اس کو بتایا گیا کہ وزن تو کوئی نہیں پڑا، ڈاکٹر نے کہا وزن کسی چیز ہی کا نہیں ہوتا بلکہ فکر کا بھی وزن ہوتا ہے، کسی فکر کا بوجھ پڑا ہے، بتایا گیا کہ ایک مسئلہ کی تلاش تھی اس کی فکر تھی تلاش کرتے کرتے دوپہر ہوگئی اسی فکر میں سو گئے، سو کر اٹھے تو آنکھ کی یہ حالت تھی۔

ڈاکٹر نے بتایا اسی فکر کا بوجھ پڑا جس سے پردہ پھٹ گیا، گویا اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر آنکھ جیسی عزیز اور قیمتی چیز کو قربان کر دیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت مبارک ایک موقع پر زخمی ہوگئی اور خون نکل آیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت مبارک کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"هل أنت إلا أصبع دميت وفي سبيل الله مالقيت"(۱)

''تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوگئی ہے اور اللہ کے راستہ ہی میں ہے جس سے تو نے ملاقات کی''۔

یعنی جو کچھ پیش آیا اللہ کے راستہ ہی میں پیش آیا۔

حضرت والا بھی آنکھ کا پردہ پھٹنے کے باوجود انتہائی مطمئن تھے اور بزبانِ حال گویا:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت والا قدس سرہ آپریشن کے لئے تیار نہ تھے جب کوئی اصرار کرتا تو فرماتے: حق تعالیٰ شانہ نے آنکھ لینے پر جنت کا وعدہ فرمایا ہے، حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:"إذا ابتليتُ عبدي بحبيبتيه ثم صبر، عوّضتُه منهما الجنة" –يريد عينيه–". (رواه البخاري) (مشكوٰة شريف، ص: ۱۳۵)(۲).

ترجمہ: ''میں جب اپنے کسی بندہ کو اس کی دو محبوب چیزوں (آنکھوں) میں مبتلا کرتا ہوں (بینائی لے کر) پھر وہ صبر کرتا ہے میں اس کو ان کے بدلہ میں جنت عطا کرتا ہوں''۔

میں اس عظیم بشارت کو کیوں چھوڑ دوں۔ اور فرمایا کرتے:

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی بینائی جاتی رہی انھوں نے آپریشن نہیں کرایا، ان سے کہا گیا تو یہی جواب دیا تھا کہ آنکھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کی بشارت ہے، میں اس بشارت کو کیوں چھوڑ دوں۔

عرض کیا گیا کہ آپ کی آنکھوں سے مخلوق کو بہت فائدہ پہنچتا تھا وہ ختم ہوگیا، اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: ''اس میں میرے کس اختیار کو دخل ہے، جب تک اللہ کو منظور ہوا کام لیا، جب منظور نہیں ہوا نہیں لیا، میں

(۱) "عن جندب بن سفيان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعض المشاهد، وقد دميت أصبعه، فقال: (شعر) "هل أنت إلا أصبع دميت ...... اهـ". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب من ينكب أويطعن في سبيل الله: ۳۹۳/۱، قديمي)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المريض، قبيل الفصل الثاني، ص: ۱۳۵، قديمي)

(وأخرجه البخاري في صحيحه في كتاب المرضى، باب فضل من ذهب بصره، عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه: ۸۴۴/۲، قديمي)

بشارت کو کیوں چھوڑوں''۔ بالآخر مدت العمر اسی طرح رہے اور آپریشن نہیں کرایا، اس لئے میں ہی کیوں کراؤں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے آپریشن کے لئے فرمایا تب بھی یہی جواب دیا، اس پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا: ''میں تو اپنی آنکھوں کا کام بھی آپ کی آنکھوں سے ہی لیتا ہوں۔''

چوں کہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی بینائی بھی جاتی رہی تھی اور کسی تحقیق کی ضرورت پیش آتی تھی تو حضرت قدس سرہ کو ہی اس کا حکم فرمایا کرتے تھے، حضرت والا قدس سرہ اس کو تلاش کر کے حضرت شیخ قدس سرہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خواہش اور حکم کی تعمیل میں آپریشن کرانے پر رضامند ہوئے۔

دوسرا آپریشن

۱۹۷۷ء حج میں تشریف لے گئے، مکہ مکرمہ - زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً - سے منیٰ جاتے ہوئے راستہ میں دائیں آنکھ کا پردہ پھٹا وہاں حج کی مشغولی میں کسی ڈاکٹر کو دکھا بھی نہ سکے، حج کے ایام اسی حالت میں پورے کئے، حج سے فراغت پر مدینہ طیبہ - زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً - حاضری ہوئی، وہاں اس ڈاکٹر نے آنکھ کا معائنہ کیا، جس نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا آپریشن کیا تھا۔

حج کے بعد حضرت قدس سرہٗ کا برطانیہ کا سفر طے تھا، حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب زید مجدہم، مہتمم دارالعلوم بری، یوکے، کا بہت سخت اصرار تھا کہ آپریشن برطانیہ ہی میں ہو اور وہاں حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب زید مجدہم نے دارالعلوم بری سے قریب ہی شہر مانچسٹر ہسپتال میں آپریشن تجویز کیا۔ ہسپتال میں حضرت کو داخل کر دیا گیا اور ابتدائی مراحل کے بعد آپریشن کیا گیا، دو ماہ تقریباً ہسپتال میں رہنا پڑا مگر آپریشن میں کامیابی نہیں ہوئی اور آنکھ میں روشنی نہیں آسکی۔

تیسرا آپریشن

جب برطانیہ میں آپریشن میں کامیابی نہ ہوسکی اور طویل قیام اور ڈاکٹروں کی کوشش کے باوجود آنکھ میں روشنی نہ آسکی تو یہ طے ہوا کہ کلکتہ کے ڈاکٹروں کی نگرانی میں علاج جاری رکھا جائے، چنانچہ برطانیہ سے سیدھے

کلکتہ تشریف لے گئے اور وہاں میڈیکل ہسپتال میں داخل کئے گئے، وہاں کے ڈاکٹروں نے برطانیہ کے ڈاکٹروں کو ناکامی کا ذمہ دار قرار دیا اور قصوروار ٹھہرایا اور اسی دائیں آنکھ کا جس کا آپریشن برطانیہ میں ہو چکا تھا دوبارہ آپریشن کر دیا مگر کامیابی نہ ہوسکی۔

چوتھا آپریشن

اس لئے ڈاکٹروں کی رائے ہوئی کہ پھر دوبارہ آپریشن ہو چنانچہ ڈاکٹروں نے دوبارہ آپریشن کیا، بہت کوشش کی مگر تقدیر خداوندی کے سامنے سب عاجز و بے بس ہیں، ان تینوں آپریشن میں تقریباً سو دن صرف ہوئے، اور بار بار آپریشن کی وجہ سے آنکھ بالکل بیٹھ گئی اور آئندہ آپریشن کے قابل نہ رہی۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

پانچواں آپریشن

اللہ پاک کی قدرت کہ ۱۹۷۹ء میں پھر اسی بائیں آنکھ میں موتیا اتر آیا، آپریشن کے لئے مختلف جگہوں سے پیش کش کی گئی، مدرسہ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا سعید احمد صاحب بزرگ قدس سرہ اور استاد حدیث و مفتی محترم مولانا مفتی احمد خان پوری دامت برکاتہم اور دیگر متعلقین کی طرف سے اصرار ہوا کہ ڈابھیل کے قریب قصبہ نوساری میں آپریشن ہو کہ وہاں ہم سب کو خدمت کا موقع ملے گا اور نوساری ہسپتال میں سب انتظامات بھی طے کرا لئے اور وہاں کے انتظامات اور سہولتوں کی تمام تفصیل حضرت والا کو لکھ کر دعوت پیش کی۔

ادھر کلکتہ کے حضرات کا پھر اصرار ہوا کہ کلکتہ ہی آپریشن ہو اور وہاں کے احباب کا ایک وفد آ پہنچا، تاکہ حضرت سے طے کرالیں کہ کب تشریف لے جائیں گے، تاکہ اس وقت آ کر حضرت کو کلکتہ لے جائیں اور ہاں آپریشن کرائیں، چنانچہ حضرت والا قدس سرہٗ کلکتہ تشریف لے گئے اور وہیں ہسپتال میں یہ آپریشن بھی ہوا۔

فالج کا حملہ اور آپریشن کے ذریعہ مشین کی فٹنگ

۱۴۱۱ھ میں کلکتہ کا سفر ہوا وہاں سے بنگلہ دیش کا سفر تھا کہ نماز کے دوران فالج کا حملہ ہوا، ہسپتال میں داخل ہو گئے اور الحمد للہ افاقہ ہوا، اور پھر بنگلہ دیش کے سفر پر جو علالت کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا تھا تشریف لے گئے۔ سفر سے واپسی پر کلکتہ ڈاکٹروں کو پھر دکھلایا، ڈاکٹر کی رائے ہوئی کہ دہلی میں ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب سے

معائنہ کرا کر مشورہ ضرور کرلیا جائے چنانچہ کلکتہ سے واپسی پر دہلی ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب سے معائنہ کے لئے ہسپتال میں داخل ہوئے، ڈاکٹر صاحب کی رائے ہوئی کہ دل کے ایک وال نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے، اسی وجہ سے بیٹھ کر اٹھتے ہوئے دل میں خون کا دوران صحیح نہ ہونے کی وجہ سے چکر آتا ہے اور کسی وقت بھی کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے اس لئے فوراً آپریشن ضروری ہے۔

بعض احباب کی رائے آپریشن کی نہیں تھی مگر ڈاکٹر صاحب نے اصرار کیا کہ آپریشن ضروری ہے اس لئے بمجبوری آپریشن کرنا پڑا، دائیں سینہ پر آپریشن کر کے ایک مشین اندر رکھ دی اور اس کا تعلق دل سے کر دیا کہ اگر کسی وقت دل کا وال کام نہ کرے وہ کام کرے گی۔ یہ آپریشن تو زیادہ اہم نہ تھا لیکن تکلیف سخت ہوئی۔

غیر اختیاری سنت پر عمل اور سحر کا اثر

حضرت والا قدس سرہ پر سحر بھی کیا گیا اور بار بار کیا گیا اور سخت خطرناک کیا گیا جس کی وجہ سے سخت تکالیف برداشت کرنا پڑیں، اللہ کا فضل ہے اللہ پاک نے حفاظت فرمائی، گو حضرت والا قدس سرہ خود زبردست عامل تھے اور ہزاروں بندگانِ خدا جنات وسحر سے پریشان، حضرت قدس سرہ کے تعویذ یا دم (یا ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتادیا) سے شفایاب ہوئے، مگر سحر تو خود حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کیا گیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر بھی ہوا اور اس کے علاج کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے معوذتین (قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس) نازل فرمائیں(۱)۔

حضرت والا قدس سرہ جو زندگی میں پیش آنے والی ہر ہر جزئی میں اتباع سنت کو اختیار فرماتے تھے اور

---

(۱) قال الإمام ابن كثير: " ورواه الإمام أحمد أيضاً عن إبراهيم بن خالد ...... (إلى قوله) : فدبت إليه اليهود، فلم يزالوا به حتى أخذ مشاطة رأس النبي صلى الله عليه وسلم وعدةً من أنسانِ مشطه، فأعطاها اليهود، فسحروه فيها، ...... فمرض رسول الله صلى الله عليه وسلم، وانتثر شعر رأسه، ولبث ستة أشهر يرى أنه يأتي النساء ولا يأتيهن، وجعل يذوب ولا يدري ماعراه (إلى قوله) فأنزل الله تعالىٰ السورتين، فجعل كلما يقرأ آيةً انحلّت عقدة، ووجد رسول الله صلى الله عليه وسلم خفةً حين انحلت العقدة الأخيرة". (تفسير ابن كثير، قبيل سورة الناس: ۴/ ۷۴۶، ۷۴۷، مكتبه دارالسلام رياض)

(وكذا في روح المعاني، تحت قوله تعالىٰ: (ومن شر النفاثاتِ في العقد): ۳۰/ ۲۸۲، ۲۸۳، داراحياء التراث العربي، بيروت)

ان کی پوری زندگی اتباعِ سنت کے نور سے منور تھی اور سنت سے ادنیٰ انحراف بھی گوارا نہ کیا، مشیتِ ایزدی کا تقاضا ہوا کہ غیر اختیاری سنتوں کے انوار وفوائد سے بھی ان کو مستنیر ومستفید کیا جائے، انھیں غیر اختیاری سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ پر سحر بھی کیا گیا اور آپ پر اس کا اثر بھی ہوا۔

سحر کا اثر ہندوستان میں، بالخصوص دیوبند قیام کے دوران زیادہ محسوس ہوتا تھا، بیرونِ ہند کے سفر پر جاتے ہی افاقہ ہو جاتا تھا، بعض دفعہ طویل سفر پر رہے، کوئی اثر نہ ہوا، طبیعت بہت اچھی رہی اور سفر سے واپسی پر ہندوستان پہنچے اور اثر شروع ہو گیا اور دیوبند پہنچ کر اس میں اَور شدت ہو جاتی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ پر بھی سحر کیا گیا تھا، حضرت مدنی قدس سرہ کا مقولہ بھی حضرت والا قدس سرہ نے سنایا کہ حضرت مدنی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''دیوبند کے اتنے میل کے اندر اندر اثر ہوتا ہے اس حد سے باہر چلا جاتا ہوں اثر نہیں رہتا'' اور فرمایا کرتے تھے: ''ہر وقت ارواحِ خبیثہ کا ہجوم رہتا ہے، کچھ پڑھتا رہتا ہوں سکون رہتا ہے، پڑھنا چھوڑا فوراً ان کا حملہ شروع ہو جاتا ہے''۔

اس ضرورت اور پریشانی کی وجہ سے بھی مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدہم بعض دفعہ حضرت قدس سرہ کو بیرونِ ہند کے سفر پر لے جاتے۔

۱۴۱۴ھ میں دہلی ہسپتال میں برائے علاج قیام کے دوران حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی زیدمجدہم کو خواب میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے حضرت والا قدس سرہ پر سحر اور اس کے علاج کی طرف توجہ دلائی، حضرت مولانا زید مجدہم نے سحر کا علاج فرمایا اور اپنے معتمدِ خاص محترم مولانا ارشاد احمد صاحب قدس سرہ مبلغ دارالعلوم دیوبند کو ہسپتال میں بھیج کر وظیفہ پڑھوایا، موصوف ہر روز بلا ناغہ پڑھتے، اللہ پاک نے اس کی برکت سے حضرت والا قدس سرہ کو افاقہ دیا، صحت یابی کے شکرانہ میں حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب زیدمجدہم نے ایک بکرا ذبح کیا۔

اس کے بعد حضرت اقدس قدس سرہ کا سفر عمرہ بھی صحت یابی کے شکرانہ میں تھا۔

شدتِ علالت اور آپریشن

ہندوستان سے افریقہ تشریف لے جانے کے بعد ابتداءً طبیعت اچھی رہی اور حسبِ سابق تمام معمولات جاری رہے۔

حضرت قدس سرہ کے گردہ میں پہلے سے تکلیف تھی جس کا پہلے سے علاج جاری تھا، نیز گردہ سے مثانہ کی جانب جانے والی نالی میں غدود پیدا ہوگئے تھے ان کا علاج بھی جاری تھا، غدود بڑھ کر مثانہ میں پھیل گئے اور کینسر کی شکل اختیار کرگئے جس سے تکلیف میں شدت پیدا ہوکر نا قابلِ برداشت حد کو پہنچ گئی کہ ان سے پیشاب کا راستہ بند ہوکر گردہ متاثر ہونے لگا، ڈاکٹروں سے مشورہ برابر جاری رہا، کوشش کی گئی کہ دواؤں کے ذریعہ سے اس کا علاج ہوجائے۔

حضرت قدس سرہ کے معالجِ خصوصی ڈاکٹر عبدالحی بُلبلیا امریکی بھی امریکہ سے سفر کرکے خاص طور پر اسی مقصد کے لئے حاضر ہوگئے انھوں نے معائنہ کیا، ادھر حضرت قدس سرہ کے دوسرے معالجِ خصوصی ڈاکٹر محمد لہر صاحب افریقی ہر دو صاحبان نے گردہ کے ماہر ڈاکٹر محمد خان صاحب کے ساتھ مل کر غدود کی صفائی کی جو الحمد للہ کامیاب رہی، پھر چار ہفتے تک ہر ہفتہ اس کی صفائی ہوتی رہی۔ ابھی ایک صفائی اور ہونا باقی تھی کہ ڈربن شہر کا سفر ہوگیا، چوں کہ ڈربن شہر اور اس کے اطراف میں حضرت قدس سرہ کے اہلِ تعلق و ارادت کثیر تعداد میں ہیں اور ابھی تک وہاں کا سفر اس موقع پر نہیں ہوسکا تھا ان سب کی تمنا وخواہش بلکہ اصرار تھا کہ وہاں سفر ضرور ہو، اس لئے اس خیال سے کہ ڈربن کے سفر کے بعد ایک صفائی جو باقی ہے ہوجائے گی اور پھر مجوزہ نظام کے مطابق سفر پر روانہ ہوجائیں گے۔

۱۶/ جولائی کو حضرت قدس سرہٗ صوبہ ناٹال کے شہر ڈربن تشریف لے گئے، وہاں اکثر قیام مدرسہ تعلیم الدین اسپنگو بیچ مفتی ابراہیم صالح جی کے مدرسہ میں رہا، وہاں سے مرکزِ تبلیغ اور مختلف اداروں میں اور مدرسوں میں تشریف بری ہوتی رہی۔

۷/ اگست کو سابقہ امراض کے ساتھ ایک نئی صورتحال پیدا ہوگئی، کچھ فالج کا اثر بھی ہوگیا جس کی وجہ سے غذا کا نگلنا اور کھانسی کے وقت بلغم کا نکالنا مشکل ہوگیا، اس کے ساتھ ساتھ غذا اور پانی، سانس کی نالی کے ذریعے پھیپھڑہ میں پہنچنا شروع ہوگیا، جس کی مشین کے ذریعہ صفائی کی جاتی رہی، اس درمیان کبھی کچھ افاقہ اور کبھی کچھ اضافہ دونوں صورتیں ہوتی رہیں۔

آخری دعاءاورآخری حدیث شریف

اس سب کے باوجود تین مجالس اہتمام سے ہوتی رہیں: فجر کے بعد مجلسِ ذکر، بعد عصر مجلسِ عام، عشاء کے بعد مجلسِ صلوٰۃ وسلام۔ مجلسِ صلوٰۃ وسلام کے بعد حضرتؒ خود ہی دعاء فرمایا کرتے تھے۔ ۱۷/ اگست کو حضرتؒ نے آخری دعاء فرمائی۔ ۱۸/ اگست بروز اتوار کو کچھ علمائے کرام عیادت کے لئے حاضر ہوئے ان میں سے بعض نے حسنِ خاتمہ کا عمل دریافت کیا، حضرتؒ نے چند لمحے سکوت فرمانے کے بعد یہ حدیث پاک سنائی:

"من کان آخر کلامه لا إله إلا الله دخل الجنة".(۱) "جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا"۔ یہ آخری حدیث ہے جو آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئی۔ ۱۸/ کی شب میں مرض میں اضافہ ہوگیا، ڈاکٹر لہر صاحب نے پانی وغیرہ نکالا، ۱۹ ر کو کچھ افاقہ محسوس ہوا۔

دنیا سے انقطاعِ کلی

اس درمیان دنیا سے انقطاعِ کلی کی سی کیفیت طاری رہتی تھی، محسوس ہوتا تھا کہ دنیا سے بالکل تعلق ختم کر کے مکمل طور پر آخرت کی طرف متوجہ ہیں اور گویا منتظر ہیں کہ کب ملک الموت تشریف لاتے ہیں اور اس دارِفانی سے دارالبقاء کی طرف دروازہ کب کھلتا ہے۔

کبھی غنودگی اور ربودگی کی سی کیفیت ہوتی عموماً خاموش لیٹے رہتے، کچھ افاقہ ہوتا تو زبان پر ذکر اللہ جاری رہتا، تلاوتِ کلام اللہ فرماتے، کبھی مکمل سکوت، کبھی سلام کرنے والوں کا جواب بھی مرحمت فرماتے۔

مکمل سکوت کی حالت میں بھی محسوس ہوتا کہ ذکرِ "پاس انفاس" برابر جاری ہے۔

مرض الوفات

۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ، ۲/ ستمبر بروز دوشنبہ (پیر) طبیعت اچانک زیادہ بگڑ گئی، ضعف انتہائی درجہ کو پہنچ گیا اور آفتاب غروب ہونے کے کچھ دیر بعد (۲/ ستمبر ۱۹۹۶ء کو ہندوستان میں ۱۷ ربیع الثانی تھی، گویا ۱۸/ کی شب جب کہ افریقہ میں ۱۹/ کی شب تھی) ۱۹/ ربیع الثانی منگل کی شب میں ساڑھے سات بجے، ہندوستان میں

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب مایقال عند من حضرہ الموت، الفصل الثانی، ص: ۱۴۱، قدیمی)

(وأخرجه أبو داؤد فی سننه فی کتاب الجنائز، باب فی التلقین: ۲/ ۸۸، امدادیه)

ساڑھے دس بجے یہ آفتابِ رشد وہدایت بھی غروب ہوکر علمی دنیا کو اندھیر کر گیا۔

جس نے خدائے پاک کے دین کی خاطر زندگی کا ایک ایک لمحہ قربان کیا تھا، اپنی اس مستعار زندگی کو بھی اس کے سپرد کردیا۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔

گویا آپ کا رواں رواں پکار رہا تھا ؎

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تم پر
مگر یہ زندگی ہے مستعار رکھتے ہیں

اور جو شخصیت دین کی خاطر ہمیشہ بے قرار رہتی تھی، زندگی کا آخری لمحہ تک دین پر نثار کرنے کے بعد جان جانِ آفریں کے حوالہ کرکے آخر اس بے قرار شخصیت کو قرار آہی گیا ؎

جان دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

"إن للّٰہ ما أخذ، ولہ ما أعطی، وکل شيء عندہ بأجل مسمی". (مسند احمد، رقم: ۲۱۲۶۹)

نمازِ جنازہ

لوگوں کی خواہش تھی نمازِ جنازہ مولانا ابراہیم صاحب زید مجدہم پڑھائیں، کیوں کہ وہی اس منصب کے سب سے زیادہ اہل تھے لیکن غم واندوہ کی تصویر بنے ہوئے مولانا ابراہیم صاحب شدتِ غم سے اتنے نڈھال تھے کہ وہ اس امر کے لئے تیار نہ ہوسکے، آخر کار مشورہ سے ہندوستان سے آئے ہوئے مہمانِ خصوصی حضرتؒ کے تلمیذ رشید وخلیفہ ومجاز حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی زید مجدہم شیخ الحدیث مدرسہ جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس ورکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا نام تجویز کیا گیا، نمازِ جنازہ پڑھانے کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔

نمازِ جنازہ کے دوران مجمع شدتِ غم سے بے قابو تھا لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں، نمازِ جنازہ میں شریک ہونے والوں کے مجمع کا اندازہ تقریباً دس ہزار کا تھا، سرزمینِ افریقہ نے شاید ہی اس سے قبل کسی جنازہ میں اتنا مجمع دیکھا ہوگا۔

جنازہ میں جنوبی افریقہ کے علاوہ بعض غیر ملکی حضرات نے بھی شرکت کی، بالخصوص مولانا عبدالرحیم

صاحب متالا زیدمجدہم مع رفقاء زمبیا سے، مولانا بدرعالم صاحب زیدمجدہم ری یونین سے، مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب زیدمجدہم ہندوستان سے جو پہلے سے جنوبی افریقہ حضرتؒ کی خدمت میں پہنچے تھے، بھی شریک ہوئے۔

نمازِ جنازہ قبرستان میں ادا کی گئی اور جہاں نماز جنازہ ہوئی اس جگہ سے قبر شریف قریب ہی تھی، لیکن ہجوم بے قابو تھا بڑی مشکل سے راستہ بنا کر قبر تک جنازہ لایا گیا۔

تدفین

حضرت کی تدفین ہیزل دین سے ۳/کلومیٹر فاصلہ پر ایلسبر گ کے قبرستان میں ہوئی، جہاں مولانا ابراہیم صاحب زیدمجدہم کے والدین مرحومین اور اہلِ خاندان کی قبریں ہیں۔ حضرتؒ کی قبر مبارک مولانا ابراہیم صاحب کی والدہ کی قبر کے دائیں جانب بنائی گئی۔ قبر میں اترنے والوں میں مولانا ابراہیم صاحب پانڈور، مولانا موسیٰ صاحب پانڈور، مفتی ابراہیم صالح جی صاحب مہتمم مدرسہ اسپنگو بیچ، مفتی رضاء الحق صاحب مفتی دارالعلوم زکریا اور مفتی اسماعیل عبدالرحیم صاحب مہتمم مدرسہ دارالبنات و مہتمم جامعہ محمودیہ اسپر نکس شامل تھے۔

حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے فتاویٰ پر تصحیح و تصویب کی غرض سے بہت سے حضرات علمائے کرام کے دستخط ثبت ہیں، لیکن جن حضرات کی دستخط اکثر فتاویٰ میں ہیں ان کے حالاتِ زندگی کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے، وہ حضرات یہ ہیں:

۱- حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحب، ناظم مظاہر علوم سہارنپور۔

۲- حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب، مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

۳- حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

۴- حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

آپ کے والد ماجد کا نام مولانا جمعیت علی صاحب ہے، آپ کی ولادت پور قاضی ضلع مظفر نگر میں ہوئی، تحقیقی طور پر آپ کا سنِ پیدائش معلوم نہیں، تخمینی اندازہ ۱۲۹۹ھ کا ہے۔

قرآن پاک اپنے وطن میں حافظ امانت علی صاحب بگھروی کے پاس رہ کر حفظ کیا، حافظ صاحب موصوف مدرسہ تعلیم القرآن جامع مسجد پور قاضی میں پڑھاتے تھے۔ حفظ القرآن کے بعد ابتدائی کتب فارسی اپنے والد محترم سے بہاولپور جا کر پڑھیں۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بہاولپور تشریف لے گئے تو اس موقع پر والد محترم نے مولانا کو دینی تعلیم کے لئے حضرت اقدس سہارنپوری کے حوالہ کر دیا اور آپ اس طرح حضرت کے ہمراہ سہارنپور آ گئے ۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۳۱۵ھ میں آپ کا داخلہ جامعہ مظاہر علوم میں ہوا، اس وقت آپ کی عمر سولہ ۱۶/ سال تھی۔

۱۳۲۲ھ میں آپ نے کتبِ صحاح کے ساتھ بیضاوی، ہدایہ آخرین اور قاضی مبارک پڑھ کر فراغت پائی۔ ۱۳۲۳ میں شعبۂ فنون میں داخلہ لے کر توضیح تلویح، دیوان متنبی، صدرا پڑھی۔

آپ نے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ شریف حضرت اقدس سہارنپوریؒ سے، نسائی شریف حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ سے اور مشکوٰۃ شریف مولانا ثابت علی صاحبؒ سے پڑھی ہیں۔

دورۂ حدیث کے امتحان سالانہ میں موصوف اپنی تمام جماعت میں اول نمبر پر آ کر کامیاب ہوئے جس پر آپ کو منجانب مدرسہ بطورِ انعام تفسیر بیضاوی شریف، سورہ بقرہ، مسامرہ شرح مسایرہ، تاریخ تیموری فتوح الشام دی گئیں۔

درس و تدریس

فراغت کے بعد ۱۳۲۳ھ میں آپ اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کی تجویز کے مطابق مظاہر علوم کے استاذ بنائے گئے۔

شوال ۱۳۳۹ھ میں آپ استاذ حدیث بنائے گئے، چوں کہ اس زمانہ میں حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ بذل المجہود کی تالیف میں مشغول تھے، اس لئے صبح کے وقت کے تمام اسباق دوسرے اساتذہ پر تقسیم

کئے گئے، مولانا کے پاس بخاری شریف اور ترمذی شریف کے اسباق آئے، اس طور پر پہلی مرتبہ حدیث کی ان دو کتابوں کا درس مولانا کے حوالہ ہوا۔

مولانا موصوف جید الاستعداد علماء میں سے تھے، ہر فن کی کتب بلا تکلف پڑھاتے، درس نظامی کی تمام کتابوں پر آپ کو عبور حاصل تھا لیکن آپ کی محنت کا اصل میدان حدیث شریف تھا، فنِ حدیث کی بلند و بالا کتاب بخاری کا درس سالہا سال تک آپ نے دیا ہے۔ ۱۳۲۴ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوریؒ حجاز تشریف لے جارہے تھے تو صحاح ستہ کے اسباق حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ پر تقسیم کئے گئے، حضرت شیخ قدس سرہٗ جب مدینہ منورہ سے واپس آئے تو وہ بھی اساتذہ حدیث کی اس بزم میں شامل ہوئے۔ ۱۳۴۶ھ سے لے کر ۱۳۷۲ھ تک بخاری شریف جلد ثانی کا درس حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ کے یہاں ہوتا تھا۔

اہتمام وانتظام

حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ جب ۱۳۳۳ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو عارضی طور پر آپ مظاہر علوم کے ناظم بنائے گئے، آپ نے اس موقع پر انتہائی تیقظ اور بیدار مغزی کے ساتھ اہتمام کے فرائض انجام دیئے اور اپنی اہلیت وصلاحیت کا اعتراف اپنے اکابر سے کرایا۔

۱۳۴۷ھ تک حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب نوراللہ مرقدہٗ مہتمم اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ ناظم رہے۔ ۲۰/ جمادی الثانیہ، ۱۳۴۷ھ میں حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ کے وصال پر یہ دونوں عہدے حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ کو تفویض کئے گئے۔

بیعت تو آپ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے تھے مگر اجازت وخلافت حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے حاصل ہوئی۔

حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ (مفتی محمود حسن گنگوہیؒ) نے آپ سے باقاعدہ تو کچھ نہیں پڑھا البتہ مظاہر علوم کے زمانۂ قیام میں طویل عرصہ تک فتاویٰ لکھ کر دکھاتے اور سناتے تھے اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نوراللہ مرقدہٗ اصلاح فرماتے تھے، اس اعتبار سے حضرت ناظم صاحبؒ کو فقیہ الامت قدس سرہٗ کے اساتذہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد نور اللہ مرقدہٗ

ولادتِ سعید

عید الاضحیٰ ۱۳۲۳ھ کا مبارک اور مسعود دن تھا، ہر طرف نور اور رحمت برس رہی تھی، لوگ اپنے روحانی باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت اور طریقے کی یاد تازہ کر رہے تھے، ایسے پُر سرور ماحول میں ضلع میرٹھ کے قصبہ اجراڑہ (جو ایک تاریخی اور قدیم قصبہ ہے) میں ایک خدا ترس، برگزیدہ شخصیت، باکمال و با اخلاق، دینداری میں ممتاز، اکابر و علمائے کرام سے والہانہ عقیدت رکھنے والے فردِ فرید منشی نور محمد صاحبؒ کے یہاں فرزند کی ولادت ہوئی۔ کس کو خبر تھی کہ یہ معصوم بچہ آگے چل کر علامۂ وقت بنے گا، اور ہزاروں لوگ اس سے فیض یاب ہوں گے..................؟؟؟

حضرت مولانا محمد مظہر الحق صاحب چاند پوریؒ (خلیفۂ حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ) نے آپ کا نام محمد سعید تجویز فرمایا تھا، لیکن بڑے ہو کر کسی مصلحت کی وجہ سے ذرا ترمیم فرماتے ہوئے آپ نے اپنا نام ''سعید احمد'' کر لیا اور اسی نام سے شہرت پائی۔

ابتدائی تعلیم

چونکہ گھرانہ دیندار اور بزرگوں سے ربط و تعلق رکھنے والا تھا، خود حضرت مفتی صاحب کو تعلیم کی جانب بچپن ہی میں رغبت تھی، آپ کے چچا ملا عبد المجید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ سعید کو ابتداء سے پڑھنے کا شوق تھا کھیل کود میں جی نہیں لگاتے تھے۔ انہوں نے تعلیم کا آغاز اپنے جدِ امجد جناب منشی نصیب اللہ صاحبؒ سے کیا، قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھنے کے بعد تکمیل حضرت حافظ شاہ محمد حسین صاحبؒ سے کی جو قطب العالم حضرت گنگوہیؒ کے خادمِ خاص اور مولانا الیاس صاحبؒ کے خاص دوستوں میں تھے، حضرت شیخ کا نکاح ثانی انہوں نے ہی کرایا تھا، صاحبِ کشف و کرامت نہایت مخلص، بردبار، متقی، غلط رسومات سے سخت مجتنب اور اوصافِ حمیدہ کے پیکر تھے۔

حفظ مکمل ہو جانے کے بعد فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں بھی موصوف ہی کے مدرسہ اسلامیہ اجراڑہ میں پڑھیں۔

تعلیم کے دوران بڑے صبر آزما اور مشقت کے دور سے گزرے، سب سے عظیم حادثہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ جانا تھا، لیکن ایسے نازک موقعہ پر بھی بلند ہمتی سے کام لیا اور بڑے استقلال ومضبوطی کے ساتھ اپنی تعلیم جاری رکھی۔ ۱۳۳۶ھ میں مظاہر علوم سہارنپور بغرضِ تعلیم داخل ہوئے اور بڑی مستعدی کے ساتھ تعلیم میں منہمک ہو گئے۔

حضرت مفتی صاحب کے چھوٹے فرزند حضرت مولانا اطہر حسین صاحب مدظلہ آپ کے زمانۂ طالب علمی کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

''آپ نے عام طلبہ کی طرح زمانۂ طالب علمی نہیں گزارا بلکہ نہایت محنت اور شوق ورغبت کے ساتھ تعلیم حاصل کی، اپنی جماعت میں آپ اکثر اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کرتے رہے، اساتذہ کا ادب واحترام ہمیشہ پیشِ نظر رہتا، کبھی کسی استاد کو آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ طبیعت میں یکسوئی تھی، اس لئے طلبہ سے اختلاط پسند نہ تھا۔ موصوف ہم کو اور اپنے تلامذہ کو وقتاً فوقتاً ہدایت کیا کرتے تھے کہ زیادہ تعلقات ہرگز نہ بڑھاؤ، اس میں بڑے مفاسد ہیں، زمانہ طالب علمی میں آپ پر جو حالات گزرے وہ ہم نااہل طلباء کے لئے قابلِ عبرت ہیں۔

والد صاحبؒ نے ایک روز سنایا کہ بیٹے! جب ہم مظاہر علوم میں آئے تو یہاں مطبخ نہ تھا، صرف چار روپیہ یا اس سے کم نقد وظیفہ ملتا تھا، مدرسہ کے قریب ایک باورچی رہتا تھا اس سے کچھ طلباء کھانا خریدتے تھے، ہم نے بھی اس سے کھانا لینا شروع کیا، مگر وہ اس قدر چربی ڈالتا تھا کہ ایک دوروز کھانے کے بعد ہی گلا بالکل بیٹھ گیا اور آواز بالکل نہیں نکلتی تھی، اس لئے مجبوراً ہم نے کھانا بند کر دیا اور کچھ چنے لا کر پسوائے ایک روٹی بنا کر کھالی، سالن وغیرہ کا بھی کوئی اہتمام نہ تھا، ناشتہ وغیرہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔

تجوید وقرأت مدرسہ کے مجوّدِ اعلیٰ جناب قاری عبدالعزیز صاحب کاکوری (جنہوں نے مدینہ طیبہ میں فنِ تجوید وقرأت حاصل کیا تھا) سے پڑھی، مظاہر کے اساتذہ سے علوم وفنون کی تکمیل کی۔ حدیث شریف کے لئے حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا ثابت علی نور اللہ مرقدہما کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

مظاہر علوم میں تقرر اور ایک خاص واقعہ

مظاہر علوم سے درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد ۱۳۴۳ھ میں افتاء سے فراغت حاصل کی، چونکہ علم کے ہر میدان میں آپ کو ملکۂ راسخہ اور پورا عبور حاصل تھا، اس لئے حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور کی درخواست پر حضرتِ اقدس سہارنپوریؒ نے خط تحریر فرما کر آپ کو سہارنپور بلایا جس کو حضرت مولانا اطہر حسین صاحب مدظلہٗ اس طرح ارقام فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرمانے لگے کہ بھائی تمہاری صلاحیت و قابلیت کی بناء پر میری رائے تمہارے متعلق اجرارہ رہنے کی نہیں ہے بلکہ کسی مدرسہ میں جہاں درسی کتابیں ہوں ملازمت کرلو، اس وقت دو ملازمت آئی ہیں (غالباً ایک لکھنؤ کی تھی، دوسری کوئٹہ کی) ایک چالیس روپے ماہوار کی ہے اور ایک ساٹھ روپے ماہوار کی ہے اور بھائی! ہمارے یہاں تنخواہوں کا معیار بہت گرا ہوا ہے، میرے خیال سے تم بڑی جگہ ساٹھ روپے کی ملازمت پر چلے جاؤ، کیوں کہ لوگ مولویوں کو مطعون کرتے ہیں کہ ان کو کوئی معقول ملازمت نہیں ملتی۔ والد صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت! مجھے بڑی تنخواہ مطلوب نہیں، معمولی تنخواہ پر اگر حضرت کی خدمت میں رہنے کا موقع مل جائے تو میرے لئے بسا غنیمت ہے۔ حضرت اس جواب سے مسرور ہوئے اور حسبِ روئیداد مدرسہ ہذا ۱۳۴۳ھ درجہ تجوید میں مدرس درجۂ دوم مقرر کردیئے گئے''۔

سفرِ حجاز اور صدر مفتی کے عہدہ پر فائز ہونا

۱۳۵۱ھ میں آپ نے زیارتِ حرمین شریفین کے لئے حجاز کا پہلا سفر فرمایا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو فتاویٰ نویسی میں بھی خصوصی مقام عطا فرمایا تھا، ہم عصر علماء کے ساتھ اکابر علماء بھی آپ کے تفقہ کے معترف تھے، فقہ آپ کی فطرتِ سلیمہ میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ گویا آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی، اس کمال کے باعث آپ ۱۳۵۱ھ میں ہی مظاہر علوم کے صدر مفتی کے عہدہ پر فائز کردیئے گئے۔ اس کے علاوہ ۱۳۶۸ھ سے اخیر عمر تک مظاہر علوم کے صدر مدرس رہے، اور حسنِ انتظام وخوش اسلوبی سے اس فریضہ کو انجام دیا، ۱۳۵۳ھ میں آپ نے

دوسراج کیا۔

بعض عظیم المرتبت شخصیات کے اعترافات

اپنے دور کے اصحابِ بصیرت علمائے کرام آپ کی صلاحیت، محققانہ انداز، جزئیات پر خاص بلکہ تبحر فی العلم اور آپ کے فتاویٰ نویسی میں غایتِ احتیاط کے معترف تھے، چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باوجود آپ کے شیخ ومرشد ہونے کے آپ کی تحقیقی تحریرات کی بنیاد پر اپنی بعض آراء سے رجوع فرمایا ہے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نوراللہ مرقدہٗ اپنے ایک مکتوب میں آپؒ کی وسعت نظری کے قائل ہونے کے ساتھ آپ کے تفقہ فی الدین کا بھی اعتراف فرماتے ہیں، مزید برآں یہ کہ بعض جلیل القدر اہلِ علم پر اس باب میں آپ کو فوقیت دیتے رہے، نیز اکثر مسائل میں آپ کی جانب رجوع فرماتے تھے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ ترتیب دے کر آپ کی خدمت میں بغرضِ اصلاح ترمیم ارسال فرمائے، چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرما کر حسبِ ضرورت مفید مشورے دیئے جن کو مفتی صاحبؒ نے بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور مستقل ''امدادالمفتیین'' کے مقدمہ میں اس کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

قاضیٔ شہر مختلف آراء سامنے آجانے کے بعد آپ ہی کے فیصلہ پر اعتماد فرماتے تھے، گویا آپ کا فیصلہ قطعی اور حتمی ہوتا تھا اسی لئے پورے شہر سہارنپور اور آس پاس اطراف میں آپ کا ہی فیصلہ نافذ ہوتا تھا۔

فقیہ الاسلام حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ سنایا کہ حضرت ناظم صاحبؒ (مولانا اسعد اللہ صاحبؒ) اپنے اہم امور میں حضرت والد صاحبؒ سے ہی مشورہ کیا کرتے تھے، والد صاحبؒ، حضرت ناظم صاحبؒ کے مشیر خاص تھے، اسی لئے بعض حضرات آپ کو نظام میں دخیل سمجھتے تھے۔

حضرت شیخ کا دوستانہ تعلق

حضرت شیخ (مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ) کے متعلقین اور وہ احباب کہ جن کے زیرِ مطالعہ حضرتؒ کی

آپ بیتی رہی وہ بخوبی اس امر سے واقف ہیں کہ اہلِ تعلق احباب میں سے جس کو جو خوبی یا خامی سامنے آئی بلا تکلف حضرت شیخ نے اس کا اظہار فرمادیا، شیخ اپنے دوستوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جو تحریر فرماتے ہیں وہ ملخصاً پیش ہے:

''میرے بہت سے مخلص دوست وعزیز جن سے مجھے انتہائی تعلق اور محبت تھی ان سے مدرسہ کے حقوق میں کوتاہی کی وجہ سے مجھے بہت ہی تکدر اور قلق رہا، اس کے بالمقابل میرے کئی دوست ایسے ہیں جن سے مجھے ابتداء میں تعلق نہیں تھا، امورِ مدرسہ میں احتیاط و اہتمام سے وہ میرے محبوب دوست بن گئے، انہیں میں سے قاری مفتی سعید احمد مرحوم بھی ہیں۔ ۴۷ھ میں جب وہ نائب مفتی ہوگئے اور یہ ناکارہ حجاز سے واپس آیا تو مرحوم سے درخواست کی کہ بعد ظہر میرا ایک سپارہ قرآن پاک کا رمضان میں سن لیا کریں، انہوں نے بہت صفائی سے کہہ دیا کہ وہ مدرسہ کا وقت ہے (کہ اس زمانہ میں غیر رمضان کی طرح رمضان میں بھی دفتر اور افتاء دونوں کا وقت صبح وشام ہوتا تھا) اگر ناظم صاحب فرمادیں گے تو سنوں گا ورنہ نہیں، ناظم صاحب (حضرت مولانا عبد اللطیف صاحبؒ) کی جو شفقتیں اس سیہ کار پر تھیں ان کے لحاظ سے اس میں ذرا بھی تامل نہ تھا کہ میں ان سے عرض کروں تو وہ بہت زور سے حکم نامہ جاری فرمادیں لیکن مجھے مرحوم کا یہ جواب بہت ہی اچھا معلوم ہوا اور میں نے ان سے کہا کہ جزاک اللہ، تم نے بہت اچھا جواب دیا''۔

محتاط زندگی گزارنے کا عجیب وغریب قصہ

''چند ماہ بعد ایک قصہ یہ پیش آیا کہ یہ ناکارہ اور ناظم صاحب مدرسہ عربیہ اجراڑہ کے سرپرست تھے اور سالانہ جلسہ میں بڑے اہتمام سے جاتے تھے، اس سال میں تو پہلے ہی عذر کر چکا تھا، حضرت ناظم صاحب کا ارادہ تشریف لے جانے کا تھا مگر عینِ وقت پر ان کو بھی عذر پیش آگیا، بعد مشورہ قاری صاحب مرحوم کو بھیجنا طے ہوا، وہ حکماً چلے گئے۔ اس ناکارہ کی صحت اس زمانے میں بہت اچھی تھی، اس لئے دیگر امور کے ساتھ مدرسین کی حاضری کا رجسٹر بھی اہتمام سے دیکھتا تھا، اس دن میں نے رجسٹر میں قاری سعید احمد

صاحب مرحوم کی ان ایام میں رخصت دیکھی، میں نے کتب خانہ والوں سے دریافت کیا کہ قاری سعید احمد مرحوم ہمارے بھیجے ہوئے بکارِ مدرسہ اجراڑہ گئے ہیں ان کی رخصت کیوں ہے؟ کتب خانہ والوں نے کہا کہ انہوں نے خود اپنی رخصت لکھوائی ہے۔ میں نے کتب خانہ سے واپسی پر راستہ میں قاری سعید احمد مرحوم سے مطالبہ کیا کہ آپ نے رخصت کیوں لکھوائی ہے؟ مجھے اپنا مطالبہ اور ان کا جواب اور اپنا جواب الجواب خوب یاد ہے، انہوں نے فرمایا کہ میرا گھر بھی تو وہیں ہے، بہر حال میں اپنے گھر بھی گیا تھا، مجھے اپنے الفاظ خوب یاد ہیں، میں نے کہا کہ تُو تو بڑا اچھا ونڈا نکلا، کل سے دو پہر کی روٹی میرے ساتھ کھایا کر۔ اللہ تعالیٰ اس مرحوم کو بہت ہی بلند مراتب عطا فرمائے، ترقیات سے نوازے۔

میری اس پیش کش کو مرحوم نے ایسا نبھایا کہ جب تک وہ اپنے مرض الوصال میں چارپائی پر سے اٹھنے سے معذور نہ ہو گئے، کبھی بھی دو پہر کا کھانا میرے ساتھ نہ چھوڑا بلکہ ان کے ذاتی مہمان بھی اگر آجاتے تو ان کا بھی کھانا گھر سے منگا کر میرے ساتھ ہی ان کو کھلاتے تھے اور میرے جو خصوصی مہمان آتے تھے ان کے ساتھ شام کو بھی بجائے میرے وہ ہی میزبانی کرتے تھے اور تعلق دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا، اور پھر تو میرے سفر و حضر کے مصاحب بن گئے، اور انہوں نے بہت ہی حقِ دوستی ادا کیا۔ مرحوم کے لئے بہت ہی دعائیں کرتا ہوں، مرحوم بہت عرصہ تک شدید بیمار رہے۔

مرحوم کا ایک معمول بہت اہتمام کے ساتھ یہ بھی تھا کہ عید الفطر کی صبح کو مدرسہ قدیم سے فجر کی نماز پڑھا کر پہلے اس ناکارہ کے مکان پر آتے اور وہاں سے کھجور سے افطار اور چائے وغیرہ پینے کے بعد اور اسی دوران ان کے گھر سے مزیدار پلاؤ بھی آجاتی تھی اس کو بھی مجلس میں ہم لوگ لقمہ لقمہ کر کے ختم کر دیتے، اس سے نمٹ کر وہ اپنے گھر جاتے تھے۔

یکم شوال ۷۶ھ کو مرحوم کا ایک دستی پرچہ میرے نام آیا کہ ۴۸ھ سے اب تک ۲۸/ سال کے عرصہ میں کوئی عید ایسی نہیں گزری کہ میں نے نماز صبح کے بعد آپ کے یہاں

حاضری نہ دی ہو، افسوس کہ آج میں اپنی شدید بیماری کی وجہ سے محروم ہوں، مجھے اس کا جس قدر افسوس ہے اس کا بھی آپ کو علم ہوگا۔ میں اس پرچہ کو پڑھ کر بے تاب ہوگیا اور اسی وقت عید سے پہلے مرحوم سے مل کر آیا اور مرحوم خوب مل کر روئے اور مجھے بھی رلایا، اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند درجات عطا فرماوے۔ ان کی خوبیاں اگر لکھوں تو مستقل ایک دفتر چاہیے، میرے رائے پور کے سفر کا تو آخر زمانہ میں مستقل رفیق بن گیا تھا اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کو بہت ہی شفقت ہوگئی تھی، اگر مرحوم کے بغیر جانا ہوتا تو حضرت دریافت فرماتے کہ تمہارے دوست نہیں آئے''۔

بیعت وارشاد

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ سے زمانۂ طالب علمی سے ہی عقیدت و محبت پیدا ہوگئی تھی، اسی لئے قبل البلوغ ہی حضرتؒ سے بیعت واصلاح کا تعلق قائم کرلیا تھا، آپ کے قلبِ مبارک میں حضرت محدثؒ کی بے پناہ الفت ومحبت رچ بس گئی تھی، بالغ ہونے کے بعد اپنی بیعت کی تجدید فرمائی، آپ حضرت کی اطاعت اور تعمیلِ ارشاد کو باعثِ سعادت سمجھتے تھے، آپ کے حکم کے منتظر اور حریص رہتے تھے۔

آپ کے قلب میں حضرت کے فرمان کی اس قدر اہمیت تھی کہ ایک مرتبہ کا فرما دینا ہی کافی ہوتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت قدس سرہٗ نے آپ کو مدرسہ قدیم کی مسجد کی امامت کے لئے فرمایا، آپ نے زندگی کے آخری لمحات تک تقریباً تیس سال اس کو اہم فریضہ سمجھا، مزید خوبی یہ کہ پوری عمر اس پر کچھ معاوضہ نہیں لیا، کیسی ہی تاریکی، طوفان اور بارش ہوتی لیکن آپ کے لئے مانع نہ بنتی، اس قدر اہتمام فرماتے کہ بعض مرتبہ بہت سویرے مسجد تشریف لاتے اور مؤذن کو آپ ہی بیدار فرماتے۔

بچوں کی تربیّت کا انوکھا انداز

بابِ تربیت میں بھی آپ کو ملکہ حاصل تھا اور اصولِ تربیت سے آپ کو اچھی طرح واقفیت تھی، فطرتاً آپ مزاح کے عادی نہ تھے، اسی لئے بچوں کے ساتھ زیادہ بے تکلف نہ ہوتے تھے، حتی الوسع یہ سعی فرماتے تھے کہ بچہ

بغیر زدوکوب کے ہی طریقِ مضر سے باز رہے، ضرورت پیش آنے پر ڈانٹ ڈپٹ بھی فرمادیتے۔ بچہ کو پیسے وغیرہ عنایت فرمانے میں انوکھا طریق یہ تھا کہ اس کے کسی کام پر بطورِ انعام کہہ کر دیتے تاکہ ترقی کی جانب رغبت پیدا ہو، آپ بچوں سے زیادہ مزاح نہ فرماتے، اسی لئے بچوں کو بھی اولاً آپ کے روبرو بے ادبی اور بولنے کی جرأت نہ ہوتی، اپنے بچوں کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی تلقین فرماتے اور عملی طریقے سے ان کو اس کا عادی بناتے، انبیاء وصالحین کے قصے سنانے کا بھی معمول تھا، کبھی قصۂ یوسف-علیہ الصلوۃ والسلام- سناتے اور کبھی اور۔

آپ کے درس کی خصوصیات

آپ کے درس کی بعض خصوصیات جداگانہ اور ممتاز ہیں، آپ مزاح کے عادی نہ ہونے کے باوجود درس میں فرحت وانبساط سے رہتے، کبھی مزاح بھی فرماتے، تاکہ طالب علم مرعوب نہ ہو اور ہر شخص سوال کر سکے، اسی لئے ہر طالب علم کے سوال کا جواب ضرور دیتے خواہ وہ کیسا بھی بے حقیقت اور غیر موزوں ہو مگر اس کی دلداری کی خاطر جواب دیتے۔

آپ ہمیشہ درس کی تمام جزئیات پر گہری نظر رکھتے، کسی بحث کو ادھوری نہ چھوڑتے، ہر باب کی واضح پُرمغز اور موثر تقریر فرماتے، مطالعہ کے عادی تھے، بلا مطالعہ نہ پڑھاتے تھے، بلکہ تحریر میں ضبطِ مطالعہ کی بھی عادت تھی، مشکوۃ وجلالین پر خصوصاً تر قیمات ثبت ہیں جو کہ بمنزلۂ شرح کے کہی جاسکتی ہیں، مشکوۃ کی مستقل اردو میں بھی تفصیلی کاپیاں بڑی محنت سے لکھی تھیں، جو عبداللطیف حصاری لے گئے تھے اور پھر تقسیمِ ہند کی صورت ہوئی تو وہ واپس نہ کر سکے۔

آپ رسوم وبدعات اور آج کل کے صوفیہ کی خوب خبر لیتے تھے۔ مشکوۃ وجلالین کے طلبہ کو اسمائے حسنیٰ حفظ کرنے کی ترغیب دیتے اور یاد کرنے پر کچھ انعام بھی عنایت فرمادیتے، طلبہ کی نگہداشت اور تربیت کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے، ہمیشہ باوضو ہو کر درس میں تشریف لے جاتے۔ ایک بار ۱۳۷ھ میں بخاری کے درس میں اس معمول کا ذکر حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ قاری (مفتی سعید احمدؒ) کی یہ ادا مجھے بہت پسند آئی کہ میں اپنے کمرہ سے دیکھتا کہ وہ قاری ترمذی کے درس میں جاتے تو پہلے وضو کرتے اور پھر دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر درس کے لئے روانہ ہوتے تھے۔

سالہا سال تک اپنے درسِ حدیث سے تشنگانِ علوم کو سیراب کرتے رہے، آپ کے درس میں مسائل

حاضرہ پر گفتگو اور درسِ جلالین میں طنطاوی پر رد بھی ہوتا تھا۔

تواضع، سادگی اور فقیرانہ زندگی

مزاج میں نہایت سادگی تھی، لباس موٹا اور سنت کے مطابق ہوتا، لانبا کرتا، نصفِ ساق تک کا اونچا پائجامہ، مغلئی ٹوپی، اکثر دوپلی گاہے گول، اور سر پر عمامہ بھی ہوتا تھا۔ اخیر زمانہ میں عمومی طور پر عمامہ نہ باندھتے تھے، لیکن پھر بھی بوقتِ ضرورت لنگی ہی سے عمامہ کا کام لے لیتے۔ سفر میں کوئی ہینڈ بیگ یا اٹیچی نہ رکھتے، بلکہ کپڑوں کو لنگی میں لپیٹ کر بغل میں دبا لیتے تھے، باوجودِ قدرت کے عمر بھر آپ کی سادگی کا یہی حال رہا اور اسی کی قولاً وعملاً ہمیشہ ترغیب دی۔

آپ اپنا کام خود کیا کرتے تھے، طلبہ یا اپنے پاس رہنے والوں سے اکثر خدمت نہ لیتے، بازار سے غلہ یا گھر کی دیگر ضروری اشیاء خود ہی خریدتے اور صاحبزدگان کو ساتھ لے جاتے، اور اس طرح کام کرنے کو معیوب نہ سمجھتے اور سب کو خود ہی کام کرنے کی ترغیب دیتے اور اکثر "كان محمد يدور على الصواغين" کے الفاظ کے ساتھ امام محمدؒ کا معمول نقل فرماتے کہ امام علیہ الرحمۃ زرگروں کے پاس چکر لگاتے اور ان کے معاملات دیکھ کر پھر احکام لکھتے تھے۔

آپ کی سادگی تواضع ومسکنت کے بارے میں سیدی ومرشدی فقیہ الاسلام حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''میرے والد صاحب (مفتی سعید احمدؒ) نے بڑی سادہ زندگی گزاری ہے جب کہ اللہ نے خوب نوازا تھا، حضرت مدنی اور حضرت تھانویؒ رحمھما اللہ تعالیٰ بڑا احترام فرماتے تھے، گھر میں بجلی نہیں تھی بلکہ پوری زندگی چراغ وغیرہ سے کام لیا جاتا رہا، ایک پڑوسی نے کہا کہ میرے یہاں سے تار لے لیا جاوے لیکن والد صاحب نے بڑی سختی سے منع فرمادیا۔

سہارنپور میں اپنا مکان نہیں بنایا، ہمیشہ کرائے کے مکان میں رہے، ایک بار والدہ صاحبہ نے کہا بھی، فرمایا ہمارا یہاں کون ہے، خاندان نہیں، رشتہ دار نہیں، محض ملازمت ہے، کیوں ملازمت کی وجہ سے مکان بنایا جائے، آج اگر اہلِ مدرسہ منع کردیں یا ہمیں ہی مدرسہ چھوڑنا پڑ جائے تو کل یہاں سے جانا پڑے گا''۔

دو خاص نصیحتیں

حضرت والا آگے تحریر فرماتے ہیں:

''میرے والد صاحب دل کے مریض تھے ، لیٹے ہوئے تھے، حاجی عرفان (منّی) صاحب آ گئے ، کہنے لگے، حضرت! دارالعلوم دیو بند میں تنخواہوں کی افراط ہے اور آپ کے یہاں مظاہر علوم میں تفریط ،یعنی آپ کی تنخواہیں قلیل ہیں کچھ اضافہ ہونا چاہیے، یہ سن کر والد صاحب بہت روئے ، حاجی صاحب کو خیال ہوا کہ مفتی صاحب دل کے مریض ہیں اور میرے کہنے سے ان کی حالت بگڑتی نظر آ رہی ہے، یہ اچھا نہیں ہوا۔ پھر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ حاجی جی !مدارس میں امداد کا پیسہ بہت کم آتا ہے، زیادہ زکوٰۃ وصدقات کا آتا ہے، جو''أوساخ الناس'' یعنی لوگوں کا میل کچیل ہے، بہتر تو یہ ہے کہ مدارس میں بغیر تنخواہ کے کام کیا جاوے اور اگر تنخواہ لی جاوے تو کم از کم ہونی چاہیے۔

والد صاحب نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ دیکھو دو باتیں یاد رکھنا: ایک تو تنخواہ میں اضافہ کی درخواست مت دینا، دوسری بات یہ ہے کہ اہلِ مدرسہ سے یہ مطالبہ نہ کرنا کہ فلاں کتاب دیدی جاوے، الحمدللہ آج تک اس پر عمل ہے''۔

حضرت والا نے ایک موقعہ پر سنایا:

''والد صاحبؒ کی خدمت میں بحالتِ مرض الموت ہم لوگ حاضر تھے، فرمایا: میرے ذمہ کسی کا قرض نہیں، کبھی بعد میں یہ خیال کریں کہ باپ تو مزے لے کر چلا گیا اور ہمیں قرض میں دبا دیا۔ دوسرے یہ کہ گھر میں جو سامان ہے، سب کا سب تمہاری والدہ کا ہے، انہوں نے اپنے خرچ سے بچا بچا کر جمع کیا ہے، اس لئے اس میں کسی اَور کا حصہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ میرے پاس اپنی ذاتی رقم یا سامان نہیں ہے کہ ترکہ ہو اور اس میں جھگڑا بنے۔ رہی یہ بات کہ میرے بعد بچوں کا کیا ہوگا، سو اس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا فرمان پیش نظر ہے کہ ان سے مرض الوفات میں کسی نے عرض کیا، حضرت! آپ کے بعد بچوں کا کیا ہوگا؟ فرمایا: ''میرے بچے اگر نیک رہے تو اللہ ان کی کفالت خود فرمائے گا: ﴿وھو یتولی

الصالحین﴾ اور ''وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی''۔ جب اللہ کا وعدہ ہے تو مجھے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر یہ نیک نہ رہے تو اللہ کو ان کی پرواہ نہیں، جب اللہ کو پرواہ نہیں تو میں کیوں ان کی پرواہ کروں۔

یہ سنانے کے بعد میرے حضرت آبدیدہ ہوگئے اور کچھ دیر سکوت رہا، پھر دوسری بات شروع ہوگئی اور پہلی حالت عود کر آئی''۔

اوصافِ حمیدہ

آپ اپنے اساتذہ اور شیخ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے منظورِ نظر، علم و کمال میں یکتا، تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت، تواضع وانکساری، دقتِ نظر، استغنائیت وخوداری اور خلوص وللّٰہیت کے پیکر تھے۔

حدیث وتفسیر، فقہ وفتاویٰ اور دقیق مسائل پر بیک وقت مکمل عبور حاصل تھا، اوقات ومعمولات کے پابند، تصنع اور تکلف سے متنفر ﴿وما انا من المتکلفین﴾ کے مصداق تھے، ذاتی کام کے لئے مدرسہ کی بجلی استعمال نہ کرتے بلکہ ایک لالٹین جلتی، اسی میں بچوں کو پڑھنے لکھنے کا حکم تھا، سنجیدگی اور وقار قدم بقدم ظاہر ہوتا تھا، دینی خدمت کا جذبہ پورے طور سے کارفرما تھا، حلم وبردباری اور حکمتِ عملی سے کام لیتے۔

آپ کسی سیاسی سرگرمی میں مستقل حصہ نہ لیتے، ہاں افکار ورجحانات میں حضرت مدنی قدس سرہٗ کے ہم ذوق تھے، ضرورت پیش آنے پر حمایت اور تعاون فرماتے، قرآن کریم کی خدمت کرنا اپنی سعادت سمجھتے اور مشاغل کثیرہ کے باوجود ایسی تعلیمی تحریکوں میں اپنی علمی وعملی سرگرمیوں اور انتہائی کوششوں کے ساتھ حصہ لیتے۔

تالیفات وتصنیفات

درس وتدریس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف وتالیف کے خاص ذوق اور سلیقہ سے بھی نوازا تھا، اپنے ذمہ قرآن کریم کا حق سمجھتے ہوئے اولاً آپ نے تجوید وقرأت پر قلم اٹھایا، چنانچہ ''فیض العزیز''، ''القلائد الجوہریہ''، ''شرح جزری''، ''شرح خلاصۃ البیان'' (عربی) کی تصنیف ''شرح شاطبیہ'' (عربی) کی تصنیف اور ''فوائد مکیہ'' پر حاشیہ ارقام فرمایا۔

علم فقہ میں بھی آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں، چنانچہ مناسکِ حج کے سلسلہ میں ''معلم الحجاج'' آپ کی وہ مایہ ناز کتاب ہے کہ جس کی تصنیف کے زمانہ میں بعض صالحین نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدرسہ کے کتب خانہ میں تشریف فرما ہیں اور حضرت مفتی صاحب کتابوں کا گرد و غبار صاف کررہے ہیں، بعض معبرین نے اس خواب کو سن کر فرمایا کہ یہ حضرت مفتی کا تصنیفی کارنامہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اس کام کے مقبول ومبرور ہونے کی علامت ہے۔

علاوہ ازیں ''نوٹ کی حقیقت''، ''الکحل آمیز ادویہ''، ''احکام الصید''، ''الحج المبرور''، ''رباء القرض''، ''اغلاط الحجاج''، ''اقوال الأخیار فی حسنات الکفار'' اور ''عربی حاشیہ بہشتی زیور'' بلاشرکتِ غیرے بھی موصوف کی تصنیف ہے جو اولاً مطبع مجتبائی سے طبع ہوا پھر بعد میں دوسرے مطبع والوں نے کسی قدر اضافہ کے ساتھ شائع کیا۔

''مشرقی کا اسلام''، ''آئینۂ نماز''، ''فتاویٰ مظہریہ''، ''آداب السلام'' اور ''حاشیہ مختصر المعانی'' مطبوعہ مجتبائی بھی آپ کے قلم کا فیضان ہے، آپ کی زندگی نے وفا نہ کی اس لئے ''آداب الإفتاء'' کی تکمیل نہ فرما سکے۔

نور الایضاح پر بھی حاشیہ تحریر فرمایا، ان کے علاوہ حدیث، تفسیر، فقہ کی کتابوں پر ترقیمات بھی ثبت فرمائیں، جن میں ''ترمذی، مشکوٰۃ، نسائی، جلالین، بذل المجھود، ہدایہ، کنز الدقائق، بدائع الصنائع'' اور فقہ حنفی کی بنیادی حیثیت رکھنے والی عظیم الشان کتاب ''شامی'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کی تصانیف: ''تبلیغی نصاب، اوجز المسالک'' وغیرہ کی اصلاحات کے ساتھ آپ نے مفید مشورے بھی دیئے، دیگر اربابِ علم وفضل مصنفین بھی آپ کی خدمت میں اپنی کتاب بغرضِ اصلاح وتقریظ پیش کرتے جن پر آپ اصلاحی نظر فرماتے رہے۔ حضرت شیخ کی ''اوجز المسالک'' پر تقریظ بھی تحریر فرمائی ہے، اور مسئلہ امارت جس پر شیخ الحدیث صاحب نے ''معارف الشیخ'' کے نام سے ایک جز شائع کیا ہے، اس کی تیاری بھی حضرت مفتی صاحب ہی نے فرمائی ہے جیسا کہ مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ کی روایت ہے۔

علالت، وفات اور آخری وصیت

آپ ایک سال تک متواتر امراض میں مبتلا رہے، مختلف علاج اور دوائیں کی گئیں لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا، بالآخر پیمانۂ عمر لبریز ہوا اور وہ آفتابِ علم وہدایت جو برسہا برس سے اپنے علمی وعرفانی انوار کی بارش کرتا رہا، وہ پرہیز گار ومتقی بزرگ جو اپنے اندر جذبۂ شاہین اور استقامتِ جبل لئے ہوئے تھا، وہ خلوص وللّٰہیت کا پیکر جو فطرتاً

شریف اور فہیم وحکیم تھا بالآخر ۲/صفر المظفر /۱۳۸۸ھ بمطابق ۱۹/ اگست/ ۱۹۵۷ءکو اپنے محبوبِ حقیقی سے جاملا۔

إنالله وإنا إليه راجعون۔

دارِ جدید کے وسیع میدان میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی جس میں کثیر مجمع نے شرکت کی، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہٗ کے بائیں جانب تدفین ہوئی، جہاں مولانا عنایت الٰہیؒ، مولانا ثابت علیؒ، مولانا یحییٰؒ اور مولانا پیر محمد رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے استاد مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا اسعد اللہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ اکابر علمائے مظاہر علوم مدفون ہیں۔

آپ کی سب سے آخری وصیت اور نصیحت آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور ہم سبھوں کے لئے درس کی حیثیت رکھتی ہے۔فرمایا:

> ''میں اپنے دوستوں اور ملنے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ زندگی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کریں''۔

اللہ تعالیٰ حضرت اقدس مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی قبر کو پُر نور اور اپنی رحمتوں کے سایہ میں رکھے، درجاتِ عالیہ عطاء فرمائے۔آمین!

استاذ الفقہاء حضرت مولانا مفتی مہدی حسن رحمہ اللہ تعالیٰ

شاہ جہاں پور آپ کا وطن ہے، ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے، تعلیم کی تکمیل ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی میں کی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے ممتاز تلامذہ میں تھے، دارالعلوم دیوبند کے ۱۳۲۸ھ کے جلسۂ دستار بندی میں ان کی بھی دستار بندی ہوئی تھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مفتی صاحب نے انہیں مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت بھیج دیا، وہاں طویل مدت تک افتاء اور تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اہلِ گجرات پر ان کے علم وفضل کا بڑا اثر تھا۔

فقہ حنفی میں بے نظیر مہارت کے ساتھ حدیث اور اسماء الرجال پر بھی ان کی نظر بڑی گہری تھی۔

۱۳۶۷ھ میں انہیں دارالعلوم کے دارالافتاء میں صدر مفتی کے منصب پر مامور کیا گیا، ۱۳۸۷ھ میں اپنی طویل علالت اور ضعف وکمزوری کی وجہ سے دارالعلوم سے سبکدوش ہوکر وطنِ مالوف شاہ جہاں پور'' چلے گئے۔ ان کے زمانۂ صدارت میں دارالافتاء دارالعلوم سے ۵۳۲۴ ، فتاویٰ جاری ہوئے۔

مفتی مہدی حسن صاحب زاہد ومتقی، متواضع اور فیاض طبع تھے، اس کے ساتھ صاف گو اور اظہارِ حق میں بے باک تھے، شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے اور آزاد تخلص تھا، حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے، مگر اجازت و خلافت حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ مولانا شفیع الدین مکی سے حاصل ہوئی۔

مفتی مہدی حسن صاحب کئی اہم کتابوں کے مصنف ومرتب ہیں، جن میں حدیث کی شرح معانی الآثار للطحاوی کی عربی شرح قلائد الازهار کے نام سے ۶/ جلدوں میں ہے، اس کی دو جلدیں طبع ہوچکی ہیں۔ فقہ میں امام محمدؒ کی کتاب الحجه پر- جو ۴/ جلدوں میں ہے- ان کی تصحیح وتعلیق کے ساتھ دائرۃ المعارف میں اس کی ابتدائی دو جلدیں چھپی ہیں، یہ کتاب بڑی نایاب تھی، اس کا ایک نسخہ استنبول میں موجود تھا، یہ فقہ حنفی کی

بنیادی کتابوں میں سے ہے، مفتی صاحب نے اس کے مسودے کی تصحیح وتعلیق میں ۲۰/ سال صرف کئے ہیں۔

امام محمد کی کتاب الآثار پر ان کی تعلیقات گراں قدر علمی سرمایہ ہیں۔ نخبة الفکر کی شرح بھی انہوں نے لکھی ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ یہ کتابیں عربی زبان میں ہیں، ان کے علاوہ اُردو میں دو درجن سے زائد رسائل انہوں نے لکھے ہیں، جو طبع نہیں ہوسکے۔

مفتی مہدی حسن صاحب نے طویل علالت کے بعد اپنے وطن شاہجہاں پور میں ۲۸/ ربیع الثانی/ ۱۳۹۶ھ کو وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی علمی خدمات کو ان کے لئے اور ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت اور وسیلہ نجات بنائے۔ آمین!

☆......☆......☆......☆......☆

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی نظام الدین دامت برکاتہم العالیہ

ولادت باسعادت

ماہِ ذیقعدہ/ ۱۳۲۸ھ، مطابق ماہِ نومبر ۱۹۱۰ء بمقام اوندر، ضلع اعظم گڑھ (مئو) میں ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت

حضرت والا نے دس سال کی عمر میں پرائمری درجہ چار پاس کیا، اس سے قبل چند ماہ سخت علیل رہے۔ فرماتے ہیں کہ بیماری میں اکثر حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کو دیکھتا کہ حضرتؒ مجھے بلا کر اپنے سامنے بٹھاتے اور کچھ دعائیں دیتے، دعائیں تو یاد نہیں کہ کیا دیتے اور کیا فرماتے، صرف اتنا احساس ہے کہ ان کی طرف کشش بہت ہوتی اور جی چاہتا کہ ایسا ہی ہوجانا چاہیے، اسی طرح اکثر و بیشتر خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کو بھی دیکھتا، وہ بھی اسی طرح شفقت فرماتے، اور حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو تو کبھی کبھی سبز رنگ کے تختِ طاؤس پر جلوہ افروز دیکھتا وہ بھی سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے۔

اسی زمانہ میں حضرت والا کے سب سے چھوٹے ماموں حاجی عبدالقیوم صاحبؒ جو اس وقت انجمنِ اسلامیہ گورکھپور میں پڑھتے تھے، وہاں انجمن کے سالانہ جلسہ میں علمائے دیوبند تشریف لاتے ان کے بیانات وواقعات ماموں صاحبؒ بیان کرتے، اس سے بھی کشش ہوتی کہ ایسا ہی ہوجانا چاہیے۔

غالباً یہی سب باتیں باعثِ کشش بن گئیں کہ درجہ چار (پرائمری) پاس کرنے کے بعد حضرت والا نے طے کرلیا کہ اب عربی فارسی پڑھ کر عالم بننا چاہیے۔ والد مرحوم جناب مولانا محمد رفیع صاحبؒ نے بہت ترغیب دی کہ ایک مسلم آبادی موضع یوسف پور میں اپنی زمین داری اور چھاؤنی ہے تم وہیں جا کر اس کے قریب موضع فتح پور کے مڈل اسکول میں پڑھو اور اپنی چھاؤنی میں رہو اور فرمایا کہ اس موضع کی پوری آمدنی سے جتنا پڑھنا چاہو

پڑھاؤں گا۔ ادھر حضرت والا کا پورا خاندان انگریزی داں تھا اور کم وبیش چھ پشت سے کوئی عربی داں نہیں تھا، البتہ شاہی دور میں خاندان کے لوگ مفتی، قاضی، قاضی القضاۃ، صدر الصدور وغیرہ ملتے ہیں مگر انگریزی دور میں سب انگلش تعلیم میں منہمک ہو چکے تھے اور یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ عربی تعلیم کہاں ہوتی ہے، مگر حضرت والا کا اصرار تھا کہ عربی تعلیم ہی حاصل کروں گا۔

اتفاق سے حضرت والا کی منجھلی خالہ (جن کے کوئی اولاد نہیں تھی) تشریف لے آئیں اور عربی پڑھنے کی خواہش دیکھ کر اپنے ہمراہ قصبہ مبارک پور اعظم گڑھ لے گئیں، بحمد اللہ وبفضلہ وہاں مدرسہ احیاء العلوم میں دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ بہت سے علماء حضرات تھے، اب احیاء العلوم میں تعلیم کا آغاز ہوا، اردو بقدرِ ضرورت پڑھ کر فارسی پڑھی، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز ولی صفت اور واقعی اللہ کی نعمت تھے، بڑی شفقت سے ایک دو ہی سال میں فارسی کا نصاب مکمل کرا کر عربی شروع کرادی۔ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحبؒ اور مولانا شکر اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ احیاء العلوم اور دیگر اساتذہ بڑی شفقت ومحبت رکھتے تھے اور بہت جلد ہی علم الصیغہ وغیرہ کتابیں شروع کرادیں۔

اسی دوران حضرت والا کے شیخ ومرشد عارف باللہ حضرت مولانا الشاہ محمد وصی اللہ علیہ الرحمہ خلیفۂ ارشاد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ احیاء العلوم میں مدرس ہو کر تشریف لائے۔ حضرت والا اپنے شیخ وملجاء کی خدمت کو لازم پکڑ کر موصوف ہی کے پاس رہے اور ابتدائی تعلیم کے بعد تین سال بہار شریف کے مدرسہ عزیزیہ میں تعلیم حاصل کر کے دہلی مدرسہ عالیہ فتحپور تشریف لے گئے، پھر وہاں سے ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند میں تشریف لا کر ۱۳۵۲ھ میں فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اولاً مدرسہ جامع العلوم جین پور ضلع اعظم گڑھ میں تقریباً پانچ سال تدریسی خدمات انجام دیں، بعدہ مدرسہ جامع العلوم محلّہ دھمال ضلع گورکھپور میں ۳/ سال تک اپنے علوم بیکراں و بے پایاں سے طلبۂ علومِ نبوت کو مستفیض کیا۔ اس کے بعد پھر بحکمِ شیخ دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں تشریف آوری ہوئی اور تقریباً پچیس سال کے عرصہ دراز تک درس وتدریس اور فتاویٰ نویسی کی خدمات جلیلہ انجام دیں۔

دارالعلوم مئو کے قیام کے دوران ہی حضرت مولانا الشاہ محمد وصی اللہ صاحبؒ نے اجازتِ بیعت وتلقین سے بھی نوازا۔

حضرت والا اور شاہ صاحب کا جانبین سے جو والہانہ اور عاشقانہ تعلق تھا اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، حضرت والا کا شمار شاہ صاحب کے اخص الخواص خدّام میں ہوتا تھا، حتی کہ گھریلو اور خانگی معاملات میں بھی شاہ صاحبؒ کے مشورہ اور حکم کے مطابق قدم اٹھاتے تھے۔

دارالعلوم مئو کے قیام کے بعد حضرت والا کی تشریف آوری ماہ رجب ۱۳۸۵ھ میں بحکمِ شیخ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں ہوئی اور فتاوی نویسی کے عہدہ پر فائز کئے گئے اور اب تک اسی خدمت عظمت کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

تصانیف:

یوں تو حضرت والا کے تحریر کردہ فتاوی ہزاروں سے زائد رجسٹروں میں محفوظ ہیں، اسی کے ساتھ "أنوار السنة لرواة الجنه المعروف به فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان" کی تبییض کا اہم کارنامہ انجام دیا، یہ کتاب علمِ حدیث میں ایک عجیب انداز کی کتاب ہے، مشکوۃ پڑھنے والوں کو عموماً یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ احناف کے پاس سرمایۂ حدیث نہیں ہے اگر ہے تو بہت کمزور اور بہت کم ہے، اس کتاب سے یہ خلجان بالکلیہ رفع ہوجاتا ہے اور واضح ہوجاتا ہے کہ احناف کی تائید واثبات میں جس قدر احادیثِ صحیحہ ہیں کسی دوسرے کے پاس نہیں ہیں۔ یہ کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز کی آخری تصنیف ہے، كما لا يخفى على من طالعه۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کی وجہ تصنیف میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ جب میں ہدایہ پڑھتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ احناف کے پاس سرمایۂ حدیث نہیں ہے اگر ہے تو بہت کمزور ہے، پھر مشکوۃ پڑھنے لگا تو معلوم ہونے لگا کہ واقعی مسلکِ احناف میں احادیث کا سرمایہ نہیں ہے یہاں تک کہ میں نے طے کرلیا کہ شافعی بن جاؤں، یہ خیال اپنے استاد شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے بیان کردیا تو شیخ نے فرمایا کہ احناف کی تائید میں جتنا مضبوط

اور کثیر سرمایہ حدیث ہے اتنا کسی کے پاس نہیں ہے، تم فلاں فلاں کتابیں دیکھ لو پھر مجھ سے کہنا۔

چنانچہ ان کتابوں کا مطالعہ کر لینے کے بعد میری یہ غلط فہمی رفع ہوگئی، پھر میں نے احناف کی شروحِ مشکوٰۃ دیکھنا شروع کیں تو مجھے کہیں یکجا سرمایہ ایسا نہیں ملا جس سے مشکوٰۃ پڑھنے سے پیدا شدہ یہ خلجان رفع ہوجائے تو اسی وقت سے یہ خیال تھا کہ ایک کتاب مشکوٰۃ ہی کے طرز پر ایسی ہونی چاہیے جس سے خود یہ خلجان ختم ہوجائے۔ چنانچہ مشکوٰۃ ہی کے طرز پر یہ کتاب حضرت دہلویؒ نے تالیف کی ہے۔

واقعی یہ کتاب عجیب ہے بالکل مشکوٰۃ کے طرز پر اور شرحِ حدیث بالحدیث ہے۔ اس کتاب کا کمال یہ بھی ہے کہ بالکل مشکوٰۃ کے طرز پر ایک باب قائم کرتے ہیں پھر اس باب میں جتنے مذاہب معتبرہ وارد ہیں سب کو بیان کرتے ہیں، سب سے قوی مذہب پہلے بیان کرتے ہیں پھر اس کے بعد اس سے کمزور مذہب، پھر اسی طرح اس سے کمزور مذہب پھر اسی طرح سب سے کمزور مسلک سب سے اخیر میں نقل کرتے ہیں۔

نیز اولاً سب سے کمزور مسلک کی احادیث وروایات نقل کرتے ہیں پھر اس کے بعد اس سے قوی مذہب کی احادیث اور سب سے اخیر میں سب سے قوی مذہب کی احادیث وروایات اس طرح جمع کرتے ہیں کہ بعد کی احادیث وروایات اپنے ماقبل کا خود جواب بنتی ہیں اور شرحِ حدیث بالحدیث کا لطف بھی حاصل ہوتا رہتا ہے۔

اس لئے بھی شیخ کی یہ تالیف نوادراتِ روزگار میں سے ہے اور اس درجہ میں ہے کہ ہدایہ ومشکوٰۃ پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کو سبقاً سبقاً پڑھا جائے۔

یہ کتاب "فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان" حضرت حکیم محمود صاحبؒ معروفی کے (جو ایک علمی خاندان کے فرد تھے) کتب خانہ کے مخطوطات سے جو نہایت بوسیدہ کرم خوردہ تھی، ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مئوی محدثِ کبیر کے ذریعہ سے حاصل ہوئی اور حضرت موصوف ہی کے ایماء وامر سے حضرت والا نے مسلسل ڈھائی سال کی محنت اور کاوش کے بعد اس کی تبییض کی، اس طرح یہ قابلِ اشاعت ہوئی۔ اس کا کوئی نسخہ مخطوطہ بھی نہیں ملتا تھا، بڑی کاوش اور تلاش سے جامعہ ملیہ دہلی کے مخطوطات کے گھر سے برآمد ہوئی، اس

کے ٹائیٹل پر "فتح الرحمن فی تائید مذهب النعمان" لکھا ہوا ہے، بقیہ عبارتیں حرف بحرف یکساں ہیں اور اس نسخہ کا سراغ بھی خلیق نظامی کی کتاب سے جو کہ شیخ عبدالحقؒ کے حالات میں لکھی ہے اس سے ملا۔ حضرت والا نے مختصر تعلیقات کے ساتھ طبع کرا کر اس کو زندہ کر دیا ہے۔

بقیہ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) نظام الفتاویٰ

(۲) اقسام الحدیث فی اصول التحدیث

(۳) اصول حدیث (اردو مترجم)

(۴) آسان علم صرف جز اول معروف بہ اردو میزان

(۵) آسان علم صرف جز دوم معروف بہ اردو منشعب

(۶) آسان علم نحو معروف بہ اردو نحو میر

(۷) آسان علم نحو معروف بہ معلم سوادخوانی (عربی)

(۸) رویتِ ہلال کی شرعی حیثیت

الحمد لله رب العالمين، الهادي إلى صراطه المستقيم، والصلاة والسلام على خاتم النبيين محمد النبي الأمّيّ الأمين، المبعوث رحمةً للعالمين، الذى أرسى قواعد الدين، ورسم معالم التشريع الحكيم، وعلى آله وصحبه وعترته ومن تبعه بإحسان إلى يوم الدين۔

امابعد!

فقہ علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ وسیع اور دقیق علم ہے، اس لئے کہ فقہ کے لئے ایک طرف قرآن وعلوم قرآن، حدیث ومتعلقاتِ حدیث، اقوالِ صحابہ، ارشاداتِ ائمہ، اجتہاداتِ فقہاء، اور جزئیات وفروع کے باریک امتیازات پر وسیع نظر، مرجوح وغیر مرجوح پر وسیع اطلاع، امت کی واقعی ضروریات کا ادراک، احوالِ زمانہ کی مکمل بصیرت اور بدلتے ہوئے حالات میں مسائلِ دین کو امت کے مزاج اور دین کی روح کو ملحوظ رکھ کر تطبیق دینے کی پختہ دسترس مطلوب ہے تو دوسری طرف یہی فقہ ہے جو طہارت ونظافت کے جزوی مسائل سے لے کر عبادات، معاملات، معاشرت، آداب واخلاق اور اُن تمام امور کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جن کا تعلق حلال وحرام اور اباحت وحرمت سے ہے۔

فقہ پر دسترس کے لئے لازم ہے کہ فی الجملہ تمام علوم اسلامیہ پر ماہرانہ رسوخ حاصل ہو، اس لئے کہ ہر عصر کے ہر قسم کے مسائل کا شرعی حل پیش کرنا فقیہ ہی کا کام ہے، یہ نہ مفسر ومحدث کی ذمہ داری ہے اور نہ مؤرخ

وسیرت نگاری، یہ صرف فقیہ کی ذمہ داری ہے اور دیگر تمام اس کے مُمد ومعاون ہیں، چنانچہ ہر مفسر ومحدث کے لئے فقیہ ہونا لازم نہیں، جب کہ ہر فقیہ کو کبھی مفسر، کبھی محدث، کبھی مؤرخ اور کبھی سیرت وسوانح نگار بننا پڑتا ہے۔

پھر فتاویٰ کا میدان فقہ سے اَور زیادہ وسیع ہے، اس لئے کہ فتاویٰ میں ایمانیات وعقائد، فرق، تاریخ، سیرت نبوی وسیرت صحابہ، تصوف وسلوک، اخلاق وآداب، حقوق، عبادات، معاملات، سیاسیات، معاشرت، قدیم وجدید مسائل کا حل، اصولی وفروعی مسائل کی تشریح اور تطبیق وغیرہ تمام فتاویٰ کے شعبہ جات اور مندرجات ہیں، اس لئے مفتی ان تمام شعبوں اور مسائل سے صرفِ نظر کرکے اپنی ذمہ داری نہیں نبھا سکتا، پھر مفتی کو کبھی امتِ اسلامیہ کی مشکلات میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے حدودِ شرعیہ کا خیال رکھتے ہوئے نرم مزاج اور کبھی مزاجِ شریعت کی حفاظت اور خلافِ شرع طرز اپنانے والوں کے لئے سخت مزاج بھی بننا پڑتا ہے۔

حضراتِ علمائے دیوبند میں فقہ وفتاویٰ کا سلسلہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سے شروع ہوا اور پھر اس سلسلۃ الذہب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، حضرت مفتی مہدی حسن، حضرت مفتی سعید احمد، حضرت مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا ظفر احمد عثانی، حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی جیسی نابغۂ روزگار شخصیات منسلک ہیں۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی کی ذاتِ گرامی اس حیثیت سے سب سے ممتاز ہے کہ برصغیر میں کسی بھی مفتی کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا اتنا بڑا مجموعہ منظر عام پر نہیں آیا، چنانچہ شائع شدہ بیس مجلدات کے علاوہ بے شمار فتاویٰ منتظرِ اشاعت ہیں اور پھر فقہ کے متداول ابواب کے علاوہ حظر واباحت کی بے شمار جزئیات، مدارسِ اسلامیہ کے مسائل جدیدہ، مختلف فرقوں کے متعلق مفصل ومدلل فتاویٰ، تبصرۂ کتب، بعض شخصیات کی جرح وتعدیل، دعوت وتبلیغ کی حقیقت، اس کی شرعی حیثیت اور اس کے مسائل فتاویٰ محمودیہ کا طرۂ امتیاز ہیں۔

بہرحال فتویٰ اور مفتی سے متعلق چند ضروری باتیں مقدمۃ العلم کے طور پر ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

فتویٰ کی لغوی تعریف

لفظ ''فتویٰ'' فاء کے فتحہ کے ساتھ بھی منقول ہے اور فاء کے ضمہ کے ساتھ بھی، لیکن صحیح فاء کے فتحہ کے ساتھ

ہے جس کے معنی ہیں: کسی بھی سوال کا جواب دینا، چاہے وہ شرعی سوال ہو یا غیر شرعی، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ یأیها الملاء أفتونی فی رؤیای إن کنتم للرّؤ یا تعبرون﴾. (سورۂ یوسف: ۱۲، ۴۳)

ترجمہ: ''اے درباروالو! اگر تم تعبیر دے سکتے ہو تو میرے اس خواب کے بارے میں مجھ کو جواب دو''۔

﴿یوسف أیها الصدیق أفتنا فی سبع بقراتٍ سمانٍ﴾. (سورۂ یوسف: ۱۲، ۴۱)

ترجمہ: ''اے یوسف! اے سچے! اے صدق مجسم! آپ ہم لوگوں کو اس کا جواب دیجئے''۔

﴿وقُضی الأمر الذی فیه تستفتیان﴾. (سورۂ یوسف: ۱۲، ۴۲)

ترجمہ: ''جس بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدر ہو چکا''۔

﴿ یأیها الملاء أفتونی فی أمری﴾. (سورۂ النمل: ۲۷، ۳۲)

ترجمہ: ''اے اہل دربار! تم مجھ کو میرے اس معاملہ میں رائے دو''۔

مذکورہ بالا آیات میں لفظ فتویٰ مطلق جواب حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے، کوئی شرعی حکم دریافت کرنے کے لئے نہیں۔

لیکن بعد میں لفظ ''فتویٰ'' شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے خاص کیا گیا، یعنی شرعی مسئلہ پوچھنے کو فتویٰ کہا گیا اور قرآن کریم میں بھی اس معنی کے لئے استعمال ہوا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ویستفتونك فی النساء، قل الله یفتیکم فیهن﴾. (سورہ النساء: ۴، ۱۲۷)

ترجمہ: ''اور لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں''۔

﴿یستفتونك، قل الله یفتیکم فی الکلالة ﴾ . (سورۂ النساء: ۴، ۱۷۶)

ترجمہ: ''لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے''۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی لفظ ''فتویٰ'' شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

''أجرؤ کم علی الفتیا أجرؤ کم علی النار'' .(أخرجه الدار می فی سننه: ۱/۱۵۷)(۱)۔

(۱) (سنن الدارمی، باب الفتیا ومافیه من الشدة، رقم الباب: ۲۰، رقم الحدیث: ۱۵۷، قدیمی)

(والجامع الصغیر للسیوطی رحمه الله تعالیٰ: ۱/۳۰۰، رقم الحدیث: ۱۸۳، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز، ریاض)

”الإثم ماحاك في صدرك وإن أفتاك الناس وأفتوك“(۱)۔

اصطلاحی تعریف:

”الإخبار بحكم الله تعالىٰ عن مسئلةٍ دينيّةٍ بمقتضى الأدلة الشرعية لمن سئل عنه في أمر نازل على جهة العموم والشمول، لاعلى وجه الإلزام“. (المصباح ،ص: ١٦)(۲)۔
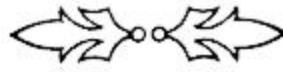
(۱) رواه الإمام أحمد بن حنبلؒ بلفظ: ”عن وابصة بن معبد قال: أتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأنا أريد أن لاأدع شيئاً من البرّ والإثم إلاسألته عنه، .... فقلت: يا رسول الله! فأخبرني، قال: ”جئت تسألني عن البرّ والإثم“؟ قلت: نعم، فجمع أصابعه الثلاث، فجعل ينكت بها في صدري ويقول: ”ياوابصة! استفت نفسك البر: ما اطمأنّ إليه القلب واطمأنّت إليه النفس، والإثم ماحاك في القلب، وتردّد في الصدر وإن أفتاك الناس“. قال سفيان: ”وأفتوك“. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند وابصة بن معبد الأسدي: ٥/٢٦٨، رقم الحديث: ١٧٥٤٠، دارإحياء التراث، بيروت)

(۲) (المصباح في رسم المفتي ومناهج الإفتاء، ثالثاً: الإفتاء اصطلاحاً: ١/١٦، ماريه اكادمي كراچي)

وقال العلامة المناويؒ: ”والإفتاء بيان حكم المسئلة، قال في الكشاف: الفتوى الجواب في الحادثة، اشتقّت على طريق الاستعارة من الفتى في السّنّ“. (فيض القدير على الجامع الصغير: ١/٣٠٠، تحت رقم الحديث: ١٨٣، مكتبه نزارمصطفىٰ الباز)

فتویٰ کا تاریخی پسِ منظر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فتویٰ

رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود مفتی الثقلین تھے اور منصبِ افتاء پر فائز تھے، وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ کے فتاویٰ جوامع الکلم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فتاویٰ (یعنی احادیث) اسلام کا دوسرا ماخذ ہیں (۱)، ہر مسلمان کے لئے ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور سرِ مو کسی کو انحراف کرنے کی اجازت نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ما اتا کم الرسول فخذوہ، وما نہا کم عنہ فانتھوا﴾. (الحشر: ۵۹، ۷)

ترجمہ: ''رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو''۔

﴿فإن تنازعتم فی شئی فردوہ إلی اللہ والرسول﴾ (۲)۔

ترجمہ: ''پھر اگر کسی امر میں باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالہ کر دیا کرو''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ زریں میں کوئی دوسرا فتویٰ دینے والا نہیں تھا، ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو دور دراز علاقوں کے لئے کبھی کبھی مفتی بنا کر بھیج دیتے، تو وہ منصبِ قضاء وافتاء پر فائز ہوتے اور

---

(۱) " وأیضاً أن إمام المفتیّین ورسول رب العالمین وخاتم النبییّن علیہ التحیة والتسلیم تولّی ھذا المنصب العظیم، وکان بمقتضی الرسالة قائماً بھذہ الوظیفة الشریفة؛ لأنھا نوع من البیان الذی ھو وظیفة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، کماقال اللہ سبحانہ: ﴿وأنزلنا إلیک الذکر لتبیّن للناس مانزّل إلیھم، ولعلھم یتفکرون﴾". (المصباح فی رسم المفتی والإفتاء، الإفتاء ومکانتہ فی الشریعة الإسلامیة: ۱/۲۴، ماریہ اکادمی کراچی)

(۲) (النساء: ۵۹)

لوگوں کی صحیح رہنمائی فرماتے، جیسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر روانہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن، حدیث اور قیاس واجتہاد کے ذریعے سے فتویٰ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی (۱)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فتاویٰ کے ذریعے سے مسلمانوں کی ہر چیز میں یعنی: عبادات، معاملات، اخلاقیات، آداب اور معاشرت سب چیزوں میں صحیح رہنمائی فرمائی، ہر بات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ وارشادات موجود ہیں اور مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

---

(۱) "وعن معاذ بن جبل رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم لما بعثه إلی الیمن، قال: "کیف تقضی إذا عرض لک قضاء"؟ قال: أقضی بکتاب الله، قال: " فإن لم تجد فی کتاب الله"؟ قال: فبسنة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، قال: " فإن لم تجد فی سنة رسول الله"؟ قال: أجتهد برأیي ولا آلو، قال: فضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم علی صدره، وقال: "الحمدلله الذی وفّق رسول رسولِ الله لما یرضی به رسول الله". رواه الترمذی وأبوداؤد والدارمی". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء، باب العمل فی القضاء والخوف منه، الفصل الثانی، ص: ۳۲۴، قدیمی)

(ومسند الإمام أحمد، مسند معاذ بن جبل، رقم الحدیث: ۲۱۵۹۵، ۱/۳۲۱، دارإحیاء التراث)

(وسنن أبی داؤد، کتاب القضاء، باب اجتهاد الرأی فی القضاء: ۲/۱۴۹، امدادیه ملتان)

(وجامع الترمذی، أبواب الأحکام، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی: ۱/۲۴۷، سعید)

قال الملا علی القاریؒ: " (قال :أجتهد برأی) : أی أطلب حکم تلک الواقعة بالقیاس علی المسائل التی جاء فیها نصّ، وأحکم فیها بمثل المسئلة التی جاء فیها نص لما بینهما من المشابهة ..... قال الخطابی: لم یُرِدبه الرأی الذی یسنح له من قبل نفسه أو یخطر بباله علی غیر أصل من کتابٍ أو سنة، لابل أراد ردّالقضیة إلی معنی الکتاب والسنة من طریق القیاس، وفی هذا إثبات للحکم بالقیاس. قال المظهر: أی إذا وجدتُ مشابهةً بین المسئلة التی أنا بسددها، وبین المسئلة التی جاء نص فیها من الکتاب أو السنة، حکمتُ فیها بحکمها ..... "وقال: الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی به رسوله" : أی لما یُحبّه ویتمنّاه من طلب طریق الصواب. قال الطیبی: فیه استصواب منه صلی الله علیه وسلم لرأیه فی استعماله، وهذا معنی قولهم: "کل مجتهد مصیب اهـ". (مرقاة المفاتیح، کتاب الإمارة والقضاء، باب العمل فی القضاء والخوف منه، الفصل الثانی: ۷/۳۰۸، ۳۰۹، رشیدیه)

صحابہ کرام کے دور میں فتویٰ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دار فانی سے وصال فرما جانے کے بعد فتویٰ کے کام اور ذمہ داری کو صحابہ کرام نے سنبھالا اور احسن طریقے سے انجام دیا، حضرات صحابہ کرام میں سے جو فتویٰ دیا کرتے تھے ان کی تعداد ایک سوتیس سے کچھ زائد تھی، جن میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔

البتہ زیادہ فتویٰ دینے والے سات تھے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (۱)۔

ان کے علاوہ وہ صحابہ کرام جو ان سے کم فتویٰ دیا کرتے تھے ان کی تعداد بھی بہت ہے، ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ام سلمہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سلمان فارسی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابوبکرہ، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (۲)۔

---

(۱) "ثم قام بالفتوى بعد النبي صلى الله عليه وسلم الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، وقد ذكر ابن القيم في "إعلام الموقّعين" أن الذين حُفِظت عنهم الفُتيا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مأة ونيّف وثلاثون نفساً مابين رجل وامرأة، فكان المُكثرون منهم سبعاً: عمر بن الخطاب، وعليّ بن أبي طالب، وعبدالله بن مسعود، وعائشة أم المؤمنين، وزيد بن ثابت، وعبدالله بن عباس، وعبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهم أجمعين". (أصول الإفتاء، الفتوىٰ في عهد الصحابة، ص: ۵)

(۲) " وأما المتوسطون من الصحابة فيما روى عنهم من الفُتيا، فعددهم أكثر، منهم: أبوبكر الصديق، وأمّ سلمة، وأنس بن مالك، وأبوسعيد الخدري، وعثمان بن عفان، وأبوهريرة، وعبدالله بن عمر بن العاص، وعبدالله بن الزبير، وأبو موسى الأشعري، وسعد بن أبي وقّاص، وسلمان الفارسي، وجابر بن عبدالله، ومعاذ بن جبل، وطلحة، والزبير، وعبدالرحمٰن بن عوف، وعمران بن حصين، وأبوبكرة، =

تابعین کے دور میں فتویٰ

تعلیم وتربیت اور فقہ وفتویٰ کا سلسلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد کہیں جا کر رکا نہیں، بلکہ اس ذمہ داری کو حضرات صحابہ کرام کے شاگردوں نے احسن طریقے سے سنبھالا اور دل وجان سے اس کی حفاظت کر کے آنے والی نسل تک کما حقہ پہنچایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دورِ مبارک میں بفضلِ خداوندی بہت فتوحات حاصل ہوئیں، اس وجہ سے حضرات تابعین مختلف بلادِ اسلامیہ میں دینِ متین کی خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ اکثر بلادِ اسلامیہ میں ایسے حضرات مقرر تھے جو لوگوں کی رہنمائی کرتے: مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن المسیب، حضرت ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عروۃ بن الزبیر، حضرت عبیداللہ، حضرت قاسم بن محمد، حضرت سلیمان بن یسار اور حضرت خارجہ بن زید، انہی کو فقہائے سبعہ بھی کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی جگہ ابوبکر بن الحارث بن ہشام کا تذکرہ کیا ہے(۱) ان کے اسماء کو کسی شاعر نے شعر میں جمع کیا ہے:

ألا كل من لا يقتدى بأئمة فقسمته ضيزىٰ عن الحق خارجه

فخذ هم عبيدالله عروة قاسم سعيد أبوبكر سليمان خارجة(۲)

مکہ مکرمہ میں عطا بن ابی رباح، علی بن ابی طلحہ اور عبدالمالک بن جریج یہ کام کیا کرتے تھے۔ کوفہ میں

= وعبادة بن الصامت، ومعاوية بن أبي سفيان رضي الله تعالىٰ عنهم أجمعين". (أصول الإفتاء، الفتوىٰ في عهد الصحابة، ص: ۵،۶)

(۱) "وانتُصِب في كل بلد من البلاد الإسلامية إمام يتّبعه كثير من الناس في الفقه والفتوىٰ، وكان في المدينة سعيد بن المسيّب، وأبو سلَمة بن عبدالرحمٰن بن عَوف، وعروة بن الزبير، وعبيد الله، وقاسم بن محمد، وسليمان بن يسار، وخارجة بن زيد رحمهم الله تعالىٰ، ويقال لهم: الفقهاء السبعة، وقد ذكر بعضهم أبابكر بن الحارث بن هشام من جملتهم عوضاً عن أبي سلمة بن عبدالرحمٰن". (أصول الإفتاء، الفتوىٰ في عهد التابعين، ص: ۷)

(۲) (أصول الإفتاء، الفتوىٰ في عهد التابعين، ص: ۷)

ابراہیم نخعی ابن ابی سلیمان، عامر بن شراحیل، علقمہ، شعبی، سعید اور مرہ ہمدانی۔ بصرہ میں حضرت حسن بصری، یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں حضرت مکحول، ابوادریس الخولانی، شراحبیل بن السمط عبداللہ بن ابی زکریا الخزاعی، قبیصہ بن ابی ذؤیب الخزاعی، عبد بن امیہ، سلیمان بن الحبیب المحاربی، حارث بن عمیر الزبیدی، خالد بن معدان، عبدالرحمٰن بن غنم الاشعری، جبیر بن نفیر، عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر، عمر بن عبدالعزیز اور رجاء بن حیوۃ اس کام میں مصروف تھے۔ ان کے اکثر فتاویٰ جات مؤطات، سنن، اور مسندات وغیرہ میں موجود ہیں۔

امام ابوحنیفہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تابعین میں سے ہیں، آپ کی پیدائش کے وقت کچھ صحابہ کرام کوفہ میں موجود تھے، اور وہ حضرات صحابہ کرام یہ ہیں: حضرت ابن نفیل، حضرت واثلہ، حضرت عبداللہ بن عامر، حضرت ابن ابی اوفی، حضرت عتبہ، حضرت مقداد، حضرت ابن بسر، حضرت سہل بن سعد، حضرت انس، حضرت عبدالرحمٰن ابن یزید، حضرت محمود بن لبید، حضرت محمود بن الربیع، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوالطفیل، حضرت عمرو بن حریث، حضرت عمرو بن سلمہ، حضرت ابن عباس، حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنا اجمعین۔

(ردالمحتار، مقدمہ: ۱/۱۴۹، ۱۵۰، طبع جدید، بیروت) (۱)۔

آٹھ صحابہ کرام سے آپ نے روایت نقل کی ہے اور وہ یہ ہیں:

حضرت انس، حضرت جابر، حضرت ابی اوفی، حضرت عامر، حضرت ابن انیس، حضرت واثلہ، حضرت ابن جزء، حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنہم اجمعین۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفيؒ: " وصح أن أباحنيفة سمع الحديث من سبعة من الصحابة، كما بسط في أواخر منية المفتي، وأدرك بالسِّنّ نحو عشرين صحابياً، كما بسط في أوائل الضياء". وقال العلامة ابن عابدين: " هم : ابن نفيل، وواثلة ،و عبدالله بن عامر، وابن أبي أو في، وابن جزء، وعتبه، ومقداد، وابن بسر، وابن ثعلبة، وسهل بن سعد، وأنس، وعبدالرحمٰن بن زيد، ومحمود بن لبيد، ومحمود بن الربيع، وأبوأمامة، وأبو الطفيل، فهؤلاء ثمانية عشر صحابياً". وقال المصحّح: (قوله: ثمانية عشر) هكذا بخطه، والذي ذكره ستةُ عشر، فقط، فليحرر اهـ". (ردالمحتار على الدر المختار، المقدمة، مطلب فيما اختلف فيه من رواية الإمام عن بعض الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه: ۱/۶۳، ۶۴، سعيد)

علامہ شمس الدین محمد ابوالنصر بن عرب شاہ الانصاری الحنفی نے اپنی کتاب ''جواہر العقائد ودرالقلائد'' میں اُن صحابہ کرام کے نام کو شعر میں بیان فرمایا ہے جن سے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"معتقداً مذهب عظيم الشان أبي حنيفه الفتى النعمان
التابعي سابق الأئمة بالعلم والدين سراج الأمة
جمعاًمن أصحاب النبي أدركا أثرهم قداقتفي ومسلكاً
طريقه واضحة المنهاج سالمة من الضلال الداجي
وقدروى عن أنس و جابر وابن أبي أوفى كذا عن عامر
أعني أبا الطفيل ذا ابن واثلة وابن أنيس الفتى واثلة
عن ابن جزء قدروى الإمام بنت عجرد هي التمام
رضي الله الكريم دائماً عنهم وعن كل الصحاب العظما

(الدرالمختار، مقدمہ، ص: ۱۵۰، ۱۵۲)(۱)

کچھ دیگر صحابہ بھی ہیں جن سے امام صاحب کی روایت منقول ہے اور وہ درج ذیل ہیں:
حضرت سہل بن سعد، حضرت سائب بن یزید بن سعید، حضرت عبداللہ بن بسر، حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

"وزاد (أي ابن الحجر الهيثمي) على من ذُكر هنا ممن روى عنهم الإمام فقال: منهم سهل بن سعد ووفاته: سنة ٨٨، وقيل: بعدها، ومنهم: السائب بن يزيد بن سعيد، ووفاقه سنة إحدى أو اثنتين أو أربع وتسعين، ومنهم عبدالله بن بسر ووفاقه سنه ٩٦، ومنهم محمود بن الربيع ووفاقه ٩٩". (ردالمحتار، مقدمه: ١٥٢/١)(٢)۔

---

(١) (الدر المختار، المقدمة: ٦٤/١، سعيد)

(٢) (ردالمحتار، المقدمة، قبيل مطلب في مولد الأئمة الأربعة ووفاتهم ومدة حياتهم: ٦٢/١، سعيد)

استنباطِ مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ استنباط مسائل میں حد درجہ احتیاط فرماتے تھے، آپ اپنے زمانے کے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت جمع کرتے اور اس جماعت میں ہر فن کے ماہر شریک ہوتے تھے جو اپنے علم وفن میں کامل رسوخ رکھنے کے ساتھ خداترسی وفرض شناسی اور دیگر اوصافِ حمیدہ کے ساتھ متصف تھے، خود امام صاحب اس جماعت کے صدر کی حیثیت رکھتے، کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تو سب مل کر بحث ومباحثہ اور غور وخوض کرتے تھے، جب سب علماء کسی مسئلے پر متفق ہوجاتے تو امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف کو فرماتے کہ اس کو فلاں باب میں داخل کرو۔

"روی الإمام أبوجعفر الشيرابازی (وفی نسخة: الشيرامازی) عن شقيق البلخی أنه كان يقول: كان الإمام أبوحنيفة من أورع الناس وأعبد الناس، أكرم الناس، أكثرهم احتياطاً فی الدين، وأبعدهم عن القول بالرأی فی دين الله عزوجل، وكان لايضع مسئلةً فی العلم حتی يجمع أصحابه عليها، ويعقد عليها مجلساً، فإذا اتفق أصحابه كلهم علی موافقتها للشريعة، قال لأبی يوسف أو غيره: "ضعها فی الباب الفلانی اهـ". كذا فی الميزان للإمام الشعرانی قدس سرهٗ.

ونقل ط: عن مسند الخوارزمی: أن الإمام اجتمع معه ألف من أصحابه، أجلّهم وأفضلهم أربعون، قد بلغوا حد الاجتهاد، فقربهم وأدناهم، وقال لهم: إنی ألجمت هذا الفقه وأسرجته لكم فأعينونی، فإن الناس قد جعلونی جسراً علی النار، فإن المنتهی لغيری واللعب علی ظهری، فكان إذا وقعت واقعة شاورهم، ناظرهم وحاورهم وسألهم، فيسمع ما عندهم من الأخبار والآثار، ويقول ماعنده، ويناظرهم شهراً أوأكثر حتی يستقر آخر الأقوال، فيُثبتهٗ أبو يوسف، حتی أثبت الأصول علی هذا المنهاج شوریٰ، لاأنه تفرد بذلك كغيره من الأئمة اهـ".

(ردالمحتار، مقدمه: ۱/۱۵۲، دارإحياء التراث بيروت)(۱).

---

(۱) (ردالمحتار، المقدمة، مطلب فی مولد الأئمة الأربعة الخ، تحت قول الدر: فحينئذٍ قال لأصحابه الخ: ۱/۶۷، سعيد)

امام صاحب کے شاگرد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام صاحب کوایسے شاگرد عطا فرمائے تھے جنہوں نے شاگردی کا حق ادا کیا اور امام صاحب کے علوم کو دنیا کے چاروں اطراف تک پہنچایا، ان اطراف میں امام صاحب کے علاوہ کسی دوسرے امام کے مسلک سے لوگ واقف نہیں تھے۔

"حسبك من مناقبه إشتهار مذهبه"

"قوله: اشتهار مذهبه: أى فى عامة بلاد الإسلام، بل فى كثيرٍ من الأقاليم والبلاد لايعرف إلا مذهبه كبلاد الروم والهند والسند وماورا إلنهر وسمرقند".

(ردالمحتار: ۱/۱٤٠، دار إحياء التراث بيروت)(۱)۔

علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق ان شاگردوں کی تعداد چار ہزار ہے۔

"وروى أنه نقل مذهبه نحو من أربعة آلاف نفر". (حواله بالا) (۲)۔

فقہ حنفی بطور قانون

خلفائے عباسیہ کے دور سے لے کر گزشتہ صدی کے شروع ہونے تک اکثر اسلامی ممالک میں فقہ حنفی قانونی شکل میں نافذ ورائج رہی ہے۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"فالدولة العباسية وإن كان مذهبهم مذهب جدهم، فأكثر قضاتهاومشايخ إسلامها حنفية، يظهر ذلك لمن تصفّح كتب التواريخ، وكان مدة ملكهم خمسة سنةً تقريباً، وأما السلجوقيّون وبعد هم الخوارزميون فكلهم حنفيون وقضاة ممالكهم غالباً، وأما ملوك زماننا سلاطين آل عثمان– أيد الله دولتهم ما كر الجديدان– فمن تاريخ تسعمائة إلى يومنا هذا لايولّون

---

(۱) (ردالمحتار، المقدمة: ۱/۵٦، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

وقال القاريؒ: "وروى عنه عبدالله بن المبارك، ووكيع بن الجراح، وخلائق لايحصون".

(مقدمة مرقاة المصابيح، ترجمة الإمام أبي حنيفةؒ: ۱/۷۵، رشيديه)

القضاء وسائر مَناصِبهم إلا للحنفية". (ردالمحتار، مقدمه: ۱/۱٤۱، دار إحياء التراث)(۳)-

سلطنت مغلیہ کے بعد فتویٰ

سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد فتویٰ کا کام مدارسِ دینیہ کی طرف منتقل ہوگیا اور اب بھی یہ کام دینی مدارس ہی میں ہوتا ہے اس لئے کہ دینی مدارس ہی دین اور تعلیماتِ نبویہ کی آماجگاہ ہیں۔

جنگِ آزادی کے بعد اسلام کے تحفظ اور فتویٰ کے کام کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے جانشین علماء نے سنبھالا، ان میں اکابر علمائے دیوبند: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جن کے فتاویٰ مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔

فتویٰ کی اہمیت

افتاء کا منصب ایک عظیم الشان منصب ہے، اس کی فضیلت واہمیت ہر شخص پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور فقہائے کرام اور مفتیانِ عظام کی وہ جماعت جنہوں نے اپنے آپ کو استنباطِ احکام اور استخراجِ مسائل کے لئے مختص کیا اور حلال وحرام کو معلوم کرنے کے لئے قواعد وضوابط مرتب کئے وہ تاریک رات میں ستاروں کی مانند ہیں اور یہی لوگ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی وارث ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:

" العلماء ورثة الأنبياء، وإن الأنبياء لم يورّثوا ديناراً ولا درهماً، وإنما ورّثوا العلم، فمن أخذبه فقد أخذ بحظ وافر". (رواه الترمذی فی كتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه على العبادة، رقم: ۲٦۸۲)(۱)-

---

(۳) (ردالمحتار المصدر السابق)

(۱) (جامع الترمذی، أبواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه الخ: ۹۷/۲، سعید)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبلؒ، باقی حديث أبی الدرداءؓ: ۲۵۲/٦، رقم الحديث: ۲۱۲۰۸، دار إحياء التراث بيروت)

قرآن کریم میں ﴿أولو الأمر﴾ کی اطاعت اور فرمانبرداری کوواجب اور ضروری قرار دیا گیا، ایک تفسیر کے مطابق "أولو الأمر" سے مراد حضراتِ علماء اور فقہاء ہیں۔

علامہ ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

"اختلف في تأويل "أولي الأمر"، فروي عن جابر بن عبدالله وابن عباس روايةً، والحسن وعطاء ومجاهد أنهم أولو الفقه والعلم". (أحكام القرآن ،باب في طاعة أولي الأمر: ۲۱۰/۲) (۱)۔

اس طرح بعض آیتوں میں علماء کی اتباع اور امورِ شرعیہ کے معلوم کرنے میں ان کی طرف مراجعت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾. الآية (۲)۔

ترجمہ: "اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے"۔

دوسری جگہ ہے:

﴿واتبع سبيل من أناب إليّ﴾. الاية (۳)

ترجمہ: "پیروی کر اس شخص کے راستے کی جس نے میری طرف رجوع کیا ہے"۔

لہٰذا ہر شخص پر ضروری ہے کہ جب مسئلہ کے متعلق دینی رہنمائی مطلوب ہو تو حکم خداوندی معلوم کرنے کے لئے مفتیانِ کرام کی طرف رجوع کرے جیسا کہ حضراتِ صحابہ کرام اپنے درپیش دینی مسائل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت کیا کرتے تھے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"وفي الآية دلالة على وجوب المراجعة إلى العلماء فيما لايعلم"۔

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص ،باب في طاعة أولي الأمر، تحت قوله تعالىٰ: (يأيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم): ۲۱۰/۲، دار الكتاب العربي، بيروت)

(۲) (النحل: ۴۳) وأيضاً (الأنبياء: ۷)

(۳) (اللقمان: ۱۵)

فتویٰ کے کام کی عظمت واہمیت اس سے بھی واضح ہے کہ یہ سنت الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنی طرف بھی کی ہے، چنانچہ "کلالہ" کے متعلق امت کے استفتاء کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یستفتونك ، قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالة﴾ الآیة (۱)۔

اور عورتوں کے متعلق سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿یستفتونك فی النساء قل اللّٰہ یفتیکم فیھن وما یتلی علیکم فی الکتاب﴾ الآیة (۲)۔

یہ کام امام المفتین، محبوب رب العالمین، خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زندگی بھر کیا اور بیشمار فتاویٰ صادر فرمائے، کتبِ احادیث آپ ﷺ کے فتاویٰ سے بھری پڑی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وأنزلنا إلیك الذکر لتبیّن للناس مانزل إلیھم، ولعلھم یتفکرون﴾ الآیة (۳)۔

ترجمہ: "اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ، جو ان کے لئے اتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور وفکر کریں"۔

اسی اہمیت وعظمت کے پیشِ نظر یہ ضروری ہے کہ امت کا ایک طبقہ قرآن وسنت اور تفقہ فی الدین میں مہارت حاصل کر کے امت کے باقی طبقات کی رہنمائی کے فرائض انجام دے اور آیت قرآن کریم:

﴿فلولا نفر من کل فرقةٍ منھم طائفة لیتفقھوا فی الدین﴾ الایة.(٤) کا تقاضا بھی ہے۔

مفتی کا مقام

امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مقام مفتی پر طویل اور مفصل بحث فرمائی ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مفتی امت میں افتاء، تعلیم اور تبلیغ کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"المفتی قائم فی الأمة مقام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، والدلیل علی ذلك أمور:

---

(۱) (النساء: ۱۷۶)

(۲) النساء: ۱۲۷)

(۳) (النحل: ۴۴)

(۴) (التوبة: ۱۲۲)

أحدها: النقل الشرعي في الحديث: "أن العلماء ورثة الأنبياء". وبُعث النبي صلى الله عليه وسلم نذيراً بقوله تعالىٰ: ﴿فلولا نفر من كل فرقة﴾. والثاني: أنه نائب في تبليغ الأحكام. والثالث: أن المفتي شارع من وجه؛ لأن ما يبلغه من الشريعة إما منقول عن صاحبها، وإما مستنبط من المنقول، فالأول يكون فيه مبلّغاً، والثاني يكون فيه شارعاً من وجه، فهو من هذا الوجه واجب اتباعه والعمل على وفق ما قاله، وهذه هي الخلافة على التحقيق، وقد جاء في الحديث: "أن من قرأ القرآن فقد استدرجت النبوة بين جنبيه۔

وعلى الجملة فالمفتي مخبر عن الله تعالىٰ كالنبي، ونأخذ أمره في الأمة بمنشور الخلافة كالنبي، ولذا سُمّوا "أولي الأمر"، وقرنت طاعتهم طاعة الله وطاعة الرسول في قوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول، وأولي الأمر منكم﴾. (الموافقات للشاطبي: ۴/۲۴۴، ۲۴۵)۔

مفتی کے شرائط

مفتی کے لئے حضرات علماء کرام نے چند شرائط بیان کی ہیں، مفتی میں ان کا پایا جانا ضروری ہے، وہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱- مکلّف ہو یعنی عاقل ہو بالغ ہو۔

۲- ثقہ ہو۔

۳- گناہ اور منکرات سے پوری طرح اجتناب کرنے والا ہو۔

۴- بداخلاق اور بے مروت نہ ہو۔

۵- فقیہ النفس ہو۔

۶- مسائل میں غور وفکر کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۷- بیدار مغز ہو۔

۸- متقی اور پرہیزگار ہو۔

۹- دیانت داری میں مشہور ومعروف ہو۔

۱۰- مسائل غیر منصوصہ میں استنباط وتخریج پر قادر ہو۔

علامہ نووی المجموع شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

"شرط المفتي كونه مكلفاً، مسلماً، ثقةً، مأموناً، متنزّهاً عن أسباب الفسق وخوارم المروة، فقيه النفس، سليم الذهن، وصين الفكر، صحيح التصرف والاستنباط، متيقظاًاهـ".

(باب آداب الفتوىٰ والمفتي والمسفتي: ۱/۴۱)(۱)۔

"فصل: قالوا: وينبغي أن يكون المفتي ظاهر الورع مشهوراً بالدّيانة الظاهرة والصيانة الباهرة". (باب آداب الفتوى المفتي والمستفتي: ۱/۴۱) (۲)۔

اسی طرح مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس نے کسی ماہر مفتی کے زیرنگرانی کام کیا ہو اور قواعدِ فقہ، زمانہ کے عرف اور اس کے احوال سے واقف ہو اور اپنے امام کے مذہب پر پورا عبور رکھتا ہو اور اس کی ظاہری ہیئت بھی شرع کے موافق ہو۔

مفتی کا فریضہ

مفتی چونکہ احکام خداوندی کا ترجمان اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان واسطہ ہے اس لئے اس پر لازم ہے کہ فتویٰ دیتے وقت پوری بصیرت سے کام لے اور اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے سوچ سمجھ کر جواب دے، مسئلہ اگر معلوم نہ ہو تو محض اٹکل سے جواب دے کر اپنی آخرت خراب نہ کرے (۳)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''جو شخص کسی چیز کا علم رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے بیان کرے اور جسے علم نہ ہو اسے کہنا چاہیے کہ اللہ

---

(۱) (المجموع شرح المهذب للنووي، باب آداب الفتوىٰ والمفتي والمستفتي، فصل بعد فصلين: ۱/۷۰، دارالفكر، بيروت)

(۲) (المجموع شرح المهذب، المصدر السابق، فصل بعد فصل)

(۳) قال النوويؒ: " اعلم أن الإفتاء عظيم الخطر، كبير الموقع، كثير الفضل؛ لأن المفتي وارث الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم، وقائم بفرض الكفاية، لكنه معرض لخطأ، ولهذا قالوا: المفتي موقع عن الله تعالىٰ. وروينا عن ابن المنكدر قال: العالم بين الله تعالىٰ وخلقه، فلينظر كيف يدخل بينهم". (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتوىٰ والمفتي والمستفتي: ۱/۶۸، دارالفكر، بيروت)

تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیونکہ یہ بھی علم ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''آپ فرمادیں کہ میں تم سے اجرت کا خواہاں نہیں اور نہ تکلف کرنے والوں میں سے ہوں''۔

"یأیها الناس !من علم شیئاً فلیقل به، ومن لم یعلم فلیقل: اللّٰه أعلم، فإن من العلم أن تقول لما لاتعلم: اللّٰه أعلم. قال اللّٰه تعالیٰ لنبیه: ﴿قل ما أسئلکم علیه من أجر وما أنا من المتکلفین﴾ متفق علیه". (مشکوٰة، کتاب العلم) (۱)۔

اسی طرح مفتی کو چاہیے کہ جواب دیتے وقت خوفِ خدا اور خوفِ آخرت کو سامنے رکھتے ہوئے پوری تحقیق کے ساتھ جواب دے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مفتی جب کسی سوال کا جواب دینا چاہے تو اسے چاہیے کہ جواب سے قبل اپنے آپ کو جنت اور دوزخ پر پیش کرے اور یہ سوچ لے کہ آخرت میں اس کی نجات کیسے ہوگی؟ پھر جواب تحریر کرے۔

"وکان مالك یقول: من أحبّ أن یجیب من مسئلة، فلیعرض نفسه قبل أن یجیبه علی الجنة والنار، وکیف یکون خلاصه فی الاخرة، ثم یجیب". (المجموع شرح المهذب، ص: ٦٩ (۲)۔

فتویٰ دینے میں احتیاط

فتویٰ نویسی کا کام عظیم الشان اور باعثِ اجر وثواب ہونے کے ساتھ ساتھ نازک بھی ہے، اس لئے کہ مفتی اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہے، اگر مسئلہ درست بتایا تو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوکر اجر وثواب کا مستحق ہوگا اور اگر خدانخواستہ مسئلہ غلط بتایا تو مستفتی کے عمل کا وبال بھی اسی پر ہوگا، اسی بناء پر فتویٰ

---

(۱) (مشکوٰة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث، ص: ۳۷، قدیمی)

(والمجموع شرح المهذب للنووی، باب آداب الفتویٰ والمفتی الخ: ۱/ ٦٨، دار الفکر، بیروت)

(۲) (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتویٰ الخ: ۱/ ۶۹، دار الفکر، بیروت)

دینے میں احتیاط بہت ضروری ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص بغیر حجت اور دلیل کے فتویٰ دے گا اس پر عمل کرنے والے کا گناہ بھی اسی مفتی پر ہوگا''۔

"عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: " من أفتىٰ بفتيا من غير ثبت، فإنما إثمه على من أفتاه". (أخرجه الدار می فی باب الفتيا وما فيها من الشدة: ۱/۸۳، رقم: ۱٦۱ (۱)۔ والحاكم فی كتاب العلم: ۱/۱۲٦ (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ علم کو (آخری زمانے میں) اس طرح نہیں اٹھالے گا کہ لوگوں (کے دل ودماغ) سے اسے نکال لے بلکہ علم اس طرح اٹھالے گا کہ علماء کو (اس دنیا سے) اٹھالے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، لہٰذا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے''۔

"عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من الناس، ولكن يقبضه بقبض العلماء حتى إذا لم يبق عالماً، اتخذالناس رؤساً جهالاً، فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلّوا وأضلّوا".
(أخرجه البخاری فی كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم(۳)، ومسلم: ۲/۳٤۰) (٤)۔

---

(۱) (سنن الدارمی، رقم الباب: ۲۰، رقم الحديث: ۱٦۱، قديمی)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثانی، ص: ۳۵، قديمی)
(ومسند الإمام أحمد بن حنبلؒ، مسند أبی هريرةؓ: ۲/۲۱٦، رقم الحديث: ۸۰۲٧، دارإحياء التراث، بيروت)
(وبمعناه فی سنن أبی داؤد، كتاب العلم، باب التوقی فی الفتيا: ۲/۱۵۹، امداديه، ملتان)

(۳) (صحيح البخاری، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم: ۱/۲۰، قديمی)

(٤) (الصحيح لمسلم، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه الخ: ۲/۳٤۰، قديمی)
(ومسند الإمام أحمد بن حنبلؒ، مسند عبدالله بن عمر: ۲/۳٤٦، رقم الحديث: ٦٤٧۵، دارإحياء التراث، بيروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:
''جو شخص ہر پوچھی گئی بات کا جواب دیدے تو وہ پاگل ہے'':

"ان من أفتى الناس في كل مايسئلونه عنه لمجنون". (المجموع شرح المهذب، ص: ٦٩) (١)-

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے ابوالفرج کے حوالے سے مرفوع اثر نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دیدے تو اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں''۔

"من أفتى الناس بغير علم، لعنته ملائكة السماء وملائكة الأرض".

(اعلام الموقعین: ۲/۲۵۶)۔

امام شعبی، حسن بصری اور ابوحصین تابعی رحمہم اللہ سے منقول ہے وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بعض مرتبہ ایسے مسئلہ کے بارے میں فتویٰ دیتے ہو کہ اگر اس جیسا مسئلہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش آتا تو وہ اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے تمام اہل بدر کو جمع فرماتے اور اکیلے اپنی رائے پر اعتماد نہ فرماتے:

"وعن الشعبي والحسن وأبي حصين (بفتح الحاء) التابعين قالوا: إن أحدكم ليفتي في المسئلة، ولو وردت على عمر بن الخطاب رضي الله عنه لجمع لها أهل بدر". (المجموع شرح المذهب، باب آداب الفتوىٰ والمفتي والمستفتي: ١/٤٠) (٢)-

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ: ''اگر علم ضائع ہونے کا خوف اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیتا کہ وہ عافیت میں ہوں اور بوجھ مجھ پر ہو''۔

"وقال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ: لولا الفَرَق من الله تعالىٰ أن يضيع العلم، ماأفتيت

---

(١) (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتوىٰ الخ: ١/٦٩، دارالفكر، بيروت)

(٢) (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتوىٰ الخ: ١/٦٩، دارالفكر، بيروت)

یکون لهم المهنأ وعليّ الوزر". (حوالہ بالا)(۱)۔

حضرت سفیان بن عیینہ اور حضرت سحنون رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''لوگوں میں فتویٰ دینے پر سب سے زیادہ جسارت وہ شخص کرتا ہے جو سب سے کم علم رکھتا ہو''۔

"وعن سفيان بن عيينة وسحنون رحمهما الله تعالىٰ: أجسرُ الناس على الفتيا أقلّهم علماً". (حوالہ بالا)(۲)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ منصب افتاء کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے اس راہ پر پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہیے۔

"لاادری"

تحقیق اور تتبع وتلاش کے بعد اگر مسئلہ کا حکم معلوم نہ ہو یا حکم معلوم ہو لیکن اس پر تشفی اور شرحِ صدر نہیں تو مفتی پر اس کا جواب دینا ضروری نہیں بلکہ مفتی صاف کہہ دے کہ مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔ اور اس طرح کہنے سے اس کی شان وعزت ومرتبہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، بلکہ اس سے اَور شان بلند ہوگی، اس لئے کہ یہ قلبی طہارت، دینی قوت اور تقویٰ کی واضح دلیل ہے۔

یہ اصطلاح خود سرورِ کائنات جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جرائیل علیہ السلام ودیگر بزرگوں سے مروی ہے تو ماوشما کون ہیں جو اس سے اعراض واجتناب کر کے اپنی طرف سے غلط سلط جواب دینے کی کوشش کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی جگہ بُری ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے معلوم نہیں''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جرائیل علیہ السلام سے یہی سوال کیا تو حضرت جرائیل علیہ السلام نے بھی "لاأدری" کہہ کر جواب دیا، پھر حضرت جرائیل علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے پوچھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ بازار بُری جگہیں ہیں:

"سئل النبی صلی الله علیه وسلم: أیّ البلاد شرّ؟ فقال: "لاأدری"، فسأل جبریل،

---

(۱) المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتویٰ الخ: ۱/۶۹، دار الفکر بیروت)

(۲) (المجموع، المصدر السابق)

فقال: لاأدری، فسأل ربه عزوجل، فقال: (شرّ البلاد أسواقها)". (رواه الإمام أحمد: ٨١/٤(١)، والحاكم في المستدرك: ٦/٢، بسند حسن)۔

اسی طرح حدیث جبرئیل میں قیامت کے متعلق سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب "ماالمسئول عنها بأعلم من السائل" بھی اسی قبیل سے ہے(۲)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکیمانہ جواب سے یہ نکتہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کسی عالم سے کوئی ایسا سوال کیا جائے جس کے جواب سے وہ ناواقف ہوتو اسے "لاأعلم" کہنا چاہیے اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ "لاأعلم" کہنے سے وقعت ختم ہوجائے گی بلکہ درحقیقت یہ رفع منزلت کا باعث ہے:

"قوله صلى الله عليه وسلم: "ماالمسئول عنها بأعلم من السائل". فيه: ينبغي للعالم والمفتي وغيرهما إذا سئل عما لايعلم أن يقول: لاأعلم، وأن ذالك لا ينقصه، بل يستدل به على تقواه ووفور علمه". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الإيمان: ٢٨/١، قديمي)(٣)۔

حضرت ابن عباسؓ اور محمد ابن عجلان فرماتے ہیں جب کسی عالم ومفتی کو مسئلہ معلوم نہیں تھا اس نے "لاأدری" نہیں کہا، بلکہ اٹکل سے جوب دیا تو اس پر نفس وشیطان کی ایسی ضرب لگی کہ گویا اسے قتل ہی کردیا:

"وعن ابن عباس ومحمد بن عجلان: إذا أخطأ العالم "لاأدری" أصيبت مقاتله". (المجموع شرح المهذب للنووي، ص: ٦٩)(٤)۔

---

(١) (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند جبير بن مطعم: ٣٦/٥، رقم الحديث: ١٦٣٠٢، ذكره بلفظ "البلدان" في هذا الموضوع، دار إحياء التراث، بيروت)

(٢) الحديث بتمامه: " عن أبي هريرة قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم بارزاً يوماً للناس، فأتاه رجل فقال: ماالإيمان؟ .... قال: متى الساعة؟ قال: " ماالمسئول (وفي نسخة: "عنها") من السائل، وسأخبرك عن أشراطها". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم عن الإيمان والإسلام الخ: ١٢/١، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ٢٧/١، قديمي)

(٣) (المصدر كما ذُكر)

(٤) (المجموع شرح المهذب للنووي، باب آداب الفتوىٰ والمفتي الخ: ٦٩/١، دار الفكر)

امام محمد بن عجلان رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے:

"جُنة العالم "لاأدری"، إذا أغفله أصيبت مقاتله"۔ مجموع ،ص:٦٩(١)۔

ایک دفعہ امام مالک رحمہ اللہ سے اڑتالیس مسئلے پوچھے گئے، ان میں سے بتیس کے بارے میں آپ نے "لاأدری" فرمایا۔ اور ایک روایت ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ چالیس مسئلے پوچھے گئے، آپ نے صرف پانچ کا جواب دیا، بقیہ کے بارے میں فرمایا: "لاأدری"۔

"وعن الهيثم بن جميل: شهدت مالكاً، سئل عن ثمان وأربعين مسئلةً، فقال فی اثنتين وثلاثين منها: "لاأدری"

"وعن مالك أيضاً أنه ربما كان يسئل عن خمسين مسئلةً، فلا يجيب فی واحدة منها، وكان يقول: من أجاب فی مسئلة، فينبغی قبل الجواب أن يعرض نفسه علی الجنة والنار، وكيف خلاصه ثم يجيب". (المجموع شرح المهذب) (٢)۔

امام احمد بن جنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد حضرت اثرم کہتے ہیں کہ امام احمد کثرت کے ساتھ "لاأدری" فرمایا کرتے تھے:

"وعن الأثرم: سمعت أحمد بن جنبل يكثر أن يقول: "لاأدری". (٣)۔
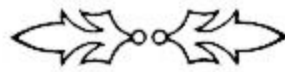
---

(١) (المجموع شرح المهذب للنووی، باب آداب الفتویٰ والمفتی الخ: ١/ ٦٩، دارالفکر، بیروت)

(٢) (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتویٰ الخ: ١/ ٢٩، دارالفکر، بیروت)

(٣) (المجموع، المصدر السابق)

کچھ فتاویٰ محمودیہ کے بارے میں

....

اس سے پہلے جو کچھ تاریخ فتویٰ اور اس کی اہمیت وغیرہ کے بارے میں لکھا گیا وہ مقدمۃ العلم کی حیثیت رکھتا ہے، اب مقدمۃ الکتاب کے طور پر حضرات علماء دیوبند کی اعتدال پسندی، حضرت مفتی صاحب کی فتویٰ نویسی، فتاویٰ محمودیہ اور اس پر کام کی نوعیت کے متعلق چند گذارشات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

چونکہ حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ میں بہت ساری خصوصیات (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) کے علاوہ سب سے نمایاں اور واضح خصوصیت اعتدال پسندی اور میانہ روی ہے اور یہی حضرات علماء دیوبند کی شان اور طرۂ امتیاز ہے۔ اس لئے سب سے پہلے حضرات علماء دیوبند کی اعتدال پسندی کو ذکر کیا جائے گا۔

حضرات علمائے دیوبند اور اعتدال پسندی

حضرات علمائے دیوبند کا خصوصی مزاج و مذاق یہ ہے کہ وہ قرآن و حدیث، فقہ اور تصوف میں نہایت ہی اہم اعتدالی روش اپناتے ہیں، نہ تو وہ ظاہر نصوص پر ایسا اکتفاء کرتے ہیں کہ فقہ و اجتہاد اور تعاملِ امت خصوصاً فقہاء کے استنباطات سے صَرف نظر کریں اور نہ ہی فقہ پر ایسا انحصار کرتے ہیں کہ قرآن و سنت کی نصوص سے چشم پوشی ہو جائے، نہ وہ ایسی قدامت پسندی کے قائل ہیں کہ احوالِ زمانہ و تقاضا ہائے وقت سے آنکھیں بند رکھیں اور نہ ہی وہ ہر جدت طرازی اور تجدد کی ہر نئی لہر کو قبول کرتے ہیں کہ جس سے شریعت مطہرہ کا اصل مزاج اور امت کا منہاجِ ممتاز ہی ہاتھ سے چھوٹ جائے، نہ وہ صرف اصول پسندی کے قائل ہیں کہ وہ شخصیات جن کے ذریعہ مذاق و مزاج دینی بنتا ہے، بے وقعت ہو جائیں اور نہ وہ شخصیت پرستی کے ایسے قائل ہیں کہ معیارِ کتاب و سنت کے بجائے صرف اکابر قرار پائیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

’’غرض مسلکِ علمائے دیوبند محض نظری مسلک نہیں، بلکہ عملی طور پر ایک مستقل دعوت بھی ہے، جو آج سے سو برس پہلے سے دی گئی اور آج سَوا سو برس کے بعد بھی دی جا رہی ہے اور وہ جس طرح اس وقت کار آمد تھی، اسی طرح آج بھی کار آمد ہے، البتہ رنگ اس کا تعلیمی ہے، پھیلاؤ تبلیغی ہے، جماؤ معاشرتی ہے، بچاؤ افتائی وقضائی ہے، چڑھاؤ ریاضت وسپہ گری ہے، ضبطِ نفس تربیتی ہے، مدافعت مجاہداتی ہے اور دعوت بین الاقوامی ہے۔

علمائے دیوبند کا یہی وہ جامع مسلک اور طریقِ عمل ہے جس سے اس جماعت کا مزاج جامع بنا اور اس میں جامعیت کے ساتھ اعتدال قائم ہوا، اس لئے چند بندھے جُڑے مسائل یا خاص خاص فنون یا عملی گوشوں کو لے کر ان میں جمود اختیار کر لینا اور اسی میں اسلام کو منحصر کر دینا یا اسی کو پورا اسلام سمجھ لینا ان کا مسلک نہیں۔

بہر حال! علمائے دیوبند اپنے جامع ظاہر و باطن مسلک کے لحاظ سے نہ تو منقولات اور احکام ظاہر سے بے قیدی اور آزادی کا شکار ہیں اور نہ اس کی باطنی اور عمومی گنجائشوں کے ہوتے ہوئے قومی نفسیات اور مقتضیاتِ وقت سے قطع نظر کر لینے کی بیماری اور ضیق النفس میں گرفتار ہیں۔ ان کا یہی وہ جامع اور معتدل مشرب ہے جو ان کو اس آخری دور میں اہل سنت والجماعت کے سلوک طریقہ پر ان کے علمی مورثِ اعلیٰ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی اور بانیٔ دار العلوم دیوبند حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے بعد اس کے سر پرست اعظم قطبِ وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور اس کے اولین صدر تدریس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس اللہ اسرارہم سے پہنچا، جس پر وہ خود بھی رواں دواں ہیں اور اپنے مستفیدوں کو بھی سو برس سے اسی پر تعلیم وتربیت دے کر رواں دواں کر رہے ہیں۔

اس لئے یہ مسلک جامعِ عقل وعشق، جامعِ علم ومعرفت، جامعِ عمل واخلاق، جامع مجاہدہ وجہاد، جامعِ دیانت وسیاست، جامعِ روایت ودرایت، جامع خلوت وجلوت، جامعِ عبادت ومُدنیت، جامعِ حکم وحکمت، جامعِ ظاہر وباطن اور جامع حال وقال مسلک ہے۔

نقل کو عقل کے لباس میں پیش کرنے کا مکتبِ فکر اسے حکمتِ شاہ ولی اللہ سے ملا، اصولِ دین کو معقول سے محسوس بنا کر دکھلانے کا فکر اسے حکمتِ قاسمیہ سے ملا، فروغِ دین میں رسوخ واستحکام پیدا کرنے کا جذبہ اسے قطبِ گنگوہی سے ملا، سلوک میں عاشقانہ جذبات واخلاق کا والہانہ جوش وخروش اسے قطبِ عالم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرۂ سے ملا اور تصوف کے ساتھ اتباعِ سنت کا شوق وذوق اسے حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور سید الشہدا اءرائے بریلی قدس سرہ سے ملا۔

اس لئے علمائے دیوبند قرآن وحدیث کے معانی اور گہرے مَطالب وحقائق واَسرار کو بھی مضبوط پکڑے ہوئے ہیں جن کا ذوق انہیں شیوخِ علم کی صحبت وفیضان سے میسر ہے، جن سے وہ نصوص کے ظواہر وبواطن دونوں ہی سے استدلال کی راہ پر ہیں، نہ وہ اصحابِ ظواہر میں سے ہیں جو الفاظِ نصوص پر جامد ہو کر رہ جائیں اور بواطنِ نصوص یا ان کے حقائق سے بے نیاز ہو جائیں۔ اور نہ وہ باطنیہ میں سے ہیں کہ ظواہر کو محض لفظی نقوش کہہ کر ان سے بے توجہی برتیں یا شرعی تعبیرات کی ان کے یہاں کوئی قدر وقیمت نہ ہو اور محض ذہنی گھمیر میں گم ہو کر رہ جائیں۔

پس ان کے مسلک پر شرعی تعبیرات قطع نظر ان کے معانی ومدلولات کے خود اپنے نظم وعبارت کے لحاظ سے بھی ہزارہا علوم واحکام کا سرچشمہ ہیں اور ان کی عبارت، دلالت، اشارت اور اقتضاء سے ہزارہا مسائل وجود پذیر ہوئے ہیں جن سے دین باغ وبہار بنا ہوا ہے اور دوسری طرف ان تعبیرات کے ماضی کے پردوں میں اَور بھی ہزارہا معانی اور حقائق مستور ہیں جو قواعدِ شرعیہ اور قواعدِ حربیت کے ساتھ، عملِ صالح کی ممارست، صلحاء کی صحبت ومعیت اور مجاہدہ وریاضت ہی سے قلوب پر وارد ہوتے ہیں''۔

(علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، سیاست اور اجتماعیات ص: ۱۷۷-۱۷۹، اِدارہ اسلامیات، لاہور)

تفسیر قرآن، شرح حدیث، فقہ وکلام، غرض کہ تمام شعبہ ہائے دین میں متوارث تعبیر دین علمائے

دیوبند کا ماخذ ومسلک ہے، اس بارے میں حضرات علمائے دیوبند نے جو اعتدال قائم کیا ہے وہ اہلِ سنت والجماعت کا مابہ الامتیاز اور حق وصداقت کی علامت ہے، اسی لئے فقہ حنفی اور اصولِ فقہ کی کسی بھی مستند کتاب کو علمائے دیوبند کا فقہ، اخلاق اور تصوف کی کسی بھی مسلّم شخصیت اور معتمد کتاب کے اصول وفروع کو علمائے دیوبند کا تصوف، حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کے ساتھ، فقہائے کرام ومحدثین عظام، اولیاء کرام اور بزرگانِ دین (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) کے جس جس طبقہ کی جن جن شخصیات پر امت کا اعتماد واتفاق ہو، انہی شخصیات کو علمائے دیوبند کے یہاں قابلِ تقلید وقابلِ نمونہ قرار دینا بجا اور درست ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یہی مسلکِ اہلِ سنت والجماعت کہلاتا ہے اور یہی وہ مسلک ہے جس کے علَم بردار علمائے دیوبند ہیں، اسی لئے وہ اس جامع مسلک پر چلنے اور اس کے عناصرِ ترکیبیہ کو جمع رکھنے سے بیک وقت مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، فقیہ بھی ہیں اور متکلم بھی، صوفی بھی ہیں اور مجاہد بھی، مقلد بھی اور مفکر بھی۔

اور پھر ان تمام علوم اور عناصرِ دین کے امتزاج سے ان کا جماعتی مزاج معتدل بھی ہے اور متوسط بھی، جس میں نہ غلو ہے نہ مبالغہ اور اس توسط اور وسعتِ نظری کی بدولت نہ ان کا مشغلہ تکفیر بازی، نہ دشنام طرازی، نہ کسی کے حق میں سبّ وشتم اور تبرا ہے، نہ بدگوئی، نہ عناد وحسد اور طیش ہے، نہ غلبۂ جاہ وجلال سے افراطِ عیش، بلکہ صرف بیانِ مسئلہ اور حقائق بیانی یا اِحقاقِ حق اور اِبطال باطل ہے اور بالفاظ مختصر اصلاحِ امت اور اتحاد بین المسلمین ہے، جس میں نہ متخالف شخصیات کی تحقیر اور بدگوئی کا دخل ہے، نہ ان پر مغرورانہ طعن واستہزاء کا، نہ ان کے بیانات وخطابت کا موضوع مخالف مسلک طبقات سے خواہ مخواہ الجھنا اور عوام کو ان سے نفرتیں دلاتے رہنا اور ان کے خلاف ہمہ وقت عوامی جذبات کو مشتعل کرتے رہنا ہے، جب کہ ان کی زبانیں بیانِ مسائل سے فارغ نہیں تو ان خرافات کے لئے وہ فرصت کہاں سے پاتے؟

تکفیر بازی تو بجائے خود ہے ان کے یہاں سرے سے ان اشخاص کا ذکر و تذکرہ تک بھی زبانوں پر نہیں ہوتا جو ہمہ وقت ان کی بدگوئی میں لگے رہتے ہیں، پس انہیں اوصاف واحوال کے مجموعہ کا نام ''دارالعلوم دیوبند'' ہے اور اسی علمی وعملی اور عقلی واخلاقی ہمہ گیری سے اس کا دائرۂ اثر دنیا کے تمام ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔

علمائے دیوبند کے اس دینی رخ اور مسلکی مزاج کی نسبتوں سے اگر انہیں پہچنوایا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ دیناً مسلم ہیں، فرقۃً اہل سنت والجماعت ہیں، مذھباً حنفی ہیں، کلاماً ماتریدی واشعری ہیں، مشرباً صوفی ہیں، سلوکاً چشتی بلکہ جامعِ سلاسل ہیں، فکراً ولی اللّٰہی ہیں، اصولاً قاسمی ہیں، فروعاً رشیدی ہیں، بیاناً یعقوبی ہیں اور نسبتاً دیوبندی ہیں۔ والحمدللّٰہ علی ہذہ الجامعیۃ۔

اس طرح دین کے مختلف شعبوں کی ظاہری اور باطنی نسبتیں مختلف اربابِ نسبت اہل اللہ کی توجہات وتصرفات سے انہیں حاصل ہوئیں جنہوں نے مل کر اور یکجا ہو کر ایک مجموعی اور معتدل مزاج پیدا کرلیا جسے دارالعلوم دیوبند نے سنبھال رکھا ہے''۔

(علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، ص: ۱۹۲، ۱۹۳، بإدارہ اسلامیات)

غرض یہ کہ اہل سنت والجماعت کے یہاں ان اساسی علوم دینیہ کے متعلق جو اعتدال اور افراط وتفریط سے محفوظ ومتوارث فہم دین دورِ رسالت سے چلا آرہا ہے، برصغیر میں اس کے سچے اور کامل وارث علمائے دیوبند ہی ہیں اور اس سلسلے میں جب قرآن ومتعلقاتِ قرآن، حدیث وتشریحاتِ حدیث، فقہ ومتعلقاتِ فقہ، پھر حدیث وفقہ کے درمیان تطبیق اور تصوف ومتعلقاتِ تصوف، پھر تصوف کے منصوص ومباح احکام واعمال اور غیر شرعی و ممنوع محدثات اور سیرت وسوانح، ان تمام علوم کی تشریح، اشاعتِ دین اور تقاضا ہائے وقت سے ان کی تطبیق اور پھر کسی تجدد کا غیر ضروری اثر لئے بغیر اپنے ٹھیٹھ مزاج پر برقرار رہ کر خدمتِ دین کی تاریخ اور وہ بھی مفصل اور منصفانہ، تاریخ جب بھی مرتب کی جائے گی تو برصغیر کی پوری تاریخ میں دیوبند نہ صرف سرفہرست ہوگا بلکہ ان کی امتیازی شان میں کوئی بھی حصہ دار نہ ہوگا۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب اور فتویٰ نویسی

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو فقہ اور فتویٰ نویسی کے باب میں جو عظیم مقام عطا فرمایا، لاکھوں میں کسی خوش نصیب کو حاصل ہوتا ہے، علومِ درسیہ سے فراغت کے بعد پوری زندگی درس وتدریس کے ساتھ تفقہ فی الدین اور فتویٰ نویسی میں بسر ہوگئی، بصیرت وتیقظ اور فقہی مسائل کی تحقیق وتدقیق میں کمالِ درک، مطالعہ کی کثرت ووسعت، کتاب وسنت، فقہ واصول فقہ میں خصوصی مہارت، اہلِ زمانہ کی طبیعت سے واقفیت، نو ایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت، تغیراتِ زمانہ اور ان کے شرعی احکام سے واقفیت نے آپ کو ممتاز ومخصوص مقام پر لا کھڑا کیا۔

ہندوستان کے دو عظیم اسلامی مرکز دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور ہر دو کے دارالافتاء کے مفتی اعظم ہوئے اور دیگر متعدد دارالافتاؤں کی سرپرستی اور مکمل رہبری ورہنمائی کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی، سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرکے مفتیان کرام تیار ہوئے اور انہوں نے قائم شدہ دارالافتاؤں کو سنبھالا، یا نئے قائم کرکے فتویٰ نویسی کے ذریعہ اشاعتِ دین اور مخلوق کی رہبری وہدایت میں مشغول ومصروف ہوئے۔

وہ عہد جس میں فتاویٰ کی زمامِ عمل آپ کے ہاتھ میں آئی اس وقت علم وعمل کا ہر میدان شدید تغیرات سے دوچار تھا، عظیم علمائے راسخین ایک ایک کرکے اٹھتے جارہے تھے، خود علماء میں روز افزوں رسوخِ علمی میں کمی ......اور ذوقِ سلف سے دوری تھی، تدیّن کا فقدان ہر طرف سے عوام سے لے کر خواص تک پھیلا ہوا تھا، طرح طرح کی فکری، سیاسی، نظریاتی کج رَویاں جنم لے رہی تھیں، خود مسلمانوں میں نوع بنوع کی نئی نئی جماعتیں اور نئے نئے فرقے وجود میں آرہے تھے، علماء کا ایک بہت بڑا طبقہ مغربی علوم وتہذیب کے سامنے سِپَر اندازی کی کیفیت میں مبتلا تھا، نجی زندگی سے لے کر عمومی طرزِ معاشرت، معاملات، نظامِ قانون، تجارت، اخلاق وآداب تک نت نئی تبدیلیاں رونما ہورہی تھیں۔

کچھ لوگ کھلم کھلا اجتہاد کا دروازہ کھول کر ہر کس و ناکس کو امور دین میں دخل اندازی کا میدان فراہم کرنے کی انتھک کوشش کررہے تھے، ایک طرف متجددین، روحِ شریعت کو مسخ کرنے پر تلے ہوئے تھے اور مغرب سے درآمد ہر نظریہ و ہر فیشن کو جائز و درست ثابت کرنے کے لئے اباحت پسندی کا بھرپور مظاہرہ کرنے لگے تھے اور ایک طبقہ عمل بالسنہ کے نام پر فقہ و تفقہ سے آزادی اور بزعم خود فقہی جمود کو توڑ کر غیر مقلدیت کے وسیع میدان میں قدم رکھنے اور کسی ایک فقیہ کا مقلد رہنے کو شرک کہہ کر رد کرنے اور امت کو آزاد خیالی کی ایک نئی ڈگر مہیا کرنے لگا تھا۔

ایسے حالات میں تصلّب کے ساتھ تحقیق و یسر کے پہلو کو شامل رکھنا، ہر نئی لہر میں ضرورتِ واقعیہ کو الگ کرنا اور محض سہولت کی خاطر اور صرف دوسروں کی دیکھا دیکھی امت کو مزاجِ شریعت سے دور ہونے سے بچانے کے لئے شدت برتنا، اہل حدیث اور سلفیت کے نام پر غیر مقلدیت کے پرچار سے متعلق امت کی رہنمائی اور اس کے مضر اثرات کی نشاندہی، بدعات کے شیوع میں طرح طرح کے غیر شرعی اعمال میں امت کے تزکیہ کے لئے واضح اور قطعی حکم لکھنا اور ان تمام احوال میں احکامِ شریعت کو بیان کرنے والا؟ مستند شخص چونکہ یہی کہلاتا ہے اس لئے اس پر یہ لازم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حقیقی ضروریات و مصالح کو بھی ملحوظ رکھے اور زیادہ سے زیادہ یُسر کے پہلو کو اپنائے اور ناقابلِ برداشت تنگی سے امت کی مشکلات کم سے کم تر کرنے کی سعی کرے، دوسری طرف اس کی رعایت کرنا بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ آزاد طرزِ فکر نہ اپنائے جو امت کو ہر طرح کی سہولت دینے کے عنوان پر اور تحقیق کے نام سے من مانی تشریحات کو سندِ جواز عطا کرنے کے نتیجے میں روحِ شریعت ہی کہیں مسخ نہ ہوجائے۔

حضرت مفتی محمود حسن رحمہ اللہ تعالی کے فتاویٰ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوتی ہے کہ آپ نے تصلّب (اور وہ بھی شدت کی حد تک) کو بھی اپنایا اور امت کی واقعی ضروریات میں یسر کے پہلو پر بھی نظر رکھی، تجدد و اباحت ہو یا آزاد خیالی و کج فکری، یا نئے نظریات، جس عنوان سے بھی سامنے آئے ان سب کے مقابلے میں یا بدعات و رسوم اور غیر مقلدیت ان کے مقابلے میں آپ کا تصلب واضح ہے جب کہ اخلاق، آداب، حظر و اباحت میں آپ کا انداز نہایت ہی یسر اور حاجت کی حدود کا پوری طرح رمز شناس!!۔

خصوصاً فقہ حنفی پر آپ کا رسوخ اور اس سے کسی بھی حال میں عُدول نہ کرنے کا انداز بھی نہایت اہمیت

کا حامل ہے۔

اس سلسلے میں عبادات میں ایک فقہ پر انحصار اور معاملات اور خاص کر معاملات کی نت نئی صورتوں میں ائمۂ اربعہ میں سے بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت تلفیق، علمائے حقانیین کا امتیاز رہا ہے اور خود علمائے دیوبند اس پر سختی سے کاربند ہیں چنانچہ اسی رَوش پر حضرت بھی کاربند تھے۔

حضرت کا عقائد و عبادات میں فقہ حنفی سے خروج کو کسی بھی حال میں گوارہ نہ کرنا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت آپ کے فقہ پر کلی اطمینان کسی سطحی عقیدت کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ اس کی بنیاد وسیع ترین مطالعہ اور تحقیق پر تھی، اسی لئے حضرت امام اعظم کے کمالات، فقہ میں ان کی برتری اور عظمت کو نہایت بصیرت اور انشراح سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا:

''حضرت امام ابوحنیفہ (ولادت ۸۰ وفات ۱۵۰ھ) کو حق تعالیٰ نے اپنے دینِ قویم کی نصرت کے لئے فطانت، ثقاہت، فراست و دیانت روایت، درایت کا حظِ وافر عطا فرمایا تھا جس کی بنا پر ایسی بیش بہا جلیل القدر خدمات انجام دیں کہ رہتی دنیا تک علمائے اسلام کے لئے شاہراہ قائم کردی اور ایسی روشنی کا انتظام کردیا کہ راہزنی و بے راہ روی سے پوری حفاظت ہوگئی اور ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی فعلی وتقریری جملہ احادیث سے مسائل استنباط کر کے ہر حدیث کا محمل متعین فرمادیا کہ نہ تعارض باقی رہا، نہ کسی حدیث کو ترک کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس عمل کے لئے فقہائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار سے مدد ملی کہ وہ مخاطبین اوّلین تھے جن کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی امانت سپرد فرمائی اور ان پر اعتماد کر کے دین کی حفاظت واشاعت کا ان کو ذمہ دار بنایا۔

فقہ حنفی تنہا امام ابوحنیفہ کے شخصی فتاویٰ نہیں بلکہ کتاب اللہ، سنت، اجماع، آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، محاوراتِ عرب، لغات وادب، تواریخ وسیر، تصوف و زہد کے ماہرین کی ایک بڑی جماعت نے ایک ایک مسئلہ اور اس کے ماخذ اور اس کے معارض پر سیر حاصل بحث کی اور دلائل کی روشنی میں تحقیق وتنقیح کے بعد اس کو جمع کرایا ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اور شعبہ ایسا نہیں جس کے مسائل فقہ حنفی میں موجود نہ ہوں، خواہ صراحۃً ہوں یا ان

کے نظائر ہوں یا قواعد کلیہ ہوں جن کے تحت حکم معلوم ہوسکتا ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب وسنت سے ایسے قواعد تخریج فرمائے جو کسی جگہ نہیں ٹوٹتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی حافظ الدنیا کے لقب سے مشہور ہیں اور صحیح بخاری کے شارح ہیں، فرماتے ہیں کہ:

''امام اعظم کے قواعد نہایت پختہ ہیں، ان کو دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ میں حنفی ہوجاؤں- درحقیقت یہ قواعد متونِ حدیث ہیں، بلکہ فقہ حنفی کے بیشتر مسائل متنِ حدیث کی حیثیت رکھتے ہیں، مثلاً: فقہ میں مسئلہ ہے:

''إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام''

فتح الباری میں اور دیگر شروح میں اس کو سند کے ساتھ روایت کیا ہے''۔مکتوبات، ۲۵۴(۱)۔

امام اعظم پر جوطرح طرح کے سطحی اعتراض کئے جاتے ہیں ان اعتراضات کی سطحیت ، رکاکت پوری طرح بیان فرمایا کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کہ:

''امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو امام تو سب تسلیم کرتے ہیں لیکن بعض سطحی نظر والے قلیل البضاعت یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کو صرف سترہ ۱۷/ حدیثیں یاد تھیں، حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔انتھی''۔

فقہ حنفی پر اس وسعت نظر کی بناء پر حضرت فقیہ الامت کو اس درجہ اعتماد وانشراح تھا کہ غالباً پورے عہد افتاء میں کسی صریح جزئیہ سے عدول کا واقعہ پیش نہیں آیا۔

فقہ حنفی پر اس تصلّب کے ساتھ آپ نے کبھی دوسرے ائمہ کی تنقیص، دوسرے فقہاء کی کلی تغلیط یا محض فقہی تعصب کا کوئی مظاہرہ نہیں فرمایا اور یہ علمائے دیوبند کا امتیاز ہے کہ مقلد حنفیت ہونے کے باوجود محققانہ مزاج اپناتے ہیں یعنی وہ نہ تقلیدِ جامد کے قائل ہیں اور نہ اس پر قانع، اسی بناء پر تلفیق یعنی اپنے مذہب سے بر

(۱) ''وعورض هذا الاحتمال بمثله في الحديث الذي استدلوا به، وهو ما أخرجه الطبراني عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: '' إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام الخ''. (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب إذا رأى الإمام رجلاً جاء وهو يخطب الخ: ۲/ ۵۲۰، رقم الحديث: ۹۳۰، قديمي)

بنائے ضرورت عدول کرکے دوسرے امام کے مسلک کو قبول کرنے سے بھی دریغ نہیں فرماتے۔

کچھ حضرات ایک ہی فقہ میں محدود رہنے کی پابندی کو ختم کرنے کی مہم چلاتے ہیں حالانکہ اگر اس کی اجازتِ عام دی گئی کہ ہر شخص جس فقہ پر چاہے عمل کرنے لگے تو اس سے یقیناً اتباعِ شریعت کے بجائے اتباعِ نفس کا دروازہ کھلے گا اور اگر کوئی اتباعِ شریعت کا اہتمام کرنا چاہے تو فقہاء کی متضاد جزئیات میں وجہ ترجیح قائم کرنا ہر ایک کی قدرت سے باہر ہے، لہٰذا اگر اس صورتِ حال میں تلفیق سے کلیۃً اجتناب کیا جائے تو بعض مواقع پر امت کو مشکلات پیش آسکتی ہیں، اس لئے اس میں راہِ اعتدال قائم کرنا مفتیانِ وقت کا فریضہ ہے، چنانچہ حضرت فقیہ الامت فرماتے ہیں:

''اگر کوئی حنفی اپنی وسعتِ نظر، جودتِ فہم، صفائی باطن یا کسی اَور داعیہ قویہ کی بناء پر کسی دوسرے امام کی دلیل کو قوی سمجھ کر اس پر عمل کرے گا تو وہ شخص حنفیت سے خارج نہ ہوگا اور قوتِ داعیہ کے موافق معذور ہوگا اور دوسروں کو اس کا اتباع جائز نہ ہوگا اور اس کی نظیریں مذاہبِ اربعہ میں موجود ہیں۔ شیخ ابن ہمام کی ابحاث کو ان کے شاگرد ابن قطلو بغانے نا قابلِ اعتنا قرار دیا ہے (۱)۔

ابن حجر شافعی نے لکھا ہے کہ فقہ شافعی میں زکوۃ کے تین مسائل ایسے ہیں جن میں فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے: نقل زکوۃ، دفع زکوۃ الی الواحد اور دفعہا الی اَصنافہ (۲)۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ شافعی ہیں) نے امام مالک کے مذہب کو طہارت کے متعلق پسند فرمایا۔ فقہائے حنفیہ نے مسئلہ مفقود الخبر میں امام مالک کے مسلک کو اختیار کیا ہے'' (۳)۔

---

(۱) ''فالظاهر أنهم رأوا دليلاً أرجح مما رآه حتى لم يعملوا به، ولهذا قال العلامة قاسم في حق شيخه خاتمة المحققين الكمال ابن الهمام: لايعمل بأبحاث شيخنا التي تخالف المذهب''. (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۶۸، مير محمد كتب خانه)

(۲) (راجع باب التقليد، عنوان: ''بعض مسائل میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا، شاہ ولی اللہ صاحب کیا مقلد تھے؟'')

(۳) (انظر ردالمحتار، كتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالك: ۲۹۰/۴، سعيد)

(والحيلة الناجزة لحكيم الأمة رحمه الله تعالىٰ)

حضرت مفتی صاحب اور طریقہ فتویٰ نویسی

فتاویٰ کے سلسلے میں حضرت فقیہ الامت کے امتیازات ہر حال میں قابلِ نمونہ ہیں، وہ مسائل جو عبادات سے متعلق ہیں، کتاب اللہ میں ان کو تلاش فرماتے، کتاب اللہ میں اگر کوئی حکم مذکور نہ ہوتا تو سنتِ رسول اللہ میں اس کا حل تلاش فرماتے، اگر اس میں بھی نہ ملتا تو امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار فرماتے اور پھر فقہ حنفی سے عُدول کرنا ہرگز گوارہ نہ فرماتے۔

چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''جب میرے سامنے کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو میں اسے کتاب اللہ پر پیش کرتا ہوں، اگر اس میں جواب مل جاتا ہے تو میں کسی اَور طرف نہیں دیکھتا، مثلاً: طلقاتِ ثلاثہ کے وقوع کا مسئلہ سامنے آیا تو میں نے کتاب اللہ میں تلاش کیا سومل گیا، وہ یہ کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿الطلاق مرتان﴾ اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره﴾(۱) صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں، خواہ ایک مجلس میں دے خواہ تین مجلس میں دے، قرآن میں کوئی تفصیل نہیں اور عورت اس کے بعد شوہر اول کے لئے بغیر حلالہ کے حلال نہیں رہتی، میں اسی کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔

اگر کتاب اللہ میں مسئلہ نہیں ملتا تو اس کو سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تلاش کرتا ہوں، اگر اس میں مل جاتا ہے تو کسی اَور طرف توجہ نہیں کرتا، مثلاً: قرأت خلف الامام کا مسئلہ پیش آیا تو میں نے کتاب اللہ میں تلاش کیا اور نہ ملا، پھر حدیث میں تلاش کیا اس میں مل گیا، صحیح مسلم شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: '' إذا قرأ فأنصتوا''(۲) جو صحیح صریح غیر منسوخ ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ قرأت خلف

---

(۱) (البقرة: ۲۳۰)

(۲) ''عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ''إنما جعل الإمام لیؤتمّ به، فإذا کبّر فکبّروا، وإذا قرأ فأنصتوا''. رواه أبو داؤد والنسائی وابن ماجة''. (مشکوٰة المصابیح، کتاب الصلوٰة، باب القرآءة فی الصلوٰة، الفصل الثانی، ص: ۸۱، قدیمی)

الامام جائز نہیں، اسی کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔

اگر حدیث میں مسئلہ نہیں ملتا تو حضرت امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے قول کو اختیار کرتا ہوں، میں چونکہ مجتہد نہیں، نہ مجھ میں اجتہاد کی صلاحیت ہے اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو اختیار کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے مجتہد تھے''۔(ملفوظات)

یہ طرز تو حضرت کا عبادات کے مسائل کے متعلق ہے، معاشرت وتمدن کے سلسلے میں وہ مسائل جن میں امت دوسری اقوام کی نقالی کرنے لگی ہے چاہے وہ لباس ہو، رہن سہن ہو، رسوم وعادات ہوں، کھانے پینے کے طور طریقے ہوں ان میں آپ کا انداز عموماً یہ ہوتا کہ اگر وہ امور غیر مسلم اقوام کے شعار کی حیثیت رکھتے تو بر بنائے تشبہ ان کے ممنوع ہونے کا فتویٰ دیتے، لیکن علتِ تشبہ پر کامل غور وفکر کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے، لیکن اگر وہ امور غیر مسلم اقوام کا شعار نہ ہوتے اور اصلاً وہ اسلامی بھی نہ ہوتے، ان کے مباح ہونے کا فتویٰ دیتے، لیکن اجتناب کی تلقین بھی فرمایا کرتے تھے۔

حظر واباحت کے مسائل کے سلسلے میں نصوص سے زیادہ عرف کو مدار بنایا جانا اس لئے ناگزیر ہوتا ہے کہ عموماً یہ مسائل عرف پر ہی مبنی ہوتے ہیں، اس لئے اس سلسلے میں عرف کی بناء پر جواز وعدمِ جواز کا فیصلہ فرمایا کرتے اور اس کے لئے صرف بیانِ حکم پر اکتفا فرمایا کرتے تھے۔

معاملات کے سلسلے میں وہ مسائل جن کا تعلق ایسے امور سے ہوتا جن کے متعلق قطعی تحقیق نہ ہوئی ہوتی تو آپ بھی قطعی حکم نہ لگاتے، مثلاً کوکاکولا، سینٹ، صابون، ڈالڈا گھی، بسکٹ، برش، ٹوتھ پیسٹ وغیرہ کے متعلق جائز وناجائز کا حکم دریافت کیا گیا تو آپ نے ان اشیاء کے متعلق یہی لکھا کہ بلاقطعی تحقیق کے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان اشیاء میں نجس اشیاء پائی جاتی ہیں اور جب تک اس کی پوری تحقیق نہ ہوجائے ان کے متعلق حرمت کا فتویٰ نہیں لکھا جاسکتا۔

وہ مسائل جو جدید ایجادات کی بناء پر سامنے آتے ان کی تحقیق نہ ہوتی تو صاف فرمادیتے کہ مجھے تحقیق نہیں، تاہم جدید مسائل کے فتاویٰ نسبتاً کم ہی لکھا کرتے تھے۔ ایسے مسائل جن میں کسی مستفتی کے متعلق آپ کو محسوس ہوتا کہ محض کسی کے خلاف بطورِ ہتھیار استعمال کرنے کے لئے فتویٰ طلب کیا جارہا ہے تو عموماً آپ ناصحانہ

جملے لکھا کرتے اور ایسے مسائل جن سے کسی عمل کی امید نہ ہوتی محض علمی مشغلہ کے طور پر دریافت کئے جاتے ان کے متعلق بھی عموماً نہایت اجمال برتتے تھے۔

حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ میں وہ فتاویٰ جو ابتدائی عہد کے ہیں یعنی جو مظاہر علوم اور کانپور کے زمانے میں لکھے گئے ان میں تحقیق، بیانِ حوالہ اور جوش وصراحت کا عنصر غالب ہے جب کہ اخیر عہد میں اصلاح وارشاد اور تزکیہ ونصیحت کا رنگ غالب رہا۔

بدعات، رسوم، روایات اور امت میں پھیلے ہوئے مختلف علاقوں کے مختلف اختراع شدہ امور کے متعلق حضرت کا انداز یہ تھا کہ ہر امر کے متعلق پہلے یہ طے فرماتے کہ کیا اس کو بر بنائے عبادت انجام دیا جارہا ہے اور التزام کی کیفیت پیدا ہوچکی ہے یا نہیں، اگر دین سمجھ کر التزام کے ساتھ کسی کام کو کیا جانے لگے اور تارک کو ملامت کی جائے تو اب اس کے بدعت ہونے میں شبہ نہیں، چنانچہ تیجہ، چہارم، دسواں، پندرہواں، چالیسواں، عُرس، مجالسِ میلاد میں طرح طرح کے غیر ثابت شدہ امور کی پابندی وغیرہ کو بدعت اور اصولِ شریعت سے غیر ثابت شدہ ہوکر غیر مشروع ہونے کی صراحت فرماتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی اگر کسی امر کا التزام بربنائے انتظام ہو، نہ کہ بر بنائے حکمِ شریعت، اور تارک کو مطعون بھی نہ کیا جائے تو اس کو بدعت نہ کہہ کر امت کے لئے سہولت پیدا فرماتے تھے، چنانچہ مختلف تسبیحات کی تعداد کو یاد رکھنے اور گننے کے لئے تسبیح کا استعمال درست قرار دیا، اگر چہ کچھ لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کیا اس میں ابتداع کے تمام لازمی امور پیدا ہوئے بھی یا نہیں؟ غرض کہ حکمِ بدعت کے سلسلے میں نہ سخت گیر موقف اپناتے تھے اور نہ سہل انگاری۔

حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فقہ وفتاویٰ کی چند خصوصیات جو انتہائی سرسری طور پر سامنے آئیں وہ پیش کرنے کے بعد یہ امر واضح کرنا لازم ہے کہ یہ خصوصیات حضرت کا امتیازِ خاص اور وہ انفرادیت نہیں کہ جس سے دوسرے بزرگوں سے اس کی کلی نفی مقصود ہو لیکن اس عہد میں حضرت ان اوصاف وامتیازات کی بناء پر بلا شبہ سب سے فائق تھے۔

وسعتِ نظر اور استحضارِ جزئیات

وسعتِ نظر اور استحضار جزئیات میں بھی آپ اس عہد میں بے نظیر تھے، بے شمار مسائل ایسے کہ جن کے

متعلق عموماً یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اس کے متعلق کہیں کوئی صراحت شاید نہ مل سکے، لیکن حضرت نہایت بے تکلفی سے اس کے لئے کوئی صریح جزئیہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ اسی وسعتِ نظر کی بناء پر آپ کے فتاویٰ میں ان کتابوں کے حوالے بھی ہیں جن کی زیارت تو کجا ان کے نام سے بھی ہم جیسے نا آشنا تھے اور حضرت کے فتاویٰ کے ذریعہ ہی پہلی مرتبہ نام سننے میں آئے، چنانچہ: نهاية الأمل، روضة القضاء، نور العين، تلقيح فهوم أهل الأثر، نور الضحیٰ اور بہت سی فتاویٰ کی دوسری کتابیں ہیں جن کا پہلے پہلے نام سے تعارف حضرت کے فتاویٰ ہی کے ذریعہ ہوا۔

فقہ وفتاویٰ کی کتابوں کا وسیع ترین مطالعہ اور پھر اس کا استحضار اور بوقتِ ضرورت اس کا بیان کرنا یہ وہ وصف ہے جو بلاشبہ اس عہد میں آپ کا وصفِ امتیازی تھا، چنانچہ وسعتِ نظر کا شاہکار دیکھئے کہ سوال کیا گیا مسجد میں دوستونوں کے درمیان نماز مکروہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا:

> ''کہ مبسوط میں جزئیہ موجود ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے دو مقتدیوں کے درمیان کوئی صندوق رکھ دیا جائے''۔ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول العرف الشذی: ۱/۶۰، میں نقل کیا گیا ہے کہ احناف کی کتب میں عدم کراہت کا قول مجھے نہیں ملا، حالانکہ مبسوط سرخسی میں صراحۃً مذکور ہے''۔ (ملفوظات: ۲)

اسی وسعتِ نظر کی بناء پر مستند وغیر مستند کتابوں کے متعلق آپ نہایت قطعیت سے حکم لگاتے تھے، چنانچہ بعض دفعہ ایک ہی استفتاء میں دس دس کتابوں کے متعلق رائے طلب کی جاتی تو نہایت بے تکلفی کے ساتھ مستند ہونے، مشکوک ہونے، غیر مستند ہونے وغیرہ کی تصریح فرماتے (۱)۔

فقہ کی امہاتِ کتب پر نہایت تحقیقی اور عمیق نظر تھی اور اس کے نتیجے میں بعض دفعہ آپ کی زبان وقلم سے ایسے جواہر کا ظہور ہوتا کہ جن کے لئے برسوں کے علم ومطالعہ کے بعد بھی امید نہیں کی جاسکتی کہ حاصل ہو جائیں۔

حضرت فقیہ الامت اور اعتدال پسندی

حضرت فقیہ الامت کے فتاویٰ، مواعظ، ملفوظات، تدریس، اصلاح وتصوف، مسلکِ علماء دیوبند کی مدلل، مفصل، عام فہم، تبیین اور تشریح ہے۔ اس معتدل مسلک کی تشریح وتوضیح میں آپ کا منہاج کیا تھا، یہ ذیل کی

(۱) (راجع محمودیہ، کتاب العلم، مایتعلق بالکتب المعتمدة وغيرها، عنوان: چند معتبر اور غیر معتبر کتب'')

چند مثالوں سے واضح ہوگا:

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور راہِ اعتدال

اس کائنات میں سب سے مقدس، سب سے افضل اور تمام کمالاتِ انسانی کی جامع جماعت حضرات انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے، جن کی محبت، عقیدت اور ان کی حقانیت وصداقت پر مکمل اطمینان اصلِ ایمان ہے، پھر جماعتِ انبیاء علیہم السلام میں سب سے افضل حضرت سید المرسلین خاتم النبیین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضرت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ کمالات کی بناء پر امت کے بہت سے طبقات طرح طرح کی اِفراط وتفریط میں مبتلا ہو گئے، کسی نے آپ کے ارشادات کی تشریحی حیثیت کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کیا، کسی نے آپ کے ارشادات کو صرف الفاظ کی حد تک محدود کر کے ان ارشادات سے مزید استنباط کرنے، ان میں تخریج علت اور پھر علت کے تعدیہ کو غلط قرار دے کر صرف الفاظِ حدیث کی سندی حیثیت اور ظاہرِ مفہوم تک محدود رہنا منتہائے دین قرار دیا، کسی نے آپ ﷺ کی ذات کو عام انسانوں کی ذات کے ہم مثل قرار دے کر آپ کے آثار بالخصوص مادی آثار کو غیر معتبر قرار دیا حتی کہ آپ کے جسمِ اطہر کے مٹی میں مل کر دوسرے انسانی اجسام کی طرح مخلوط ہو جانے کا عقیدہ اپنایا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت محض پیغام رساں ہونے تک محدود سمجھی، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں غلو کر کے آپ کو عالم الغیب، مشکل کشا، مختارِ کل، ہر جگہ حاضر و ناظر قرار دیا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ مطلق اور صفاتِ الٰہی کا جزو قرار دیا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی طرف منسوب تبرکات کو معبود تک بنانے کی روش اپنائی، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پر، آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تنقید کرنے کو اپنا اصول قرار دیا۔

اس صورت حال میں اعتدال کیا ہے یہ نہایت اہم مسئلہ ہے، چنانچہ اس اہم مسئلہ میں علمائے دیوبند نے جو معتدل منہاج اپنایا اس کی نہایت جامع مثال حضرت فقیہ الامت کے فتاویٰ میں ملے گی، حضرت جہاں حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی وعملی، اخلاقی، جسمانی، روحانی

کمالات کو تسلیم کرنے اور ان پر مکمل ایمان رکھنے کی نہایت بصیرت افروز اور محبت خیز تشریح فرماتے ہیں وہیں آپ کے عالم الغیب ہونے، مختار کل ہونے، نورِ مطلق ہونے کی بھی نفی کرتے ہیں اور یہ نفی قرآن، حدیث، آثارِ صحابہ، ارشاداتِ عارفین اور عقلی استدلالات اور بصیرت افروز بیانات ومثالوں پر مبنی ہوتی ہے۔

آپ ایک طرف حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات کو افضل الکائنات، اعلم الکائنات اور اطہر الکائنات قرار دے کر ان پر ایمان رکھنے کو لازم قرار دیتے ہیں لیکن دوسری طرف جب یہ حدیث پیش کر کے فتویٰ طلب کیا جاتا ہے کہ: "أنا أحمد بلا میم، وأنا عرب بلا عین" (ترجمہ) "میں بلا میم کے احمد (احد) اور بلا عین کے عرب (رب) ہوں"۔ تو اس کو موضوع اور باطل کہہ کر رد کر دیتے ہیں (۱)۔

آپ ایک طرف محبت رسول کو جزوِ ایمان اور لازمۂ ایمان قرار دیتے ہیں، لیکن ساتھ ہی مجرد لسانی دعوائے عشق کو ناقص قرار دے کر حقوقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیگی کی تلقین فرماتے ہیں اور یہ حقوق عشق ومحبت، عقیدت وعظمت، اتباع وانقیاد اور ایک ایک سنت کو اپنانے کی تلقین تک وسیع کرتے ہیں، صاف فرماتے ہیں کہ:

"اصل عشقِ رسول تو اتباع سنت کا نام ہے"۔

آپ ایک طرف "شفا یا رسول اللہ" کہنا غیر درست قرار دیتے ہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود جسمانی امراض سے سابقہ پیش آیا تو آپ سے ہی شفاء طلب کرنا کیسے درست ہوگا، لیکن دوسری طرف آپ کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ سے حاجات طلب کرنا درست قرار دیتے ہیں (۲)۔ آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ کائنات میں سب سے افضل پانی کون سا ہے اور یہ سوال کرنے والا بجا طور پر یہی سمجھتا ہے کہ جواب میں حضرت یہی فرمائیں گے کہ سب سے افضل پانی زمزم ہے، اس لئے احادیث میں سب سے زیادہ فضیلت اسی پانی کی بیان کی گئی، لیکن حضرت کے تعمقِ نظر کا عالم دیکھئے فرماتے ہیں کہ:

"اس کائنات میں سب سے افضل پانی وہ تھا جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا تھا، اس کے بعد سب سے افضل زمزم کا پانی ہے"۔

---

(۱) (راجع کتاب العلم، مایتعلق بالحدیث، عنوان: "أنا أحمد" الخ، کیا حدیث ہے"؟)

(۲) (راجع کتاب الإیمان، مایتعلق بالتوسل فی الدعاء)

لیکن اس کے ساتھ وہ تمام بے سند روایات جو سیرت کے نام پر بیان کی جائیں ان کی تردید وتغلیط میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتے، چنانچہ "أول ماخلق اللّٰہ نوری" کے متعلق فرمایا کہ ''یہ درجہ صحت کونہیں پہنچتی ہے''(۱)۔

حقوقِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مجرد سیرت نگاری اور صرف اظہارِ فن کے لئے نعتیہ شاعری کو ناکافی سمجھتے ہیں، بلکہ اتباعِ رسول کو اور پھر اشاعتِ دین کی لگن کو بھی حقوق میں شمار کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی وہ نعتیہ شاعری جو حدودِ شریعت میں ہو (جس میں نہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مافوق النبی قرار دیا جائے اور نہ غیر مستند باتیں آپ کی طرف منسوب کی جائیں) کی اہمیت کے نہ صرف قائل ہیں، بلکہ خود بھی ایسی نعتیہ شاعری کرتے ہیں جو بلاغت، تلمیحات، استعارات اور قرآن وسنت وسیرت کے اُن دفاتر کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو ذاتِ اقدس کے متعلق وارد ہیں۔

غرض یہ کہ اس کائنات میں سب سے مقدس جماعت حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے سردار اور ان میں سب سے افضل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، جن کی محبت وعظمت، عقیدت واتباع ہی اصلِ ایمان ہے، لیکن یہ محبت وعظمت اگر غلو کا شکار ہوجائے تو یہی شرک بن سکتی ہے، چنانچہ حضرات علمائے دیوبند کے عمومی مسلک کے مطابق حضرت فقیہ الامت اس سلسلے میں نہایت محتاط اور محکم عقیدہ اپناتے ہیں اور اسی کی تصریح بھی فرماتے ہیں، یعنی نہ تو انبیاء کو خدا سے ملا دیتے ہیں، نہ نوعِ بشری سے الگ کسی اَور مافوق الانسانی نوع کے ساتھ ان کی مماثلت تلاش کرتے ہیں، نہ ان میں خدا کے حلول کرنے، خدائی اختیارات کے ان میں موجود ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، نہ ان کو مقامِ عبدیت سے اٹھا کر مقام معبودیت تک پہنچاتے ہیں اور نہ اس طرح کی عقیدت کو درست سمجھتے ہیں۔

اس کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی توہین، تنقیص یا تنقید یا ان کی طرف گناہ کی نسبت کرنے کا تصور بھی نہیں کرتے ہیں اور نہ اس تصور کو درست سمجھتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیثیت محض خدا کا پیغام رساں

(۱) (راجع كتاب العلم، مايتعلق بالحديث، عنوان: أول ماخلق الله نوري'' الخ)

ہونے کی ہے، گویا معاذ اللہ ڈاک کے کسی امانت دار کارندے کی حیثیت دینے کو سراسر توہین قرار دیتے ہیں۔

ایک طرف حضرات انبیاء عالم بشریت کے سب سے بلند مقام ومرتبہ پر فائز ہیں اور دوسری طرف انسانیت کی سب سے زیادہ محسن ومحبوب جماعت اور تیسری طرف خدائی حدود واختیارات میں دخیل نہیں ہیں، پھر اس مقدس جماعت کی آخری اور سب سے باعظمت ہستی حضرت سید المرسلین ہیں، آپ افضل الکائنات وافضل الانبیاء ہیں لیکن ساتھ ہی آپ کی عبدیت وبشریت بھی یقینی ہے، غلوِ عقیدت میں بشریت کی نفی اور ادعائے بشریت میں مقام نبوت کی تنقیص دونوں پُرخطر ہیں اور دونوں حدودِ شریعت سے خارج ہیں۔

آپ کی ذاتِ اقدس کو خدائی اختیار کا حامل قرار دے کر مختارِ کل اور تمام علوم الٰہی پر محیط قرار دے کر عالم الغیب قرار دینا یا دوسری طرف آپ کی بشریت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی طرف نعوذ باللہ بشری کمزوریوں کا انتساب کرنا یا آپ کے جسد اطہر کے مٹی میں مل جانے کا عقیدہ اپنانا دونوں انتہائیں، حضرت فقیہ الامت کی تشریحات کے مطابق غلط ہیں۔

اگر ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام رسالت کے سب سے فائق مقام پر تسلیم کرنے کے ساتھ الوہیت، رزّاقیت، علم محیط، قدرتِ کاملہ اور اختیاراتِ الٰہی کا انتساب کیا جائے تو حضرت فقیہ الامت اس کو بلا تامل شرک کہہ دیتے ہیں اور یہ آپ کے فتاویٰ میں جابجا موجود ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی کسی کی توہینِ رسول کی خفیف سے خفیف روش پر بھی حرف گیری سے نہیں چوکتے ہیں اور نہ اس میں کوئی رواداری گوارہ ہے۔

حضرت فقیہ الامت یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور وہ صلوۃ وسلام جو ان کی قبر پر حاضر ہو کر پیش کیا جائے خود سماعت فرماتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ اس کائنات میں ہر جگہ حاضر وناظر ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے، وہ طبقہ جو یہ کہے کہ نبی حیات اور ہر جگہ موجود ہیں اس کو بھی غلط کہتے ہیں اور وہ طبقہ جو یہ کہے کہ نبی نہ ہر جگہ موجود ہے اور نہ اپنی قبر میں حیات، ان کی بھی تردید کرتے ہیں اور خود اس میں راہِ اعتدال اپناتے ہیں (۱)۔

میلاد کی مجالس میں قیام کرنا اور یہ سمجھنا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود ان مجالس میں تشریف لاتے ہیں حالانکہ قرآن، حدیث، صحابہ کے ارشادات اور فقہائے امت اس بے بنیاد فاسد عقیدے سے مبرّیٰ ہیں اور

(۱) (راجع كتاب الإيمان، ماينعلق بحيات الأنبياء، وما يتعلق بالحاضر والناظر)

عقل وتجربہ بھی اس کے منکر ہیں، چنانچہ اس قیام کے غیر شرعی ہونے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ:

''حضرت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس اور ذاتِ عالی کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے درود وسلام آپ کی خدمت میں پیش کئے جائیں، نہ یہ کہ آپ خود عالم کے چپہ چپہ میں گھوم کر مجالس میں پہنچ کر درود وسلام وصول کریں، یہ تو عقیدت کے نام پر انتہائی توہین ہے۔ عام محبوب کو اپنی چیز دینے کے لئے اپنے گھر طلب کرنا اور پھر شئ مطلوب پیش کرنا توہینِ عشق ہے تو پھر محبوب رب العالمین کے اپنے گھر کی مجالس میں آنے کا یقین رکھنا اور چند نعتیہ اشعار کھڑے ہوکر اور جھوم کر پڑھنا اور یہ سمجھنا کہ تشریف اجلال متوقع ہے سراسر غیر شرعی بھی ہے، توہینِ رسول بھی ہے اور خلافِ عشق نبوی بھی۔

اس عقیدے کے کھوکھلے پن کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مجلسِ میلاد والے جب چاہتے ہیں کوئی مخصوص نعت پڑھنے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اسی پر فیصلہ کرتے ہیں کہ ذاتِ اقدس وارد ہوچکی ہے، اس مخصوص نعت کے بجائے اور جو جو ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتا ہے اور جس جس انداز میں بھی ہو وہ جامد وساکن ہی رہتے ہیں گویا تشریف آوری کو اپنی چاہت پر موقوف کیا گیا ہے، یاللعجب''(۱)۔

غرض کہ ذاتِ اقدس کے متعلق خصوصاً اور دیگر انبیاء کے متعلق عموماً، علمائے دیوبند کا جو نہایت ہی اعتدالی عقیدہ ہے اس کی مکمل تشریح فقہ وفتاویٰ کے ذریعہ حضرت فقیہ الامت کے یہاں کامل طور پر پائی جاتی ہے۔

حضرات صحابہ کرام اور راہِ اعتدال

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی جماعتِ مقدسہ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جماعتِ صالحہ کا معاملہ بھی ایسا ہی نازک ہے۔ ایک طرف سے حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق ﴿رضی اللہ عنہم﴾(۲) کا مژدہ ہے اور ''الصحابۃ کلھم عدول'' کا اعلانِ نبوی ہے اور دوسری طرف سے وہ نہ تو

(۱) (راجع باب البدعات، فصل: میلاد اور سیرت کے محافل اور عرس کا بیان)

(۲) (البیّنۃ: ۸)

حدودِ رسالت میں شامل ہیں اور نہ فوق البشری کمالات سے متصف۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق بھی طرح طرح کی افراط وتفریط کا پایا جانا امر واقعی ہے، چنانچہ کچھ لوگوں نے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبری کرنا اور کچھ نے تنقید کے نام پر ان کی مقدس زندگیوں پر حملے کرنا اپنا وطیرہ بنایا۔ پھر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان پائے جانے والے مشاجرات کا مسئلہ اَور بھی زیادہ نازک معاملہ ہے کہ تنقید کرنے والے مشاجرات کو ہی موضوع بناتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت فقیہ الامت کا مسلک جو مسلکِ علمائے دیوبند کی مکمل تشریح کا حامل ہے یہ ہے کہ:

”حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس روئے زمین پر سب سے مقدس جماعت ہے“۔

لیکن ان کی تقدیس اس طرح بیان نہیں کرتے کہ وہ حدودِ رسالت میں شامل ہو جائیں وہ بلاشبہ انسان تھے، لیکن محض اس بناء (انسان ہونے کے ناطے) پر ان پر تنقید کو گوارہ نہیں فرماتے، بلکہ وہ تمام معاملات جو مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ضمن میں آتے ہیں، ان کا محملِ حسن نکالنے کی سخت تلقین فرماتے ہیں اور خود بھی اس پر عمل فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت علی وحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آنے والے محاربہ کی ایسی توجیہ وتشریح فرماتے ہیں کہ نہ تو کسی ایک صحابی کی شان میں تنقیص ہوتی ہے، نہ کسی کے ارادے ونیت پر کوئی شک ہوتا ہے، نہ کسی کی ذات پر گستاخانہ حملہ ہوتا ہے اور نہ اس کو جائز سمجھتے ہیں اور ایسا کرنے والوں پر سخت تنقید فرماتے ہیں (۱)۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عظمت وتقدیس اور ان کی علوِ شان کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ان کو مقام تشریع بھی نہیں دیتے اور نہ ان کے ارشادات کو بعد کے لوگوں سے چاہے وہ فقہاء ومحدثین ہوں یا اولیاء وعارفین، فروتر قرار دیتے ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امت کے بعد کے تمام طبقات سے افضل قرار دینے اور ان پر ہر قسم کی تنقید کے غیر درست ہونے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان پائے جانے والے مشاجرات کے سلسلے میں

---

(۱) (راجع كتاب الإيمان، باب الفرق الباطلة، مايتعلق بالروافض، مشاجرات الصحابة، عنوان: محاربۂ علی ومعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

حضرت فقیہ الامت کا انداز کیا تھا، اس کی پوری تفصیل مجموعہ فتاویٰ میں درج مختلف فتاویٰ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

تمام مشاجرات صحابہؓ کے متعلق اسی طرح کی تسلی بخش، دلنشین اور نہایت ہی بصیرت افروز توجیہات وحملِ حسن مقرر کرنے میں حضرت فقیہ الامت خود بھی کامیاب سعی فرماتے ہیں اور اسی کی ترغیب بھی دیتے ہیں۔

غرض کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پوری امت کے لئے حق و باطل کا معیار قرار دے کر ان کے تنقید سے بالاتر ہونے کی تصریح کے ساتھ ان کے معصوم عن الخطا ہونے کا اعلان نہیں کرتے کہ اس سے وہ حدودِ رسالت میں داخل ہوں گے اور ان کے اختلافات کو اچھالنے، موضوعِ بحث بنانے اور ان کی بنیاد پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مطعون کرنے کی روش جیسا کہ بعض مصنفین کا وطیرہ رہا ہے سے خود بھی اجتناب کرتے ہیں اور جو اس سے اجتناب نہ کریں ان پر زورِ تغلیط وتردید کرنے کے لئے ہر دم بے باک رہتے ہیں اور یہ بھی آپ کے فتاویٰ سے عیاں ہے۔

پھر صحابہ کرام کے آپسی اختلافات کو حق و باطل کا اختلاف قرار دینے کے بجائے اور ان اختلافات میں ان کی نیتوں پر حملے کرنے کے بجائے صرف اجتہادی اختلاف رائے کہہ کر اور پھر ہر طرف کی نیت کے خالص ہونے اور اختلاف کو اختلاف دینی کہہ کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صفتِ عدالت کے محفوظ ہونے کی صراحت فرماتے ہیں اور پھر ان کو امت کے بعد کے تمام طبقات سے ہر اعتبار سے افضل ہی نہیں، بعد کی امت کے لئے نمونہ اور کسوٹی قرار دیتے ہیں۔

پھر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اسی محبت وعظمت اور اسی عقیدت ومعیار کا مستحق قرار دیتے ہیں، ایسا نہیں کہ بعض کی زندگیوں میں نقائص کے پہلو نکال کر تبرائی بن جائیں یا سب وشتم کرنا اپنا طرز بنائیں جیسا کہ بعض اہلِ قلم وجماعتوں کی یہ نمایاں علامت رہی ہے اور نہ ہی بعض کے حق میں غلو کر کے حدود عقیدت میں بڑھ جائیں۔ مدح میں ایسا رطب اللسان ہونا کہ ان کو ان کے مقام سے آگے پہنچا دے یہ بھی غلط اور ان کے متعلق بدگمانی، بدزبانی اور بے ادبی بھی حق سے بعید ہے، اس نکتۂ اعتدال پر علمائے دیوبند ہیں اور اس کی مثال اپنی پوری شان کے ساتھ حضرت فقیہ الامت کی ذات گرامی تھی، بلکہ آج کے عہد میں وہ اس نکتۂ اعتدال کے سب سے بڑے شارح وترجمان اور اس کے سب سے مستند مرجع تھے۔

تصوف اوراعتدال پسندی

تصوف اور سلاسلِ اولیاء کے متعلق بھی طرح طرح کی اِفراط وتفریط پائی جاتی ہے، ایک طرف ایک طبقہ جوتصوف کواس کی اصلی حیثیت سے زائد درجہ دیتا ہے اوراس میں بھی شرعی اصولوں کی رعایت لازم نہیں سمجھتا،تعلیمِ قرآن،تعلیم حدیث وفقہ،مسائلِ شریعت،اعمالِ ظاہرہ،عباداتِ مخصوصہ،دعوت وارشادکی یاتو سرے سے ان کے یہاں اہمیت ہی نہیں یا کم ہے۔ان کے یہاں تصوف اور وہ بھی مطلوبِ شرعی کی حدود سے بے نیاز ہوکراس طرح مستولی ہے کہ وہ ایسے امور کا ارتکاب کرتے ہیں جوشریعت کے سراسر خلاف ہیں اور تصوف وروحانیت کے نام پر، یااولیاء کے متعلق ایسے فاسد عقیدے رکھتے ہیں کہ جن کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ تصوف کے نام پر غیر شرعی اعمال اور وظائف،اولیاء کی طرف منسوب آثار کے ساتھ تبرک کے نام پر شرعی حدود وقیود کے خلاف رویہ اورغلوعقیدت کے ایسے ایسے مظاہرے کہ جن کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی اصل نہیں رائج پاگئے،یااولیاءکومختار ومشکل کشا،ہرجگہ سے ہرندا کوسننا اور بعدالموت بھی ایسی حیات ابدی سے متصف ماننا جس سے وہ امورِ دنیا میں بھی متصرف ہوں،یااستمداد بالقبور یااولیاءکوصرف ضروریات دنیوی کی تکمیل کا ذریعہ بنانا،مشکلاتِ حیات میں ان سے طلبِ امداد کرنا اوراس جیسے بہت سے مزعومات پھیلے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف تصوف کوسراسر غیر شرعی قرار دینا،اولیاءکومعبودانِ باطلہ سے تشبیہ دینا تصوف کوافیون اور اہل تصوف کونشہ پلانے اور سلادینے والے قرار دینا اوراس ضمن میں پوری جماعتِ صوفیاء کی تنقیص کرنا اور پورے تصوف کو''چنیا بیگم'' تک کہنا اور پورے سلسلہ تصوف کومجروح کرنے کوایک مہم کے طور پراپنانا بھی ایک طبقہ کا وظیفۂ حیات ہے(۱)۔

اس سلسلے میں راہِ اعتدال اور مسلکِ حق کیا ہے، یہ علمائے دیوبند کی طرح تفصیل سے حضرت فقیہ الامت کے یہاں ملتاہے،آپ تصوف کی حقیقت اوراس کی ضروریات،اس کی افادیت واہمیت کو یہ کہہ کر واضح فرماتے ہیں:''تزکیۂ نفوس،اعمالِ ظاہرہ اوراخلاقِ فاضلہ کے حصول کے لئے ہے،اسی کا نام تصوف ہے''۔اسی کے ساتھ مرشد کے اوصاف وشرائط کی پوری تفصیل بیان فرماتے ہیں جواس کے لئے لازم ہیں اورایسا شخص جو عقائدِ فاسدہ رکھتا ہوجوخود متبع سنت نہ ہوجس سے اصلاح کی وہ ضرورت پوری نہ ہوتی ہوجس کے لئے یہ سلسلۂ

(۱) (راجع باب الفرق، مایتعلق بالمودودیة، عنوان: ''تصوف،یوگ،کوکین،افیون'')

راہ سلوک مطلوب ہے اور وہ ارشاد و تزکیہ کی مقرر شرائط پر پورا نہ اترتا ہو اس سے بیعت نہ ہوں اور اگر ہوئے ہوں تو اس بیعت کو توڑ دینے کا فتویٰ دیتے ہیں (۱)۔

پھر تصوف میں اعمالِ مقصودہ اور اعمالِ غیر مقصودہ کی وضاحت کرتے ہیں اور اعمالِ غیر مقصودہ جو صرف بغرضِ علاج شرعی حدود میں رہ کر انجام دیئے جائیں ان کی اباحت کی صراحت بھی فرماتے ہیں اور وہ اعمال جو نہ مطلوبِ شرعی ہیں، نہ وہ بطور علاج کے مفید ہیں اور ان کا شیوع یا تو صرف رسوم کی بناء پر ہوا ہے یا تصوف و بزرگانِ دین کی طرف غلط انتساب کا نتیجہ ہے، محض رسوم کی بناء پر کئے جانے والے اعمال جو بعد میں تصوف کے خانے میں ڈال دیئے گئے، مثلاً: تیجہ، چوتھا، دسواں، گیارہواں، چہلم، برسی، عرس، رسم قل اور ختم کی مجالس میں غیر شرعی کلام اور وظائف کا ورد مثلاً: "المستغاث المستعان الخلاص یا رسول اللّٰہ یا فلان مشکل کشا بالخیر المدد" وغیرہ یہ تمام اپنی اصل کے اعتبار سے غیر شرعی بھی ہیں اور تصوف کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں، اس لئے حضرت فقیہ الامت ان کو بدعت قرار دیتے ہیں، ان کے غیر شرعی ہونے کو دلائلِ نقلیہ وعقلیہ سے مبرہن فرماتے ہیں اور اس کی سب سے واضح دلیل مستند صوفیاء سے ان کا عدمِ ثبوت ہے، اسی کے ساتھ اولیاء کو مقامِ الوہیت تک پہنچانے کی ہر روش کی سختی سے تردید و تغلیظ فرماتے، چنانچہ سوال کیا گیا کہ...............

ایک صاحب نے بیان فرمایا، کہا کہ:

"کسی بڑھیا کا خاندان غرق ہوگیا تو پیرانِ پیر نے دعا کی وہ سب زندہ ہوگئے،

کیا یہ واقعہ درست ہے؟ اس پر جواب فرمایا: "یہ واقعہ من گھڑت اور بالکل جھوٹ ہے اور اتنے بڑے بزرگ پر جھوٹ باندھنا تو بہت بڑی بدبختی ہے" (۲)۔

اولیاء پرستی کی اس روش کی نفی کے ساتھ ان کے احترام کو برقرار رکھنے اور اس سلسلے میں شرعی حدود قائم فرمانے کا انداز دیکھئے کہ پوچھا گیا:

"کیا اولیاء سے مدد مانگنا جائز ہے؟ اس پر ارشاد فرمایا: "حضرات اولیاء اللہ کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا درست ہے، خود براہِ راست اولیاء اللہ سے کوئی چیز

---

(۱) (راجع کتاب السلوک، مایتعلق بصفات الشیخ)

(۲) (راجع کتاب الإیمان، مایتعلق بالمعجزۃ، والکرامۃ والإلهام")

نہ مانگی جائے جیسا کہ بعض جگہ کہتے ہیں "یاغوث المدد" شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے"(۱)۔

تصوف کے سلسلے میں بیعت سے لے کر شرائطِ مرشد، آدابِ مسترشد، اعمالِ ثابتہ کو مدلل کرنے، مقصودِ بیعت کا عملی بیان، راہِ سلوک میں پیش آنے والے تمام احوال ومقامات کی تشریح اور ان میں ہر ہر جز کی علمی تائید کے سلسلے میں حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ تمام صلحائے عارفین کی طرح انتہائی وسعتِ نظر اور ژرف نگاہی کا مظاہرہ فرماتے ہیں، بزرگانِ دین سے منسوب شطیات کی نہایت دل نشین توجیہ فرمایا کرتے اور وہ اعمال جو شرعاً اگرچہ مطلوب نہیں، لیکن صدیوں کے تجربات کے بعد صوفیہ نے اعمالِ صالحہ پر دوام، اخلاقِ فاضلہ کے حصول اور نسبتِ احسانی کے احیاء میں مفید قرار دیا، ان کا علمی اثبات ایک صاحبِ علم متصوف کی طرح نہایت بصیرت سے فرماتے ہیں۔

وہ اعمال جو اپنی اصل کے اعتبار سے فرض وواجب نہیں، صرف سنت ومستحب کے درجہ میں ہیں، ان کو تصوف میں لے جا کر اس طرح لازم کر دیا کہ عملاً وہ فرض کے مقام پر پہنچ گئے اور فرض وواجب کی حیثیت گھٹا دی گئی......اس سلسلے میں حضرت کا ارشاد یہ ہے کہ:

"جس چیز کا استحباب شرعی دلائل سے ثابت ہو اس پر اصرار کرنے اور تارک پر ملامت کرنے سے اس کا استحباب ختم ہو جاتا ہے اور اس میں کراہت آجاتی ہے۔ التزام مالایلزم وملامت علی التارک موجب کراہت ہے"(۲)۔

---

(۱) (راجع کتاب الإیمان، مایتعلق بالاستمداد)

(۲) ان مواقع پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر طیبی شرح مشکوٰۃ کی عبارت ذکر کرتے ہیں، جو مرقاۃ میں ملا علی قاریؒ نے ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے: "من أصر علی أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعةٍ أو منکر". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلوة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۳/ ۳۱، رقم الحدیث: ۹۴۶، رشیدیه)

اور سعایہ شرح وقایہ کی یہ عبارت ذکر فرماتے ہیں:

"الإصرار علی مندوب یبلغه إلی حد الکراهة". (السعایة شرح شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، قبیل فصل فی القرآءة: ۲/ ۲۶۵، امجد اکیڈمی، لاهور)

اور اس کا اندازہ بدعات کے اکثر مسائل سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

لیکن دوسری طرف ان معمولات کو جو اصلاً ثابت شدہ ہیں لیکن اس کے باوجود کچھ طبقات نے ان کو بھی محض تعداد و ہیئت کی تعیین کی بناء پر بدعات کے زمرے میں شامل کر دیا جیسے کہ نفی و اثبات کی تسبیحات، اسم ذات کے ذکر اور سہ ضربی یا چہار ضربی ذکر کے سلسلے میں یہی صورت حال پیش آتی ہے اس سلسلے میں حضرت فرماتے ہیں کہ:

''وہ معمولات جو یا تو مستحب ہوں یا مباح اور جن کی فضیلت ثابت ہے، مشائخ بطور علاج کے تجویز فرماتے ہیں اور کبھی یہ معمولات ترک بھی کراتے ہیں کہ جب اس کی ضرورت پڑے اس لئے یہ نہ ممنوع وحرام ہیں اور نہ فرض وواجب''(۱)۔

خلاصہ یہ کہ حضرت فقیہ الامت نے مسلکِ حق کی ایسی اعتدالی تشریح کی اور اعتدال بھی ایسا واضح، مصرح، مدلل اختیار فرمایا کہ عوام ہی نہیں علماء کے لئے بھی آپ کے فتاویٰ ایک کامل رہبر کا کام دے سکیں گے اور اس کا مشاہدہ ہر طالبِ صادق کو یقینی طور پر ہو سکتا ہے۔

مدارس اور راہِ اعتدال

برصغیر میں مغل دورِ حکومت کے خاتمہ کے بعد انگریز اقتدار میں آیا اور اس کے نتیجے میں جو تباہ کاریاں ہوئیں وہ برصغیر کی پچھلی دوسو سال تک کی تاریخ میں اسلام اور مسلمانوں کی سب سے سنگین تباہ کاری ہے، اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب کا خاتمہ، مسلمانوں کی سیاسی اقتصادی زبوں حالی اور علماء وصلحاء کے قتل وخون، غرض ہر ہر اعتبار سے یہ عہد انتہائی خون آشام ہے، مسلمانوں کے اقتدار میں بھی گو کہ اشاعتِ علوم دینیہ کی ایسی کوششیں نہیں تھیں جن کی ایک اقتدار سے بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے۔ تاہم منصوبہ بند طریقے سے اسلام کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے کی بھی کوشش نہیں ہو رہی تھی جیسا کہ انگریز دورِ حکومت میں انتہائی ہمہ گیر انداز میں منصوبہ بند طریقوں اور ناقابلِ تسخیر ہتھکنڈوں کے ذریعہ اسلام، اسلامی علوم، اسلامی تہذیب، اسلامی آثار وعلامات اور ذہن وفکر سے لے کر عمل وحرکت تک اور فرد کی نجی زندگی سے لے کر ملک کے تمام اجتماعی اداروں تک اسلام کے شعائر کو ختم کرنے کی مہم جاری تھی اور وہ بہت حد تک کامیاب بھی تھی۔

اس صورت حال میں اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کو اسلام پر ثابت رکھنے کی جو سب سے کامیاب اور

(۱) (راجع باب البدعات، فصل: فاتحہ مروجہ کا بیان، عنوان: ''ختم میں سوا لاکھ کی تعداد'')

مفید سعی ظہور پذیر ہوئی وہ دیوبند کے طرز پر قائم ہونے والے مدارس کا قیام ہے۔ بلاشبہ آج برصغیر اسلام کی حفاظت واشاعت اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت میں اور مسلمانوں کو دین سے منسلک رکھنے میں جس محرک نے کلیدی کردار ادا کیا وہ یہی مدارسِ اسلامیہ ہیں۔ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو نہ علماء کی یہ کثرت ہوتی، نہ اسلامی علوم کے پڑھنے و پڑھانے کے یہ مواقع ہوتے، نہ اسلامی علوم کی اس طرح نشر واشاعت ہوتی اور نہ آج برصغیر میں اسلام اس طرح محفوظ ہوتا۔

مدارس کا یہ نہج اپنے اکثر معاملات میں چند بزرگوں کے نہایت قیمتی اصولوں جن کو الہامی اصولِ ہشتگانہ کہا جاتا ہے پر استوار کیا گیا۔ تاہم یہ اپنے نظامِ تعلیم، نظام مالیات، اصولِ تشکیل اور اندازِ تنظیم میں اس اعتبار سے ایک نیا تجربہ تھا ایسا تجربہ اس سے پہلے اس طرح نہیں ہوا تھا جو حکومتوں کی سرپرستی اور مالیات کے کسی متعین ومحکم ذریعۂ آمدنی کے بغیر کھڑا کیا گیا ہو۔

اسی بناء پر فقہ واحکام کی کتابوں میں باقاعدہ کوئی ایسا باب نہیں جو متعین طور پر اس قسم کے مدارس کے تمام مسائل پر مشتمل ہو، چنانچہ یہ مدارس اپنے ذوق اور مزاج سے لے کر چھوٹے چھوٹے مسائل تک اپنے بزرگوں اور بانیوں کی صوابدید اور فیصلوں پر موقوف تھے اور ہیں۔

ایک طرف یہی مدارس برصغیر میں حفاظتِ دین واشاعتِ دین کا سب سے کامیاب وموثر ذریعہ ثابت ہوئے اور دوسری طرف ان میں پیش آنے والے تمام مسائل کسی ایک باب میں دستیاب نہ ہونے کی بناء پر اور نوع بنوع کی اندرونی وبیرونی مہمات کی بناء پر قدم قدم پر کسی مربی کامل، کسی مزاج شناسِ شریعت، کسی صاحبِ بصیرت فقیہ اور کسی ایسے سرپرست کے محتاج تھے جو اس کے منتظمین، مدرسین، طلباء اور معاونین کو صحیح راہ دکھلا سکے، اسی بناء پر ہر اہم مدرسہ نے ہر دور میں کسی نہ کسی کو اپنا سرپرست بھی مقرر کیا اور ساتھ ہی مدارس کے نظام میں پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے کے لئے کسی مفتی کی رہنمائی سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا رہا اور بین المدارس اخذ وقبول کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ مدارس کا یہ سلسلہ برصغیر میں جتنا پھیلتا گیا ان میں پیش آنے والے مسائل بھی وسیع سے وسیع تر ہوگئے، ادھر فتاویٰ کے تمام شائع شدہ مجموعوں میں سے کسی ایک مجموعے میں بھی اکثر وبیشتر مسائل موجود نہیں۔

اس باب میں حضرت فقیہ الامت سب سے ممتاز ہیں کہ "مایتعلق بالمدارس" کا باب قائم فرما کر

سب سے زیادہ فتاویٰ دیئے، اس لئے اگر اہلِ مدارس اپنے تمام معاملات کی فقہی رہنمائی کے لئے کوئی کتاب سامنے رکھنا چاہیں تو فتاوی محمودیہ کے مجموعے میں "مایتعلق بالمدارس" میں سے مسائل کو منتخب کر کے اپنے سامنے ایک رہنما کتاب کے طور پر رکھ سکتے ہیں، جس میں مدارس میں پیش آنے والے چھوٹے بڑے، عمومی و نادرالوقوع مسائل کا شرعی حکم موجود ہے۔

ان مسائل میں حضرت مفتی صاحب کی فقہی بصیرت، مدارس کے ذوق ومزاج کا **عرفانِ کامل**، مدارس کے نہج کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں عمیق بصیرت، اصل مقصود سے ہٹ جانے کی خفیف سے خفیف روش پر گہری نظر، حدودِ شریعت میں رہ کر مدارس کو ہرنئی سہولت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت، مسلکِ حق پر استقامت کی مکمل رہنمائی، اربابِ انتظام، اصحابِ تدریس، طلباء، محصّلین اور معاونین میں سے ہر ہر طبقہ کی صحیح اور کامل رہبری، نئی تہذیب کے دھارے پر بہنے اور تجدد کی ہرنئی لہر کو قبول کرنے کے نقصان دہ نتائج ومضر اثرات کی نشاندہی، اساتذہ کے فریضے کی صراحت، اخلاص، جدوجہد، استقامت اور تعمیر وتطہیر، اصلاح وتزکیہ کی تذکیر، محض کسب مال کو مطمحِ نظر نہ بنا کر خدمت دین کے تصور کو زندہ رکھنے کی ہدایت وغیرہ کے متعلق حضرت کے فتاویٰ، ملفوظات اور ارشادات جواہرِ خالصہ ہیں۔

جمہوریت اور راہِ اعتدال

پچھلے سو سالہ (کم وبیش) عرصہ میں پورے عالَم کی طرح برصغیر میں بھی سیاسی تحریکات کا شیوع عام ہوا، دنیا میں مختلف نظام ہائے سیاست طرح طرح کی شکست وریخت سے دوچار ہوئے اور مسلمانوں کو بھی اس دلدل سے گزرنا پڑا، بلکہ ان کے مضر اثرات سب سے زیادہ مسلمانوں پر ہی پڑے، اس بناء پر علمائے اسلام بھی ان سیاسی مسائل سے آنکھیں بند نہ کر سکے۔ اس سلسلے میں علمائے دیوبند کے عمومی تصور کی طرح حضرت فقیہ الامت کا تصور بھی یہی رہا کہ سیاست نہ تو مطلوبِ اسلام ومقصودِ مومن ہے اور نہ ہی شجرۂ ممنوعہ، اس کی وہ تفصیل (جو اس کی وجوہات، دلائل اور نتائج کی حامل ہو) کی تو ان صفحات میں وسعت نہیں۔ تاہم حضرت فقیہ الامت کے چند وہ فتاویٰ جو سیاسیات کے متعلق ہیں پیش کرنے سے علمائے دیوبند کے مزاج کے اجمالی تعارف کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔

یہ دور جمہوریت کا دور کہلاتا ہے اس لئے کہ جمہوری طرزِ حکومت کے قیام، اس کی افادیت اور اس کو بہتر نظام قرار دیئے جانے کے متعلق لٹریچر سے لے کر تشکیلِ حکومت تک جمہوریت کے عملاً زندہ ہونے کا اور عالم کے اکثر حصہ پر اس کے نافذ ہونے کا دور ہے اور اس سلسلے میں کتابوں کا انبار موجود ہے جو جمہوریت کے حق میں بھی ہیں اور اس پر تنقید بھی۔ اسلامی اصولوں کی روشنی میں یہ نظامِ حکومت مکمل طور پر قابلِ قبول ہے یا قابلِ رد، اس سلسلے میں علمائے امت مفصل و مدلل تحقیقات فرما چکے ہیں۔ حضرت فقیہ الامت نے نہایت جامع اور مختصر جملوں میں اس کی پوری حقیقت اور اس کا حکم یوں بیان فرمایا کہ:

''حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جمہوریت کی تردید فرمائی ہے، (اس لئے کہ) وہاں قوانین کا مدار دلائل پر نہیں بلکہ اکثریت پر ہے یعنی کثرتِ رائے پر فیصلہ ہوتا ہے۔ پس اگر کثرتِ رائے قرآن وحدیث کے خلاف ہو تو اسی پر فیصلہ ہوگا اور قرآن کریم نے اکثریت کی اطاعت کو موجبِ ضلالت قرار دیا ہے:

﴿وإن تطع أكثر من في الأرض يضلوك عن سبيل الله﴾ اہلِ علم، اہلِ دیانت واہلِ فہم کم ہی ہوتے ہیں''۔ (فتاوی: ۱۳/ ۴۲۶) (۱)۔

ایک موقع پر مختصر فتویٰ لکھا کہ:

''جمہوریت...... اسلامی طرزِ حکومت نہیں ہے''۔

حضرت کبھی شرعی وعقلی دلائل سے جمہوریت کے نقائص کا بیان نہایت مفصل اور دلنشیں انداز میں فرمایا کرتے تھے اور کبھی اس بحث میں اضاعتِ وقت کے خدشہ سے اجتناب بھی فرماتے تھے۔ اب اگر اسلامی طرز حکومت کا قیام ناممکن یا دشوار ہے تو وہاں رہنے والے مسلمانوں کو کیا کرنا ہوگا؟ کیا مسلمانوں کو اس جمہوری سیاست میں شرکت سے کلی اجتناب کا حکم دیا جائے؟ اگر ایسا ہو تو اس سے مسلمانوں کو طرح طرح کے دنیوی نقصانات اور کچھ معاملات میں دینی نقصان بھی یقینی ہے، خصوصاً ان ممالک میں جہاں غیر مسلم اکثریت میں ہوں اور مسلمان سیاست سے کنارہ کشی اختیار کریں تو وہاں کے قانون ساز ادارے اور انتظامی ادارے جو مسلم کش اقدامات کرنے لگیں گے ان کو رد کرنے کی کوئی تدبیر نہ ہو سکے گی اور جمہوری حکومت جو الیکشنوں کے ذریعہ وجود

(۱) (راجع محمودیہ، کتاب السیاسۃ، فصل: جمہوریت اور سیاسی تنظیموں کا بیان، عنوان: جمہوریت)

پذیر ہوتی ہے، سے دور رہنے کے نتیجے میں کسی بھی حکمران جماعت سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جا سکے گا اور اگر اس سیاست میں مسلمانوں کی شرکت لازم کردی جائے تو اس کو غیر اسلامی طرزِ حکومت قرار دینے کے بعد اس میں شرکت کا لازمی حکم دینا کیسے درست ہوگا؟

اس صورت حال میں کیا کیا جائے، ایک شخص جو سیاسی میدان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور حضرت فقیہ الامت سے استفسار کرتا ہے تو جواب میں فرمایا کہ:

''اگر حصہ لینے میں آپ کو احکامِ اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور آپ حصہ لے کر اہلِ اسلام کی خدمت کر سکیں اور ان کو ظلم سے بچا کر حقوق دلا سکیں تو حصہ لے سکتے ہیں''۔ فتاویٰ: ۱۳/ ۴۲۵ (۱)۔

حدود و قیود اور مقصد کی تصریح اور نیت کی درستگی غرض مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر رکھ کر ایک ہی جملہ میں آپ نے واضح اور قطعی حکم بیان فرمادیا گوکہ دلیل اور علت بیان نہیں فرمائی۔ تاہم علماء کی ایک مجلس میں زبانی گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''جمہوری ملکوں میں سیاست میں شرکت صرف دفعِ مضرت کے لئے ہوسکتی ہے اور دفع مضرت کے لئے شریعت نے بہت سے امور کو جائز رکھا ہے، جمہوریت میں الیکشن جزوِ اعظم ہے اور الیکشنوں میں عوام کی رائے بذریعہ ووٹ طلب کی جاتی ہے۔ گو کہ مرد و زن، خورد و کلاں، عام ناواقف اور ان پڑھ شخص اور انتہائی ذی علم وصاحب فہم شخص کی رائے مساوی ہوتی ہے اور یہ اس کے دیگر مصائب ونقائص میں سے ایسا نقص ہے جس کا آج تک جمہوریت نواز کوئی فلاسفر یا مصنف جواب نہیں دے سکا، تاہم ووٹ کی حیثیت شرعاً گواہی کی حیثیت ہے جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان نے فتویٰ لکھا ہے''۔ (ملاحظہ ہو جواہر الفقہ) (۲)۔

اس شرعی شہادت پر عمل کرنے کا حکم ظاہر ہے کہ مسلم ممالک میں (کہ جہاں ہر جماعت کے امیدوار مسلمان ہوں گے) ہی لاگو ہوگا، رہا غیر مسلم ممالک میں تو وہاں اس کی حیثیت شہادتِ شرعیہ کی عموماً نادر ہوتی ہے اس لئے کہ امیدوار جب مسلمان ہی نہ ہو تو اس کے لئے ووٹ کو شہادت قرار نہیں دیا جاسکتا تو کیا غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کو ووٹ نہ دینے کا حکم دیا جائے؟ ظاہر ہے کہ اس سے وہی ضرر لاحق ہوگا کہ وہاں کے

---

(۱) (راجع کتاب السیاسة والهجرة، عنوان: سیاست میں حصہ لینا)

(۲) (جواهر الفقه: ۲/ ۲۹۷، ووٹ اور ووٹر، باب: انتخابات میں ووٹ اور ووٹر الخ، مکتبہ دار العلوم کراچی)

مسلمان قانون بنانے اور نافذ کرنے والے اداروں سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت یا تو پیدا ہی نہ ہو سکے گی یا بے سود رہے گی۔ اس صورت حال میں حضرت کا فتوی ملاحظہ ہو: سوال کیا گیا کہ کیا ووٹ دینا درست ہے؟ فرمایا کہ:

''اگر نفع ہو یعنی دین کی، قوم کی، ملک کی صحیح خدمت مظنون ہو تو درست ہے''۔ (فتاوی، ص: ۳۴۱)(۱)۔

اور جب مختلف جماعتیں ووٹ طلب کریں تو ایسی صورت میں ایک مخلص بے لوث اور بے غرض مسلمان کو کیا کرنا چاہیے اور پارٹی کے جانچنے اور اس کے حق میں رائے دینے کا معیار کیا ہو، اسی طرح کے سوال کے جواب میں فتوی لکھا کہ:

''اپنے یا اہلِ علم و دیانت کے تجربہ سے جو جماعت اسلام کے زیادہ قریب یا پابند ہو اور حقوق دلانے میں زیادہ کوشاں اور قربانی دینے والی ثابت ہو اس میں شرکت کر سکتے ہیں''۔ فتاوی محمودیہ (۲)۔

خود حضرت کس پارٹی کو پسند فرماتے تھے؟ تقریباً اسی قسم کا سوال پوچھا گیا تو فرمایا کہ:

''جماعتوں کے قواعد وضوابط میں ترمیم ہوتی رہتی ہے، مجھے زیادہ واقفیت بھی نہیں ہے''(۳)۔

جمہوری ملکوں میں چونکہ انتخاب میں شرکت کرنے کا حق ہر اس پارٹی کو حاصل ہوتا ہے جو پارٹی تسلیم شدہ ہو اور اس کے لئے مذہب، اخلاق اور دیانت کی کوئی شرط نہیں اس لئے منکرینِ خدا، مذہب و اخلاق سے بیزار اور انسانوں کو معاشی حیوان بنا دینے والے بھی اگر انتخاب میں شرکت کرنا چاہیں تو جمہوری ملکوں میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تو کیا کمیونسٹ پارٹی میں شرکت کر کے اس کی طرف سے انتخاب لڑنا یا اس کو ووٹ دینا درست ہے؟ اس سلسلے میں حضرت نے فرمایا:

''کمیونزم کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ انسان کو مذہب سے لڑایا جائے، کمیونزم کا ممبر

---

(۱) (راجع كتاب السياسة والهجرة، فصل: انتخابات کی شرعی حیثیت، عنوان: ''ووٹ کا حکم'')

(۲) (راجع كتاب السياسة، فصل: جمہوریت اور سیاسی تنظیموں کا بیان، عنوان: ''کس سیاسی جماعت میں حصہ لیا جائے؟'')

(۳) (راجع المصدر السابق آنفاً)

اس شخص کے علاوہ کوئی نہیں بن سکتا جو صدقِ دل سے صاف صاف اعلان نہ کرے کہ وہ دہریہ ہے یعنی منکرِ خدا ہے، اینجلز لکھتا ہے: ''ہمارا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مذہبی فریب خوردگی کو دور کیا جائے''۔ مارکس نے مذہب کے انفرادی معاملے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: ''ہمیں قدم آگے بڑھا کر انسانیت کو مذہب کے اقتدار سے آزاد کرنا ہے، مذہب عوام کے حق میں افیون کا درجہ رکھتا ہے''۔ کمیونزم ایک تحریک نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے جس کے بانی مارکس ولینن وغیرہ یہودی تھے، یہ صرف معاشی تحریک بھی نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے جو تمام ادیان و مذاہبِ سابقہ اور الٰہی تعلیمات اور اخلاق واقدار دینِ حق یعنی ذات خداوندی کے خلاف ہے اور کامریڈوں کی درندگی کی راہ میں ہر رکاوٹ کو دور کرنا اس دینِ جدید یا دینِ یہود کا مسلک ومقصد ہے''۔

آگے تحریر فرمایا:

''یہ کمیونزم کا اجمالی خاکہ ہے کہ جس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اعتقاد کے اعتبار سے وہ صراحۃً اسلام کے خلاف ہے، سیاسی حیثیت سے اس میں شرکت وقتی طور پر اگر مفید بھی نظر آئے تو بھی اس کا دینی حیثیت سے ضرر واضح ہے''۔ (فتاوی: ۱/۱۴)(۱)۔

حضرت فقیہ الامت نے اشتراکیت کے متعلق جو قطعی اور واضح حکم لکھا اس کے بعد یقیناً یہ سوال پیدا ہوگا کہ جو لوگ اس تحریک اشتراکیت میں شریک ہوئے، کیا وہ اسلام سے خارج ہیں؟ چنانچہ حضرت سے یہ پوچھا گیا لیکن تکفیر (کسی کو کافر قرار دینا) انتہائی اہم اور پر خطر معاملہ ہے اور علمائے دیوبند کی اس سلسلے میں احتیاط تو شعار و امتیاز ہے، اس مزاجِ احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے فتویٰ لکھا کہ:

''کسی مسلم فرد یا مسلم جماعت کو کافر یا مرتد قرار دینا بڑی ذمہ داری کی بات ہے، جب تک نصوصِ قطعیہ سے اس کا کفر ثابت نہ ہو اس پر اقدام نہیں کیا جاسکتا، بلا قطعی دلائل کے اگر ایسا کیا جائے تو اندیشہ قوی ہے کہ یہ کفر اقدام کرنے والے پر عود کر آئے، جو علماء حدودِ شرع سے واقف ہیں اور کفر واسلام کی سرحد کو پہچانتے ہیں وہ کبھی ایسا اقدام نہیں

(۱) (راجع كتاب الإيمان، باب الفرق، مايتعلق بالشيوعية والاشتراكية، عنوان: ''کمیونزم'')

کیا کرتے''۔ فتاوی محمودیہ(۱)۔

اسی حزم واحتیاط کا مزید مظاہرہ آپ نے اس وقت فرمایا جب ایسے مسلمانوں کے متعلق سوال کیا گیا کہ جو کمیونزم کے بنیادی نظریات سے ناواقف ہو کر محض سیاسی بہتر خدمات کی توقع پر کمیونسٹ پارٹی کو ووٹ دیں، کیا وہ اسلام سے خارج ہو کر کمیونسٹ قرار پائیں گے؟ آپ نے فتوی لکھا کہ:

''اس ملک (ہندوستان) میں ووٹ اسلام اور کفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے، نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں، جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا، نفع پہنچائے گا، حقوق دلوائے گا، ظلم کو روکے گا اس کو ووٹ دیا جائے، جو لوگ خود مسلمان اور دین و مذہب کے پابند ہیں وہ اگر نافع سمجھ کر کسی پارٹی کو ووٹ دیں یا کسی فرد کو ووٹ دیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس پارٹی کے نظریات وعقائد سے بھی متفق ہیں''۔ فتاوی: ۵/۱۶۷(۲)۔

اختلافی مسائل اور راہِ اعتدال

اختلافی مسائل چاہے وہ عقائد سے متعلق ہوں یا معاشرت، معاملات، اخلاق، سیاسیات یا مختلف فرقوں کے عقائد ونظریات اور یا پھر یہ اختلافات قدیم ہوں یا نئے ہوں ان تمام مسائل میں حضرت فقیہ الامت کا طرز محققانہ، حفظِ مراتب میں محتاط اور بوقت ضرورت سخت ہوا کرتا تھا۔ اس سلسلے میں کبھی آپ انتہائی بسط وتفصیل کی روش اپناتے اور کبھی اجمال اختیار کر کے صرف بیان حکم تک محدود رہتے۔

ان اختلافی مسائل میں استدلال کی قوت، بیان میں حفظِ درجات، اپنے موقف پر شدت وصلابت اور مخالف نظریہ کے دلائل پر شدید گرفت اور نقلی وعقلی دلائل سے اس کی تردید، یہ سب کچھ ہوا کرتا۔

اختلافی مسائل میں تکفیر کا سلسلہ جو برصغیر میں ایک طبقہ کا نشان اور علامت بن گیا تھا اور اس کے لئے ذاتیات پر انتہائی رکیک اور اخلاق سوز حملے بھی کئے اور دوسری طرف تقلید کو شرک اور ہر نئے عمل کو بے دھڑک بدعت وگمراہی اور اسلاف کا ذوق وتعامل اپنانے کو اتباع آباء، یہودیت، نصرانیت اور مشرکین کا طرز اپنانے

(۱) (راجع کتاب الإیمان، باب الفرق، مایتعلق بالشیوعیة، والاشتراکیة، عنوان: اسلامی سوشلزم)

(۲) (راجع کتاب السیاسة والهجرة، فصل: انتخابات کی شرعی حیثیت عنوان ''ووٹ کس کو دیا جائے؟'')

کا حکم لگایا گیا جیسا کہ دوسرے طبقہ کا شعار ہے، اس سلسلے میں حضرت فقیہ الامت بحیثیت مفتی اُس روش پر قائم رہے جو علمائے دیوبند کا امتیاز ہے یعنی صراحۃً کبھی کسی کی تکفیر کا حکم لکھنے کی اگر نوبت آئی تو عموماً حضرت کا جواب اس طرح ہوا کرتا۔

''ایسے عقائد اپنانے سے ایمان سلامت نہیں رہتا''۔

یا یہ لکھا کرتے:

''یہ خیالات خلافِ شریعت ہیں ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔وغیرہ''۔

اس سلسلے میں عموماً فرمایا کرتے کہ:

''سب سے زیادہ احتیاط کی ضرورت تکفیر میں کرنے کی...... ہے''۔

ان اختلافی مسائل میں اگر مسئلہ کسی جماعت کے متعلق ہوتا اور وہ مسئلہ اس جماعت نے بطور عقیدہ وشعار کے اپنایا ہوتا تو پھر حضرت کا رویہ نہایت سخت اور قطعی ہوتا۔ ایسے مسائل میں دوسرے فریق پر مفصل ومدلل جرح، اس کے دلائل کی دلنشین تغلیط، دوسرے فریق کے دلائل نقل کرنے اور پھر ان کے سقم کو بیان کرکے اس کے نتیجے میں پھیلنے والی گمراہی کی واضح نشاندہی فرمایا کرتے، چنانچہ مختلف فرقوں کے متعلق آپ کے فتاویٰ میں یہ انداز واضح ہے لیکن اس شدت وقطعیت کے ساتھ کسی کی ذات پر یا کسی کی نیت پر حملہ نہ کرتے یا اخلاق وکردار کو موضوعِ بحث نہ بناتے، نہ طعن وتشنیع والزام تراشی کرتے، نہ غلط بات منسوب کرتے، نہ کسی کے نظریہ کے غلط معنیٰ نکال کر توجیه القول بمالایرضی به القائل کا ارتکاب کرتے، بلکہ اگر دوسرے فریق کی طرف سے کوئی درست بات سامنے آتی تو اس کی نہایت فراخ دلی اور حقیقت پسندی سے تحسین فرمایا کرتے، چنانچہ ایک مشہور شخصیت جن کے خیالات ونظریات سے حضرت کو نہایت اختلاف ہے، کے متعلق ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ:

''اس موقع پر .... صاحب نے ایک بات ایسی لکھی ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ مجھے .... صاحب سے بنیادی اختلاف ہے اس اختلاف کے باوجود یہ بات بعید ہے کہ اگر ان کے قلم سے کوئی بات صحیح نکل جائے تو میں اسے غلط کہنے لگوں، ایسا

نہیں ہوسکتا، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولا یجر منکم شنان قوم علیٰ أن لا تعدلوا﴾ (۱)۔

فروعی اختلافی مسائل اور راہِ اعتدال

ان اختلافی مسائل میں دوسری قسم ان مسائل کی ہے جن میں کسی جزوی اور فروعی مسئلہ میں کسی سے آپ کا اختلاف ہوجائے اور یہ اختلاف بر بنائے دلائل ہو اور وہ کسی تحریف یا تلبیس کے فروغ کا سبب نہ بنے، محض موقف اور اس کے مستدلات کا اختلاف ہو، ایسے موقعوں پر آپ حفظِ مراتب کے نہایت اعلیٰ مقام پر رہتے۔ چنانچہ فقہ کے فروعی مسائل میں بہت سے مفتیانِ وقت سے آپ کا اختلاف ہوتا رہا لیکن آپ عموماً صرف اپنا موقف، اس کے دلائل اور بزرگانِ سلف میں سے کسی کی رائے نقل کرنے پر اکتفا فرمایا کرتے اور اگر کبھی دوسرے کی رائے نقل کرنے کی نوبت آتی تو نہایت احترام سے وہ رائے اور اس کے دلائل بھی نقل فرماتے، ایسے موقعوں پر کبھی صرف یہ کہہ کر بات ختم کردیتے کہ ''اس مسئلہ میں فلاں کی رائے یہ ہے''۔

دعوت وتبلیغ اور راہِ اعتدال

دین کی اشاعت اور اس کی حفاظت اور امت میں دین کو زندہ رکھنے اور احکامِ دین کے اِحیاء کے سلسلے میں دعوت وتبلیغ کا کیا مقام ہے، یہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ امت کی داعیانہ صفت ہی درحقیقت اس کی بقاء کی ضامن ہے، اسلامی تاریخ کے ہر عہد اور اسلامی دنیا کے ہر مقام پر جب جب بھی یہ داعیانہ کردار کمزور ہوا اس کے طرح طرح کے سنگین نتائج سامنے آئے، اسی بناء پر امت سے خلافت وحکومت جاتی رہی، اسی وجہ سے امت اپنی معاشرت ومعاملات میں دوسری اقوام کی نقالی کرنے اور اپنے دین کو چھوڑنے کی روش پر چل پڑی، اس کے نتیجے میں امت میں اعمال وعبادات اور اخلاق وآداب غرض پورے اسلام اور پھر ایمانیات تک میں شدید ترین ضعف پیدا ہوا۔

غرض کہ امت کی ہر خرابی کی جڑ دین کی کمزوری اور اس کا سبب دعوت سے غفلت ہے جب کہ دعوت وتبلیغ کا یہ فریضہ قرآن مجید، ارشاداتِ نبویہ، سیرت طیبہ، تاریخِ اسلام اور عقل وتجربہ سے واضح اور اس کی اہمیت،

(۱) (المائدۃ: ۸)

فرضیت اور امت کے لئے اس کے لازم ہونے کی صراحت قطعی اور غیر محتاجِ دلیل ہے، بلکہ ختم نبوت کے نتیجے میں امت کو کار نبوت کے فریضہ کی ادائیگی اسی دعوت کے نتیجے میں عطا ہوئی ہے اور یہ فریضہ کسی بھی حال میں امت سے ساقط نہیں ہوسکتا۔

برصغیر میں سینکڑوں سال تک مسلمان حکمرانی کرتے رہے لیکن امت کی غالب اکثریت اس فریضہ دعوت کی ادائیگی سے غافل رہی، اس لئے علمائے امت کی محنت کے نتیجے میں دین گو محفوظ رہا لیکن امت کے عام افراد کی زندگی سے لے کر حکومتِ وقت تک جو خرابیاں پیدا ہوئیں وہ بھی ناقابلِ انکار ہیں، بلاشبہ اگر امت کا غالب طبقہ اس فریضہ کی ادائیگی میں منہمک رہا ہوتا تو امید کی جاسکتی ہے کہ آج برصغیر کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

مسلمانوں سے اقتدار چھن جانے کے بعد جب دین کو مٹانے کے نہایت سنگین حالات پیدا کئے گئے اور پوری امت کا عوامی طبقہ دین سے بیگانہ ہوتا گیا تو اللہ جل شانہ نے خصوصی فضل فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور آج عالم کے کونے کونے میں دعوت وتبلیغ کی یہ محنت جاری ہے اور اس کے ثمرات کا ظہور اس طرح ہورہا ہے کہ عالمِ اسلام کی مسلم حکومتوں کی کسی بھی محنت کے نتیجے میں ایسا ثمرہ سامنے نہیں آرہا ہے اور اس کے اعتراف سے بجز عناد و کج فہمی کے اور کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی۔

دعوت وتبلیغ کا یہ نہج بے شمار لوگوں کے لئے اجنبی اور قابلِ اعتراض ہے حالانکہ شرعاً اس کے کسی بھی جز پر کوئی واقعی اعتراض کیا ہی نہیں جاسکتا، تاہم کچھ لوگ اس کے چار ماہ، چالیس دن، تین دن، گشت اور دوسرے امور پر یہ سطحی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تعیین غیر ثابت شدہ ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ دین کے تمام احکام کی دعوت کو اپنا مقصد نہیں بناتے بلکہ صرف چند احکام تک ہی محدود رہتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ وقت کے سیاسی مسائل سے اغماض کرتے ہیں وغیرہ۔

درحقیقت یہ تمام اعتراضات انتہائی سطح پر، غلط فہمی یا حقیقتِ دعوت نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اس لئے علمی طور پر دعوت وتبلیغ کی فرضیت ثابت کرنا، اس کے اصول ومنہاج کو مدلل کرنا، اس پر کئے جانے والے اعتراضات کا دفاع کرنا علمائے امت کا فریضہ ہے۔

برصغیر کے مفتیانِ کرام میں سے حضرت فقیہ الامت کی ذات اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ آپ نے

ازخود حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں وقت گزارا، دعوت وتبلیغ کے کام میں عملاً شرکت کی، اس کے پورے نظام کو ازخود ملاحظہ فرمایا، اس کے فوائد وثمرات کا مشاہدہ فرمایا اور پھر بعد کی پوری زندگی میں اس کے ساتھ مکمل انتساب رکھا۔ اس لئے اگر علمی طور پر دعوت وتبلیغ کو سمجھنا کسی طالب صادق کا مطلوب ہو تو فتاوی محمودیہ میں شائع شدہ وہ فتاوی جو دعوت وتبلیغ سے متعلق ہیں بلاشبہ چشم کشا ثابت ہوں گے (۱)۔

حضرت مفتی صاحب کو اس کام سے کس درجہ لگاؤ اور شیفتگی تھی، اس کا کچھ اندازہ اس سے کیجئے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے مشہور خلیفہ حضرت مولانا عبدالباری ندوی پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے لکھنؤ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ازراہِ بے تکلفی فرمایا کہ مجھے اس پر تعجب ہے کہ تبلیغ والوں نے دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا:

''واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں تبلیغی پہلے ہوں مفتی بعد میں اور دارالعلوم کو مفتی کی ضرورت تھی تو تبلیغ والوں سے مفتی مانگا، انہوں نے یہ ضرورت پوری فرمائی'' اوکما قال۔ (ماہنامہ النور، تذکرۂ فقیہ الامت، حصہ دوم، ص: ۲۴۸)

اسی تعلق کی بناء پر حضرت تبلیغی اجتماعات میں نہایت بشاشت سے شرکت فرماتے، بیانات فرمایا کرتے اور دعوت وتبلیغ سے وابستہ افراد سے تو کبھی دعاؤں کی درخواست تک کرتے، کبھی کوئی جماعت ملاقات کے لئے آتی تو آپ انتہائی شفقت واپنائیت کا مظاہرہ فرماتے۔

دعوت وتبلیغ کے اکابرین خصوصاً حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تو نہایت ہی گہرے اور قلبی روابط تھے، چنانچہ ایک موقع پر جب حضرت مفتی صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کی ملاقات ایک ریلوے اسٹیشن پر ہوئی تو مولانا محمد یوسف نے فرمایا:

''مفتی صاحب! مصافحہ تو بعد میں کیجیو، پہلے مجھے فلاں فلاں مسئلہ کا جواب بتادو۔ حضرت نے جوابات ارشاد فرمائے۔ بعد میں مولانا محمد یوسف نے فرمایا کہ: ''ہم کو دعوت میں لگایا اور خود بیٹھ گئے''۔

(۱) (راجع محمودیہ، کتاب العلم، باب التبلیغ)

حضرت نے فرمایا کہ:

''ایک دو کو کسی کونے میں بیٹھ کر کتابوں کی ورق گردانی کرنے دیں تاکہ آپ کے اس طرح کے سوالات کے جوابات تلاش کرتے رہا کریں''۔ (ماہنامہ النور، تذکرۂ فقیہ الامت، حصہ دوم، ص: ۲۴۸)

اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ جب بھی آپ دہلی تشریف لے جاتے تو مرکز تبلیغ ضرور تشریف لے جاتے اور اکابرینِ مرکز بھی آپ کے لئے چشم براہ ہوا کرتے۔ علمی طور پر دعوت وتبلیغ کے متعلق آپ نے اتنے فتاوی تحریر فرمائے کہ دوسرے کسی مفتی نے برصغیر کی پوری تاریخ میں اتنے نہیں لکھے، ان فتاوی میں تبلیغ کی ضرورت، اس کی مشروعیت وفرضیت اس کے فوائد وثمرات اور اس پر کئے جانے والے ہر قسم کے اعتراضات کے مکمل اور تشفی بخش جوابات موجود ہیں۔

تبلیغ میں کم از کم تین چلے، ایک چلہ اور سہ روزہ کا مطالبہ ہوتا ہے، اس کے ثبوت کا مطالبہ ہوا تو آپ نے اولاً یہ فرمایا کہ اس طرح کی چیزوں کے لئے نص ہونا لازم نہیں ہے، چنانچہ ایک عالم نے جو کسی مدرسہ میں استاذ تھے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

''مدرسہ میں نصاب کی کتابیں پڑھانا، پھر کچھ کتابیں ایک سال میں کچھ دوسری کتابیں دوسرے سال، اسی طرح رجسٹروں میں بچوں کی حاضری لکھنا، تعلیم کے لئے گھنٹے مقرر کرنا، تعلیم کے آغاز واختتام کے لئے یومیہ اور پھر سالانہ وقت مقرر کرنا، امتحانات لینا، نتائج درج کرنا، ترقی دینا وغیرہ کسی نص سے ثابت نہیں، پھر اگر یہ چیز غیر شرعی نہیں تو تبلیغ کے چار ماہ اور چالیس دن کیوں غیر مشروع ہیں؟

آگے پھر خود ہی فرماتے ہیں:

''دراصل اس طرح کے امور کے لئے انسانوں کے اپنے تجربہ سے کسی نظام کا نفع بخش ہونا اس کے جائز اور مشروع ہونے کے لئے کافی ہے''۔

یہ کہہ کر پھر تبلیغ کے وسیع ترین منافع اور اثرات کو نہایت دلنشین انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ جب کسی شخص یا کسی کام سے نفع محسوس کرتا ہے تو اس کی

قدر ومنزلت کودل کی گہرائیوں میں بسالیتا ہے، کبھی کبھی یہ قدر اپنی حدود سے بڑھ کر دوسرے اشخاص اور دوسرے کاموں کی تحقیر کا سبب بھی بنتی ہے، چنانچہ ایک ایسا شخص جو دین سے دور رہا اور دعوت وتبلیغ میں لگ کر دیندار بنے، ظاہر ہے اس کی نظر میں اس کام کی عظمت اور عقیدت کتنی ہوگی لیکن اگر یہ عقیدت دوسرے کسی شعبہ کی توہین کا باعث بنے تو یہ غلط ہے۔

چنانچہ دعوت سے وابستہ کچھ حضرات نے یہ سمجھا کہ مولانا محمد الیاسؒ صاحب کوالہام ہوا کرتا تھا اور یہ سارا کام بطور الہام کے آپ کو عطا کیا گیا۔ حضرت فقیہ الامت کے سامنے یہ سوال آیا تو آپ نے اس کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ:

> ''اگر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی موجودگی میں یہ بات کہی جاتی تو وہ ضرور اس کی تردید فرمادیتے، یہ غلوعقیدت کا نتیجہ ہے ایسا عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے''۔

اسی طرح آپ صاف فرمایا کرتے تھے:

> ''دعوت وتبلیغ میں لگ کر وعظ، تذکیر، تزکیہ وارشاد کو، خانقاہی نظام کو اور مدارس کے کام کو جو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھے یا تحقیر کرے وہ غلطی میں مبتلا ہے''۔

اس بات کو طرح طرح سے بیان فرماتے، چنانچہ اس نوع کے فتاوی بھی شائع شدہ موجود ہیں جس میں تبلیغ والوں کو دوسرے دینی کاموں کی قدر کرنے کی تلقین کی گئی ہے(۱)۔

(۱) (راجع، کتاب العلم، باب التبلیغ، عنوان: ''ایک تبلیغی کی تقریر کہ مولانا الیاس صاحب الہامی نبی تھے'')

فتاویٰ محمودیہ کی خصوصیات

اعتدال کے علاوہ چند دیگر خصوصیات بھی حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ میں پائی جاتی ہیں، اجمالی طور پر جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

❶ عام طور پر جوابات مختصر مگر خیر الکلام ماقلّ ودلّ کے مطابق ہوتے ہیں تاہم ضرورت کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب تفصیلی فتاویٰ بھی تحریر فرماتے، حتی کہ بعض فتاویٰ تو رسائل کی شکل اختیار کر گئے۔

❷ سلیس اور عام فہم اردو میں جواب تحریر فرماتے ہیں تاکہ مستفتی جواب کی حقیقت سے واقف ہو جائے اور سائل کی الجھن اور پریشانی باقی نہ رہے۔

❸ مقصدِ سائل (نکتۃ الغور) کا جواب دینے کا بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے۔

❹ مقصد سائل کا لحاظ کرتے ہوئے تربیتی پہلو کو بھی سامنے رکھتے ہیں، مثلاً: اگر سائل کا مقصد کچھ اور تھا لیکن اس کے لئے مفید کوئی دوسری بات تھی تو اس کی بھی نشاندہی کر دیتے ہیں۔

❺ تکفیر کے بارے میں احتیاط کا پہلو نمایاں طور پر نظر آتا ہے، حتی کہ صراحۃً کسی کی تکفیر کی نوبت آ بھی جائے تو عموماً حضرت مفتی صاحب کے جواب کے الفاظ ہوتے ہیں: ''ایسے عقائد اپنانے سے ایمان سلامت نہیں رہتا''۔

❻ "أنزلوا الناس منازلهم" (۱) کے پیشِ نظر ہر سائل کو اس کی حیثیت کے مطابق جواب دیا جاتا ہے مثلاً:

(الف) سائل عام آدمی ہو اور احکامِ شرعیہ کے بارے میں سوال کرے تو آسان عبارت میں اسے حکم

---

(۱) ''عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ''أنزلوا الناس منازلهم''. رواه أبوداؤد''. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثاني، ص: ۴۲۴، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم: ۲/۳۱۷، امداديه ملتان)

سے مطلع فرمادیتے ہیں۔

(ب) اگر کوئی احکام شرعیہ سے ہٹ کر سوال کرے تو اس کا جواب حتماً نہیں دیتے ہیں (۱)۔

(ج) اگر سائل کا مقصد فتنہ پردازی ہو تو جواب سے معذرت فرمادیتے ہیں۔

(د) بسا اوقات خود سائل کو پابند فرماتے ہیں کہ اپنی لکھی ہوئی بات جس کی تحقیق چاہتا ہے، مثلاً: کوئی حدیث یا تاریخی واقعہ کا حوالہ دے تب جواب دیا جائے گا۔

(ھ) معاند سائل کو حتی الامکان سمجھانے کی کوشش فرماتے ہیں، اگر پھر بھی نہ سمجھے تو جواب سے معذرت کی جاتی ہے۔

(و) کبھی سائل کو دیکھتے ہوئے ﴿لایخافون فی اللہ لومة لائم﴾ (۲) کا مظاہرہ کرتے ہوئے سائل کی خوب خبر لیتے ہیں۔

(س) اہلِ علم کے سوالات کے ٹھوس و مدلل جوابات دیئے جاتے ہیں۔

(ز) اہلِ علم میں سے وہ حضرات جو اپنی ہی تحقیق کو حرفِ آخر سمجھیں اور کسی کی بات نہ مانیں، ان کو جواب دیتے وقت اولاً تو جواب کو خوب مدلل ذکر فرماتے ہیں اور آخر میں اس کی تصریح بھی فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق آپ جیسوں کو مطمئن نہ کر سکے گی، اس کا کوئی علاج نہیں۔

(ر) جس چیز کے بارے میں علم نہ ہو تو "لا أدری" کہنے میں جھجک محسوس نہیں فرماتے۔

❼ مبہم سوالات کا جواب دینے سے کبھی حضرت مفتی صاحب معذرت فرماتے ہیں اور کبھی جواب لکھ کر یہ تحریر فرماتے ہیں: "مبہم سوالات کر کے جوابات کو کسی شخص پر منطبق کرنا بسا اوقات غلط اور موجبِ فتنہ بھی ہوتا ہے جس کی ذمہ داری سائل پر ہوتی ہے"۔

❽ کبھی مستفتی بلاضرورت سوال میں مختلف باتیں تحریر کرتا ہے جن کی وجہ سے سوال طویل ہو جاتا ہے، عام طور پر حضرت مفتی صاحب ایسے سوالات کا مختصر الفاظ میں خلاصہ نکالنے کے بعد یہ لکھ کر کہ: "اگر واقعی آپ کے سوال کا حاصل یہ ہے" .... جواب تحریر فرماتے ہیں۔

---

(۱) اس کا اندازہ فتاویٰ محمودیہ، کتاب العلم، باب الفلکیات، سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

(۲) (المائدة: ۵۴)

فتاویٰ محمودیہ پر کام کرنے کی نوعیت

کتبِ فتاویٰ میں ''فتاویٰ محمودیہ'' کی اہمیت اہلِ علم وارباب فتاویٰ پر مخفی نہیں، قدیم مسائل کے ساتھ اس میں جدید مسائل بھی موجود ہیں، لیکن غیر مرتب ہونے کی وجہ سے اس بحرِ بیکراں سے کما حقہ استفادہ آسان نہیں تھا، اس لئے ملک کے مشہور ومعروف اور عظیم ادارے جامعہ فاروقیہ کراچی کی لجنۃ المشرفین (جو درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے طلبہ کو مقالہ کی تفویض کے ساتھ اس کی نگرانی کا کام بھی سرانجام دیتی ہے) نے کافی غور وخوض اور مشاورت کے بعد یہ طے کیا کہ فتاویٰ محمودیہ پر تحقیقی کام کیا جائے، اس کی تبویب وتخریج کی جائے اور پھر طبع کرایا جائے تا کہ خواص وعوام سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہو۔

فتاویٰ محمودیہ سے پہلے دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کی زیرنگرانی کفایت المفتی پر اسی طرح کا تحقیقی کام ہوا، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرات علماء کرام کے ہاں مقبول ہوا، اہلِ علم کے لئے عموماً اور ارباب فتاویٰ کے لئے خصوصاً اس سے استفادہ بہت آسان ہوا، اسی بناء پر اس کی طرف بنظرِ تحسین دیکھا گیا اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اس لئے بھی فتاویٰ محمودیہ کے متعلق لجنہ کے لئے حتمی فیصلہ کرنا آسان ہوا۔

لجنہ کی رہنمائی واشراف میں فتاویٰ محمودیہ پر جو تحقیقی کام ہوا اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

تبویب وترتیب

فتاویٰ محمودیہ قدیم میں تبویب بایں معنی نہیں تھی کہ تقریباً ہر جلد یا اکثر وبیشتر جلدوں میں فقہ وفتاویٰ کے تمام یا اکثر ابواب موجود تھے، مسئلہ تلاش کرنے میں کافی دشواری پیش آتی تھی، ایک ہی مسئلہ کے لئے، مثلاً کسی کو نکاح یا طلاق کا مسئلہ ڈھونڈنا ہوتا تو اسے تمام یا اکثر جلدوں کی ورق گردانی کرنی پڑتی تھی، پھر کہیں جاکر شاید اسے مسئلہ ملتا اور تبویب نہ ہونے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے فتاویٰ کا مجموعہ مختلف

جلدوں کی شکل میں جیسے جیسے تیار ہوتا گیا، افادۂ عامہ کے پیشِ نظر اسے چھاپنے کا اہتمام کیا گیا۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ ہر باب کے تمام مسائل کو یکجا کیا جائے تاکہ ان سے استفادہ سہل اور آسان ہو، اسی ضرورت کے پیشِ نظر متعلقہ باب کے تمام مسائل و ابحاث کو یکجا کیا گیا، مثلاً: کتاب الطہارۃ کے مسائل پہلی جلد سے لے کر آخری جلد تک جہاں جہاں موجود تھے، ان سب کو کتاب الطہارۃ میں متعلقہ باب کے تحت اکٹھا کیا گیا۔

فقہی مسائل کے ابواب تو متعین اور معلوم ہیں، متعلقہ مسائل کو انہی ابواب کے تحت فقہی ترتیب کے مطابق جمع کیا گیا، البتہ بدعات اور رسمیں کہ بعض ولادت اور ختنہ سے تعلق رکھتی ہیں، بعض نکاح سے، بعض منگنی سے، بعض نماز جنازہ، میت اور تجہیز و تکفین سے۔ کوشش یہی کی گئی ہے کہ تمام مسائل کو باب البدعات والرسوم کے ذیل میں جمع کیا جائے لیکن بعض رسمیں جو نکاح سے متعلق ہیں اور کتاب النکاح میں ان کا ہونا ضروری ہے تو انہیں کتاب النکاح یا دیگر متعلقہ ابواب میں رکھا گیا۔ اسی طرح وہ مسائل جو کسی بحث سے متعلق تو تھے، لیکن ان کا تعلق کسی باب سے واضح طور پر نمایاں نہیں تھا، ان کو اس باب کے آخر میں ''متفرقات'' کے عنوان کے تحت ذکر کیا گیا۔ اسی طرح بعض سوالات اس قسم کے تھے کہ تمہید یا صورتِ مسئلہ بیان کرنے کے بعد مختلف سوالات پوچھے گئے: بعض عقائد سے متعلق، بعض نکاح سے متعلق، بعض جنازہ سے متعلق، لیکن مفتی صاحب نے ان سب کا ایک ساتھ جواب لکھ دیا، الگ الگ نہیں، یا اس طرح جواب لکھ دیا کہ ایک کو الگ کرنے سے دوسرا جواب ناقص رہ جاتا، ایسے مسائل کو ایک باب میں رکھا گیا الگ الگ نہیں کیا گیا۔ جواب حاصل کرنے کے بعد کبھی مستفتی فتویٰ پر اعتراض کرکے یا جواب میں اختصار ہونے کی وجہ سے دوبارہ سوال لکھ کر بھیج دیتے ہیں، ایسے سوالات کو ایک ساتھ رکھا گیا ہے تاکہ بآسانی معلوم ہو کہ اشکال اوپر والے مسئلہ کے متعلق ہے۔

فتاویٰ محمودیہ ہزاروں مسائل پر مشتمل ہے، ہر باب میں ایک جیسے مسائل کافی ہیں، (مطالعہ کے دوران بخوبی اس کا اندازہ ہو جائے گا) تبویب میں ان میں سے کسی مسئلے کو حذف نہیں کیا گیا، البتہ وہ مسائل جو واقعتاً مکرر تھے اس طور پر کہ دونوں استفتاء ایک، مستفتی، جواب اور جواب لکھنے کی تاریخ بھی ایک، صرف عنوان کا فرق تھا، ان کو حذف کر دیا گیا، اس لئے کہ مکرر مسائل کو ذکر کرنے کا بظاہر کوئی فائدہ نہیں اور ایسے مسائل کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

تخریج

فتاویٰ محمودیہ میں موجود مسائل مختلف قسم کے ہیں: ایک قسم ان مسائل کی ہے جن میں نہ کسی کتاب کی (بطورحوالہ) عبارت ہے، نہ حوالہ، بلکہ صرف سوال کا سلیس اردو میں جواب دیا گیا ہے۔ دوسری قسم ان مسائل کی ہے جن میں بطورحوالہ صرف کتاب کا تذکرہ ہے، مثلاً فتویٰ کے آخر میں ہے: کذا فی صحیح البخاری، کذا فی سنن أبی داؤد، کذا فی الدر المختار، کذا فی ردالمحتار وغیرہ۔ تیسرے وہ مسائل ہیں جن میں عربی کتب (احادیث وفقہ) کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔

ان سب مسائل کی تخریج کی گئی، پہلی قسم کے مسائل میں امہاتِ کتب (تفسیر، حدیث وفقہ) سے صریح اور قریب ترین جزئیہ تلاش کرکے اس کا حوالہ لکھا گیا۔ اسی طرح دوسری قسم کے مسائل میں جواب میں مذکورہ کتاب کی عبارت نقل کرکے حوالہ لکھا گیا، اسی طرح اگر مفتی صاحبؒ نے اگر کوئی عبارت حدیث وفقہ وغیرہ کی نقل تو کی لیکن پوری نہ کی، صرف اپنے مدّعیٰ تک محدود ایک جملہ نقل کیا تو اس قسم کی عبارتوں کو اصل کتاب سے مکمل اور واضح طور پر نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ تیسری قسم کے مسائل میں مذکورہ کتاب کی عبارت کو اس کے متداول نسخوں میں تلاش کے بعد نقل کرکے حوالہ لکھا گیا۔ اصل کی طرف مراجعت کے دوران فتویٰ میں تحریر کردہ عبارت کا اصل سے موازنہ کیا گیا تو کاتب کی غلط کتابت کی وجہ سے کافی غلطیاں نظر آئیں، ان کی تصحیح کی گئی۔

جوابات میں بعض ایسی کتابوں اور رسالوں کا حوالہ بھی ہے جو پاکستان میں ناپید ہیں، تلاشِ بسیار کے بعد بھی وہ کتابیں کہیں دستیاب نہیں ہوئیں، ایسی کتابوں کا متبادل حوالہ لکھا گیا۔

تخریج کا طریقہ

تخریج میں کم ازکم تین کتابوں کا حوالہ لکھنے کا بھرپور اہتمام کیا گیا، چاہے جواب پہلے سے باحوالہ تھا یا بے حوالہ، تین کتابوں میں سے اس کتاب کی عبارت نقل کی گئی جس کی مناسبت جواب کے ساتھ زیادہ تھی اور حوالہ لکھنے میں وہ طریقہ اختیار کیا گیا جو متداول ہے کہ پہلے کتاب کا نام، پھر باب، فصل، مطلب (اگر کہیں تھا)، پھر جلد، صفحہ اور طبع لکھنے کا اہتمام کیا گیا تاکہ استفادہ کرنے والوں کے لئے اصل ماخذ تک رسائی بآسانی ممکن ہو۔

عنوانات کی تسہیل اور توضیح

فتاویٰ محمودیہ میں عنوانات پہلے سے موجود تھے، بعض عنوانات بہت طویل اور بعض عنوانات بہت مختصر، اسی طرح بعض عنوانات مبہم بھی تھے، مثلاً زلۃ القاری کے مسائل میں اکثر کے عنوانات یوں تھے: ''زلۃ القاری سے متعلق مسئلہ''، میراث سے متعلق مسائل کے عنوانات میں بھی ابہام زیادہ تھا، اکثر کے عنوانات ''میراث سے متعلق مسئلہ'' تھے۔ اسی لئے طویل عنوانات کو حسبِ ضرورت مختصر کیا گیا اور مختصر عنوانات میں مناسب اضافہ کیا گیا، اسی طرح مبہم عنوانات کے سوال وجواب کو بغور دیکھ کر وضاحت کی گئی اور نئے عنوانات قائم کئے گئے تاکہ استفادہ میں حتی الامکان آسانی ہو۔

ہندی الفاظ کا ترجمہ

کہیں سوال یا جواب میں ہندی زبان یا اردو کا کوئی مشکل لفظ تھا تو اردو لغت کی معروف ومتداول کتابوں (مثلاً نور اللغات، فیروز اللغات وغیرہ) سے حاشیہ میں اس لفظ کا ترجمہ لکھا گیا اور ساتھ ساتھ حوالہ بھی نقل کیا گیا۔

ہندی ہندسوں کی وضاحت

معاملات یا میراث کے متعلق مسائل میں اکثر اعداد ہندی رسم الخط میں لکھے گئے تھے، عام طور پر ان کا سمجھنا ہر ایک کے لئے ممکن نہیں تھا، اس لئے ان کو اردو ہندسوں میں لکھا گیا تاکہ سوال وجواب اور مسئلہ بآسانی مکمل طور پر سمجھ میں آئے۔

غیر مفتی بہ اقوال کی نشاندہی

ملک وحالات کی تبدیلی کی وجہ سے احکام میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، اس لئے کہ بہت سے مسائل کا دارومدار عرف پر ہے اور قواعدِ فقہ میں ایک مشہور قاعدہ ہے: ''العرف قاض''، اسی بناء پر وہ مسائل جن کا حکم پاکستان میں الگ اور ہندوستان میں الگ ہے، یا حضرت مفتی صاحب نے اپنی تحقیق کر کے جمہور کے خلاف کوئی فتویٰ صادر فرمایا ہے حاشیہ میں بعد از تحقیق ان سب کی نشاندہی کی گئی ہے۔

علاماتِ ترقیم لگانے کا خاص اہتمام

علاماتِ ترقیم کی اہمیت ہر زبان میں واضح اور مسلّم ہے، علاماتِ ترقیم کے ذریعہ تحریر آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے، تحریر میں جب تک علاماتِ ترقیم نہ ہوں اس وقت تک اسے ناقص تحریر سمجھا جاتا ہے اور ناقابل اشاعت تصور کیا جاتا ہے، اس لئے عربی و اردو عبارات میں علاماتِ ترقیم لگانے کا خاص اہتمام کیا گیا۔

اسی طرح عربی تحریروں اور عبارتوں میں ہمزہ قطعی میں مضموم اور مفتوح ہونے کی صورت میں الف کے اوپر اور مکسور ہونے کی حالت میں الف کے نیچے ہمزہ لکھا جاتا ہے، فتاویٰ محمودیہ میں علاماتِ ترقیم کے ساتھ ہمزہ لکھنے کا بھی خاص خیال رکھا گیا۔

اظہارِ تشکر

جلدوں کی کثرت اور مسائل کی بہتات سے ہر شخص بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ کام بہت طویل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت محنت طلب اور تھکا دینے والا کام تھا، تبویب، ترتیب، تخریج، تصحیح، کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، طباعت ان میں سے ہر ایک مستقل کام تھا محض اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پایۂ تکمیل تک پہنچا، دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کے اساتذہ اور ۱۴۲۴ھ کے تخصص سال دوم کے طلبہ نے بڑی محنت کی اور تعاون کیا، انہوں نے رات دن ایک کر کے عرق ریزی اور جانفشانی سے کام کیا، تخریج کے لئے اکثر و بیشتر جامعہ فاروقیہ کے علاوہ دیگر کتب خانوں سے بھی مراجعت کی ہر ہر مسئلہ اور ہر ہر جزئیہ کی تخریج کر کے تقریباً پانچ ماہ کے مختصر عرصہ میں اس کی تکمیل کی۔

اسی طرح تصحیح اور پروف ریڈنگ یہ بھی ایک مشکل مرحلہ تھا، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا مفتی **فضل مولیٰ** صاحب اور ۱۴۲۵ھ کے تخصص سال دوم کے طلبہ کو کہ انہوں نے بڑی محنت کر کے اس مشکل مرحلہ کو انجام تک پہنچایا اور دورانِ تصحیح مزید حوالہ جات لکھنے کا اہتمام بھی کیا اور جو کمی کسی بھی مرحلے میں رہ گئی تھی اس کو بھی پورا کرنے کی کوشش کی۔

بہر حال بنظر غائر اگر دیکھا جائے تو یہ طویل اور محنت طلب کام فضلِ خداوندی کے بعد حضرت الشیخ، محدث العصر الاستاذ الکبیر، استاذ العلماء، مربی و مرشدِ کامل حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خصوصی دعاؤں اور خصوصی سرپرستی، حضرت مولانا محمد یوسف افشانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے

تعاونِ خاص اور کامل نگرانی ، حضرت مولانا منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم ،مولانا مفتی عبدالباری صاحب، مولانا مفتی سمیع اللہ صاحب، مولانا مفتی عظمت اللہ صاحب، مولانا مفتی فضل مولیٰ صاحب کے خصوصی اشراف،نگرانی اور رہنمائی میں مکمل ہوا۔

ناسپاسی ہوگی اگر اپنے بے حد مخلص بھائی جناب شاہد بشیر صاحب کا یہاں تذکرہ نہ کروں جنہوں نے اس عظیم کام میں بھرپور حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ جناب شاہد بشیر صاحب اور ان کے مرحوم والدین کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔آمین!

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور فتاویٰ محمودیہ کو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائے اور حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کے رفعِ درجات کا ذریعہ بنائے ،مرتبِ اول حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب ودیگر مستفیدین اور ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

فللّٰه الحمد أولاً وآخراً ،وظاهراً وباطناً، والحمدللّٰه الذى بنعمته تتم الصالحات.وصلى اللّٰه وبارك وسلم على سيدنا محمد المصطفىٰ ، وعلىٰ آله وأصحابه وأتباعهم ومن تبعهم إلى يوم الدين.

(حضرت مولانا) عبیداللہ خالد (دامت برکاتہم العالیہ)

مدیرالفاروق واستادحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

کتاب الإیمان و العقائد

ما یتعلق بالإیمان

(ایمان کا بیان)

اسلام کیا ہے؟

سوال[۱]: اسلام کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے رسول بنا کر بھیجا اور آپ کی اطاعت کو لازم قرار دے کر نجات کو اس میں منحصر کر دیا (۱) یہ تو ہر انسان کو حق ہے کہ اللہ پاک کا واجب الاطاعت ہونا اور اللہ پاک کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واجب الاطاعت ہونا پہلے خوب تحقیق کر لے، لیکن جب اس کا قلب توحید و رسالت کو قبول کر لے تو پھر اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم ثابت ہو جانے کے بعد اس کی علت معلوم ہونے پر تعمیل ارشاد کو معلق رکھنے کا حق نہیں رہتا، جیسے ایک شخص فوج میں بھرتی ہو جائے اور ایک افسر کے ماتحت اس کو کر دیا جائے تو ہر نقل و حرکت کے متعلق حکم کی تعمیل کرنا اس کا فرض ہے، ہر ہر جزئی کی وجہ دریافت کرنے پر حکم کی تعمیل کو موقوف رکھنے کا حق نہیں، فوج میں بھرتی ہونے سے پہلے جس جس طرح اپنا اطمینان کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ اس تمہید کے بعد جواب عرض ہے:

حضرت نبی اکرم رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تھا کہ اسلام کیا ہے؟ تو ارشاد

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله، ويغفر لكم ذنوبكم﴾. (آل عمران: ۳۱)

وقال تعالىٰ: ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾. [النساء: ۸۰]

قال عليه السلام: "من أطاعني فقد أطاع الله، ومن عصاني فقد عصى الله". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء: ۲/۲۲۸، قديمي)

فرمایا کہ: ''توحید ورسالت کی شہادت دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان شریف کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا جب کہ استطاعت ہو''۔ یہ چیزیں اسلام کے ارکان ہیں(۱)۔لغت میں اسلام کے معنی ہیں: گردن نہادن بر طاعت: یعنی خدا پاک کے ہر حکم کی اطاعت کرنا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۵/ ۲۱۱/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۵/ ۲۱۱/ ۸۹ھ۔

ایمان کی بنیاد

سوال [۲]: کیا مکمل مسلمان بننے کے لئے صرف کلمہ طیبہ کا زبان سے پڑھ لینا کافی ہے، یا پھر ساتوں کلموں کا پڑھنا ہوگا، جو بھی صورت ہو اس پر جسمانی اعضاء مثلاً: ہاتھ، پاؤں، دل ودماغ، آنکھ، کان سے عمل کرنا ہوگا، یا نہیں؟ نیز ساتوں کلمے میں یہی ساتوں: کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت، کلمہ تمجید، کلمہ توحید، کلمہ ردکفر، ایمان مجمل، ایمان مفصل ہیں یا کوئی اور دوسرا ہوگا؟

الجواب حامداً مصلیاً:

حدیث شریف میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۳)، ان میں سے ایک توحید و

---

(۱) ''قال: یا محمد! أخبرني عن الإسلام، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''أن تشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله، وتقیم الصلاة، وتؤتي الزکوة، وتصوم رمضان، وتحج البیت إن استطعت إلیه سبیلاً''. (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان: ۱/ ۲۷، قدیمي)

(۲) ''(والإسلام هو التسلیم) :أي باطناً (والانقیاد لأوامر الله تعالی): أي ظاهراً.''(شرح الفقه الأکبر للملا علي القاري،ص: ۸۹، قدیمي)

''(الإسلام): وهو لغةً: الانقیاد مطلقًا، وشرعاً: الانقیاد الظاهر بشرط انقیاد الباطن المعبّر عنه بالإیمان.''(مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان: ۱/ ۱۱۲، رشیدیه)

''وبیان لأصل الإسلام وهو الاستسلام والانقیاد.''(الکامل شرح المسلم للنووي، کتاب الإیمان: ۱/ ۲۵، قدیمي)

(۳) ''عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم :''بني الإسلام علی خمس: شهادة أن لا إله إلا الله، وأن محمداً عبده و رسوله، و إقام الصلاة، و إیتاء الزکاة، والحج، وصوم رمضان''. متفق علیه ''. (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان: ۱/ ۱۲، قدیمي) =

رسالت کی شہادت صرف زبان سے پڑھ لینا کافی نہیں، جب تک دل میں تصدیق نہ ہو، دوسری چیز نماز کا قائم کرنا ہے، تیسری چیز زکوۃ دینا ہے، چوتھی چیز رمضان کے روزے رکھنا ہے، پانچویں چیز حج کرنا ہے(۱)۔

ان پانچوں میں جس قدر استحکام و مضبوطی ہوگی، اسی قدر بنیاد اسلام کامل ہوگی، اس کے علاوہ بہت سی چیزیں تکمیل ایمان کے لئے بیان کی گئی ہیں، مثلاً: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده" الحدیث (۲) کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں، یعنی کسی کو اذیت نہ ہو۔

نظام اسلام انسان کے لئے تمام اعضاء: کان، آنکھ، دل وغیرہ کے لئے احکام رکھتا ہے، اس لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولاً﴾ (۳) الآية (القرآن)

اگر کسی میں کوتاہی ہو تو اس کی تکمیل کے لئے آمادہ کیا جائے، اس کا رشتہ اسلام سے منقطع نہ کردیا جائے، ساتوں کلمے یا اس کے علاوہ آیات وروایات میں اس قسم کی جو چیزیں موجود ہیں، وہ یقین کی پختگی کے لئے بطور اقرار کے ہیں، تاکہ وقتاً فوقتاً اس کا تکرار ہوتا رہے اور ان کے مقتضیٰ پر عمل سے غفلت نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۸/۱۰/۸۹ھ۔

ایمان میں کمی وزیادتی

سوال [۳]: زید کہتا ہے کہ ایمان اور تصدیق ویقین کا ایک ہی مطلب ہے، بکر کہتا ہے کہ ایمان وتصدیق ویقین میں فرق ہے، ایمان جزو عمل ہے، گھٹتا بڑھتا ہے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے مقدار ایمان اور آج معمولی مسلمان تارک صوم وصلوٰۃ وحج وزکوۃ وغیرہ کے ایمان میں مساوات نہیں، ارکان اسلام کی پابندی

= (والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أركان الإسلام و دعائمه العظام: ۱/۳۲، قديمى)

(وصحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب قول النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: بنى الإسلام على خمس: ۱/۶، قديمى)

(۱) (سيأتى تخريجه تحت عنوان: "ایمان میں کمی وزیادتی")

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۲، قديمى)

(و صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده: ۱/۶ قديمى)

(۳) (بنى اسرائيل: ۳۶)

سے ایمان بڑھتا ہے، نہ کرنے سے گھٹتا ہے، کم از کم قرآن مجید کی ایک درجن آیتوں سے زیادتی ایمان ثابت ہے، حدیث میں کچھ اوپر ستر ایمان کی شاخیں آئی ہیں، متعدد مقام پر ہے کہ ایمان کم وبیش ہوتا ہے، بڑی شاخ: ''لا إلـه إلا الله '' ہے، چھوٹی شاخ ''راستے سے نقصان دہ چیزوں کو دور کرنا ہے''، اگر ایمان کم نہ ہو تو کوئی ایمان دار دوزخ میں ہرگز نہ جائے گا، اس لئے کہ ایمان دار کے لئے تو بہشت ہے، وہ کیا چیز ہے جو آدمی دوزخ میں جائے گا؟ کیا ایمان دار دوزخ میں جل سکتا ہے؟

زید کہتا ہے کہ ایمان نہیں گھٹتا بڑھتا، تو رگھٹتا بڑھتا ہے، بکر کہتا ہے کہ اپنے اس قول کی دلیل کسی غیر معصوم کے کلام ورائے وقیاس سے نہیں، بلکہ قرآن شریف، یا نبی معصوم کے کلام سے پیش کرو، اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایسی صاف اور روشن شریعت چھوڑ چلا ہوں، جس میں کوئی الجھن، یا مشکل نہیں......اور اپنے استدلال میں سورۂ مائدہ کی آیت اور یہ قول پیش کرتا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا، وہ دوزخ سے نکل جائے گا، ثابت ہوا کہ ایمان عملوں سے گھٹتا بڑھتا ہے اور ایمان عمل کا جز ہے۔ زید کہتا ہے کہ اگر ایمان عمل کا جز ہے تو تارک صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ وغیرہ مسلمان ہی نہیں، حالانکہ وہ سب باتوں پر یقین رکھتا ہے، گو بوجہ غفلت وسستی عمل نہیں کرتا۔

بکر کہتا ہے کہ ایسے شخص کے واسطے خداوند کریم خود فیصلہ کرے گا، ہم تو اس کا ظاہر دیکھ کر فتوی دیں گے۔ مہربانی فرما کر قرآن مجید، سنت نبی معصوم سے فیصلہ ارسال فرمائیں۔ حق تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

مقلد کے ذمہ ضروری ہے کہ امام نے جو کچھ قرآن وحدیث کا مطلب سمجھا ہے اور اس سے مسائل کا استنباط کیا ہے، اس کو ماننے اور ان مسائل پر عمل کرے اور اس کے خلاف قیاس آرائی کرنا اور اٹکل کے تیر چلانا منصب مقلد کے خلاف ہے، خصوصاً جب کہ جمیع علوم شرعیہ میں پوری مہارت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے ہر گز جائز نہیں کہ اپنے امام کے بیان کردہ مسائل میں تردد اور رائے زنی کرے، اسی طرح دلائل دریافت کرنے کا بھی اس کو حق نہیں، بلکہ صرف مسائل معلوم کرکے ان پر عمل کرنا ضروری ہے، نیز مجیب کے ذمے صرف نقل مسائل ضروری ہے، دلائل بیان کرنے کا مکلّف نہیں، اس کے ذمہ دار امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ انھوں نے یہ مسائل کہاں سے استنباط کئے ہیں اور ہر شخص اس بات کی اہلیت بھی نہیں رکھتا کہ قرآن

وحدیث کا جملہ طرق بیان اور طرز استنباط واستدلال سمجھ سکے۔ اس تمہید کے بعد جوابات سنئے:

ایمان کی تعریف میں تقریباً ایک درجن اقوال ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان نام ہے تصدیق قلبی کا اور اقرر باللسان بھی ایمان کے لئے ضروری ہے، کیونکہ قلبی تصدیق کا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہوتا، لہذا اجرائے احکام دنیویہ کے لئے اقرار بھی ضروری ہے (۱) اور اعمال ایمان کا جز نہیں، بلکہ حقیقت ایمان سے اعمال خارج ہیں (۲)۔ اور ایمان میں مومن بہ کے اعتبار سے کمی زیادتی نہیں، بلکہ نفس ایمان میں انسان، جن، ملائکہ سب مساوی ہیں (۳) کیونکہ جس نے توحید ورسالت اور خدا کے جمیع

---

(۱) "(والإيمان هو الإقرار والتصديق) وذهب جمهور المحققين إلى أن الإيمان هو التصديق بالقلب، وإنما الإقرار شرط لإجراء الأحكام في الدنيا؛ لما أن التصديق أمر باطني لا بد له من علامة." (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۵، ۸۶، قديمي)

"وذهب جمهور المحققين إلى أنه هو التصديق بالقلب، وإنما الإقرار شرط لإجراء الأحكام في الدنيا؛ لما أن تصديق القلب أمر باطن لا بد له من علامة." (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۲، قديمي)

"والإقرار شرط لإجراء أحكام الإسلام في الدنيا." (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۳۳۷، قديمي)

(۲) "قال الإمام الأعظم رحمه الله في كتابه "الوصية": ثم العمل غير الإيمان، والإيمان غير العمل بدليل أن كثيراً من الأوقات يرتفع العمل من المؤمن، ولا يجوز أن يقال يرتفع عنه الإيمان". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۹، قديمي)

"إن الأعمال غير داخلة في الإيمان لما مر من أن حقيقة الإيمان هو التصديق." (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۴، قديمي)

"إن الأعمال غير داخلة في مسمى الإيمان." (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۳۳۳، قديمي)

"وأما كون عطف العمل على الإيمان يقتضي المغايرة، فلا يكون العمل داخلاً في مسمى الإيمان." (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۳۴۴، قديمي)

(۳) "(وإيمان أهل السماء): أي من الملائكة وأهل الجنة (والأرض) أي من الأنبياء والأولياء وسائر المؤمنين من الأبرار والفجار (لا يزيد ولا ينقص): أي من جهة المؤمَن به نفسه." (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۷، قديمي)

احکام کی دل سے تصدیق کی اور زبان سے اقرار کیا وہ مومن ہے، اس تصدیق اور اقرار میں سب مومن برابر ہیں، کوئی فرق نہیں اور جس نے انکار کیا وہ کافر ہے، اس انکار میں سب مساوی ہیں۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان میں اس واسطے فرق ہوتا رہتا تھا کہ جس قدر آیات کلام اللہ نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے، اس کے بعد اور آیات نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے، پہلے ایمان میں کمی تھی، بعد کو زیادتی ہوگئی۔ قرآن کریم میں زیادتی اور کمی جو ایمان کے متعلق مذکور ہے، اس کا یہی مطلب ہے(۱) اور تمام کلام اللہ نازل ہونے کے بعد کمی زیادتی کا احتمال نہیں رہا، البتہ اعمال میں کمی زیادتی ضرور ہوتی ہے اور اس سے ایمان کے ثمرات میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔

شریعت بالکل روشن اور واضح ہے، مگر میں پوچھتا ہوں کہ آفتاب اس قدر روشن اور واضح ہے، آپ نے کبھی اس کی طرف دیکھ کر اس کی ماہیت کا ادراک بالبصر کیا ہے؟ ایسے مسائل میں گفتگو کرنا ہر شخص کو مناسب نہیں، پہلے اعلیٰ درجے کا کمال علوم میں حاصل کرے، اس کے بعد مضائقہ نہیں:

"والإيمان هو التصديق بما جاء به من عند الله تعالى، والإقرار به، فالأعمال فهما تتزايد، والإيمان لا يزيد ولا ينقص إلخ". (عقائد نسفي: ص: ۸۹) (۲)۔

"الإيمان إقرار باللسان وتصديق بالجنان، والشرائع لامن الإيمان. قالت الشافعية: العمل من الإيمان، وعن هذا قالت بزيادة الإيمان ونقصانه، واحتجت بقوله تعالى: ﴿فأما الذين آمنوا فزادتهم إيماناً﴾، إلا أنا نقول: معنى الإيمان ههنا هو التصديق إيماناً: أي تصديقًا، إذا الإيمان لجميع القرآن واجب، والقرآن كان ينزل على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آيةً فآيةً، وسورةً فسورةً، وكلما نزلت آية وجب التصديق بها، فمن لم يصدق بآية من القرآن، فقد كفر كما لو لم يصدق لجميع القرآن، فهذا تأويل الآية

---

(۱) "وأما نحو قوله تعالى: ﴿وإذا تليت عليهم آياته زادتهم إيماناً﴾ فمعناه إيقاناً، أو مؤول بأن المراد زيادة الإيمان بزيادة نزول المؤمن به: أي القرآن." (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۸، قديمي)

(۲) (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۱۹، ۱۲۴، قديمي)

على ما بيّناه". (شرح فقه أكبر للإمام أبي المنصور الماتريدي، ص: ١٠)(١)۔

"إيمان الملائكة وإيمان الإنس والجن لا يزيد ولا ينقص في الدنيا والآخرة من جهة المؤمَن به إلخ". (شرح فقه أكبر، ص: ٣٤، للشيخ أبي المنتهى (٢) (وشرح فقه أكبر، ص: ١٦٦، لعلي القاري) (٣)(وجوهرة منيفة، ص: ٤) (٤) (ومسامرة، ص: ١٥٣) (٥) وغير ذلك من كتب الكلام، من شاء التفصيل فليرجع إليهما۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۲۹/محرم/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم، ۳۰/۱/۵۳ھ۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا ثبوت

سوال [۴]: ۱...... ایک شخص خود کو حنفی مذہب بتلاتا ہے، مگر یہ شخص کہتا ہے کہ حدیث شریف میں کلمۂ شہادت آیا ہے، جس کی عبارت یہ ہے: "أن تشهد أن لا إله إلا الله و أن محمداً رسول الله"۔

اور یہ کہتا ہے کہ کلمہ طیبہ قرآن وحدیث میں صرف اتنا آیا ہے: "لا إلــه إلا الله"، کہتا ہے کہ کلمہ طیب کے "محمد رسول الله" نہیں آیا، کہتا ہے کہ اگر آیا ہے تو مجھے بتاؤ کس جگہ آیا ہے اور کس کی روایت

(١) (شرح الفقه الأكبر لأبي المنصور الماتريدي، مسألة الخلاف في أن العمل من الإيمان أو خارج عنه، ص: ١٠، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية)

(٢) (شرح الفقه الأكبر للشيخ أبي المنتهى، الإيمان لا يزيد ولا ينقص، ص: ٣٠، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية)

(٣)(شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، تحت قوله: إيمان أهل السماء والأرض لا يزيد ولا ينقص، ص: ٨٧، قديمي)

(٤) (الجوهرة المنيفة، فصل: المؤمنون مستوون في درجة الإيمان، ص: ٥٥، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية)

(٥) (المسامرة بشرح المسايرة، ص: ٣٧١، المكتبة المحمودية التجارية الكبرى)

سے آیا ہے اور کس حدیث میں آیا ہے؟ اور یہ شخص کلمہ طیب میں "لا إلــه إلا اللّٰہ" کے ساتھ "مـحـمـد رسول اللّٰہ" ملا کر پڑھنے والے کو بدعتی بتلاتا ہے۔

علماء دین از راہ کرم وشفقت فدیان کو پوری طرح سے یہ تحریر کریں، کہ کلمہ طیب کے ساتھ میں "محمد رسول اللّٰہ" آیا ہے یا نہیں، اگر آیا ہے تو حدیث کتب وراوی معہ صفحہ کے نام سے آگاہ کریں اور نہیں آیا ہے تو فرمادیجئے کہ کلمہ طیب کے ساتھ، "محمد رسول اللّٰہ" کیوں ملایا گیا ہے اور اگر کلمہ شہادت "أن تشهـد أن لا إلــه إلا اللّٰہ و أن محمداً رسول اللّٰہ" کے معنی اور "لا إلــه إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کے معنی ایک ہی ہیں تو فرمایا دیجئے کہ "أن تشهـد"، و"أن" کا لفظ جو حدیث میں آیا ہے وہ کیوں اڑائے گئے؟ کیوں کہ اس شخص نے سخت فتنہ برپا کر دیا ہے، اور بستی کے لوگ زمین دار اَن پڑھ بہت چکر میں پڑے ہیں، اب احقر کا خیال ہے کہ علماء دین کی طرف سے جو جواب بموجب شریعت کے عنایت ہوگا، اس شخص کو اور بستی والوں کو پڑھ کر سنا دیا جائے اور فتنہ کا خاتمہ ہو جاوے اور یہ شخص یہ کہتا ہے کہ میں کلمہ شہادت پڑھنے سے منع نہیں کرتا، صرف کلمہ طیب میں "محمد رسول اللّٰہ" ملا کر پڑھنے کو منع کرتا ہوں۔

۲...... نیز اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں جس نے کلمہ طیب میں "مـحـمـد رسـول اللّٰہ" ملانا بند کر دیا ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

۱...... قریب ہی اس سوال کا جواب یہاں سے جا چکا ہے، اب یہ دوبارہ آیا ہے، پہلے صرف مسئلہ دریافت کیا تھا، اب دلیل بھی طلب کی ہے قرآن شریف میں کلمہ طیب کے دونوں جزء علیحدہ علیحدہ مذکور ہیں "لا إله إلا اللّٰہ" سورہ والصافات، پارہ: "و مالی" میں مذکور ہے (۱) اور "محمد رسول اللّٰہ" سورہ انا فتحنا پارہ: حم میں ہے (۲)۔ حدیث شریف میں کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت دونوں موجود ہیں، کلمہ طیبہ کا پہلا جزء اور کلمہ

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إنهم كانوا إذا قيل لهم لا إله إلا اللّٰہ يستكبرون﴾. (الصافات: ۳۵)

اسی طرح سورہ محمد میں بھی "لا إله إلا اللّٰہ" موجود ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فاعلم أنه لا إله إلا اللّٰہ و استغفر لذنبك و للمؤمنين و المؤمنات﴾ (سورہ محمد، الآية: ۱۹)

(۲) (الفتح: ۲۹)

شہادت دونوں موجود ہیں (۱) کلمہ طیبہ کا پہلا جز اور کلمہ شہادت پورا اذان میں پانچوں وقت پڑھا جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لفظ: "أن تشهد "أن" کے ساتھ بھی تعلیم دی ہے اور بغیر اس کے بھی، کسی اور شخص نے تصرف کر کے نہیں اڑایا، التحیات میں توحید ورسالت کی شہادت ہے (۲)۔

حدیث کی کتابوں میں مختلف صیغوں اور طریقوں سے توحید ورسالت کے اقرار کو بیان کیا گیا ہے، ایک حدیث نقل کرتا ہوں جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں: ''مکتوب علی العرش: لا إله إلا الله محمد رسول الله، لا أعذب من قالها''۔ اسمعیل بن الغافر الفارسی فی الأربعین عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما"۔ (کنز العمال: ۱/ ۱۵) (۳)۔

چار صفحات میں اس موقع پر کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کے طریقے اور صیغے لکھے ہیں، جس کا دل چاہے مطالعہ کرے۔

۲...... غالباً یہ شخص ناواقفیت سے ایسا کہتا ہے، اس کو نرمی سے سمجھا دیا جائے اور مسئلہ بتا دیا جائے،

---

(۱) "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "یخرج من النار من قال: لاإله إلا الله و فی قلبه وزن شعیرة من خیر، و یخرج من النار من قال: لا إله إلا الله و فی قلبه و زن برة من خیر و یخرج من النار من قال: لا إله إلا الله و فی قلبه وزن ذرة من خیر". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان باب زیادة الإیمان و نقصانه: ۱/ ۱۱، قدیمی)

"بنی الإسلام علی خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله الخ". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب قول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "بني الإسلام علی خمس": ۱/ ۶، قدیمی)

"قال رسول الله ﷺ: "أمرت أن أقاتل الناس حتی یشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله ......الخ". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب: (فإن تابوا و أقاموا الصلاة واتوا الزکاة فخلوا سبیلهم) : ۱/ ۸، قدیمی)

(۲) "التحیات لله والصلوات والطیبات، السلام علیک أیها النبی و رحمة الله و برکاته، السلام علینا و علی عباد الله الصالحین ...... أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً عبده و رسوله الخ". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلاة، باب التشهد: ۱/ ۸۵، قدیمی)

(۳) (کنز العمال: ۱/ ۵۷، مکتبه التراث الإسلامی حلب)

یا کسی عالم کے ذریعہ سے زبانی سمجھا دیا جائے، فتنہ پیدا کرنا سخت گناہ ہے، قرآن شریف میں آیا ہے:
﴿والفتنة أشد من القتل﴾ (۱) اس سے بچنا لازم ہے اور اس شخص کو توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، ۶/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

جملہ خبریہ کی تعریف اور کلمہ توحید

سوال[۵]: جملہ اسمیہ خبریہ وفعلیہ وہ ہوتا ہے کہ جس کے قائل کو صادق وکاذب کہہ سکیں تو: ''لا إلٰه إلا الله محمد رسول الله'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں بھی یہ گمان ہوسکتا ہے اور غیر مسلم کہہ سکتا ہے کہ ''لا إله إلا الله'' تا آخر کو بھی صادق وکاذب کہہ سکتے ہیں۔ ۲۱ شعبان ۵۶ھ۔

الجواب حامداً مصلیاً:

جہاں یہ تعریف کی جاتی ہے وہاں یہ قید بھی شراح بیان کرتے ہیں کہ وہ خصوصیت طرفین اور دلائل خارجیہ سے خالی ہو، اگر دلائل سے ایک جانب متعین ہوجائے جیسے: ''السماء فوقنا و الأرض تحتنا'' یہ جملے خبریہ ہیں کیوں کہ دلائل کے ساتھ ایک جانب صدق متعین ہوگئی، دوسری جانب کا احتمال نہیں رہا۔

جملہ خبریہ کی تعریف درحقیقت انشاء سے ممتاز کرنے کے لئے ہے کہ اس میں (نہ) صدق کا احتمال ہے اور نہ کذب کا، کیونکہ وہاں حکایت نہیں ہوتی اور یہاں حکایت ہوتی ہے اور حکایت میں دونوں احتمال ہوتے ہیں، محکی عنہ کے ساتھ مطابق ہو یا غیر مطابق، اول صادق ہے، ثانی کاذب، جس طرح دلائل سے کذب متعین ہوتا ہے اسی طرح صدق بھی دلائل سے متعین ہوتا ہے اور کذب کا احتمال نہیں رہتا، لیکن اس سے جملہ خبریہ ہونے سے نہیں نکلتا، کیونکہ خبر کا مدار حکایت پر ہے اور اس میں دو احتمال ہیں اور کسی ایک احتمال کے تعیین سے حکایت باطل نہیں ہوتی، بس خبر برقرار رہے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (البقرة: ۱۹۱)

(۲)'' والمركب التام إما أن يحتمل الصدق والكذب، فهو الخبر والقضية، أو لا يحتمل فهو الإنشاء، فإن قيل: الخبر إما أن يكون مطابقاً للواقع أولا، فإن كان مطابقاً للواقع لم يحتمل الكذب، وإن لم يكن مطابقاً لم يحتمل =

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۸/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم ۴/ رمضان/ ۵۶ھ۔

توحید کی تشریح

سوال [۶] : توحید ایک ہے یا دو ہے؟ ایک ہے تو کیوں اور دو ہے تو کس لئے؟ اور احمد رضا خان نے جو توحید بتلائی ہے تو کس طرح بتلایا؟ مفصل جوابات سے مطلع فرمائیں

الجواب حامداً مصلیاً:

توحید کے معنی ہیں: خدائے پاک کو ذات وصفات اور افعال کے اعتبار سے یکتا ماننا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھنا (۱)۔ اور احمد رضا خان صاحب نے توحید کس لئے بتائی اور کہاں بتائی، اس کی تفصیل

= الصدق، فلا خبر داخل في الحد؟ فقد يجاب عنه: بأن المراد بالواو والواصلة أو الفاصلة بمعنى أن الخبر هو الذي يحتمل الصدق أو الكذب، فكل خبر صادق يحتمل الصدق و كل خبر كاذب يحتمل الكذب، فجميع الأخبار داخلة في الحد، وهذاالجواب غير مرضي، لأن الاحتمال لا معنى له حينئذ، بل يجب أن يقال: الخبر ما صدق أو كذب، والحق في الجواب أن المراد احتمال الصدق والكذب بمجرد النظر إلى مفهوم الخبر، ولا شك أن قولنا: السماء فوقنا إذا جرّدنا النظر إلى مفهوم اللفظ ولم نعتبر الخارج احتمل عند العقل الكذب، وقولنا: اجتماع النقيضين موجود يحتمل الصدق بمجرد النظرإلى مفهومه ، فمحصل التقسيم أن المركب التام إن احتمل الصدق والكذب بحسب مفهومه فهو الخبر و إلا فهو الإنشاء". (القطبی ،ص: ۷۳، ۷۴، رشیدیہ)

"فصل المركب التام ضربان : يقال لأحدهما: الخبر والقضية ، و هو ما قصد به الحكاية و يحتمل الصدق والكذب، و يقال لقائله: إنه صادق فيه أو كاذب نحو :السماء فوقنا والعالم حادث، فإن قيل: قولنا : لا إله الا الله قضية و خبر، مع أنه لا يحتمل الكذب؟ قلت: مجرد اللفظ يحتمله وإن كان بالنظر إلى خصوصية الحاشيتين غيرمحتمل للكذب ". (مرقاة المفاتيح ،ص: ۱۳، ۱۴، قديمی)

(۱) " و قال أبوقاسم التميمي في "كتاب الحجة": التوحيد مصدر وحّد يوحّد ، و معنى وحدتُ الله اعتقدته منفرداً بذاته و صفاته، لا نظير له و لا شبيه ، وقيل: معنى وحّدته علمته واحداً، و قيل : سلبت عنه الكيفية والكمية، فهو واحد في ذاته لا انقسام له، و في صفاته لا شبيه له في إلهيته، و ملكه، و تدبره، لا شريك له، و لاربّ سواه، و لا خالق غيره". (فتح الباری ، كتاب التوحيد :۱۳/ ۳۴۴، ۳۴۵، دار المعرفة) =

سامنے ہو، تو اس کے متعلق تحریر کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

مسلمان ہونے کے لئے کلمہ شہادت کی ضرورت

سوال [۷]: (الف) کلمہ پڑھنا تو مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے تو پھر صرف شہادتین ہی کافی ہے، یا شش کلمہ؟ شش کلمہ پڑھنا کیسا ہے؟

(ب) اس وقت مسلمان نسلی ہیں، کتنے ہی ایسے مسلمان ہیں جنہوں نے کبھی کلمہ نہیں پڑھا ہے، بقیہ ارکان میں قصور نہیں کرتے ہیں، تو کیا عدم کلمہ خوانی کی وجہ سے ان کے بقیہ اعمال پر کوئی اثر پڑے گا؟ اور کچھ ایسے ہیں کہ مسلمان تو ہیں، لیکن نہ تو انہوں نے کلمہ پڑھا، نہ تو رکن خمسہ میں سے کسی کی ادائیگی کرتے ہیں، تو کیا ان کے مسلمان ہونے میں کوئی نقص ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

(الف) نفس ایمان تو کلمۂ شہادت کی تصدیق و اقرار سے حاصل وثابت ہو ہی جائے

= "ثم الإمام الأعظم أوضح معنى التوحيد بظهور المرام حيث قال: (والله تعالىٰ واحد): أي في ذاته (لا من طريق العدد): أي حتى لا يتوهم أن يكون بعده أحد (و لكن من طريق أنه لا شريک له): أي في نعته السرمدي لا في ذاته، و لا في صفاته، و لا نظير له، و لا شبيه له. كما سيأتي في كلامه النبيه تنبيه على هذا التنزيه، و كأنه استفاد هذا المعنى من سورة الإخلاص على صورة الاختصاص: ﴿قل هو الله أحد﴾: أي متوحد في ذاته، منفرد بصفاته ﴿الله الصمد﴾: أي المستغني عن كل أحد والمحتاج إليه كلُّ أحد ﴿لم يلد و لم يولد﴾: أي ليس بمحل الحوادث و لا بحادث ﴿و لم يكن له كفواً أحد﴾: أي ليس له أحد مماثلاً و مجانساً و مشابهاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۴، قديمي)

"هو إثبات حقيقة ذات الرب تعالىٰ و صفاته و أفعاله وأسمائه، ليس كمثله شيء في ذلک كله، كما أخبر به عن نفسه، و كما أخبر رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، أنواع التوحيد الذي دعت إليه الرسل، ص: ۸۹، قديمي)

گا (۱)، البتہ اس کے درجات بہت ہیں، ایک درجہ شش کلمات سے حاصل ہوتا ہے، ان کو نہ پڑھنا، نہ سیکھنا بڑی محرومی ہے (۲)۔

(ب) شہادتین کی تصدیق حاصل ہونے کے بعد ارکان کی ادائیگی جب صحیح طور پر ہو تو اس کو غلط یا ناقص نہیں کہا جائے گا، البتہ ایمان کی پختگی وتجدید کے لئے کلمہ پڑھتے رہنا لازم ہے (۳) اور یہ افضل الذکر ہے۔ کما ورد فی الحدیث (۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۹۳ھ۔

مسلمان ہونے والے کو فوراً مسلمان کرنا چاہیے

سوال [۸]: چند احباب امام مسجد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ایک نوجوان مسلمان ہونا چاہتا ہے، آپ کلمہ پڑھا دیں، یعنی مسلمان بنائیں امام صاحب نے جواباً کہا کہ اس وقت ضروری کام میں لگا ہوا ہوں، فلاں صاحب اثر ورسوخ حاجی صاحب بھی تشریف فرما ہیں، اس لئے آپ حضرات کسی اور امام کے پاس جائیں، اس بات پر ایک صاحب کا کہنا ہے کہ اگر یہ شخص ایمان لانے سے قبل راستے میں مرجاتا تو

---

(۱) "(والإیمان هو الإقرار والتصدیق) و ذهب جمهور المحققین إلی أن الإیمان هو التصدیق بالقلب، وإنما الإقرار شرط لإجراء الأحکام فی الدنیا، لما أن تصدیق القلب أمر باطنی لا بدله من علامة". (شرح الفقه الأکبر للملا علی القاری، ص: ۸۵، ۸۶، قدیمی)

(۲) چنانچہ ان کلمات کے بارے میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: "ان تمام کلمات کو پڑھنا اور سیکھنا ضروری نہیں، البتہ ان کا پڑھنا اور سیکھنا ثواب سے خالی نہیں، اس سے کیا کم کہ ان کا پڑھنا ذکر میں داخل ہے اور ذکر کا ثواب اور فضیلت قرآن وحدیث میں منصوص ہے، نیز بعض کلمات کی فضیلت وتعلیم خود احادیث میں وارد ہے"۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند یعنی عزیز الفتاویٰ، ص: ۹۲، دارالاشاعت)

(۳) و فی روایة کنز العمال: "جددوا إیمانکم، أکثروا من قول لا إله إلا الله". (کنز العمال: ۱/۲۱۶، مکتبه إحیاء التراث الإسلامی)

(۴) و فی روایة جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه یقول: "سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "أفضل الذکر لا إله إلا الله وأفضل الدعا الحمد لله". (جامع الترمذی، أبواب الدعوات، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة، ۲/۱۷۶، سعید)

امام صاحب ذمہ دار ہوتے۔ امام صاحب سے بہت بڑا گناہ صادر ہوا کہ ایک غیر مسلم کو ایمان سے مشرف نہ کیا، ایسی زبردست غلطی نہ کرنا چاہئے تھی، امام صاحب کو توبہ کرنا چاہئے، کیا ان صاحب کا کہنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک شخص کفر چھوڑ کر اسلام قبول کرنا چاہتا ہے، واقعی اس کو فوراً مسلمان کرنا چاہئے اور کفر سے توبہ کرادی جائے، اس میں تاخیر کرنا، یا کسی اور کے پاس بھیجنا نہایت غلط طریقہ ہے، فقہاء نے ایسے شخص پر بہت سخت حکم لگایا ہے (۱)، مگر جس طرح اس جرم کے مرتکب امام صاحب ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی مرتکب ہیں، جو اس شخص کو امام صاحب کے پاس لائے اور انھوں نے خود مسلمان نہیں کیا، چونکہ امام صاحب کے پاس لانے تک درمیان میں وہ شخص مرجاتا تو ذمہ دار کون ہوتا؟ ظاہر ہے کہ وہی لوگ ہوتے جنھوں نے خود مسلمان نہیں کیا، بلکہ امام صاحب کے پاس لارہے تھے، اس لئے تنہا امام صاحب کو مجرم قرار دینا غلط ہے۔ پس امام صاحب بھی توبہ کریں اور وہ لوگ بھی توبہ کریں جو امام صاحب کے پاس لارہے تھے اور انھوں نے خود مسلمان نہیں کیا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱۴/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

غیر مسلم کس طرح مسلمان ہوتا ہے؟

سوال [۹]: عرض ہے کہ آج سے ڈیڑھ سال قبل مجھے عجیب سا جلوہ ونور دکھائی دیا، یعنی میں ایک ہندو مذہب سے تعلق رکھتا ہوں، لیکن میرے جتنے بھی دوست ہیں وہ سب مسلم ہیں، میرے ان لوگوں

---

(۱) "نصراني أتى مسلماً فقال: اعرض عليّ الإسلام حتى أسلم عندك، فقال: إذهب إلى فلان العالم حتى يعرض عليك الإسلام فتسلم عنده، اختلفوا فيه، قال أبو جعفر رحمه الله تعالىٰ: لايصير كافراً كذافي فتاوى قاضيخان." (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/ ۲۵۸، رشيديه)

"وفي الخلاصة: كافر قال لمسلم: أعرض عليّ الإسلام، فقال: اذهب إلى فلان العالم، كفر؛ لأنه رضي ببقائه في الكفر إلى حين ملازمة العالم ولقائه، أولجهله بتحقيق الإيمان لمجرد إقراره بكلمتي الشهادة، فإن الإيمان الإجمالي صحيح إجماعاً." (شرح الفقه الأكبر للملاعلي القاري، ص: ۱۷۷، قديمي)

کے ساتھ رہنے اوران لوگوں کووقت پرنماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کردل میں بھی ایک خواہش پیدا ہوئی کہ کاش اگر میں بھی مسلمان ہوتا تو آج اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرتا۔ پس مولوی صاحب! اس ہی رات میں مجھے خواب میں ایک نور سانظر آیا، خدا کا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں بھی مسلم ہوں، اذان کا وقت ہورہا ہے، میں بھی اَوروں کی طرح وضو کرکے نماز کے لئے کھڑا ہوں اور سجدہ کررہا ہوں اللہ تعالیٰ کے حضور میں۔ پس اس کے بعد ہی میری آنکھ کھل گئی، پھر بس مولوی صاحب! اسی دن سے (یعنی وہ جمعہ کا دن تھا میں نے پائی وغیرہ تھاپور درگاہ یوسفین نام تو آپ نے سنے ہوں گے) گیا اور وہاں دوسرے مسلم بھائیوں کے ساتھ کھڑے ہوکر نماز ادا کی۔

پس جب سے ہی میں نماز کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہوں اور خدا کے فضل سے میری نماز جمعہ بہت کم ناغہ ہوتی ہے، وہ ناغہ مجبوری کے تحت ہوتی ہے اور وہ مجبوری یہ ہے جس کی بناء پر میں نماز سے محروم رہتا ہوں، میں اسی درگاہ یوسفین میں نماز پڑھ رہا تھا، اتنے میں میرے کالج کے دوست بھی وہاں نماز پڑھنے آئے اور بعد نماز میرا مذاق اڑانا شروع کیا، بعض نے تو مبارکباد دی اور کہا کہ اگر اتنا ہی نماز کا شوق ہے تو اشتہار کیوں نہیں چھپاتے، خیر میں مسلمان ہوگیا ہوں، لیکن مولوی صاحب! میں ایسا نہیں کرسکتا، کیونکہ میرے بھائی وبہن ہیں، جو شادی کے قریب ہیں، میرے ایسا کرنے سے ان سب کی بدنامی ہوگی اوران لوگوں کی شادی نہیں ہوگی اور دوسری مجبوری یہ ہے کہ میں ابھی پڑھ رہا ہوں، اگر میں نے دوستوں کے کہنے سے ایسا عمل کیا، یعنی مسلمان ہوگیا تو میں بے گھر ہوجاؤں گا اور میری تعلیم ادھوری ہی رہ جائے گی، آج کل کا کیا حال ہے، بس ایک بار ایسے ہی میرے گھر والوں کو معلوم ہوگیا کہ میں نماز پڑھتا ہوں تو وہ لوگ مجھے بہت ڈانٹے اور اب بہت سختی کرتے ہیں، لیکن مولوی صاحب! میرا پختہ ارادہ ہے کہ میں خدا کے راستہ سے نہیں ہٹوں گا، میں نے گھر بھی چھوڑنے کی ٹھان لی ہے، لیکن یہ میرا آخری سال ہے، تعلیم کے اعتبار سے اس لئے گزار رہا ہوں۔

بس اب آپ سے گزارش ہے کہ آپ مجھے فتویٰ عطا فرمائیں کہ میں آپ کی سرپرستی میں مسلمان ہوگیا ہوں، بلکہ میں آپ پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنے دوں گا بس آپ مجھ پر بھروسہ کرکے فتویٰ دیجئے جو کہ مجھ کو گھر چھوڑنے کے بعد بہت کام آئے گا۔

اس فتویٰ مانگنے کی چند وجوہات یہ ہیں: میں اکثر جب کبھی نماز پڑھنے مسجد میں جاتا ہوں تو میرے دوست ملتے اور کہتے ہیں کہ اگر تم مسلمان ہو گئے ہو تو کسی بڑے عالم کے پاس سے فتویٰ کیوں نہیں لیتے، جو تمہیں بہت کام آئے گا؟ بعض لوگ جب میں نماز کو گیا، یہاں تک کہتے کہ نہ جانے کہاں سے گندے گندے لوگ آکر ہماری مسجد کو ناپاک کر دیتے ہیں، جاؤ جاؤ یہاں سے۔ اس لئے میں آپ سے فتویٰ مانگتا ہوں، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں، مجھے اسلام میں شامل کر لیجئے۔

الجواب حامداً مصلیاً:

آدمی مسلمان کسی کے کرنے سے نہیں ہوا کرتا، بلکہ جب وہ اپنے خیالات (عقائد) اللہ و رسول کے حکم کے مطابق و موافق کرے اور غلط خیالات و عقائد کو دل سے نکال دے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے، پھر آہستہ آہستہ دین سیکھتا رہے۔ "دین اسلام" کوئی ایسی برادری نہیں کہ جب برادری والے چاہیں اس کو داخل کرلیں، جب چاہیں خارج کر دیں، اگر آپ نے خدا کو ایک مان لیا، ہر قسم کے شرک سے توبہ کر لی اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کو مان لیا اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں کو مان لیا اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کو تسلیم کر لیا اور تقدیر پر یقین کر لیا تو آپ یقیناً مسلمان ہیں (۱)، کسی اشتہار کی ضرورت نہیں، نہ آپ کے ذمہ لازم ہے کہ کسی کو یقین دلانے کے لئے اشتہار شائع کریں، اللہ پاک کے لئے آپ نے اسلام قبول کیا ہے، تو اس کو خود ہی معلوم ہے اور یہی ذریعۂ نجات ہے۔ جو لوگ کسی مسلمان کو خواہ وہ قدیم ہو، یا جدید، نماز کے لئے مسجد میں آنے سے روکتے ہیں اور اس پر نازیبا فقرے کستے ہیں، وہ بہت غلط کام کرتے ہیں (۲) اس کا انجام خراب ہے، ان کو باز آنا چاہئے۔

جب آپ نے اللہ کی خاطر اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب سے بچانے کے لئے دین اسلام قبول کیا ہے، تو اس کے نتیجہ میں قوم میں رسوائی، یا گھر چھوٹنا، یا خاندان کے آدمیوں کی

---

(۱) و فی حدیث جبرئیل: "قال: فأخبرنی عن الإیمان؟ قال: "أن تؤمن باللہ، و ملائکته، و کتبه، و رسله، والیوم الأخر، و تؤمن بالقدر خیره و شره ..... الخ". (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان: ۱/۱۱، قدیمی)
(والصحیح لمسلم، کتاب الإیمان: ۱/۲۷، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و من أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیها اسمه، و سعیٰ فی خرابها، أولئک ما کان لهم أن یدخلوها إلا خائفین لهم فی الدنیا خزی، و لهم فی الآخرة عذاب عظیم﴾. (البقرة: ۱۱۴)

آپ کی وجہ سے شادی میں رکاوٹ پیدا ہونا وغیرہ وغیرہ معمولی چیزیں ہیں، ہرگز قابل توجہ نہیں تعلیم ادھوری رہ جانے کی فکر بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر آپ نے اپنے خاندان والوں کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع نہ کی اور آپ کا انتقال ہوگیا تو وہ آپ کو اس دنیا ہی میں نذر آتش کردیں گے، انتقال کی تاریخ کسی کو معلوم نہیں، کب ہوگا، تعلیم پوری ہونے پر ہوگا، یا بھائی بہن کی شادی ہونے پر ہوگا، یا اس سے پہلے بھی ہوجائے گا۔

خدائے پاک آپ کی پوری حفاظت کرے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر چلائے اور حق پر قائم رکھے اور ہر قسم کے شر وفتنہ سے بچائے۔ آمین! فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

نومسلم کب تک نومسلم رہے گا؟

سوال[۱۰] : ایک نومسلم کتنے سال تک نومسلم کہلایا جائے گا ؟

الجواب حامداً مصلیاً :

نومسلم کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اسلام لایا ہے، مسلمان کی نسل سے پیدا نہیں ہوا، اس معنی کے اعتبار سے وہ ساری عمر نومسلم ہی رہے گا اور یہ کوئی عیب نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۱ھ۔

صفت احدیت

سوال[۱۱] : اللّٰہ واحد فی ذاتہ، وصفاتہ، و أفعالہ، وسائر حقوق ربو بیتہ؟

الجوب حامداً مصلیاً:

ھذا ھو الحق (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "(و لا شيء مثله) اتفق أهل السنة على أن الله ليس كمثله شيء، لا في ذاته، و لا في صفاته، و لا في =

قدرت

سوال[۱۲]:القدرة علی الخیر والشر فوق الأسباب بمجرد تعلق الإرادة به کلها هوالله واحد، و القائل بذلك لغیره تعالیٰ نبیاً کان أوولیاً أو ملکاً مقرباً، مشرك بالله فی صفة القدرةأم لا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

هذه الصفة مختصة بالله تعالیٰ، لاشریك له فیها أحد(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

ضروریات دین کی تفصیل

سوال[۱۳]: ضروریات دین کتنی چیزوں کو کہتے ہیں؟

= أفعاله". (شرح العقیدة الطحاویة لابن أبی العز، معنی قوله: و لا شیء مثله، ص: ۹۸، قدیمی)

"واعلموا أن خالق العالم واحد لا شریک له، فرد لا ثانی له. و معنی الوحدانیة فی صفات الله تعالیٰ أنه یستحیل علیه التجزئة والتبعیض و هماً أو تقدیراً، وأنه منفرد فی صفاته و ذاته عن مشابهة الخلق، وأنه منفرد بانتساب الحوادث إلیه من حیث إحداثها واختراعها". (الکوکب الأزهر شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۱، المکتبة التجاریة مکة)

"والوحدانیة صفة سلبیة تقال علی ثلاثة أنواع: الأول: الوحدة فی الذات، والمراد بها انتفاء الکثرة عن ذاته تعالیٰ بمعنی عدم قبولها الانقسام. والثانی: الوحدة فی الصفات، والمراد بها انتفاء النظیر له تعالیٰ فی کل صفة من صفاته، فیمتنع أن یکون له تعالیٰ علوم و قدرات متکثرة بحسب المعلومات والمقدورات، بل علمه تعالیٰ واحد و معلوماته کثیرة، و قدرته واحدة و مقدوراته کثیرة، و علی هذا جمیع صفاته. والثالث: الوحدة فی الأفعال، والمراد بها إنفراده تعالیٰ باختراع جمیع الکائنات عموماً، وامتناع إسناد التأثیر لغیره تعالیٰ فی شیء من الممکنات أصلاً". (شرح العقیدة الطحاویة للمیدانی، ص: ۴۷، ۴۸، دارالفکر)

(۱) "اعلم أنه لیس فی العالم أحد یثبت لله شریکاً یساویه فی الوجود والقدرة والعلم والحکمة، و هذا مما لم یوجد إلی الآن". (التفسیر الکبیر، [البقرة: ۲۲]: ۲/۱۱۲، دارالکتب العلمیة طهران)

"قال المصنف أبو حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه: "نقر بأن تقدیر الخیر و الشر کله من الله تعالیٰ، لأنه لو زعم أن تقدیر الخیر والشر من غیره، لصار کافراً بالله تعالیٰ و بطل توحیده". (الجوهرة المنیفة فی شرح =

الجواب حامداً و مصلیاً:

ضروریاتِ دین ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین سے ہونا قطعی اور یقینی ہو اور حد تواتر و شہرت عام تک پہونچ چکا ہو، حتی کہ عوام بھی جانتے ہوں کہ یہ چیزیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین سے ہیں جیسے توحید، رسالت، ختم نبوت، حیات بعد الموت، سزا و جزاء اعمال، نماز، زکوٰۃ کی فرضیت، شراب اور سود کی حرمت، کذا فی إکفار الملحدین (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۳/۱۱/ ۸۹ھ۔

ایمان بالرسول اجمالاً کافی ہے یا اوصاف کے ساتھ؟

سوال[۱۴]: ایمان بالرسول ضروریاتِ دین میں شامل ہے، یا نہیں؟ اور صرف اتنا ایمان لانا کافی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یا ان اوصاف کے ساتھ جن کے کہ حضور اکرم صلی

= وصية الإمام الأعظم أبي حنيفة ،ص: ۵۸، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية)

"فعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أنه قال: القدر نظام التوحيد ، فمن وحّد الله و كذب بالقدر، نقض تكذيبه توحيده". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۲۷۳، قديمي)

(۱) "والمراد "بالضروريات" على ما اشتهر في الكتب: ما علم كونه من دين محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالضرورة ، بأن تواتر عنه و استفاض، و علمته العامة، كالوحدانية والنبوة، و ختمها بخاتم الأنبياء، و انقطاعها بعده، و هذا مما شهد الله به في كتابه ، و شهدت به الكتب السابقة، و شهد به نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، و شهد به الأموات أيضاً ، كزيد بن خارجة الذي تكلم بعد الموت، .... و كالبعث والجزاء، و وجوب الصلاة والزكاة ، و حرمة الخمر ونحوها". (إكفار الملحدين،ص : ۲،۳، لأنور شاه صاحب الكشميري رحمه الله تعالىٰ من "مجموعة رسائل الكشميري " الجلد الثالث إدارة القرآن)

"(وركنها إجراء كلمة الكفر على اللسان بعد الإيمان) وهو تصديق محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في جميع ماجاء به عن الله تعالىٰ مما علم مجيئه ضرورةً". قال في رد المحتار: "وإذعانه لما علم بالضرورة أنه من دين محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، بحيث تعلمه العامة من غير افتقار إلى نظر و استدلال كالوحدانية، والنبوة، والبعث، والجزاء، ووجوب الصلوة، والزكاة، وحرمة الخمر، و نحوها". (رد المحتار :۴/۲۲۱، باب المرتد ، سعيد)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مستحق ہیں، ایمان رکھنا ضروریات میں سے ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً :

ایمان بالرسول ایسا ضروریاتِ دین میں سے ہے کہ بغیر اس کے آدمی مومن کہلانے کا مستحق نہیں، ساتھ ہی خصوصیاتِ قطعیہ مثلاً: خاتم النبیین وغیرہ کا ماننا بھی ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

قرآن پر ایمان کا مطلب

سوال[۱۵]: جب قرآن شریف پر میرا ایمان ہے تو پھر پورے قرآن مجید کو مکمل یا جزوی طور سے انکار کرنے سے، یا قرآن شریف کے جزوی حصے کو مکمل طور سے، یا جزوی طور سے انکار کرنے پر کیا فتویٰ ہوگا؟ خواہ وہ انکار زبان سے ہو، یا دیگر اعضاء سے؟

الجواب حامداً مصلیاً :

قرآن پاک کی مکمل طور پر تصدیق لازم ہے، اگر پورے قرآن یا اس کے کسی جزء (آیت) کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے تو ایمان باقی نہیں رہے گا(۲) اور اگر عملی

---

(۱) "فالتحقيق أن الإيمان هو تصديق النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالقلب في جميع ما علم بالضرورة مجيئه به من عند الله إجمالاً، وأنه كاف في الخروج عن عهدة الإيمان، و لا تنحط درجته عن الإيمان التفصيلي، كذا في شرح العقائد، إلا أن الأولى أن يقال: إجمالاً إن لو حظ إجمالاً، و تفصيلاً إن لوحظ تفصيلاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸٦، قديمي)

(وكذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۰، قديمي)

"و أما الإيمان بسيدنا عليه الصلاة والسلام، فيجب بأنه رسولنا في الحال و خاتم الأنبياء والرسل، فإذا آمن بأنه رسول، و لم يؤمن بأنه خاتم الرسل لا ينسخ دينه إلى يوم القيامة، لا يكون مؤمناً". (الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً، النوع الثالث في الأنبياء: ۳۲۷/۵، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يآ أيها الذين امنوا امنوا بالله ورسوله، والكتاب الذي نزّل على رسوله، والكتاب =

کوتاہی ہوگی تو اس سے کفر کا حکم نہیں ہوگا (۱)، نفس ایمان اس سے مضمحل اور کمزور تو ہو جاتا ہے، مگر تصدیق قلبی جب تک باقی ہے، ختم نہیں ہوتا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

فطرت پر ہونے کی تشریح

سوال [۱۶]: فطرت دین کے کیا معنیٰ ہیں؟

= الذی أنزل من قبل، و من یکفر باللہ و ملائکته و کتبه و رسله و الیوم الآخر، فقد ضل ضلالاً بعیداً﴾ (النساء: ۱۳۶)

و فی الحدیث: "قال: فأخبرنی عن الإیمان؟ قال: "أن تؤمن باللہ و ملائکته و کتبه و رسله والیوم الآخر و تؤمن بالقدر خیره و شره .... الخ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان: ۱/۱۱، قدیمی)

"إذا أنکر الرجل آیةً من القرآن أو تسخر بآیة من القرآن، و فی الخزانة: أو عاب کفر". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، مطلب: موجبات الکفر أنواع، و منها ما یتعلق بالقرآن: ۲/۲۶۶، رشیدیه)

(وکذا فی شرح الفقه الأکبر لملا علی القاری، فصل فی القرآءة والصلوة، ص: ۱۶۷، قدیمی)

(۱) "و أما العمل بالأرکان، فهو من کمال الإیمان و جمال الإحسان عند أهل السنة والجماعة". (شرح الفقه الأکبر للملا علی القاري، ص: ۷۴، قدیمی)

"لا علی من ذهب إلی أنها رکن من الإیمان الکامل بحیث لا یخرج تارکها عن حقیقة الإیمان". (شرح العقائد النسفیة للتفتازانی، ص: ۱۲۵، قدیمی)

"و العمل مغایر له لا یشمله اسم الإیمان عند إفراده بالذکر، و إن أطلق علیهما کان مجازاً". (شرح العقیدة الطحاویة لابن أبی العز، ص: ۳۳، قدیمی)

(۲) "حتی أن من حصل له حقیقة التصدیق، فسواء أتی بالطاعات أو ارتکب المعاصی، فتصدیقه باق علی حاله، لا تغیر فیه أصلاً". (شرح العقائد النسفیة للتفتازانی، ص: ۱۲۵، قدیمی) .... =

الجواب حامداً و مصلیاً :

انسان میں پیدائشی صلاحیت واہلیت کہ وہ بغیر کسی ماحول کے اثر کے دین اسلام کی چیزوں کو قبول کرلے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۳/۱۱/۸۹ھ۔

امت دعوت واجابت

سوال [۷۱]: ہندو، پارسی، یہودی اور نصاری وغیرہ بھی کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی کہلانے کے مستحق ہیں؟ اگر مشرک بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہیں تو مسلم اور غیر مسلم میں فرق ہے؟

= (و كذا في شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص : ۱۳۴، قديمي)

(۱) " قال : والمراد تمكن الناس من الهدى في أصل الجبلة، والتهيؤ لقبول الدين، فلو ترك المرء عليها لاستمر على لزومها، و لم يفارقها إلى غيرها؛ لأن حسن هذا الدين ثابت في النفوس ، و إنما يعدل عنه لآفة من الآفات البشرية كالتقليد، انتهى". (فتح الباري، كتاب الجنائز ، باب ما قيل في أولاد المشركين : ۳/۳۱۸، قديمي)

"والأصح أن معناه أن كل مولود متهيأ للإسلام ". (شرح النووي على الصحيح للمسلم، كتاب القدر ، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة الخ: ۲/۳۳۷، قديمي)

قوله : "ما من مولود إلا يولد على الفطرة"؛ أي على مبادىء الإسلام من التوحيدو غيره التي جعل الله الناس عليها. قال الطيبي : كلمة "(من)" الاستغراقية في سياق النفي تفيد العموم، والتقدير : ما مولود يوجد على أمر من الأمور إلا على هذاالأمر، والفطرة تدل على نوع منها، وهو الابتداء والاختراع، كالجلسة والقعدة، والمعنى بها هنا تمكن الناس من الهدى في أصل الجبلة ، والتهيؤ لقبول الدين. فلوترك عليها لاستمر على لزومها و لم يفارقها إلى غيرها، لأن هذا الدين حسنه موجود في النفوس ، وإنما يعدل عنه لآفة من الآفات البشرية والتقليد". (تكملة فتح الملهم ، كتاب القدر ، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة : ۵/۴۹۷، ۴۹۸، مكتبه دار العلوم كراچى)

اگر آپ مشرکین کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی شمار کرتے ہیں تو اس دعاء کا ان سے تعلق نہیں ہوجاتا "اللهم اغفر لأمة محمد صلى الله عليه وسلم" جس کے معنی ہیں کہ "اے اللہ! امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مغفرت فرمادے"۔ امین، پھر اس کے خلاف اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ مشرک ابدی جہنمی ہیں اور ان کی مغفرت نہیں ہوگی کہ کیا ہم اللہ رب العزت کی مرضی کے خلاف ان کی مغفرت کی دعا کررہے ہیں؟ اس کا جواب مدلل طریقے پر دیں۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہونے کے دو معنی ہیں (۱): ایک یہ کہ جن کی طرف آپ کو نبی بنا کر بھیجا گیا اور آپ نے دعوت دی، اس اعتبار سے ہر ملک کے رہنے والے اور ہر مذہب پر چلنے والے آپ کے امتی ہیں، کیونکہ آپ کی نبوت عام ہے، کسی قوم اور کسی ملک کے ساتھ خاص نہیں، جیسے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا حال تھا ﴿قل یاأیها الناس إني رسول الله إلیکم جمیعاً﴾ (۲) ﴿وما أرسلنك إلا كافةً للناس﴾ (۳) یہ امت دعوت ہے۔

اور امت کے دوسرے معنی سے ہیں: وہ لوگ جنھوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا ہے اور آپ پر ایمان

---

(۱) "الأمة جمع لهم جامع من دين أو زمان أو مكان أو غير ذلك، فإنه مجمل يطلق تارةً ويراد بها كل من كان مبعوثاً إليهم نبي، آمنوا به أو لم يؤمنوا، ويسمون أمة الدعوة. وأخرى يراد بهم المؤمنون به المذعنون له، وهم أمة الإجابة." (فيض القدير لمناوی شرح الجامع الصغير: ۳/۱۴۷۰، رقم الحديث: ۱۲۲۰، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(وكذا في شرح الطيبي، كتاب الإيمان: ۲/۴۴۹، نزار مصطفى الباز)

"فإن أمته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ثلاثة أقسام، أحدها أخص من الآخر: أمة الاتباع، ثم أمة الإجابة، ثم أمة الدعوة، فالأولى أهل العمل الصالح، والثانية مطلق المسلمين، والثالثة من عداهم ممن بعث إليهم." (فتح الباري، كتاب الرقاق، باب: يدخل الجنة سبعون ألفاً بغير حساب: ۱۱/۴۱۱، دار المعرفة)

(۲) (الأعراف: ۱۵۸)

(۳) (السبا: ۲۸)

لائے اور کسی دوسرے دین پر قائم نہیں رہے، یہ امت اجابت ہے، اس کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے اور اسی کے لئے سب فضائل ہیں (۱) جو لوگ ایمان نہیں لائے، ان کے لئے فضائل ومغفرت کا وعدہ نہیں، نہ ان کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/محرم الحرام/ ۸۹ھ۔

وسوسہ شیطانی سے ایمان ضائع نہیں ہوتا

سوال [۱۸]: ایک شخص پابند شرع ہے، ایک روز ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کے دل میں شیطانی وسوسہ آیا کہ میں مسلمان نہیں ہوں اور یہ کہ میں مرتد ہو گیا ہوں، لیکن نہ اس سے کوئی انکار اور نہ ہی کوئی گناہ پایا گیا جو دال علی الکفر ہو، اور اس کو بے حد پریشانی ہوئی اور ڈر کی وجہ سے بہت پریشان ہوا کہ میں قیامت کے روز اللہ پاک اور اس کے رسول کو کیا منہ دکھلاؤں گا؟ اس کے بعد اس نے کلمہ طیبہ اور لاحول اور استغفار کا ورد کرنا شروع کر دیا اور اپنے دل میں اس وسوسہ کو دور کرنے کے لئے اس نے یہ کہا کہ "اے شیطان! اب تک ہم مسلمان تھے، یا نہیں؟ لیکن اب ہم مسلمان ہو گئے ہیں، چاہے تو کتنے ہی وسوسہ ڈال"۔ اور وہ یہ سمجھ گیا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں کوئی خطرناک بات تو نہیں ہے جو کہ ایمان کے منافی ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شیطانی وسوسہ سے اس کا ایمان زائل نہیں ہوا، الحمد للہ ایمان موجود ہے (۳)، کلمہ طیبہ اور لاحول

---

(۱) "هؤلاء أمتك، وهؤلاء سبعون ألفاً قدامهم، لا حساب عليهم ولا عذاب." (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب يدخل الجنة سبعون ألفاً بغير حساب: ۲/ ۹۶۹، قديمي)

"(أمتي هذه): أي الموجودون الآن كما عليه ابن رسلان، وهم قرنه، ويحتمل إرادة أمة الإجابة (أمة مرحومة): أي جماعة مخصوصة بمزيد الرحمة وإتمام النعمة، موسومة بذلك في الكتب المتقدمة، (ليس عليها عذاب في الآخرة)". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳/ ۱۴۷، رقم الحديث: ۱۲۲۱، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم﴾ [التوبة: ۱۱۳]

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله تجاوز =

کثرت سے پڑھا کرے اور ہر روز اپنے مومن ہونے پر خدائے پاک کا شکر ادا کیا کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۷/۵/۸۹ھ۔

دینیات میں وسوسہ اور اس کا علاج

سوال[۱۹۱]: قریب تین ماہ ہوئے ہیں، میرے دل ودماغ میں ایک شبہ پڑ گیا ہے، مجھے ہر وقت یہ خیالات پریشان کرتے رہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی تھے یا نہیں تھے، قرآن پاک آسمانی کتاب ہے یا نہیں، اسلام سچا مذہب ہے یا نہیں؟ ان خیالات کی وجہ سے مجھے بڑی بے چینی رہتی ہے اور کسی کام میں دل نہیں لگتا، میں اس سوال کو سلجھانے کی ہر چند کوشش کرتا رہتا ہوں، مگر میرے دل ودماغ سے یہ خیال جاتا ہی نہیں ہے، اگر قرآن پاک پڑھوں تو یہ خیال آتا ہے کہ یہ سب یوں ہی تو نہیں ہے اور اگر حدیث شریف پڑھوں تو بھی یہی خیال آتا ہے، اب بتائیں کہ میں کیا کروں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ رات کو عشاء کے بعد تازہ غسل کرکے دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں، پھر درود شریف ۵۰۰ دفعہ، پھر استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ "۵۰۰/ دفعہ پڑھ کر خدائے پاک کے سامنے دعا کریں: یا اللہ میرے ہر گناہ کو معاف کر اور اپنی ذات پر اور اپنے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اور اپنے

= عن أمتي ما وسوست به صدرها ما لم تعمل به أو تتكلم". متفق علیه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب في الوسوسة، ۱/۱۸، قديمي)

"قال صاحب الروضة في شرح صحيح البخاري: المذهب الصحيح المختار الذي عليه الجمهور أن أفعال القلوب إذا استقرّت يؤاخذ بها، فقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله تجاوز عن أمتي ماوسوست به صدورها" محمول على ما إذا لم تستقر، و ذلك معفوٌ بلا شك؛ لأنه لا يمكن الإنفكاك عنه بخلاف الاستقرار". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب في الوسوسة: ۱/۲۳۸، رشيديه)

(و كذا في فتح الباري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا أعلمكم بالله و أن المعرفة فعل القلب"..... الخ: ۱/۹۷، قديمي)

(و مجمع الأنهر، باب المرتد: ۱/۶۸۸، دار إحياء التراث العربي)

قرآن پاک پر یقین نصیب فرما، جیسا کہ یقین کا حق ہے، اور میرے گناہوں کی نحوست سے اس دولت کو ضائع نہ فرما، یہ عمل سات روز تک کریں اور چلتے پھرتے درود شریف کثرت سے پڑھا کریں، کسی صاحب نسبت متبع سنت بزرگ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیں۔ خدائے پاک آپ کی مدد فرمائے، سورہ "حم سجدہ" روزانہ ایک مرتبہ پڑھ کر دعا مانگنا بھی دفعِ وسوسہ وشبہ کے لئے اکسیر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۴/ ۷/ ۹۲ھ۔

مجبوراً خنزیر کا گوشت کھانے سے ایمان نہیں جاتا

سوال [۲۰]: کوئی مسلمان ایسی جگہ پھنس جائے کہ کافر اسے شراب، یا سور کا گوشت زبردستی کھلا دیں اور وہ جان بچانے کے لئے کھائے تو وہ ایمان سے خارج ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

ایسی مجبوری کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوا (۱)، انتہائی ندامت کے ساتھ خدا سے دعا کرے کہ وہ آئندہ محفوظ رکھے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۹۳ھ۔

---

(۱) "السلطان إذا أخذ رجلاً وقال: لأقتلنك أو لتشربن هذا الخمر، أو لتأكلن هذه الميتة، أو لتأكلن لحم هذا الخنزير، كان في سعة من تناوله، بل يفترض عليه التناول إذا كان في غالب رأيه أنه لو لم يتناول يُقتل، فإن لم يتناول حتى قتل، كان آثماً في ظاهر الرواية عن أصحابنا." (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني من كتاب الإكراه: ۵/ ۳۸، رشيديه)

"وعلى أكل لحم خنزير، وميتة، ودم، وشرب خمر يحبس أو ضرب أو قيد لم يحل، وحل بقتل وقطع) يعني لو أكره على هذه الأشياء بما لا يخاف على نفسه أو عضوه: كالضرب لا يسعه أن يقدم عليه، وبما يخاف، يسعه ذلك؛ لأن حرمة هذه الأشياء مقيدة بحالة الاختيار، وفي حالة الضرورة مبقاة على أصل الحل لقوله تعالى: ﴿إلا ما اضطررتم إليه﴾ [الأنعام: ۱۲۰] فاستثنى حالة الاضطرار؛ لأنه فيها مباح." (البحر الرائق، كتاب الإكراه: ۸/ ۱۳۲، رشيديه)

(وكذا في روح المعاني، [المائدة: ۳]، ۲/ ۲۵، ۲۶، دار إحياء التراث العربي)

زمانہ کو برا کہنے کی ممانعت اور مفتی قدرت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر

سوال [۲۱]: حضرت مولانا مفتی قدرت اللہ صاحب مرحوم مدرسہ شاہی مرادآباد خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنی ایک کتاب میں جس کا سرورق غائب ہے، مگر تصوف میں ہے لکھا ہے کہ زمانہ، ہوا، تقدیر، بیماری کو برا نہ کہو"، مگر وجہ بیان نہیں ہے، مگر حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے ناگپور کی تقریر (جو کہ کتاب کی شکل میں ہے) کفار مکہ کے توکل کا بیان فرماتے ہیں حجر اسود والا تنازعہ بیان کیا ہے کہ: "وہ شخص ہمارا حکم ہوگا جو علی الصباح مسجد حرام میں داخل سب سے اول ہو، لہذا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم داخل مسجد حرام ہوئے اور حکم بنائے گئے (۱) یہ تھا کفار مکہ کا توکل، اور آج کل کا ہمارا زمانہ ہے کہ باوجود مسلمان ہونے کے توکل مفقود ہے"۔ اس عبارت سے زمانہ کی برائی معلوم ہوئی۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ "ایک زمانہ وہ تھا کہ کفار مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام کی طرف رغبت کرتے تھے، ایک آج کل کا زمانہ ہے کہ ہم کو دیکھ کر خود مسلمان ہی نفرت کرتے ہیں"۔ اس عبارت سے بھی زمانے کی برائی معلوم ہوئی۔

اس کتاب میں تیسری جگہ لکھا ہے کہ "دین حق کا چراغ بجھا نہیں کرتا، لیکن بادِ مخالف کے جھونکے بجھانے کی کوشش کرتے ہیں"۔ اس عبارت سے ہوا کی برائی معلوم ہوئی۔ اور تقویۃ الایمان میں بہت سی جگہ زمانہ کا لفظ اس طرح استعمال فرمایا کہ: "ہر زمانے کے لوگ نئی نئی الگ الگ راہیں نکالتے ہیں"۔ ان جگہوں سے بھی زمانے کی برائی معلوم ہوئی ہے، اگر ان چیزوں کو برا کہنا برا ہے تو ان اکابرین نے ان لفظوں کو اس طرح پر کیوں

(۱) "قال ابن اسحق: ثم إن القبائل من قريش جمعت الحجارة لبناء ها، كل قبيلة تجمع على حدة، ثم بنوها حتى تبلغ البنيان موضع الركن، فاختصموا فيه كل قبيلة تريد أن ترفعه إلى موضعه دون الأخرى حتى تجاوزوا و تحالفوا و أعدوا للقتال .... فزعم بعض أهل الرواية أن أبا أمية بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم و كان عامئذ أسن قريش كلها، قال: يا معشر قريش! اجعلوا بينكم فيما تختلفون فيه أول من يدخل من باب هذا المسجد يقضي بينكم فيه ففعلوا، فكان أول داخل عليهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلما رأوه قالوا: هذا الأمين رضينا هذا محمد الخ". (سيرة بن هشام: ۱/ ۱۹۶، ۱۹۷، حديث بنيان الكعبة و حكم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بين قريش في وضع الحجر، اختلاف قريش فيمن يضع الحجر و لعقه الدم، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

استعمال فرمایا ہے؟ محمد فہیم الدین، مدرسہ تعلیم القرآن لاوڑ بازار، پاوڑی ضلع پوڑی گڑھوال (یوپی)

الجواب حامداً و مصلياً :

زمانہ کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے، یہ حدیث قدسی میں موجود ہے(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ خالق خیر اور خالق شر زمانہ کو قرار دیکر برا کہا جائے، حالانکہ خالق ذات وحدہ لاشریک لہ ہے، زمانہ تو خیر و شر کا ظرف ہے خالق نہیں، اس لئے زمانہ کو (برا) کہنا خالق جل جلالہ کو برا کہنا ہے(۲)، البتہ اس طرح کہا جائے کہ فلاں زمانہ میں خیر تھی، یعنی اس وقت جو حضرات موجود تھے، ان میں خیر غالب تھی، پھر بعد والے زمانے میں خیر کم ہوگئی ہے۔ یہ مضمون حدیث شریف سے ثابت ہے: " خير القرون قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم،

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "قال الله عزوجل: "يؤذيني ابن آدم يسب الدهر و أنا الدهر، بيدي الأمر أقلب الليل والنهار)". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة الجاثية: ۲/۷۱۵، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الألفاظ من الأدب وغيرها، باب النهي عن سب الدهر: ۲/۲۳۷، قديمي)

(۲) "(يسب الدهر) ...... يعني ظناً منه أن الدهر يعطي و يمنع، و يضر و ينفع (وأنا الدهر) ...... أي خالق الدهر أو مصرف الدهر أو مقلبه أو مدبر الأمور التي نسبوها إليه، فمن سبّه بكونه فاعلها عاد سبه إليّ؛ لأني أنا الفاعل لها، و إنما الدهر زمان جُعل ظرفاً لمواقع الأمور، و أتى بأداة الدهر مبالغةً في الرد على من يسبه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۸۱، رشيديه)

"قال العلماء: و هو مجاز و سببه أن العرب كان شأنها أن تسب الدهر عند النوازل والحوادث والمصائب النازلة بها من موت أو هرم أو تلف مال أو غير ذلك فيقولون: يا خيبة الدهر، و نحو هذا من ألفاظ سب الدهر، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: (لا تسبوا الدهر): أي لا تسبوا فاعل النوازل، فإنكم إذا سببتم فاعلها وقع السب على الله تعالىٰ؛ لأنه هو فاعلها و منزلها، و أما الدهر الذي هو الزمان فلا فعل له بل هو مخلوق من جملة خلق الله تعالىٰ، و معنى "فإن الله هو الدهر": أي فاعل النوازل والحوادث و خالق الكائنات، والله أعلم". (الكامل شرح المسلم للنووي، كتاب الألفاظ من الأدب وغيرها، باب النهي عن سب الدهر، : ۲/۲۳۷، قديمي)

(وكذا في فتح الباري، كتاب التفسير، سورة الجاثية: ۸/۷۳۸، ۷۳۹، قديمي)

ثم يفشوا الكذب (الحديث)(۱)۔

حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی تقریر سے جو اور آپ نے نقل کئے ہیں، ان میں بھی زمانہ کو برا نہیں کہا گیا، نہ زمانہ کو خالق خیر وشر قرار دیا گیا، بلکہ زمانہ کی طرف تسلیم کرتے ہوئے اس کے آدمیوں کا تغیر اور زمانہ سابق سے فرق ظاہر کیا گیا ہے۔ بادمخالف کا نورحق کو بجھانے کی کوشش کرنا خود قرآن کریم میں موجود ہے ﴿يريدون أن يطفئوا نور الله بأفواههم﴾ الآیۃ (۲)۔ ہوا کی وجہ سے اگر کسی کا نقصان ہو جائے، مثلاً درخت گر جائے تو ہوا کو لعنت نہ کی جائے کیونکہ ہوا تو مامور ہے، از خود وہ کچھ نہیں کر سکتی (۳)۔ سائل نے جو تضاد پیش کیا ہے، وہ عموماً ذاتی مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے، اگر ماخذ سامنے ہوں اور باقاعدہ ان کو سمجھ کر مستند اساتذہ سے پڑھا ہو تو ہر ایک کا محمل سمجھ میں آجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۶/۶/۹۴ھ۔

---

(۱) لم أجده بهذا اللفظ، و قد وجدته بالألفاظ الآتية: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خير أمتي قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم". قال عمران: "لا أدرى أذكر بعد قرنه مرتين أو ثلاثاً". "ثم إن بعدكم قوماً يشهدون و لا يستشهدون، و يخونون و لا يؤتمنون، و ينذرون، و لا يوفون، و يظهر فيهم السمن".

إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يجيء قوم تسبق شهادة أحدهم يمينه، و يمينه شهادته". (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: ۱/۵۱۵، قديمي)

و قال عليه السلام: "احفظوني في أصحابي، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يفشو الكذب، حتى يشهد الرجل، و ما يستشهد، يحلف، و ما يستحلف". (كنز العمال، رقم: ۳۲۴۵۵، ۱۱/۲۴۰، دار الكتب العلمية)

(۲) (التوبه: ۳۲)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً لعن الريح عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، فقال: "لاتلعنوا الريح، فإنها مأمورة، وأنه من لعن شيئًا ليس له بأهل، رجعت اللعنة عليه". رواه الترمذي، وقال هذا حديث غريب". (مشكوة المصابيح، باب في الرياح: ۱/۱۳۲، ۱۳۳، قديمي كتب خانه)

زمانہ کو برا کہنا

سوال[۲۲] : لوگوں کی زبان زد ہے کہ زمانہ ایسا آ گیا، ویسا آ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''زمانہ میں ہوں''(۱) گو کہنے والے زمانہ سے مراد وقت لیتے ہیں۔ اس معاملہ میں فرمائیے کہ کیا لفظ استعمال کریں اور ان کی نیت میں خرابی نہیں ہے، مذکورہ سوال میں وعید ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

زمانہ کو خود مؤثر بالذات اعتقاد کرنا غلط ہے، اگر وقت کو ظرف تصور کرتے ہوئے مثلاً اس طرح کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں خیر غالب تھی، رفتہ رفتہ بعد میں خیر کم ہوتی گئی اور شر بڑھتا گیا تو صحیح ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۹/۱۱/۹۵ھ۔

احکام اسلام کو اپنانا اعلیٰ درجہ کے مسلمانوں کا کام ہے

سوال[۲۳] : کچھ مسلمانوں کا یہ کہنا کہ نماز نہ پڑھنا، زکوۃ نہ دینا، روزہ نہ رکھنا، جھوٹ بولنا، سینما دیکھنا، رشوت لینے سے معمولی مسلمان کو کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ سب عمل تو اول درجہ کے مسلمانوں کے کرنے کے ہیں، ہمارے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ہم تو معمولی مسلمان ہیں، اللہ تعالیٰ تو غفور رحیم ہے۔ ہمیں تو پورا یقین ہے کہ ہمیں ضرور بخش دے گا اور ہم ضرور جنت میں جائیں گے، کیا یہ صحیح ہے؟ اور ایسا کہنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

---

(۱) ''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''قال الله: (يؤذيني ابن آدم يسب الدهر و أنا الدهر بيدي الأمر أقلب الليل والنهار)''. (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب: (و ما يهلكنا إلا الدهر): ۲/۷۱۵، قديمي)

(۲) ''كان أهل الجاهلية يقولون : إنما يهلكنا الليل والنهار، هو الذي يميتنا و يحيينا .... فيسبون الدهر .... (وأنا الدهر) معناه أنا صاحب الدهر و مدبر الأمور التي ينسبونها إلى الدهر .... وإنما الدهر زمان جعل ظرفاً لمواقع الأمور''. (فتح الباري، كتاب التفسير : ۸/۷۳۸، قديمي)

(وكذا في تفسير ابن كثير :۴/۱۵۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في تفسير روح المعاني [سورة الجاثية، رقم الآية :۲۵]، ۲۵/۱۵۳)

الجواب حامداًومصلياً:

حق تعالیٰ غفور رحیم بھی ہے(۱) اور قہار ومنتقم بھی ہے (۲) جنت بھی اسی نے بنائی ہے، دوزخ بھی اسی نے بنائی، احکام بھی اسی نے نازل کئے، اطاعت کرنے والوں کے لئے جنت تجویز کی، اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو ماننا اور کسی صفت کو نہ ماننا ایمان کی بات نہیں ہے، جن چیزوں کو منع فرمادیا ہے، ان سے باز رہنا لازم ہے، جس طرح یہ خیال کرتے ہیں کہ احکام تو اول درجہ کے مسلمانوں کے کرنے کے ہیں اور ہم تو معمولی مسلمان ہیں تو ان کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ جنت بھی اول درجہ کے مسلمانوں کے لئے ہو اور جو لوگ عمل نہ کریں ان کے لئے دوزخ ہو، اس لئے ایسی بات اور ایسے عقیدہ اور ایسے عمل سے پورا پرہیز لازم ہے، ورنہ آہستہ آہستہ ایمان واسلام سب ہی چیزیں ختم ہوجاتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

کراماً کاتبین کی تعداد

سوال[۲۴]: ماقولكم رحمكم الله تعالىٰ في أن كراماً كاتبين هل هو واحد لكل إنسان يكتب أعمالهم أم لكل إنسان واحد أو اثنان، هل تعدادهم معين؟ بينوا بالدلائل و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً :

"(قوله: و هل تتغير الحفظة؟ قولان:) فقيل: نعم لحديث الصحيحين: "(يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل و ملائكة بالنهار، ويجتمعون في صلوة الصبح و صلاة العصر، فيصعد الذين باتوا فيكم، فيسألهم الله وهو أعلم بهم: كيف تركتم عبادي؟ فيقولون: أتيناهم و هم يصلون و تركناهم و هم يصلون)" فنقل عياض وغيره عن الجمهور أنهم الحفظة: أي الكرام الكاتبون، و استظهر القرطبي انهم غيرهم۔

وقيل: لا يتغيران مادام حيًا، لحديث أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "(إن الله تبارك و تعالىٰ وكّل بعبده المؤمن ملكين يكتبان عمله، فإذا مات قالا: ربنا قد مات فلان فتاذن لنا فنصعد إلى السماء؟ فيقول الله عزوجل: " سمائي مملوئة من ملائكتي يسبحوني"،

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ألا إن الله هو الغفور الرحيم﴾. (الشورى: ۵، پ: ۲۵)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والله عزيز ذوانتقام﴾. (آل عمران: ۴، پ: ۳)

فيقولان : فأين نكون ؟ فيقول الله تعالىٰ :" قوما على قبر عبدى فكبراني و هللاني و اذكراني و اكتبا ذلك لعبدى إلى يوم القيامة"۔ و تمامه في الحلية اهـ"۔ رد المحتار ۱/ ۵۵۰(۱) ۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۰/۵۹ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا، الجواب صحیح :عبداللطیف مدرسہ ہذا۔

تجدید ایمان کا طریقہ

سوال[۲۵]: احقر کے عریضہ (منسلک ہذا کے سوال نمبر۳، ۵) کے جواب میں حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ کسی قول، یا فعل کی وجہ سے اگر آدمی اسلام سے خارج ہوجائے تو ایسے شخص کو تجدید ایمان کے ساتھ

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوة،مطلب هل تتغير الحفظة : ۱/۵۲۸، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:" يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل و ملائكة بالنهار، و يجتمعون في صلوة الفجر، و صلاة العصر، ثم يعرج الذين باتوا فيكم، فيسألهم ربهم و هو أعلم: بهم كيف تركتم عبادى؟ فيقولون: تركنا هم و هم يصلو ن، أتيناهم و هم يصلون". (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب فضل صلاة العصر : ۱/۷۹، قديمي)

(الصحيح لمسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب فضل صلاتي الصبح والعصر والمحافظة عليهما: ۱/۲۲۷، قديمي)

(ومسند أحمد، رقم الحديث: ۹۹۳۶، ۲/۴۸۶، دار إحياء التراث العربي)

(و كنز العمال، رقم :۱۸۹۴۷، ۷/۲۹۴، مكتبه التراث الإسلامي حلب)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:"إن الله تبارك وتعالىٰ وكّل بعبده المؤمن ملكين يكتبان عمله، فإذا مات قالا: ربنا قد مات فلان، فتأذن لنا فنصعد إلى السماء ؟ فيقول الله عز و جل : (سمائي مملوئة من ملائكتي يسبحوني). فيقولان : فأين نكون ؟ فيقول الله تعالىٰ :" (قوما على قبر عبدى فكبراني و هللاني و اذكراني و اكتبا ذلک لعبدی إلى يوم القيامة)".

(كنز العمال، رقم : ۴۲۹۶۷، ۱۵/۷۴۸. مكتبه التراث الإسلامي)

(وكذا في نصب الرايه، رقم الحديث: ۱۸۴۱، ۱/۴۳۴، مؤسسة الريان)

(والدراية، رقم الحديث : ۱۹۲، ۱/۱۲۰، دار نشر الكتب الإسلامية لاهور)

موجباتِ کفر سے برأت بھی ضروری ہے اس کی تشریح مطلوب ہے:

۱.....تجدید ایمان کا کیا مطلب ہے اور کیا طریقہ ہے؟

۲.....موجباتِ کفر سے کیا مراد ہے اور وہ کیا کیا ہیں؟

۳.....اگر زکوۃ ادا کر چکا ہے تو کیا دوبارہ ادا کرنا ہوگا جب کہ استطاعت ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

۱.....کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے، جس چیز سے انکار کی بناء پر ایمان سے خارج ہو گیا تھا اس کا اقرار کرے، اگر اسلام سے خارج ہو کر مثلاً عیسائیت کو اختیار کر لیا تھا تو اس سے بیزاری اور برأۃ کرے (۱)۔

۲.....وہ بہت ہیں، خدائے پاک کی ذات وصفات کا انکار، اس کی شان میں گستاخی، کسی رسول کا انکار اور اس کی شان میں گستاخی، خدائی کتاب کا انکار اس کی شان میں گستاخی، عقیدۂ آخرت اور ملائکہ کا انکار وغیرہ وغیرہ (۲) کتاب مالا بدمنہ میں بھی ایسی بہت سی چیزیں لکھی ہیں (۳)۔

---

(۱) "ثم اعلم أنه يؤخذ من مسألة العيسوى أن من كان كفره بإنكار أمر ضرورى كحرمة الخمر مثلاً أنه لا بد من تبرئه مما كان يعتقده، لأنه كان يقر بالشهادتين معه، فلا بد من تبرئه منه كما صرح به الشافعية، و هو ظاهر". (ردالمحتار، مبحث فى اشتراط التبرئ مع الإتيان بالشهادتين: ۲۲۸/۴، سعيد)

"وفى الفتاوى العالمكيرية: "وإسلامه أن يأتى بكلمة الشهادة و يتبرأ عن الأديان كلها سوى الإسلام". (كتاب السير، الباب التاسع فى أحكام المرتدين: ۲۵۳/۲، رشيديه)

(و كذا فى البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۱۶/۵، رشيديه)

قال الله تعالىٰ: ﴿يآ أيها الذين آمنوا آمنوا بالله ورسوله والكتاب الذى نزّل على رسوله، والكتاب الذى أنزل من قبل، و من يكفر بالله و ملائكته و كتبه و رسله و اليوم الآخر، فقد ضل ضلالاً بعيداً﴾ (النساء: ۱۳۶)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الذين يكفرون بالله و رسله و يريدون أن يفرّقوا بين الله و رسله، و يقولون نؤمن ببعض و نكفر ببعض و يريدون أن يتخذوا بين ذلك سبيلاً أولئك هم الكفرون حقاً﴾ (النساء: ۱۵۰، ۱۵۱) =

۳......تجدید ایمان کے بعد سالہائے گذشتہ کی زکوۃ دوبارہ دینا لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۵/ ۸۷ھ۔

تجدید ایمان کا طریقہ

سوال[۲۶]: میں ۳۶ سالہ غیر شادی شدہ مسلم ہوں، بار بار یہ خیال آتا ہے کہ تجدید ایمان کرلیا جائے تو بہتر ہے، کیونکہ ایمان بہت ہی بڑی دولت ہے، پہلے مجھے دین سے اتنا لگاؤ نہیں تھا اور ہمارے گھر میں پہلے

= "إذا أنكر الرجل آيةً من القرآن، أو تسخر بآية من القرآن، و في الخزانة: أو عاب، كفر". (الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع في أحكام المرتدين مطلب موجبات الكفر ..... و منها ما يتعلق بالقرآن، ۲/ ۲۶۶، رشيديه)

(و كذا في شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، فصل في القراءة والصلوة، ص: ۱۶۷، قديمي)

"من أنكر القيامة، أو الجنة، أو النار، أو الميزان، أو الصراط، أو الصحائف المكتوبة فيها أعمال العباد، يكفر، و لو أنكر البعث فكذالك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بيوم القيامة: ۲/ ۲۷۴، رشيديه)

(۳)(مالابد منه، ترجمه باب كلمات الكفر، از فتاوىٰ برهاني، ص: ۱۲۳، مكتبه شركت علميه)

(۱)"(قوله: وإسلام) فلا زكاة على كافر لعدم خطابه بالفروع سواء كان أصلياً أو مرتداً. فلو أسلم المرتد لا يخاطب بشيء من العبادات أيام ردته، ثم كما شرط للوجوب شرط لبقاء الزكاة عندنا، حتى لو ارتد بعد وجوبها سقط كما في الموت". (رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/ ۲۵۹، سعيد)

"ثم الإسلام كما هو شرط الوجوب شرط لبقاء الزكاة عندنا، حتى لو ارتد بعد وجوبها سقطت كما في الموت، فلو بقي على ارتداده سنين، فبعد إسلامه لا يجب عليه شيء لتلك السنين كذا في معراج الدراية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱/ ۱۷۱، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/ ۳۵۴، رشيديه)

سے بدعتی رسمیں چل رہی ہیں، شافعی مسلک کے مطابق تجدید ایمان کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

حدیث پاک میں تجدید ایمان کی تاکید آئی ہے، ہر شخص کو اس پر عمل کرنا چاہئے "لا إلـــه إلا اللّٰہ" کثرت سے پڑھنا چاہئے، اس سے ایمان تازہ ہوتا ہے(۱)"آمنت باللّٰہ وملائکته وکتبه ورسله والیوم الآخر والقدر خیره وشره من اللّٰہ تعالی والبعث بعد الموت" کا قلب میں استحضار اور زبان سے اقرار بھی تجدید ایمان کے لئے مفید ہے۔ پانچ وقت مسجد میں جاکر خدائے پاک کی عظمت کے تصور کے ساتھ نماز کا ادا کرنا بھی مقوی ایمان ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۴ھ۔

نجات کس ایمان پر ہے؟

سوال[۲۷]: دنیاوی زندگی میں کتنے درجہ کا ایمان فرض عین یا واجب ہے؟ یا آخرت میں عمومی طور پر اللہ تعالی کتنے درجہ ایمان کا مطالبہ فرمائیں گے؟ اس کی شرعی حدود کیا ہیں؟ ایمان کا قیام علی الفرائض کے درجہ تک کا نہ ہونا یقینی ہو، اور صاحب حیثیت بھی نہ ہوں تو کیا کروں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

وہ بخشنے پر آئے تو ذرہ برابر ایمان پر بھی بخش دے، بلکہ ایسے ایمان پر بھی بخش دے جس کا کوئی اثر کسی پر ظاہر نہ ہو(۲)، گرفت کرنے پر آئے تو بڑے پختہ ایمان والوں کی گرفت کرلے(۳) کوشش اس کی لازم ہے

---

(۱) "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم :" جدّدوا إیمانکم". قیل: یا رسول اللہ! وکیف نجدد إیماننا؟ قال:"أکثروا من قول لا إله إلا اللہ."(مسند أحمد: ۲/۳۵۹، رقم الحدیث: ۸۶۹۳)

قوله علیه الصلاة والسلام: "جددوا إیمانکم، أکثروا من قول لا إله إلا اللہ."(کنز العمال: ۱/۲۱۴، مکتبة التراث الإسلامي)

(۲) "عن أنس رضي اللہ عنه عن النبي صلی اللہ علیه وسلم قال: "یخرج من النار من قال: لا إله إلا اللہ، وفي قلبه وزن شعیر من خیر، ویخرج من النار من قال: لا إله إلا اللہ، وفي قلبه وزن برة من خیر، ویخرج من النار من قال: لا إله إلا اللہ، وفي قلبه وزن ذرة من خیر."(صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب زیادة الإیمان ونقصانه: ۱/۱۱، قدیمی)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادک، وإن تغفر لهم فإنک أنت العزیز الحکیم﴾.(المائدة:۱۱۸)=

کہ ایمان زیادہ سے زیادہ قوی ہوجائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۹۵ھ۔

کیا محض ایمان پر جنت کی بشارت ہے؟

سوال[۲۸]: آیت: ﴿إن الذین آمنوا وعملوا الصلحت كانت لهم﴾(۱) میں ایک عالم نے اکثر مفسرین کا یہ مذہب بتلایا ہے کہ محض ایمان دار بغیر اعمال صالحہ نماز، روزہ وغیرہ کے بھی اس بشارت کے مستحق ہیں، کیونکہ شی نہیں عطف کی جاتی ہے اپنے نفس پر، یہ کیونکر ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر کوئی شخص ایمان لاتے ہی مرجاوے اور اعمال صالحہ کی اس کو نوبت نہ آئی ہو تو وہ بھی قانونِ خداوندی میں مذہب حق کی بناء پر اس بشارت میں داخل ہے(۲) اور جس کو ایمان لانے کے بعد وقت ملا، لیکن اس نے اعمال صالحہ نہیں کئے، بلکہ معاصی میں مبتلا رہا، اس کے لئے قانوناً دخول اوّلی نہیں، البتہ سزا کے بعد مستحق جنت ہوگا(۳) ان عالم کے استدلال کا حاصل (یہ) ہوا کہ ایمان اور اعمال صالحہ جدا جدا ہیں، لہٰذا دونوں کے مجموعہ پر

= "والله تعالى متفضل على عباده، عادل، قد يعطي من الثواب أضعاف ما يستوجبه العبد تفضلاً منه، وقد يعاقب على الذنب عدلاً منه، وقد يعفو فضلاً منه". (الفقه الأكبر، ص: ۹۳، ۹۴، قديمي)

(۱) (الكهف: ۱۰۷)

(۲) "عن أبي إسحاق قال: سمعت البراء رضي الله عنه يقول: أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رجل مقنع بالحديد، فقال: يا رسول الله! أقاتل أو أسلم؟ قال: "أسلم ثم قاتل" فأسلم ثم قاتل فقُتِل، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عمل قليلاً وأجر كثيراً." (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب عمل صالح قبل القتال: ۱/۳۹۴، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه كان يقول: "أخبروني عن رجل دخل الجنة لم يصل صلاةً"؟ ثم يقول: "هو عمرو بن ثابت". (فتح الباري، كتاب الجهاد والسير، باب عمل صالح قبل القتال: ۶/۳۱، قديمي)

(۳) "وأهل الكبائر من المؤمنين لا يخلدون في النار وإن ماتوا من غير توبة، لقوله تعالى: ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾ ونفس الإيمان عمل خير لا يمكن أن يرى جزاءه قبل دخول النار، ثم يدخل النار؛ لأنه باطل بالإجماع، فتعين الخروج من النار." (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۱۷، قديمي) =

بشارت ہوگی، نہ صرف ایمان پر تو پھر محض ایمان دار ہونے پر استحقاق بشارت کے لئے یہ دلیل پیش کرنا غلط ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، عبد الرحمٰن، ۱۸/۱/۵۲ھ۔

اخیر وقت کا اسلام

سوال[۲۹]: مسلمان کے علاوہ جتنے انسان ہیں، ان کے مرنے کے وقت فرشتے اس کے سامنے توحید و ایمان کی باتیں سناتے ہیں، اگر وہ مان لے تو ایمان دار ہو کر مرتا ہے اور اگر نہیں مانتا ہے تو کافر، یہ بات حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً

میں نے یہ بات حدیث کی کسی کتاب میں نہیں دیکھی، بلکہ اس کے خلاف دوسری چیز ثابت ہے، وہ یہ کہ مرتے وقت کا جب کہ برزخ کے احوال منکشف ہونے لگیں تو ایمان مقبول نہیں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۳۰/۵/۸۷ھ۔

= "ولا نقول: إن المؤمن لا تضره الذنوب وإنه لا يدخل النار، ولا إنه يخلد فيها، وإن كان فاسقاً بعد أن يخرج من الدنيا مؤمناً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۷۶، ۷۷، قديمى)

"مع الاتفاق على أن مرتكب الكبيرة لا يخرج من الإيمان، بل هو في مشيئة الله، إن شاء عذبه، وإن شاء عفا عنه." (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۳۳۳، قديمى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فلما رأو بأسنا قالوا: آمنا بالله وحده، و كفرنا بما كنا به مشركين، فلم يك ينفعهم إيمانهم لما رأو بأسنا﴾. (غافر: ۸۴، ۸۵)

"عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۶۱۲۵، ۲/۲۰۱، دار إحياء التراث العربى)

(تفسير ابن كثير، (سورة غافر، آية: ۸۴، ۸۵): ۴/۸۱، دار القلم)

و قال العلامة الألوسى رحمه الله تعالىٰ: "(فلم يك ينفعهم إيمانهم لما رأوا بأسنا)": أي عند =

خاتمہ بالخیر

سوال[۳۰] : مرنے کے پہلے کسی نے گناہوں سے توبہ کرلی اور کلمہ پڑھ لیا، اس کے بعد سے کوئی گناہ کا کام نہیں ہوا، بعد اس کے مرگیا تو خاتمہ بالخیر ہوا یا نہیں؟ وہی کلمہ وغیرہ پڑھنا اخیر کا پڑھنا سمجھا جائے گا یا پھر کلمہ پڑھنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

یہ بھی انشاءاللہ خاتمہ بالخیر ہے، اگر اس کلمہ کے بعد کوئی بات کرلی ہو تو پھر کلمہ پڑھ لے۔ غرض دنیا سے رخصت ہوتے وقت آخری بات کلمہ ہو تو بڑی فضیلت وسعادت کی چیز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

= رؤية عذابنا، لأن الحكمة الإلٰهية قضت أن لايقبل مثل ذلک الإيمان". (روح المعانی، (غافر: ۸۴، ۸۵) : ۹۲/۲۴، دار إحيا التراث العربی)

(و كذا فی رد المحتار، باب المرتد، مطلب: أجمعوا على كفر فرعون اهـ: ۲۳۱/۴، سعيد)

(۱) "عن معاذ بن جبل رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة". رواه ابو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند من حضره الموت: ۱۴۱/۱، قديمی)

(وسنن أبی داؤد، كتاب الجنائز، باب فی التلقين: ۸۸/۲، مكتبه إمداديه ملتان)

ما یتعلق بالقدر

(تقدیر کا بیان)

مسئلہ تقدیر

سوال[۲۱]: بعض لوگوں نے یوں سوال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو تقدیریں مقرر کی ہے، اس کے مطابق (انسان) دنیا میں آنے کے بعد عمل کرے گا، یعنی چاہے نیک ہو یا بد، اسی کے حکم کے ماتحت ہوگا، کیونکہ خداوند قدوس نے قرآن شریف میں فرمادیا کہ میرے حکم کے بغیر پتہ بھی ہل نہیں سکتا، لہذا انسان دنیا میں آنے کے بعد جو گناہ کررہا ہے، اس کو آخرت میں کیوں سزا دے گا؟ کسی عالم کا دماغ کتنا ہی عقلمند کیوں نہ ہو، وہ اللہ کی لکھی ہوئی تقدیر سے کم، بیش نہیں کرسکتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسئلہ تقدیر میں بحث کرنے کی اجازت نہیں (۱) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک دفعہ کسی گفتگو میں

---

(۱) "والقدر سرّ من أسرار الله تعالیٰ، لم يطلع عليه ملكاً مقرباً و لا نبياً مرسلاً، و لا يجوز الخوض فيه، والبحث عنه بطريق العقل". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۲۵۶/۱، رشيديه)

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "من تكلم في شيء من القدر سئل عنه يوم القيامة، و من لم يتكلم لم يسأل عنه". رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، ۲۳/۱، قديمي)

"و أصل القدر سرّ الله في خلقه لم يُطلع على ذلك ملك مقرب و لا نبي مرسل، والتعمق والنظر في ذلك، ذريعة الخذلان وسُلّم الحرمان، و درجة الطغيان، فالحذر كل الحذر من ذلك، نظراً و فكراً و وسوسةً، فإن الله تعالیٰ طوى علم القدر عن أنامه، و نهاهم عن مرامه كما قال في كتابه: ﴿لا يُسئل عما يفعل و هم يُسئلون﴾. (الأنبياء:۲۳) فمن سأل: لم فعل؟ فقد رد حكم كتاب الله، و من رد حكم كتاب الله تعالیٰ كان من الكافرين ...... و قال علي رضي الله تعالیٰ عنه: "القدر سر الله، فلا تكشفه". (العقيدة الطحاوية، ص: ۱۸۰، قديمي)

مشغول تھے، حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، فرمایا کہ: ’’کیا گفتگو کر رہے تھے؟‘‘ عرض کیا کہ تقدیر کے مسئلہ میں بات تھی، چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ: ’’کیا اس کے لئے تم پیدا کئے گئے ہو یا میں اس کے لئے بھیجا گیا ہوں؟ ہلاک ہوگئے وہ لوگ، جنہوں نے اس میں گفتگو کی‘‘ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

تقدیر مبرم اور معلق

سوال [۳۲]: تقدیر کا فیصلہ اٹل ہے، قلم لکھ چکے، صحیفے سوکھ چکے، قلم اٹھ گیا، اب معترض اعتراض کرتا ہے کہ جب فیصلہ ہو چکا تو پھر بندہ پر سزا و جزا کیوں؟ مثلاً کسی نے خودکشی کی تو اس پر سزا کیوں؟ اور تقدیر کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تقدیر کا فیصلہ اٹل ہے، سزاء جزا کو بھی تقدیر ہی کا فیصلہ مان لیا جائے تو کیا اشکال ہے؟ تقدیر حقیقۃً ایک ہی قسم کی ہے جو کہ اٹل ہے، جس کو عربی میں مبرم کہتے ہیں۔ اور دوسری جو قسم بعض عبارات میں ملتی ہے، وہ بندوں کے اعتبار سے ہے، جس کو معلق کہتے ہیں، نہ کہ علم الٰہی کے اعتبار سے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرج علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و نحن نتنازع في القدر، فغضب حتى احمرّ وجهه، حتى كأنما فقيء في وجنتيه حب الرمان، فقال: "أبهذا أمرتم؟ أم بهذا أرسلت إليكم؟ إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا في هذا الأمر. عزمت عليكم، عزمت عليكم أن لا تنازعوا فيه". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۲، قديمي)

(جامع الترمذي، أبواب القدر: ۲/۳۴، سعيد كراچى)

(۲) " إذ المعلق والمبرم كل منهما مثبت في اللوح غير قابل للمحو، نعم المعلق مبرم بالنسبة إلى علمه تعالىٰ، فتعبيره بالمحو إنما هو من الترديد الواقع في اللوح إلى تحقيق الأمر المبرم المبهم الذي معلوم=

تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب

سوال[۳۳]: تقدیر پر ایمان لانے کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ آیا یہ کہ جملہ امور پیدائش سے پہلے ہی لکھے جا چکے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے؟ اگر ایسا ہے تو مشکوۃ شریف کی حدیث ص: ۹۵ کا کیا مطلب ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''میری امت کے دو فرقے ایسے ہیں کہ ان کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے، ایک ان میں سے مرجیہ ہے جو کہتا ہے کہ سب کچھ خدا کی تقدیر سے ہے اور بندہ مثل پتھر کے ہے، اور دوسرا قدریہ ہے جو تقدیر کا منکر ہے'' (۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تقدیر پر ایمان لانے کا مفہوم یہی ہے کہ خدائے پاک نے اس عالم کو پیدا فرمانے سے پہلے ہی تجویز فرمادیا

= في أم الكتاب، أو محو أحد الشقين الذى ليس في علمه تعالىٰ فتأمل ".(مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۵۷، رشيديه)

" وأن الذى سبق فى علم الله لا يتغير و لا يتبدل، وأن الذى يجوز عليه التغيير والتبديل ما يبدو للناس من عمل العامل، ولا يبعد أن يتعلق ذلك بما في علم الحفظة والموكلين بالآدمى، فيقع فيه المحو والإثبات كالزيادة فى العمر والنقص، و أما ما في علم الله، فلا محو فيه و لا إثبات، والعلم عند الله". (فتح البارى: كتاب القدر: ۱۱/۵۹۷، قديمى)

"و أنت تعلم أن المحو والإثبات إذا كانا بالنسبة إلى ما فى أيدى الملائكة و نحوه، فلا فرق بين السعادة والشقاوة والرزق والأجل و بين غيرها فى أن كلاً يقبل المحو والإثبات، و إن كانا بالنسبة إلى ما في العلم، فلا فرق أيضاً بين تلك الأمور و بين غيرها في أن كلاً لا يقبل ذلك، لأنه العلم إنما تعلق بها على ما هى عليه فى نفس الأمر، و إلا لكان جهلاً ،و ما فى نفس الأمر مما لا يتصور فيه التغير والتبدل".

(روح المعاني. [الرعد: ۳۹] ۱۳/۲۴۵، دار الفكر)

(۱) "عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"صنفان من أمتى ليس لهما فى الإسلام نصيب: المرجئة والقدرية" رواه الترمذى، و قال: هذا حديث غريب حسن صحيح". (مشكوة المصابيح، باب الإيمان بالقدر : ۱/۲۲، قديمى كتب خانه)

(وجامع الترمذى، أبواب القدر، باب ما جاء فى القدرية : ۲/۳۷، ايچ ايم سعيد)

تھا کہ فلاں شخص فلاں کام کرے گا اور فلاں چیز اس طرح ہوگی (۱)، لیکن اس کے باوجود حق تعالیٰ نے انسان کو مکلف بنایا، اس کے لئے قانون نازل فرمایا، اگر انسان دیدہ ودانستہ اس قانون پر عمل نہ کرے اور تقدیر کا سہارا لے کر اپنے کو مجبور محض پتھر کی طرح تصور کرے، درآنحالیکہ دنیا کے کاموں میں رات دن جدوجہد کرتا ہے اور خدا کی دی ہوئی ساری قوتوں کو صرف کرتا ہے وہ تقدیر پر صابر رہ کر عملی جدوجہد سے کنارہ کشی کرتا ہے تو ایسا شخص یقیناً گمراہ ہے، سعی و عمل کا صریح حکم موجود ہے، پتھر کو سعی وعمل کا حکم نہیں دیا جاتا، نہ وہ پتھر کی طرح ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "والمراد أن الله تعالىٰ علم مقادير الأشياء وأزمانها قبل إيجادها، ثم أوجد ما سبق في علمه أنه يوجد، فكل محدث صادر عن علمه و قدرته و إرادته، هذا هو المعلوم من الدين بالبراهين القطعية، وعليه كان السلف من الصحابة وخيار التابعين". (فتح الباري، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۱۵۸، قديمي)

"واعلم أن مذهب أهل الحق إثبات القدر، ومعناه أن الله تبارك و تعالىٰ قدر الأشياء في القدم، و علم سبحانه أنها ستقع في أوقات معلومة عنده سبحانه و تعالىٰ و على صفات مخصوصة، فهي تقع على حسب ماقدّرها سبحانه و تعالىٰ". (شرح المسلم للنووي، كتاب الإيمان: ۱/۲۷، قديمي)

(و كذا في شرح السنة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۱۴۰، ۱۴۱، دار الكتب العلمية)

(۲) "وعلى العبد أن يؤمن بالقدر و ليس له أن يحتج به على الله، فالإيمان به هدى، والاحتجاج به على الله ضلال و غيّ". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية، كتاب القدر: ۸/۱۴۴، مكتبة العبيكان رياض)

"وإذا عرفت ذلك فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كما زعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً، لا كسباً ولاخلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۰۲، دار النفائس، بيروت)

(وكذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني: ص: ۸۲، قديمي)

قال رحمه الله: "فالعبد له كسب وكسبه مخلوق يخلقه الله حالة ما يكسب". (شرح السنة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۱۴۱، دار الكتب العلمية)

"و توسط أهل السنة فمنهم من قال: أصل الفعل خلقه الله و للعبد قدرة غير مؤثرة في المقدور، وأثبت بعضهم أن لها تأثيراً، لكنه يسمى كسباً". (فتح الباري، كتاب القدر: ۱۴/۵۹۹، دار الكتب العلمية)

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین ۹۲/۶/۱۹ھ۔

مشیت ایزدی تقدیر ہے

سوال[۳۴]: ﴿و ما تشاؤن إلا أن يشاء الله﴾ (۱) کا کیا مطلب ہے؟ اور پھر یہ بھی ارشاد ہے: ﴿فمن شاء فليؤمن، ومن شاء فليكفر، إنا أعتدنا للظالمين ناراً﴾ (۲) الآیۃ، پھر جزاء وسزا کیوں مرتب ہوتی ہے؟ جب کہ سب کچھ مشیت ایزدی ہی سے ہوتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ مسئلہ تقدیر ہے، اس پر ایمان لانا فرض ہے (۳) بحث و تفتیش کی اجازت نہیں کہ: دامن تر مکن

---

(۱) (الدهر : ۲۹)

(۲) (الكهف : ۲۹)

(۳) وفي حديث جبريل : "قال : فأخبرني عن الإيمان، قال: "أن تؤمن بالله و ملائكته و كتبه و رسله واليوم الآخر و تؤمن بالقدر خيره وشره". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۱ قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ۱/۲۷، قديمي كتب خانه)

"عن علي رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم : "لا يؤمن عبد حتى يؤمن بأربع : يشهد ان لا إله إلا الله، وأني رسول الله بعثني بالحق، و يؤمن بالموت، والبعث بعد الموت، و يؤمن بالقدر". رواه الترمذي وابن ماجه". (مشكوة المصابيح كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۱/۲۲، قديمي)

(وسنن الترمذي، أبواب القدر، باب ما جاء أن الإيمان بالقدر خيره و شره: ۲/۳۶، سعيد)

"قال الشيخ رحمه الله تعالیٰ : الإيمان بالقدر فرض لازم، و هوأن يعتقد أن الله تعالیٰ خالق أعمال العباد، خيرها و شرها، كتبها عليهم في اللوح المحفوظ قبل أن خلقهم، قال الله سبحانه و تعالیٰ: ﴿ والله خلقكم و ما تعملون ﴾ و قال الله عزوجل :﴿ قل الله خالق كل شيء﴾ و قال عزوجل : ﴿إنا كل شيء خلقناه بقدر﴾. (شرح السنة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۱/۱۴۰، ۱۴۱، دار الكتب العلمية)

"أن يؤمن بالقدر، يعني بأن جميع ما يجري في العالم بقضاء الله و قدره". (تحفة الأحوذي، كتاب القدر، باب ما جاء أن الإيمان بالقدر خيره و شره : ۶/۳۵۷، دا رإحياء التراث العربي)

ہشیار باش (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

کیا تقدیر پر ایمان لانے سے جبر لازم نہیں آتا؟

سوال[۳۵]: "لا یرد القضاء إلا الدعاء" (۲) اس حدیث شریف کا مطلب وتشریح تفصیل سے بیان فرمائیں، احقر اپنے ناقص خیال میں اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ تقدیر کو دعا کے سوا کوئی چیز رد نہیں کر سکتی تو کیا تقدیر میں جو لکھا ہوا ہے اس کے خلاف ہوسکتا ہے، ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ میری تقدیر میں اگر یوں لکھا ہوا ہو کہ میں فلاں شخص کو قتل کروں گا تو میں قتل پر مجبور ہوں، کیونکہ میری تقدیر میں یوں ہی لکھا ہوا ہے تو اس صورت میں میں گناہ گار کیوں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اہل تحقیق کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قضاء بدلتی نہیں، اگر بدلتی تو دعاء سے بدل جاتی، یعنی قضاء

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرج علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و نحن نتنازع في القدر، فغضب حتى احمر وجهه، حتى كأنما فقئ في وجنتيه حبّ الرمان، فقال: " أبهذا أمرتم أم بهذا أرسلت إليكم؟ إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا في هذا الأمر، عزمت عليكم، عزمت عليكم ألا تتنازعوا فيه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۲، قديمی)

قال الله تعالىٰ: ﴿و إذا رأيت الذين يخوضون في آياتنا، فأعرض عنهم حتى يخوضوا في حديث غيره﴾. (الانعام: ۶۸)

"والقدر سرّ من أسرار الله لم يطلع عليه ملكاً مقرباً و لا نبياً مرسلاً، لا يجوز الخوض فيه، والبحث عنه بطريق العقل". (شرح السنة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۱۴۱، دار الكتب العلمية)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات: ۱/۱۹۴، قديمی)

(وجامع الترمذی، أبواب القدر، باب ما جاء لا يرد القدر إلا الدعاء: ۲/۳۵، سعيد)

کی پختگی کو بتاتا ہے، نیز دعاء کی اہمیت کو ذہن نشین کراتا ہے، شروح حدیث اور مشکوۃ کی شرح مرقات وغیرہ میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :" (لا يرد القضاء إلا الدعاء) القضاء : هو الأمر المقدر، و تأويل الحديث أنه أراد بالقضاء ما يخافه العبد من نزول المكروه به و يتوقاه، فإذا وفق للدعاء دفعه الله عنه، فتسميته قضاءً مجاز على حسب ما يعتقده المتوقى عنه، يوضحه قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى الرقى: "هو من قدر الله"، و قد أمر بالتداوى والدعاء مع أن المقدور كائن لخفائه على الناس و جوداً و عدماً .... وقيل : معناه أنه إذا بر لا يضيع عمره فكأنه زاد، وقيل : قدر أعمال البر سبباً لطول العمر، كما قدر الدعاء سبباً لرد البلاء، فالدعاء للوالدين و بقية الأرحام يزيد فى العمر، إما بمعنى أنه يبارك له فى عمره فييسّر له فى الزمن القليل من الأعمال الصالحة ما لا يتيسر لغيره من العمل الكثير، فالزيادة مجازية، لأنه يستحيل فى الآجال الزيادة الحقيقية". (مرقاة المفاتيح كتاب الدعوات: ۱۴/۵، رشيديه)

"فيقال : الدعاء المأمور به لايجب كوناً، بل إذا أمر الله العباد بالدعاء، فمنهم من يطيعه فيستجاب له دعاؤه و ينال طلبته، و يدل ذلك على أن المعلوم المقدور هوالدعاء والإجابة، و منهم من يعصيه فلايدعو فلا يحصل ما علق بالدعاء، فيدل ذلك على أنه ليس فى المعلوم المقدور الدعاء ولا الإجابة، فالدعاء الكائن هو الذى تقدم العلم بأنه كائن، والدعاء الذى لا يكون هوالذى تقدم العلم بأنه لا يكون". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية، كتاب القدر: ۱۱۹/۸، مكتبه العُبَيكان رياض)

قال الله تعالىٰ: ﴿يمحو الله ما يشآء و يثبت و عنده أم الكتاب﴾ يعنى مما كان فى اللوح، فما كان مكتوباً قابلاً للمحو يسمى بالقضاء المعلق، يمحوه الله تعالىٰ بإيجاد ما علق محوه به، سواء كان ذلك التعليق مكتوباً فى اللوح أو مضمراً فى علم الله تعالىٰ، و ما ليس قابلاً للمحو يسمى بالقضاء المبرم، و ذلك القضاء لايرد". (التفسير المظهرى : ۲۴۵/۵، حافظ كتب خانه كوئٹه)

"فالجواب أن الجميع مفروغ منه لكن الدعاء بالنجاة من عذاب النار، و من عذاب القبر، و نحوهما عبادة، و قد أمر الشرع بالعبادات، فقيل: أفلا نتكل على كتابنا و ما سبق لنا من القدر؟ فقال: "اعملوا فكل ميسر لما خلق له". و أما الدعاء بطول الأجل فليس عبادة وكما لا يحسن ترك الصلاة والصوم و الذكر اتكالاً على القدر، فكذا الدعاء بالنجاة من النار و نحوه". (شرح مسلم للنووى، كتاب القدر، باب بيان أن الآجال والأرزاق وغيرها لا تزيد و لا تنقص عما سبق به القدر : ۳۳۸/۲،قديمى)

تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، مگر کسی کو نہیں معلوم کہ کیا لکھا ہوا ہے، اس لئے خواہش طبعی کے موافق گناہوں پر قصداً اقدام کرنا اور یہ کہنا کہ تقدیر میں لکھا ہوا ہے، اس لئے میں ضرور کروں گا اور میں مجبور ہوں، یہ طریقہ غلط، ناجائز اور گمراہی ہے، یہ اہل سنت والجماعت کا مسلک نہیں، بلکہ جبریہ کا مذہب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۹۲ھ۔

تقدیر کے مسئلہ پر اشکال

سوال [۳۶]: قابل غور بات یہ ہے کہ تقدیر کا مسئلہ جو پروردگار نے روز اول میں لکھ دیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا، چاہے کچھ بھی ہو تو پھر انسان کی اس میں کیا خطا ہے کہ کسی آدمی کی زندگی عبادت میں گزری، آخری وقت خاتمہ خراب ہوا تو اس کے لئے دوزخ اتنی زندگی بھر کی عبادت غارت ہوگئی، زندگی میں کبھی نہ کبھی رمضان کا مہینہ ضرور آیا ہوگا اور اس میں چوبیس گھنٹہ میں کوئی نہ کوئی دعاء ضرور بندے کی قبول ہوتی ہے، کبھی کبھی وقتاً فوقتاً علماء نے دعاء ضرور مانگی تو پھر اللہ نے کیوں پورا نہیں کیا؟ تو معلوم ہوا کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ بندہ کے دشمن ہیں، ایک زندگی بھر کی فاسق وفاجر عورت ایک کتے کے پانی پلا دینے سے جنت میں گئی، زندگی بھر کی کسی خطاء سے سزا کی مستحق نہیں ہوئی، ایک صاحب نے بتایا کہ انسان کو صرف ارادہ کرنے کا گناہ ملے گا، عمل کا گناہ نہیں، اس کا عذاب ہوگا۔ تو میں کہتا ہوں کہ ارادہ بھی خداوند قدوس کے ہاتھ میں ہے، غلط ارادہ نہ کریں اور نہ روکیں تو پھر

---

(۱) "و إذا عرفت ذلک فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كمازعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً، لا كسباً و لا خلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، ص: ۴۲، قديمى)

"و للعباد أفعال اختيارية يثابون بها إن كانت طاعةً و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كمازعمت الجبرية أنه لا فعل للعبد أصلا". (شرح العقائد النسفية للتفتازانى، ص: ۸۲، قديمى)

"فالعباد منساقون إلى أن يفعلوا ما يصدر عنهم باختيارهم لا بالإكراه والجبرو ليسوا مجبورين في اختيارهم الأزلي". (روح المعانى، [البقرة: ۷]، ۱/ ۱۳۳، دار إحياء التراث العربى)

عذاب کا مستحق نہ رکھیں۔

عقائد اسلام قاسمی میں پڑھا ہے، انسان نہ محدود ہے نہ بالکل آزاد ہے، کہ چاہے جو کرے تو میں کہتا ہوں کہ محدود نہیں رکھا تو جہاں غلط ارادہ کرے، وہ محدود کردے، جب اچھا ارادہ کرے تو چھوڑ دے، عذاب کا مستحق نہ رکھے تو شاید آپ کہیں کہ دوزخ بنانے کی ضرورت ہی نہیں تو میں کہوں گا بالکل ضرورت نہیں۔

الجواب حامداً مصلیاً :

یہ مسئلہ آپ کی سمجھ سے اونچا ہے، جیسے کوئی میزان پڑھنے والا کہے کہ مجھے مسئلہ الکحل کیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

کیا تقدیر میں تبدیلی ممکن ہے؟

سوال[۴۷] : تقدیر کسے کہتے ہیں؟ کیا تقدیر میں تبدیلی ممکن ہے؟

الف...... اثبات کی شکل میں ان احادیث وآیات سے تعارض ہوتا ہے، جن میں تقدیر کا نہ بدلنا وارد ہے جیسے ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ کچھ صحابہ نے اپنی جنسی چیزوں کو ختم کرانے کے ارادے کئے، اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو چیز مقدر ہو چکی ہے، وہ ہر حالت میں ملے گی'' (۱) اسی طرح قرآن کا اعلان ﴿ ما یُبدّل القول لدیّ ﴾ (۲)۔

ب:...... نفی کی شکل میں ان احادیث سے تعارض ہوتا ہے، جن میں وارد ہے کہ تقدیر بدل سکتی ہے،

---

(۱) ''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قلت: يا رسول الله! إني رجل شاب و أنا أخاف على نفسي العنت، و لا أجد ما أتزوج به النسآء، فسكت عني، ثم قلت: مثل ذلك فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''يا أبا هريرة! جفّ القلم بما أنت لاق، فاختصر على ذلك أو ذر''. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ما يكره من التبتل والخصاء: ۲/۷۵۹، ۷۶۰، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۰، قديمي)

(۲) (سورة ق: ۲۹)

جیسے:''لا يرد القضاء إلا بالدعا ''(۱)وغیرہ۔

ج:......کیا اولیاء اللہ اس کے مجاز ہیں کہ تقدیر میں کسی قسم کی تبدیلی کردیں، مثلاً موت کے وقت کو بدل دیں یا تقدیم وتاخیر کردیں یا مرنے کے بعد زندہ کردیں حالانکہ قرآن اعلان کرتا ہے: ﴿لا يستأخرون ساعة و لا يستقدمون﴾(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

علم الٰہی میں ہر شیء کے لئے ایک نقشہ ہے کہ اس کا اس طرح ظہور ہوگا، اس کو تقدیر کہتے ہیں، اس نقشہ میں تبدیلی نہیں ہوتی، مگر کوئی چیز مطلق ہوتی ہے، جس کا اظہار پہلے سے کارکنان قضاء وقدر پر بھی بسا اوقات نہیں ہوتا اور قلوب قدسیہ پر بھی انکشاف نہیں ہوتا اور وہ عدم ظہور تعلیق کی وجہ سے اس کو مبدل سمجھ جاتے ہیں (۳)۔ تعلیق کبھی دعا کی ہوتی ہے کبھی کسی اور چیز کی، امید ہے اس گذارش سے (الف، ب، ج) کا جواب

---

(۱) (جامع الترمذی، أبواب القدر، باب ما جاء لا يرد القدر إلا الدعاء: ۳۵/۲، سعید)

(مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات: ۱۹۴/۱، قديمی)

(۲) (الأعراف: ۳۴)

(۳) ''واعلم أن مذهب أهل الحق إثبات القدر، ومعناه: أن الله تبارك و تعالىٰ قدر الأشياء في القدم وعلم سبحانه أنها ستقع في أوقات معلومة عنده سبحانه و تعالىٰ وعلى صفات مخصوصة، فهي تقع على حسب ما قدرها سبحانه و تعالىٰ''. (شرح مسلم للنووی، كتاب الإيمان: ۲۷/۱، قديمی)

''قال في شرح السنة: الإيمان بالقدر فرض لازم، و هو أن يعتقد أن الله تعالىٰ خالق أعمال العباد خيرها و شرها، وكتبها في اللوح المحفوظ قبل أن خلقهم، و الكل بقضائه و قدره و إرادته ومشيئته غير أنه يرضى الإيمان والطاعة، و وعد عليهما الثواب، و لا يرضى الكفر والمعصية و أوعد عليهما العقاب، والقدر سر من أسرار الله تعالىٰ لم يطلع عليه ملكاً مقرباً و لا نبياً مرسلاً''. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۲۵۶/۱، رشيديه)

''و قال أبو المظفر بن السمعاني: سبيل معرفة هذا الباب التوقيف من الكتاب والسنة دون محض القياس والعقل، فمن عدل عن التوقيف فيه ضلّ و تاه في بحار الحيرة، و لم يبلغ شفاء العين، و لا ما يطمئن به القلب؛ لأن القدر سر من أسرار الله تعالىٰ اختص العليم الخبير به، و ضرب دونه الأستار، و حجبه عن عقول الخلق و معارفهم لما علمه من الحكمة، فلم يعلمه نبي مرسل و لا ملك مقرب''. (فتح الباری، كتاب القدر: ۵۸۴/۱۱، دار الكتب العلمية)

واضح ہوجائے گا۔

مسئلہ تقدیر کی دلیل شروح حدیث: فتح الباری (۱) عمدۃ القاری (۲) مرقاۃ (۳) وغیرہ میں مذکور ہیں، زیادہ تفصیل مطلوب ہوتو مفاتح الغیب (۴) اور روح المعانی (۵) میں دیکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۱/۷/۹۳ھ۔

---

(۱) "قوله: (باب: ﴿قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا﴾ قضى) فسر "كتب" بقضى و هو أحد معانيها، و به جزم الطبري في تفسيرها، و قال الراغب: و يعبر بالكتابة عن القضاء الممضى كقوله: (لولا كتاب من الله سبق): أي فيما قدره، ومنه (كتب ربكم على نفسه الرحمة) و قوله: ﴿قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا﴾ يعنى ما قدره وقضاه .... قال ابن بطال: و قد قيل: إن هذه الآية و ردت فيماأصاب العباد من أفعال الله التي اختص بها دون خلقه، و لم يقدرهم على كسبها دون ما أصابوه مكتسبين له مختارين، قلت: والصواب: التعميم وأن ما يصيبهم باكتسابهم واختيارهم، هو مقدور لله تعالىٰ و عن إرادته وقع، والله اعلم". (فتح الباری، کتاب القدر، باب: (قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا): ۱۱/۲۲۹، دار الكتب العلمية)

(۲) ﴿وكان أمر الله قدرا مقدوراً﴾: أي حكماً مقطوعاً بوقوعه، وقال المهلب: غرضه في الباب أن يبين أن جميع مخلوقات الله عزوجل بأمره بكلمة: "كن" من حيوان أو غيره و حركات العباد و اختلاف إرادتهم وأعمالهم من المعاصي أو الطاعات، كل مقدر بالأزمان والأوقات، لازيادة في شيء منها، و لا نقصان عنها و لا تأخير لشيء منها عن وقته و لا يقدم قبل وقته". (عمدة القاری: کتاب القدر، باب (وكان أمر الله قدرا مقدورا): ۲۳/۲۳۱، دار الكتب العلمية)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كتب الله مقادير الخلائق قبل أن يخلق السموات والأرض"، معنى "كتب الله" أجرى الله القلم على اللوح المحفوظ بإيجاد ما بينهما من التعلق، و أثبت فيه مقادير الخلق ماكان و ما هو كائن إلى الأبد على وفق ما تعلقت به إرادته أزلاً كإثبات الكاتب ما في ذهنه بقلمه على لوحه، و قيل: أمر الله القلم أن يثبت في اللوح ما سيوجد من الخلائق ذاتاً و صفةً و فعلاً وخيراً و شراً على ماتعلقت به إرادته". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۵۷، رشيديه)

(۴) ﴿وكان أمر الله مفعولا﴾: أى مقضياً ما قضاء كائن .... ﴿وكان أمر الله قدراً مقدوراً﴾: أى كل شيء بقضاء و قدر.......... فإن الخير كله بقضاء و ما في العلام من الضرر بقدر، فالله تعالىٰ خلق المكلف بحيث يشتهي و يغضب، ليكون اجتهاده في تغليب العقل والدين عليهما مثاباً عليه بأبلغ وجه فاقضى =

انسان سے برے کام کیا اللہ تعالیٰ کراتا ہے؟

سوال [۳۸]: انسان جو اچھے برے کام انجام دیتا ہے، کیا وہ خود کرتا ہے یا اللہ کراتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اللہ تعالیٰ برے کام کرنے کے لئے کسی کو حکم نہیں کرتا، بلکہ وہ تو برے کام سے منع کرتا ہے (۱) انسان نفس وشیطان کے بہکانے سے خود برے کام کرتا ہے اور سزا کا مستحق ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہر ایک کا ارادہ خدا کے ارادہ کے تابع ہے

سوال [۳۹]: بموجب آیت کریمہ: ﴿و ما تشاؤ ن إلا أن يشاء الله ﴾ (۳) ہر کام کے لئے پہلے مشیت الٰہی ہوتی ہے، اس کے بعد بندہ کا ارادہ ہوتا ہے اور ارادہ کی عملی صورت کا نام اہتمام ہے، چنانچہ اہتمام کا انکار ارادہ کا انکار ہے اور ارادہ کا انکار مشیت الٰہی کا انکار ہے یعنی اہتمام کو ضلالت بتانا، یہ اہتمام کی اصل مشیت الٰہی کو ضلالت بتانا ہے جو اصولاً غلط ہے، لہذا اہتمام کے متعلق اگر کوئی حدیث صریح ہو تو نقل فرمائیے، ورنہ یہ تحریر فرمائیے کہ اس کے متعلق کوئی حدیث صریح نہیں ہے۔

= ذلک في البعض إلى أن زنى و قتل فالله لم يخلقهما فيه مقصوداً منه القتل و الزنا و إن كان ذلك بقدر الله الخ". (التفسير الكبير الموسوم بمفاتيح الغيب :۲۵/۲۱۲، ۲۱۳، سورة الأحزاب ، رقم الآية :۳۷، ۳۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۵) ﴿وكان أمر الله قدراً مقدوراً﴾ .... وهو الإرادة الأزلية المتعلقة بالأشيئا على ماهي عليه ،وجوّز كونه بالمعنى المشهور له، و هو إيجاد الأشياء على قدر مخصوص و كمية معيته من وجوه المصلحة وغيرها". (روح المعاني ، سورة الأحزاب :۱۲/۴۰، دار الفكر)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي﴾. (النحل : ۹۰)

(۲) قال تعالىٰ: ﴿ إن النفس لأمارة بالسوء ﴾ (يوسف : ۵۳)

و قال تعالىٰ: ﴿الشيطان يعدكم الفقر و يأمركم بالفحشآء﴾. (البقرة: ۲۶۸)

(۳) (الدهر : ۲۹)

نوٹ: جواب بقدر سوال لکھا جاوے، زائد باتیں نہ لکھی جاویں کہ پھر سوال کرنا پڑے، چار حدیثوں کے لئے جگہ چھوڑی جاتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اشکال بعینہ اسی تقریر کے ساتھ معاصی میں بھی جاری ہے تو جس طرح طاعات وقربات مستحبہ غیر واجبہ کے اہتمام کا انکار ارادہ کا انکار ہے اور ارادہ کا انکار مشیت الٰہی کا انکار ہے، اسی طرح معاصی کے اہتمام کا انکار ارادہ کا انکار ہے اور ارادہ کا انکار مشیت الٰہی کا انکار ہے(۱)۔ فما قولکم رحمکم اللہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ شعبان ۶۶ھ۔

تنبیہ: طرز سوال مناظرانہ ہے مستفتیانہ نہیں، اس کے متعلق پہلے بھی عرض کیا تھا۔ فی الجواب کفایة لمن أراد الهداية وأما المجادل فلا يقنع إلا بالمجادلة۔

سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵ شعبان ۶۶ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و ما تشاؤ ن إلا أن يشاء الله﴾ (الدهر: ۲۹)

قال الله تعالیٰ: ﴿و ما تشاؤ ن إلا أن يشاء الله رب العالمين﴾ (التكوير: ۲۹)

"و عن بعض بنات النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم كان يعلّمها فيقول: "قولي حين تصبحين سبحان الله و بحمده و لا قوة إلا بالله، ما شآء الله كان، و ما لم يشأ لم يكن، أعلَمُ أن الله علی كل شيء قدير وأن الله قد أحاط بكل شيء علماً" .... الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب ما يقول عند الصباح والمساء والمنام: ۱/۲۱۰، قديمي)

"و من قال: إنه يكون في الوجود شيء بدون مشيئة الله فقد أخطأ، و من قال: ما شاء الله كان و مالم يشأ لم يكن، فقد أصاب، و كل ما تقدم فقد كان بمشيئة الله قطعاً، فالله خلق السموات بمشيئته قطعاً، و أرسل محمداً بمشيئته قطعاً، والإنسان الموجود خلقه بمشيئته قطعاً، وإن شاء الله أن يغير المخلوق من حال إلی حال، فهو قادر علی ذلک، فماخلقه فقد كان بمشيئته قطعاً، وإن شاء الله أن يغيّره غيّره بمشيئته قطعاً، والله اعلم". (مجموعة الفتاویٰ لابن تيميه، كتاب القدر: ۸/۳۹، مكتبه العبيكان، الرياض)

انسان مختار ہے یا مجبور؟

سوال[۴۰]: زید معتقد ہے کہ دنیا میں جب میری پیدائش نہیں تھی، قبل پیدائش نہ میں فرشتہ تھا، نہ جنات، نہ کوئی جانور، نہ پتھر، غرض یہ کہ کچھ بھی نہیں تھا گویا میرا وجود ہی نہیں تھا، جبکہ لاشی محض ہوتو نہ مسلمان ہونے سے مطلب، نہ کافر ہونے سے مطلب، نہ دوزخ سے کوئی غرض، نہ جنت سے۔ اب جبکہ اللہ عزوجل نے دنیا میں میرا وجود بخشا اور میں آدمی بن گیا تو مجھ کو مسلمان رہنا فرض ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع، قرآن وحدیث کو ماننا، جنت اور دوزخ پر ایمان لانا وغیرہ سب ضروری ہوگا۔

زید کا دل تصدیق کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے، پھر جبکہ جنت کی باتیں اور دوزخ کی ہزار ہا دردناک سزائیں زید کے کانوں میں پڑتی ہیں تو زید کو بیماری پیدا ہوجاتی ہے، کہ میں دنیا میں نہیں آتا، وہیں ٹھیک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کر کے یہ سب ظلم کیا، (نعوذ باللہ) کہ مجھ کو دنیا میں پیدا کیا، ورنہ مجھ کو دوزخ جنت سے کیا مطلب تھا، زید کو بہت سمجھایا جاتا ہے، اب یہ بھی کہنا شروع کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی لکھتا ہے کہ فلاں دوزخی اور فلاں جنتی، اللہ کو سب علم پہلے سے ہے کہ فلاں آگے چل کر گمراہ ہوگا، فلاں مسلمان ہوجائے گا۔ تو اب انسان کو کوئی اختیار اور کسب ہی نہیں، مجبور محض ہوا، سب کچھ تو اللہ تعالیٰ پہلے ہی لکھ دیتا ہے۔ اب دنیا میں انسان وہی کر رہا ہے، جو لکھا ہوا ہے تو کسی کو اللہ تعالیٰ جنت دے اور کسی کو دوزخ دے، یہ ظلم نہیں تو کیا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کسی شئی کا محتاج نہیں ہے اور اس کی عبادت کے لئے فرشتے ہی کافی ہیں، اب انسان کو پیدا کیا، بناء بریں جب اللہ تعالیٰ دوزخی کو جنت میں داخل کرے گا تو گناہ معاف فرمادے تو احسان کیسا، بلکہ ظلم سے باز آنا ہے (نعوذ باللہ) مذکورہ بالا تحریر کا کیا جواب ہوگا؟ جبکہ زید کو دنیا میں آنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی، یہ تو اللہ تعالیٰ کی خلقت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید از خود بے علم ہے، اس کو خبر نہیں کہ دنیا میں آنے سے کیا فائدہ، اس کا مقصد حیات تو وہ جانتا ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور اس نے اس مقصد کو بتا بھی دیا ہے(۱) اگر زید اپنے اختیار سے پیدا ہوتا تو وہ خود مقصد تجویز کرتا، جب ایسا نہیں ہے تو اس کو خود تجویز کرنے کا حق ہی نہیں ہے، جو حکم زید کو دیا گیا ہے، اس پر

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما خلقت الجن والانس إلا لیعبدون﴾ (الذاریات: ۵۶)

پابندی سے عمل کرتا رہے، اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے اس کا وہ ذمہ دار نہیں ہے، نہ اس کو بتلایا گیا ہے کہ تقدیر میں یہی ہے، اس سے زائد اس مسئلہ میں بحث نہ کرے، ورنہ زائد فتنہ میں مبتلا ہو کر ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۴۱]: آدمی مجبور محض ہے یا کہ نہیں؟ واضح دلیل پیش کریں زید کی بیماری کا علاج ضروری ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان کو اختیار وارادہ دیا گیا ہے(۲) چنانچہ اپنے اختیار وارادے سے کھاتا ہے، پیتا ہے، سنتا ہے، چلتا

= و قال الله تعالیٰ: ﴿و ما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾ : أي إنما خلقتهم لآمرهم بعبادتي لا لاحتياجي إليهم". (تفسير ابن كثير، (الذاريات: ۵۶)، ۴/۳۰۴، مكتبه دار الفيحاء)

قال الله تعالیٰ: ﴿ و مآ أمروا إلا ليعبد الله مخلصين له الدين ﴾ (البينة : ۵)

قال الله تعالیٰ: ﴿ قل إني أمرت أن أعبد الله مخلصاً له الدين ﴾ (الزمر: ۱۱)

(۱) "(و من لم يتكلم فيه لم يسأل عنه)؛ لأن الخلق مكلفون بالإيمان بالقدر بمقتضى الأدلة النقلية، غير مأمورين بتحقيقه بموجب الأدلة العقلية، فالشخص إذا آمن بالقدر و لم يبحث عنه، لا يرد عليه سؤال الاعتراض بعدم التفحص فإنه غير مأمور به". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۱/۳۱۶، ۳۱۷، رشيديه)

"و أصل القدر سرّ الله في خلقه، لم يطلع على ذلك ملك مقرب و لا نبي مرسل، والتعمق والنظر في ذلك ذريعة الخذلان، و سلّم الحرمان، و درجة الطغيان، فالحذر كل الحذر من ذلك نظراً و فكراً و وسوسةً، فإن الله تعالیٰ طوى علم القدر عن أنامه، و نهاهم عن مرامه، كما قال في كتابه: (لايُسئَل عما يفعل و هم يُسئَلون) فمن سأل: لم فعل؟ فقد رد حكم كتاب الله، و من رد حكم كتاب الله تعالیٰ كان من الكافرين". (شرح العقيدة الطحاوية، ص: ۱۸۰، قديمي)

(۲) "و إذا عرفت ذلك فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كما زعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً كسباً و لا خلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۴۲، قديمي) =

پھرتا ہے، یہ سب ظاہر ہے اور ہر ایک کا مشاہدہ ہے، کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے۔ زید کو ضرورت ہے کہ کسی بزرگ صاحب نسبت کی خدمت میں جا کر رہے اور ان سے اصلاحی تعلق قائم کر کے ان کی ہدایات پر عمل کرے ان شاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند۔

خودکشی کرنے والے کی موت خود اس کے قبضہ میں نہیں

سوال [۴۲]: موت کے متعلق ایک شخص کا قول ہے کہ میرے بس میں ہے کہ اگر میں ابھی خودکشی کرلوں تو مجھے کون روک سکتا ہے، اس کے خیالات کو کس طرح باطل کیا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہر ایک کی موت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت مقرر ہے اور اس کا سبب بھی مقرر ہے، بعض دفعہ آدمی ڈوبتا ہے، زہر کھالیتا ہے، مختلف اسباب کو اختیار کرتا ہے، مگر وقت نہیں آتا تو نہیں مرتا، جب وقت آجاتا ہے تب مرجاتا ہے، کوئی پہرہ، کوئی حفاظت موت سے روکنے کے لئے کارگر نہیں ﴿فإذا جآء أجلهم لا يستأخرون ساعةً و لا يستقدمون﴾(۱) ۔وقال الله تعالىٰ ﴿أينما تكونوا يدرككم الموت و لو كنتم فى

= "والحاصل أن العبد ليس خالقاً لأفعاله، وإنما هو كاسب لها باختياره" (تكملة فتح الملهم، كتاب القدر، ۵/۴۶۸، مكتبه دار العلوم كراتشى)

"ان أفعال العباد الاختيارية واقعة بقدرة الله سبحانه و تعالىٰ و حدها، ليس لقدرتهم تأثير فيها، بل الله سبحانه أجرى عادته بأن يوجد فى العبد قدرةً و اختياراً، فإذا لم يكن هناك مانع أوجد فيه فعله المقدور مقارناً لهما، فيكون فعل العبد مخلوقاً لله إبداعاً و إحداثاً و مكسوباً للعبد، والمراد بكسبه إياه مقارنته لقدرته و إرادته من غير أن يكون هناك منه تأثير أو مدخل فى وجوده سوى كونه محلاً له، و هذا مذهب الشيخ أبى الحسن الأشعرى". (شرح المواقف، المرصد السادس فى أفعاله تعالىٰ و فيه مقاصد: ۸/۱۴۳، دار الكتب العلمية)

"فالعباد منساقون إلى أن يفعلوا مايصدر عنهم باختيارهم، لا بالإكراه والجبر، وليسوا مجبورين فى اختيارهم الأزلي". (روح المعانى، [البقرة :۷]: ۱/۱۳۳، دار إحياء التراث العربى)

(۱) (الأعراف : ۳۴) (النحل : ۶۱) ("يونس: ۴۹)

بروج مشيّدة﴾ (۱) ۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۸/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۸/۴/۹۲ھ۔

وقت سے پہلے موت نہیں آتی

سوال [۴۳]: وقت سے پہلے موت آتی ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خدائے پاک نے جس کے لئے موت کا جو وقت مقرر فرما دیا ہے، اس سے پہلے موت نہیں آتی، ہر ایک اپنے وقت پر ہی مرتا ہے "لكل عنده أجل مسمّى" الحديث (۲) ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۹/۵/۹۲ھ۔

---

(۱) (النساء: ۷۸)

﴿أينما تكونوا يدرككم الموت و لو كنتم في بروج مشيدة﴾: أى أنتم صائرون إلى الموت لا محالة ولا ينجو منه أحد منكم، كما قال تعالىٰ: ﴿كل من عليها فان﴾ الاية، وقال تعالىٰ: ﴿كل نفس ذائقة الموت﴾ و قال تعالىٰ: ﴿و ما جعلنا لبشر من قبلك الخلد﴾ والمقصود أن كل أحد صائر إلى الموت لا محالة، و لا ينجيه من ذلك شيء، سواء جاهد أو لم يجاهد، فإن له أجلاً محتُوماً، و مقاماً مقسُوماً". (تفسير ابن كثير، النساء: ۷۸: ۱/۶۹۹، مكتبه دار الفيحاء و مكتبه دار السلام)

(۲) "حدثني أسامة بن زيد .... فأرسل يقرىء السلام و يقول: "إن لله ما أخذ، و له ما أعطى، وكل عنده بأجل مسمّى". الحديث (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه: ۱/۱۷۱، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الجنائز: ۱/۳۰۱، قديمي)

قال الله تعالىٰ: ﴿و لن يؤخر الله نفساً إذا جآء أجلها﴾ (المنافق: ۱۱)

قال الله تعالىٰ: ﴿و لكل أمة أجل فإذا جآء أجلهم لا يستأخرون ساعةً و لا يستقدمون﴾ (الأعراف: ۳۴)

خلقت انسانی کی غایت

سوال[۴۴] : انسان کو اللہ تعالیٰ نے کس واسطے پیدا کیا ہے؟ پیدا کرنے میں جو غرض رکھی ہے کیا اس غرض کا محتاج تھا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

انسان اس دنیا میں اس لئے پیدا کیا گیا کہ وہ یہاں آ کر محنت کرے اور آخرت کی زندگی کو سدھارے، آخرت کی زندگی یہاں کی زندگی سے سدھر جاتی ہے(۱) اس طرح کہ اللہ پاک نے جن چیزوں کا حکم دیا، ان پر عمل کرے اور جن چیزوں سے منع کیا ان سے باز رہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

غریب کی غریب سے شادی تقدیری ہے یا کوشش سے؟

سوال[۴۵] : ۱...... انسان کا جو عقد ہوتا ہے وہ منجانب اللہ ہوتا ہے یا انسان کی تجویز سے؟ یہاں اختلاف ہو گیا ہے۔

۲...... مالدار کی قسمت میں مالدار ہی بنتا ہے اور غریب کی قسمت میں غریب ہی بنتا ہے، مالدار اپنی بیٹی غریب کو نہیں دیتا ہے یہ سب منجانب اللہ ہے، یا انسان کی سعی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

۱...... ہر انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے اللہ پاک کی طرف سے اس کی ہر چیز مقرر ہو چکی ہے، انسان اس کے خلاف ہزار کوشش کرے، یا چاہے کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا، یہ ایمان ہے، یہی ہر مسلم کا عقیدہ

---

(۱) "الدنیا مزرعة الآخرة". (کشف الخفاء و مزیل الألباس، رقم الحدیث: ۱۳۲۰، ۱/۴۱۲، دار إحیاء التراث العربی)

(واتحاف السادة المتقین للزبیدی، ۸/۵۳۹، بیروت)

"و تمام ذلک أن الدنیا مزرعة الآخرة، وفیها التجارة التی یظهر ربحها فی الآخرة، فمن استعمل فراغه وصحته فی طاعة اللہ فهو المغبوط، و من استعملها فی معصیة اللہ فهو المغبون". (فتح الباری، کتاب الرقاق : ۱۱/۲۳۰، دار المعرفة)

ہونا چاہئے، قرآن پاک اور حدیث شریف کی تعلیم بھی یہی ہے(۱)۔

۲......جس کی جیسی قسمت تجویز کردی گئی ہے، وہی چیز سامنے آتی ہے(۲) یہ ضروری نہیں کہ ہر مالدار کو رشتہ دار مالدار ہی ملے، نہ یہ ضروری ہے کہ ہر غریب کو رشتہ دار غریب ہی ملے، بسا اوقات اس کے برخلاف بھی ہوتا ہے۔ مالدار کی مالداری بھی اکثر ختم ہوکر غربت آجاتی ہے اور غریب کی غربت ختم ہوکر بھی اکثر مالداری آجاتی ہے، نہ مالداری کو دوام ہے، نہ غربت کو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

معصوم بچے کس قصور کی وجہ سے بیمار ہوتے ہیں؟

سوال[۴۶]: دنیا میں بچے بیمار ہوتے ہیں اور تکلیف میں رہتے ہیں، حالانکہ وہ معصوم ہیں، انہوں نے کیا قصور کیا؟

(۱، ۲) قال الله تعالیٰ: ﴿قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا﴾. (التوبة: ۵۱)

وقال الله تعالیٰ: ﴿إنا كل شيء خلقناه بقدر﴾. (القمر: ۴۹)

وقال الله تعالیٰ: ﴿و ما تشآء ون إلا أن يشآء الله﴾. (الدهر: ۲۹)

"عن عبد الله بن عمر رضى الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "كتب الله مقادير الخلائق قبل أن يخلق السموات والأرض بخمسين ألف سنة". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۱۹، قديمى)

"و عن ابن مسعود رضى الله تعالیٰ عنه قال: حدثنا رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم و هو الصادق المصدوق: "إن خلق أحدكم يجمع فى بطن أمه أربعين يوماً نطفةً، ثم يكون علقةً مثل ذلك، ثم يكون مضغةً مثل ذلك، ثم يبعث الله إليه ملكاً بأربع كلمات: فيكتب عمله و أجله و رزقه و شقى أوسعيد". الحديث (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۰، قديمى)

"عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن أول ما خلق الله القلم، فقال له: "اكتب"، قال: ما أكتب؟ قال: "اكتب القدر". فكتب ما كان و ما هو كائن إلى الأبد". (رواه الترمذى وقال: هذا حديث غريب اسناداً). (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۱، قديمى)

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ کسی قصور کی سزا ہے، درحقیقت یہ بنیاد ہی غلط ہے کہ یہاں جس کو بھی بیماری یا کوئی تکلیف پہونچتی ہے وہ کسی قصور کی سزا ہوتی ہے بلکہ اس میں دوسری مصالح بھی ہوتی ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

معصوم بچوں کے بیمار ہونے کا سبب

سوال [۴۷]: نابالغ بچے اور شیرخوار بچے معصوم یعنی بے گناہ ہوتے ہیں، ان سے قبر میں سوال نہیں ہوتا تو ان کی زندگی میں انہیں ایسی ایسی تکلیفوں میں کیوں مبتلا کیا جاتا ہے جو ہم سے دیکھی نہیں جاتی؟ زیادہ تر چیچک کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان کے درجات کو بلند کرنا نیز ان کے والدین اور عزیزوں کو جو کچھ پریشانی اور تکلیف ہوتی ہے اس سے ان کے گناہوں کو دور کرنا اور خدائے پاک کی طرف توجہ دلانا، یہ دو فائدے تو بالکل صاف نظر آتے ہیں اور بھی فائدے ہوں گے جو اللہ کے علم میں ہوں گے، اگر چیچک میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں تو اس میں والدین وغیرہ کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے کیونکہ یہ بیماری زیادہ گھناؤنی ہے (۲)۔

---

(۱) اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیمار ہوئے ہیں حالانکہ وہ نبی معصوم ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ جسے چاہیں بیمار کریں اور جسے چاہیں صحت دیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے:

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "من يرد الله به خيراً يصيب منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۳۴، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض و ثواب المرض، سعيد)

(۲) چونکہ بچوں کے بیمار ہونے سے والدین کو بہت تکلیف ہوتی ہے اس لئے اس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں:

"عن أبی موسی رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: "لا يصيب عبداً =

اصل میں یہ خیال ہی غلط ہے کہ یہاں جو بیماری ہوتی ہے وہ بیمار کے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی بیماریاں پیش آئی ہیں، حالانکہ وہ بھی معصوم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۹۰ھ۔

اولاد الزنا کا کیا قصور ہے؟

سوال[۴۸]: کسی مرد وعورت کے ناجائز تعلقات سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ برادری میں حرامی کہی جاتی ہے اور برادری سے خارج کردی جاتی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قصور والدین کا ہے، لڑکے پر دھبہ کیوں قیامت تک آخر کار لگا رہتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی اولاد کا قصور نہیں، جو کچھ سزا ہے وہ ناجائز حرکت کرنے والوں کے لئے ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= نکبة فما فوقها أو دونها إلا بذنب، وما يعفوا الله تعالىٰ عنه أكثر و قرأ: ﴿و ما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم و يعفو عن كثير﴾. رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح ص: ۱۳۶، باب عيادة المريض، قديمي)

"عن أبي سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ما يصيب المسلم من نصب، و لا وصب، ولا هم، و لا حزن، و لا أذى، و لا غم حتى الشوكة يشاكها، إلا كفّر الله بها من خطاياه". (مشكوة المصابيح ص: ۱۳۴، باب عيادة المريض، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تزر وازرة وزر اخرى﴾. (الزمر، پ: ۲۳، آية: ۷) وقال الله تعالىٰ: ﴿من عمل صالحاً فلنفسه ومن أساء فعليها﴾. (حم السجدة، پ: ۲۴، آية: ۴۶)

"قال الآلوسي رحمه الله قوله تعالىٰ: "(ومن أساء فعليها) ضره لا على الغير". (روح المعاني: ۲۴/۱۳۱، بيروت)

مایتعلق بالسعادة والنحوسة
(نیک شگونی اور بدشگونی کا بیان)

بدشگونی

سوال[۴۹]: گھر والوں کو تاریخ، یا دن کا شک ہو تو اس کو بدشگونی سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ چلا جائے، یا صحیح طریقہ پر، تاکہ خدانخواستہ کچھ ہو گیا ہے تو ان کا شک قوی ہو جائے گا اور یہ ایمان کے خلاف ہو گا، کیوں کہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ "بدشگونی اور بیماری کا لگنا کوئی چیز نہیں" تو دوسری حدیث کا مفہوم ہے کہ "جذامی سے ایسا دور رہو جیسا کہ شیر سے" (۱)۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی دن، یا تاریخ کو منحوس سمجھیں تو اصلاح لازم ہے (۲)، جذامی سے احتیاط کا حکم اس لئے بھی ہے کہ اس کے ظاہری اسباب کی وجہ سے اگر کسی کو جذام ہو گیا تو وہ جذام کو متعدی نہ سمجھنے لگے، جس سے بچنا مقصود ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۱ھ۔

---

(۱) وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا عدى و لا طيرة و لا هامة و لا صفر، و فرّ من المجذوم كما تفر من الأسد". رواه البخارى". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۹۱، باب الفال والطيرة، الفصل الأول، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الطب والمرض والرقىٰ، باب لا عدوى و لاطيرة و لا هامة اهـ: ۲/ ۲۳۰، قديمى)

(وصحيح البخارى، كتاب الطب، باب لا عدوى: ۸۵۹۲، قديمى)

(۲) "وعن سعد بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا هامة و لا عدوى و لا طيرة، و إن تكن الطيرة فى شىء، ففى الدار والفرس والمرأة". رواه أبوداؤد". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۹۲، باب الفال والطيرة، الفصل الثانى، قديمى)

(۳) "و إنما نهى عن إيراد الممرَّض على المصحِ، وأمر بالفرار من المجزوم، لأن الصحيح إن مرض =

متعین ایام میں نکاح ورخصتی منحوس نہیں

سوال[۱۵۱]: آج کل عوام الناس لڑکی کے نکاح اور رخصتی جو کرتے ہیں، تین یا پانچ یا سات سال میں کرتے ہیں یا تو پہلے سال کریں گے، جفت سال میں نہیں کرتے اس کو منحوس خیال کرتے ہیں، یہ شرک ہے یا کارِ شرک ہے؟ اور اگر عقیدہ نہ بھی ہو پھر بھی یہ شکل مشابہ شرک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خیال بدشگونی و بدفالی ہے، یہ اسلامی عقیدہ نہیں، اس سے توبہ لازم ہے: "لا عدوی ولا طیرة" الحدیث (۱) جن لوگوں کا یہ عقیدہ نہیں ان کو ایسی جگہ تشبہ سے بچنا چاہئے تاکہ نہ دوسروں کا عقیدہ فاسد ہو، نہ عقیدۂ فاسد والوں کو استدلال کا موقع ملے: "من تشبه بقوم فهو منهم". الحدیث (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۶/۶/۱۶ھ۔

= منه صلى الله عليه وسلم لأمته، فمن كان له دار يكره سكناها، أو امرأة يكره صحبتها، أو فرس لا تعجبه بأن يفارق بالانتقال عن الدار وتطليق المرأة و بيع الفرس، فلا يكون هذا من باب الطيرة المنهي عنها، و هذا كما روي أنه صلى الله عليه وسلم قال: (ذروها ذميمة) قال الطيبي رحمه الله : و من ثمة جعلها صلى الله عليه وسلم من باب الطيرة على سبيل الفرض في قوله: (إن تكن الطيرة في شيء ففي المرأة والفرس والدار) قال الخطابي : "هذه الأشياء الثلاثة ليس لها بأنفسها و طباعها فعل و تأثير، و إنما ذلك كله بمشيئة الله و قضائه، و خصت بالذكر، لأنها أعم الأشياء التي يعتنيها الناس، و لما كان الإنسان لا يخلو عن العارض فيها أضيف إليها اليُمن، والشؤم إضافة مكان و محل. ويمكن أن يقال : إن هذه الأشياء غالباً تكون أسباباً لسوء الخلق، و هو شؤم، فلذا نسب إليها، و قد روى أحمد و غيره، عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها بلفظ: "الشؤم سوء الخلق". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح : ۲۶۹/۶، الحبيبية)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة ،ص: ۳۹۱، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الطب والمرض والرقى، باب لا عدوى و لا طيرة و لا هامة الخ : ۲۳۰/۲،قديمى)

(والصحيح للبخارى، كتاب الطب، باب لا عدوي : ۸۵۹/۲، قديمى)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس : ۳۷۵، قديمى) (وسنن أبى داؤد، كتاب اللباس: باب فى لبس الشهرة: ۲۰۳/۲، قديمى) (ومسند الإمام أحمد بن حنبل : ۵۰/۲، رقم الحديث : ۵۰۹۴،دار احياء التراث العربى)

متعین ایام میں نکاح ورخصتی منحوس نہیں

سوال[۱۵۱]: آج کل عوام الناس لڑکی کے نکاح اور رخصتی جو کرتے ہیں، تین یا پانچ یا سات سال میں کرتے ہیں یا تو پہلے سال کریں گے، جفت سال میں نہیں کرتے اس کو منحوس خیال کرتے ہیں، یہ شرک ہے یا کارِ شرک ہے؟ اور اگر عقیدہ نہ بھی ہو پھر بھی یہ شکل مشابہ شرک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ خیال بدشگونی وبدفالی ہے، یہ اسلامی عقیدہ نہیں، اس سے توبہ لازم ہے: "لاعدوى ولاطيرة" الحديث(۱) جن لوگوں کا یہ عقیدہ نہیں ان کو ایسی جگہ تشبہ سے بچنا چاہئے تا کہ نہ دوسروں کا عقیدہ فاسد ہو، نہ عقیدۂ فاسد والوں کو استدلال کا موقع ملے: "من تشبه بقوم فهو منهم". الحديث(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۶/۸۶ھ۔

= منه صلى الله عليه وسلم لأمته، فمن كان له دار يكره سكناها، أو امرأة يكره صحبتها، أو فرس لا تعجبه بأن يفارق بالانتقال عن الدار وتطليق المرأة و بيع الفرس، فلا يكون هذا من باب الطيرة المنهي عنها، و هذا كما روي أنه صلى الله عليه وسلم قال: (ذروها ذميمة) قال الطيبي رحمه الله : و من ثمة جعلها صلى الله عليه وسلم من باب الطيرة على سبيل الفرض فى قوله: (إن تكن الطيرة فى شيء ففى المرأة والفرس والدار) قال الخطابي : "هذه الأشياء الثلاثة ليس لها بأنفسها و طباعها فعل و تأثير، و إنما ذلك كله بمشيئة الله و قضائه، و خصت بالذكر، لأنها أعم الأشياء التى يعتنيها الناس، ولما كان الإنسان لا يخلو عن العارض فيها أضيف إليها اليُمن، والشؤم إضافة مكان و محل. ويمكن أن يقال : إن هذه الأشياء غالباً تكون أسباباً لسوء الخلق، و هو شؤم، فلذا نسب إليها، و قد روى أحمد و غيره، عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها بلفظ: "الشؤم سوء الخلق". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح : ۲/۲۶۹، الحبيبية)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة ،ص: ۳۹۱، قديمى)
(والصحيح لمسلم، كتاب الطب والمرض والرقى، باب لا عدوى و لا طيرة و لا هامة الخ :۲/۲۳۰،قديمى)
(والصحيح للبخارى، كتاب الطب، باب لا عدوي : ۲/۸۵۹، قديمى)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس : ۳۷۵، قديمى) (وسنن أبى داؤد، كتاب اللباس: باب فى لبس الشهرة:۲/۲۰۳، قديمى) (ومسند الإمام أحمد بن حنبل :۲/۵۰، رقم الحديث :۵۰۹۴،داراحياء التراث العربى)

دن اور کسی تاریخ میں نحوست نہیں

سوال[۵۳]: ۱.....اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمادیں کہ دن تاریخ کو منحوس سمجھنا اچھا ہے یا برا؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات اور سنیچر کے دن زیادہ سفر فرماتے تھے؟

۲.....ایک مولوی صاحب نے اعلان کیا ہے کہ ۱۸/ تاریخ کو شادی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ۱۸/ تاریخ میں شادی کرنے سے لڑکے اور لڑکی کی زندگی خراب ہو جاتی ہے، کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے؟

۳.....تیری کے چاند میں اور بارہ وفات میں شادی کی مقرر کردہ تاریخ میں شادی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ اس امت میں کسی دن (تاریخ وغیرہ) میں نحوست نہیں، البتہ بعض دن اور بعض تاریخ میں خیر و برکت زیادہ ہے، جمعرات اور سنیچر کے سفر میں خیر و برکت ہے۔

۲.....یہ چیز شرعاً بے اصل ہے(۱)۔

۳.....کر سکتے ہیں، شرعاً اس کی ممانعت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۷/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین دار العلوم دیوبند، ۸/۲/۹۰ھ۔

دو بھائیوں کی شادی دو بہنوں سے کرنے کو منحوس سمجھنا

سوال[۵۴]: زید کی بڑی لڑکی عمر کے بڑے لڑکے سے منسوب ہے، جانبین کے تعلقات بحمد اللہ بہت خوشگوار ہیں، عمر کی خواہش ہے کہ اس کے چھوٹے لڑکے کا رشتہ بھی زید کی چھوٹی لڑکی سے ہو جائے مگر زید کو

---

(۱) "سئل نفع اللہ بعلومہ: السؤال عن النحس و السعد، و عن الأیام واللیالی التی تصلح لنحو السفر، والإنتقال، ما یکون جوابہ؟ فأجاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: من یسأل عن النحس و ما بعدہ، لا یجاب إلا بالإعراض عنہ، وتسفیہ ما فعلہ، و یبیّن لہ قبحہ، و أن ذلک من سنۃ الیہود، لا من ھدی المسلمین المتوکلین علی خالقھم وبارئھم الذین لا یحسبون و علی ربھم یتوکلون، و ما ینقل من الأیام المنطوقۃ ونحوھا عن علیّ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ باطلٌ، کذب، لا أصل لہ، فلیحذر من ذلک، واللہ تعالیٰ اعلم".
(الفتاوی الحدیثیۃ، مطلب فی الجواب عن الأیام واللیالی اھ، ص: ۴۱، ۴۲، قدیمی)

یہ عذر ہے کہ چونکہ اس کی تین پشتوں سے ایسا ہوتا آیا ہے، جب کبھی اس کے کنبہ کی دو بہنیں ایک ہی گھر میں دو سگے بھائیوں سے منسوب ہوئی ہیں تو راس نہیں آیا ہے یعنی ایک بھائی یا ایک بہن فوت ہوگئی، اس لئے معذور ہے، از روئے شرع زید کا ایسا عقیدہ رکھنا اور خوف زدہ ہونا جائز ہے یا باطل؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دو بہنوں کی شادی ایک گھر میں دو بھائیوں سے ہونے کی بنا پر یہ تصور کرنا یا عقیدہ رکھنا کہ ایک بہن ضرور مرجائے گی یا ایک بھائی مرجائے گا، گھر آباد نہیں ہوسکے گا، شرعاً بے بنیاد اور غلط ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے(۱)، موت کا ایک وقت مقرر ہے خواہ ایک گھر میں شادی ہو یا علیحدہ علیحدہ گھروں میں، (یا) بالکل شادی نہ ہو، موت اپنے وقت پر آئے گی نہ مؤخر ہوگی، نہ مقدم(۲)۔ کیا چھوٹے بچوں کو موت نہیں آتی؟ لڑکی کے حق میں حالات کے اعتبار سے شادی وہاں نہ کرنا مناسب ہو تو دوسری بات ہے، لیکن مذکورہ خوف غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۹۶ھ۔

کیا رات کو قرض دینا منحوس ہے؟

سوال[۵۴]: رات میں قرض نہ دینا منحوس سمجھتے ہوئے شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رات میں قرض کو منحوس سمجھنا جہال کا عقیدہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۶/ جمادی الثانی ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم : يتفاءل و لا يتطيّر". (مشكوة المصابيح، باب الفال والطيرة، الفصل الثانی، ص: ۳۹۲، قدیمی)

"و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "لا عدوى و لا طيرة، و أحب الفال الصالح". (الصحيح لمسلم : كتاب الطب والمرض والرقى، باب الطيرة، ص: ۲/۲۳۱، قدیمی)

(۲) قال الله تعالىٰ : ﴿إذا جآء أجلهم فلا يستأخرون ساعةً و لا يستقدمون﴾. (يونس : ۴۹)

منگل اور بدھ کو حجامت بنوانا

سوال[۵۵]: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ حجامت یا ناخن منگل، بدھ کے دن نہ بنوایا جائے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں (منگل، بدھ) میں حجامت بنوانے سے روکا ہے، انہوں نے سیرت حلبیہ جز نمبر: ۱۷، کا حوالہ دیا ہے۔ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح کیا فرمایا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان مولوی صاحب سے سیرتِ حلبیہ جز نمبر: ۱۷ کی عبارت نقل کرا کے بھیجیں۔

تنبیہ: حجامت عربی میں پچھنے لگوانے کو کہتے ہیں (۱)، بال اور ناخن بنوانے کو نہیں کہتے، حضرت مجدد الف ثانی نے لکھا ہے کہ اس امت میں کوئی دن منحوس نہیں، نحوست اٹھالی گئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۹۶ھ۔

چند بے اصل بدفالیاں

سوال[۵۶]: بہت سے مسلمان لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں، مکان میں دروازہ نہیں لگایا جاتا ہے، دروازہ لگانے سے جان و مال کا خطرہ ہوجاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ چوکی نہیں بنتی ہے، کوئی کہتا ہے کہ اچار نہیں رکھا جاتا ہے، اگر رکھا جاتا ہے تو ہم کو نقصان ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ لوگ یہ بھی رواج رکھتے ہیں کہ بعد مغرب کسی کو چونا مانگنے پر بھی نہیں دیتے ہیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ جملہ امور شرعاً بے اصل اور لغو ہیں، ایسا عقیدہ درست نہیں، اس کو ترک کرنا لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/۶۷ھ۔

---

(۱) ''الحجامۃ: پچھنے لگانے کا پیشہ''۔ (المنجد، ص: ۱۹۰، دارالاشاعت کراچی)

(۲) ''بہت سے لوگ منگل کے دن کو منحوس سمجھتے ہیں سو یہ بھی بالکل غلط ہے کسی بھی دن کو منحوس سمجھنا جائز نہیں''۔ (اغلاط العوام، ص: ۳۶، زمزم پبلشرز)

(۳) ''عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الشؤم فی المرأۃ والدار والفرس" ...... و ھذا کما روی أنہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "ذروھا ذمیمۃ"، قال الطیبی: ومن =

چاند جب عقرب میں ہوتو کام شروع کیا جائے یا نہیں؟

سوال[۵۷]: میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ قمر درعقرب کو یا ۱۳/ ۱۹/ ۱۸/ تاریخ کو یا نمازِ جمعہ سے پہلے کوئی بھی نیا کام یا کاروبار شروع نہ کرنا چاہیئے، مذہبی طور پر ایسی ممانعت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

شرعاً بے اصل ہے(۱) فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۵/ ۱۲/ ۸۸ھ۔

قطب تارہ کی طرف پیر پھیلانا

سوال[۵۸]: یوں کہتے ہیں کہ شمال کی جانب ایک نور چمکتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرا نور تھا، لہذا عوام الناس قطب ستارے کی طرف پاؤں پھیلانے کو بہت برا تصور کرتے ہیں اور اس کا احترام قبلہ سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔ تشریح فرمائیں کیا حقیقت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ قول اور یہ عمل اور یہ عقیدہ مستند نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

تیسری رات کا چاند نہ دیکھنا اور اس کی کہانی سننا

سوال[۵۹]: عورتیں اکثر اوقات تیسری تاریخ کا چاند نہ دیکھنا کہہ کر تیسری تاریخ کے چاند کی کہانی سنتی ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

= ثمة جعلها صلی اللہ علیہ وسلم من باب الطيرة على سبيل الفرض في قوله: "إن تكن الطيرة في شيء ففي المرأة والفرس والدار". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح: ۶/ ۲۶۹، الحبيبية)

(۱) (قد تقدم تخريجه تحت عنوان: "دن اور کسی تاریخ میں نحوست نہیں")

(۲) "مشہور ہے کہ سوتے میں قطب شمالی کی طرف پاؤں نہ کرے سو اس کی کوئی اصل نہیں"۔ (اغلاط العوام، ص: ۱۶، زمزم پبلشرز)

الجواب حامداً و مصلیاً :

تیسری تاریخ کے چاند دیکھنے کو اچھا نہ کہنا اور اس کی جگہ چاند کی کہانی سننا کوئی شرعی چیز نہیں ہے بلکہ بد شگونی ہے، اس سے شریعت نے منع فرمایا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۸۸ھ۔

گرہن کے وقت کھانا

سوال[۶۰]: عوام میں مشہور ہے کہ چاند، یا سورج گرہن میں جب تک گرہن رہے، اس وقت تک کچھ کھانا نہیں چاہئے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

عوام میں غلط مشہور ہے(۲)۔فقط۔

روزانہ ایک پیسہ رات کو امانت رکھ کر صبح کو واپس لینا

سوال[۶۱]: زید ایک محلّہ میں رہتا تھا، بکر نے اسی محلّہ میں دوکان پرچون کی کر رکھی تھی، زید اکثر بکر کی دوکان سے ضروریات کی اشیاء خریدتا ہے، ایک روز زید نے بکر کی دوکان سے کچھ سودا ایک پیسہ کا خریدا، سودا لے کر یہ کہہ دیا کہ پیسہ صبح دیدونگا، جب نماز فجر پڑھ چکا، اس وقت بکر کو وہ پیسہ حسب وعدہ دیدیا، پھر شام کو بکر نے کہا، بھائی زید! ایک پیسہ میرا امانت رکھو، زید جب صبح نماز پڑھ چکو، مجھ کو دیدینا زید نے ایسا ہی کیا، پھر بکر روز ایسا کرنے لگا، شام کو ایک پیسہ دیدیتا اور صبح کو لے لیتا۔ زید کے دل میں خیال ہوا کہ شاید بکر کچھ شگون کرتا ہو، زید نے بکر سے دریافت کیا، لیکن اس نے دل کا مدعا ظاہر نہ کیا، اس لئے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ اس طرح کرنے سے شرعاً گناہ گار تو نہ ہوگا، اگر گناہ زید پر لازم آیا تو وہ ایسا کرنا چھوڑ دے گا؟ محمد داؤد اہلحدیث سہارنپور۔

---

(۱) (قد تقدم تخريجه تحت عنوان : ''دن اور کسی تاریخ میں نحوست نہیں'')

(۲) ''مشہور ہے کہ چاند اور سورج کے گہنے کے وقت کھانا پینا منع ہے، سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں، البتہ وہ وقت توجہ الی اللہ کا ہے اس وجہ سے کھانے پینے کا شغل ترک کر دینا اور بات ہے، رہا یہ کہ دنیا کے تمام کاروبار بلکہ گناہ تک تو کرتا رہے اور صرف کھانا پینا چھوڑ دے، یہ شریعت کو بدل ڈالنا اور بدعت ہے''۔ (اغلاط العوام، ص:۱۹۱، زمزم پبلشرز)

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر قرائن قویہ سے معلوم ہو جائے کہ بکر کوئی شگون کرتا ہے تو زید کو ہرگز اس کا کہنا نہیں ماننا چاہئے، بلکہ انکار کر دینا چاہئے کیوں کہ اس میں اعانت علی المعصیۃ ہے: ﴿تعاونوا علی البر والتقوی و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ "(۱) اگر کسی طرح بکر کی نیت کا علم نہ ہو، تب بھی چوں کہ احتمال شگون ضرور ہے، بلکہ غالب ہے، لہذا احتراز کرنا چاہئے۔ لقوله علیه الصلاة والسلام: "دع ما یریبك إلی ما لا یریبك" (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ذیقعدہ/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ذیقعدہ/۵۲ھ۔

جھاؤ کا استعمال کرنا

سوال [۲۲]: عوام میں مشہور ہے کہ درخت جھاؤ کو مسلمان اپنے استعمال میں لانا بہت برا سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو اس درخت سے آگ شروع ہوئی اور اسی درخت نے آگ پکڑی تھی، آیا یہ کسی کتاب سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جھاؤ کے متعلق ایسا خیال اور عقیدہ بے اصل ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اغلاط العوام، ص:۵ (۳) میں اس کی تردید فرمائی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ۔

وبا کی بستی سے نکلنا

سوال [۲۳]: ۱..... ایک گاؤں میں طاعون کا سلسلہ جاری ہو جاوے، اس گاؤں میں سے نکلنا مشروع یا نامشروع؟ کیونکہ آدھے آدمی نکل گئے آدھے بستی میں ہیں۔

---

(۱) (المائدة : ۲)

(۲) (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب و طلب الحلال، ص: ۱/۲۴۲، قدیمی)

(۳) (اغلاط العوام، ص: ۱۱، ادارة المعارف کراچی)

۲......اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے چلا گیا کھیت میں، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......ایسی بستی سے اس خیال سے باہر نکلنا کہ اگر یہاں رہیں گے تو طاعون میں مبتلا ہوں گے، اگر دوسری جگہ چلے جائیں گے تو بچ جائیں گے، ناجائز اور گناہ ہے، فقہ اور حدیث میں اس کی ممانعت آتی ہے(۱) کذا فی الاشباہ (۲)۔

۲......اس کا جواب نمبر:امیں آگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۲/۶۳ھ۔

مجذوم اور ابرص کے ساتھ اختلاط

سوال[۲۴] : زید مرض جذام میں مبتلاء ہے عرصہ آٹھ دس سال سے، اور عمر برص کے مرض میں ۲۵/ سال سے، زید کی ظاہری حالت چہرہ پر ورم اور بدن میں کچھ زخم ہو جاتے ہیں اور عمر کا جسم سفید ہو گیا ہے، کچھ سیاہی کے داغ ہیں، لہٰذا تعلقات کھانے پینے میں زید وعمر کے ساتھ کیا حکم ہے؟ فضل محمد، نیاز محمد، جلال آباد شاہجہان پور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أخذ بید مجذوم، فوضعها معه

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"الطاعون رجز أرسل على بني اسرائيل أو على من كان قبلكم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، و إذا وقع بأرض و أنتم بها فلا تخرجوا فراراً منه". (الصحيح لمسلم، باب الطاعون و الطيرة و الكهانة و نحوها: ۲/۲۲۸، قديمي)

"و إذا خرج من بلدة بها الطاعون، فإن علم أن كل شيء بقدر الله تعالىٰ، فلا بأس بأن يخرج و يدخل، و إن كان عنده أنه لو خرج نجا ولو دخل ابتلى به، كره له ذلك". (الدر المختار، مسائل شتى، قبيل كتاب الفرائض: ۶/۷۵۷، سعيد كراچى)

(۲) "المسألة الثالثة يستنبط من أحد الأوجه في النهي عن الدخول إلى بلد الطاعون، وهو منع التعرض إلى البلاء إلى آخره" (شرح الأشباه و النظائر الفن الثالث : الجمع و الفرق: ۳/۲۴۴، إدارة القرآن)

فی القصعة، و قال:"كل ثقةً باللّٰه و توكلاً عليه"۔(۱) رواه ابن ماجة(۲).

"عن عمرو بن الشريد عن أبيه قال: كان في وفد ثقيف رجل مجذوم، فأرسل إليه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم:" إنا قد بايعناك فارجع "۔(۳) رواه مسلم "(٤).

"عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:" لا عدوى ولا طيرة و لا هامة و لا صفر، و فرّ من المجذوم كما تفر من الأسد"۔ رواه البخاری"(۵) (مشكوة :ص: ۳۹۱، ۳۹۲)(٦)۔

روایات قولیہ فعلیہ سے دونوں باتیں ثابت ہیں: اختلاط بھی اور احتیاط بھی، لہذا اگر عقیدہ خراب ہونے کا اندیشہ ہو کہ فلاں شخص کیساتھ کھانے پینے سے مجھے ضرور بیماری لگ جائے گی تو احتیاط کرنا لازم ہے، اور اگر اللہ پر پورا بھروسہ ہو کہ بیماری وغیرہ جو کچھ ہے سب اللہ کے حکم سے ہے، بغیر اس کے حکم کے کچھ بھی نہیں ہوسکتا تو تعلقات رکھنے میں بھی مضائقہ نہیں۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ بیماری ضرور لگ ہی جاتی ہے اگرچہ خدا کا حکم نہ ہو، بہت برا اور ناجائز ہے، البتہ بیماری جس طرح کہ دوسرے اسباب سے ہوتی ہے اور کبھی باوجود اسباب کے نہیں ہوتی، اسی طرح ساتھ کھانے پینے سے کبھی ہو جاتی ہے، کبھی نہیں ہوتی، یہ عقیدہ صحیح اور درست ہے(۷)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۱/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱)(ترجمہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ پیالہ میں رکھ دیا اور فرمایا: "اللہ پر بھروسہ کر کے کھاؤ"

(۲) (ابن ماجة ، كتاب الطب ، باب الجذام ،ص: ۲۶۱ ، مير محمد كتب خانه)

(۳)(ترجمہ) وفد ثقیف میں ایک مجذوم شخص تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہلا بھیجا: "ہم نے تجھ کو بیعت کرلیا، واپس ہوجا"۔

(۴) (الصحيح لمسلم، كتاب الطب، باب اجتناب المجذوم ونحوه: ۲/۲۳۳، قديمی)

(۵)(ترجمہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نہ بیماری لگتی ہے نہ بدشگونی، نہ الّو منحوس ہے نہ ماہ صفر، اور مجذوم سے شیر سے بھاگنے کی مثل بھاگ"۔

(٦) (روى الأحاديث الثلاثة فی مشكوة المصابيح، باب الفال و الطيرة : ۳۹۱، ۳۹۲، قديمی)

(أخرجه البخاری فی الطب، باب الجذام: ۲/۸۵۰، قديمی)

(۷) "إن المراد بنفي العدوى أن شيئاً لا يعدى بطبعه، نفياً لما كانت الجاهلية تعتقده أن الأمراض تعدى بطبعها من غير إضافة إلى الله، فأبطل النبی صلى الله عليه وسلم اعتقادهم ذلك، وأكل مع المجذوم =

چیچک والے کے لئے چند مخصوص چیزیں

سوال[۲۵]: مرض چیچک میں مریض کے گلے میں چھاؤ کی وجہ سے سونا باندھنا اور گھر والوں کو اس زمانہ میں کپڑے نہ بدلنے دینا یا کپڑے بدل کر مریض کے گھر میں نہ جانا، یا باہر سے آئے ہوئے کو فوراً مریض کے پاس نہ جانے دینا اور گوشت نہ پکانا وغیرہ، یہ سب امور شرعی نقطۂ نظر سے کیسے ہیں؟ نیز جملہ مذکورہ باتوں میں سے باوجود جاننے کے اگر کوئی کسی ایک کا بھی عامل ہو، اس پر کیا حکم ہے؟ سائل: بندہ بقلم خود۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر تجربہ کار طبیب بتلائے کہ ایسے مریض کو گوشت کی بو، یا دھلے ہوئے کپڑے (مادے وغیرہ) کی بو مضر ہے تو اس سے بنابر پرہیز علاجاً احتیاط کرنے میں مضائقہ نہیں (۱)۔ اور اس عقیدہ کے ماتحت ان چیزوں سے بچنا کہ چیچک ماتا جی ہے اور ان چیزوں سے ناراض ہوتی ہے جیسا کہ اسی عقیدہ سے ہندو اس کی بہت خاطر

= ليبين لهم أن الله هو الذي يمرض و يشفي، و نهاهم عن الدنو منه ليبين لهم أن هذا من الأسباب التي أجرى الله العادة بأنها تفضي إلى مسبباتها، ففي نهيه إثبات الأسباب، و في فعله إشارة إلى أنها لا تستقل، بل الله هو الذي إن شاء سلبها قواها، فلا تؤثر شيئًا، وإن شاء أبقاها فأثرت". (فتح الباري، كتاب الطب، باب الجذام: ۱۰/۱۶۰، دار الفكر)

(كذا في تكملة فتح الملهم: كتاب الطب، باب: " (لا عدوى و لا طيرة و لا هامة)" الخ: ۴/۳۷۰، ۳۷۱، دار العلوم)

(وكذا في شرح مسلم للنووي، باب: لا عدوى و لا طيرة و لا هامة الخ: ۲/۲۳۰، قديمي)

(۱) "ونقل الحافظ عن ابن قتيبة أنه قال: "إن الأمر بالفرار من المجذوم ليس من باب العدوى في شيء، بل هو لأمر طبيعي، و هو انتقال الداء من جسد لجسد بواسطة الملامسة والمخالطة و شمّ الرائحة، و لذالك يقع في كثير من الأمراض في العادة انتقال الداء من المريض إلى الصحيح بكثرة المخالطة ...... و لهذا يأمر الأطباء بترك مخالطة المجذوم لاعلى طريق العدوى، بل على طريق التأثر بالرائحة، لأنها تسقم من واظب اشتمامها". (تكمله فتح الملهم، كتاب الطب، باب: لا عدوى ولا طيرة و لا هامة ...... الخ: ۴/۳۷۱، دار العلوم)

(و كذا في فتح الباري، كتاب الطب، باب المجذوم: ۱۰/۱۶۱، دار الفكر)

مدارات کرتے ہیں اور پوجتے ہیں، ناجائز اور منع ہے، یہ اہل اسلام کا عقیدہ نہیں (۱)، خلاف شرع امور سے اجتناب لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ جمادی الاولی/ ۵۸ھ۔

تعمیر مکان کے لئے وقت مقرر نہیں

سوال[۶۶]: مکان تعمیر کرنے کے لئے کوئی وقت شرع سے مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی وقت مقرر نہیں جب ضرورت ہو بقدر ضرورت بنانے کی اجازت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲/ ۵/ ۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاعدوى و لاصفر و لا هامة" فقال أعرابي: يا رسول الله! فما بال الإبل تكون في الرمل لكأنها الظبآء فيخالطها البعير الأجرب فيجربها؟ فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فمن أعدى الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الهامة: ۲/ ۸۵۹، قديمي)

باب العقائد

ما یتعلق باللہ تعالیٰ و صفاتہ

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان)

عقیدہ کی تعریف

سوال[۶۷]: عقیدہ کی کیا تعریف ہے؟ اور مسلمان کو کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عقیدہ بنیادی یقین ہے، جس پر نجات مرتب ہوتی ہے اور اس کے ترک سے نجات سے محرومی ہوتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

أصاب من أجاب هذا الجواب: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟

سوال[۶۸]: باری تعالیٰ کہاں ہیں؟ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے مدللاً ومفصلاً مع حوالہ کتب تحریر فرمائیے۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوة و مما رزقنٰهم ینفقون والذین یؤمنون بما أنزل الیک و ما أنزل من قبلک و بالآخرة هم یوقنون﴾. (سورة البقرة: ۳، ۴)

و قال تعالیٰ: ﴿کل آمن باللہ و ملائکته و کتبه و رسله﴾. (سورة البقرة: ۲۸۵)

و قال تعالیٰ: ﴿و من یکفر باللہ و ملائکته و کتبه و رسله والیوم الآخر فقد ضل ضلالاً بعیداً﴾. (النساء: ۱۳۶)

نوٹ: عقیدہ کی تعریف یہ ہے:

"العقیدة ما یقصد فیه الاعتقاد دون العمل". (التعریفات الفقهیة مع قواعد الفقه، ص: ۳۸۳، الصدف پبلشرز)

"العقیدة هی القضیة التی تصدق بها، و قد تطلق علی نفس التصدیق". (شرح العقائد، ص: ۱۰، امدادیه)

الجواب حامداً و مصلياً :

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، ہر صغیر وکبیر کا عالم ہے، کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں، نصوص صریحہ اور دلائل قطعیہ سے اس کا ثبوت ہے:

قال تعالى: ﴿لايعزب عنه مثقال ذرة في السموٰت ولا في الأرض، ولا أصغر من ذلك ولا أكبر إلا في كتاب مبين﴾(۱)۔

مگر اللہ تعالیٰ کے لئے دوسری اشیاء کی طرح کوئی مخصوص مکان محیط نہیں، کیونکہ وہ مکانی نہیں، بلکہ واجب اور قدیم ہے اور مکان وزمان وغیرہ حادث اور اس کی پیدا کی ہوئی ہیں، پھر کوئی مکان وغیرہ کیسے محیط ہو سکتا ہے؟

"ولا محدود، ولا معدود، ولا متبعض، ولا متجزئ، ولا شريك منها، ولا منتهاه، ولا يوصف بالماهيّة، ولا بالكيفية، ولا يتمكن في مكان، ولا يجري عليه زمان"۔(شرح العقائد، ص:۳۲۔(۲)

اور بعض نصوص میں جو خاص مکان کی طرف اشارہ ہے تو وہاں یہ مراد نہیں کہ وہ مکان اللہ تعالیٰ کو محیط ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم، یا کسی دوسری صفت کا خاص غلبہ اس جگہ مراد ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱)(سورة سبا : ۳)

قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لا يخفى عليه شيء في الأرض ولا في السمآء﴾. (آل عمران : ۵)

قال الله تعالىٰ: ﴿ومايخفى على الله من شيء في الأرض و لا في السمآء﴾. (إبراهيم : ۳۸)

(۲) (شرح العقائد النسفية للتفتازاني ،ص: ۴۰، قديمي)

"ومحمل الكلام و زبدة المرام أن الواجب لا يشبه الممكن، و لا الممكن يشبه الواجب، فليس بمحدود و لا معدود و لا متصور و لا متبعض و لا متحيز و لا متركب و لا متناه، ولا يوصف بالمائية والماهية، و لا بالكيفية من اللون والطعم والرائحة والحرارة والبرودة واليبوسة و غير ذلك مما هو من صفات الأجسام، ولا متمكن في مكان لا علو و لا سفل و لا غيرهما، و لايجري عليه الزمان كما يتوهمه المشبّهة والمجسّمة والحلولية". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري،ص: ۳۶، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ وأن الله قد أحاط بكل شيء علما﴾. (الطلاق : ۱۲)

=

خدا کے لئے جہت کا ماننا

سوال [۶۹] : کیا خدا کے لئے بھی زمان ومکان، یا کوئی دیگر قید، یا طرف ثابت ہے؟ جو ایسا ظاہر کرے، اس کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

خداوند قدوس زمان ومکان اور سمت سے منزہ ہے، جو شخص خدائے پاک کو ان چیزوں کے ساتھ مقید مانتا ہے، وہ ضلالت میں مبتلا ہے، شرح بخاری شریف میں تفصیل مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۸۷ھ۔

نورنامہ کا ایک شعر (خدا کے لئے جسم ماننا)

سوال [۷۰] : نورنامہ، جمعرات کو پڑھا کرتے ہیں، اس میں لکھا ہے کہ

مگر اس کی اپنی ہی صورت بنا   رکھا اس میں وہ جو کہ قندیل تھا

سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ جسم بھی رکھتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

بجائے اس کے قرآن پاک کی تلاوت کریں، درود شریف اور استغفار پڑھا کریں، اگر سب کو سنانا مقصود ہو تو حکایت صحابہ، فضائل نماز، فضائل صدقات اور حیاۃ المسلمین پڑھا کریں۔ اللہ تبارک تعالیٰ جسم سے

= "وإنما المراد : إحاطة عظمة و سعة و علم و قدرة". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۲۸۱، قديمى)

(وكذا في روح المعاني، (النساء: ۱۲۶): ۵/۲۲۹، دار الفكر)

(۱) قال العلامة العيني: "وجه ذلك أن جهة العلو لما كانت أشرف أضيف إليها، والمقصود علو الذات والصفات و ليس ذلك باعتبار أنه محله أو جهته، تعالىٰ الله عن ذلك علواً كبيراً". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب التوحيد، باب: "و كان عرشه على الماء"، "و هو رب العرش العظيم": ۲۵/۱۱۵، الناشر محمد أمين دمج)

پاک ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا خدا ہر شی میں ہے؟

سوال[۷۱]: ایک مسلمان کا اگر یہ عقیدہ ہو کہ خدا ہر شیء میں ہے، حتی کہ بت بھی خدا کے غیر نہیں ہیں، کیا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہر شیء کو خدا کی مخلوق اعتقاد کرنا چاہئے، یہ عقیدہ کہ ہر شیء خدا ہے حتی کہ بت بھی خدا کے غیر نہیں یہ اسلامی عقیدہ نہیں، ایسا عقیدہ رکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/محرم/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۲/محرم/۶۸ھ۔

---

(۱) "قال ابن بطال: تضمنت ترجمة الباب أن الله ليس بجسم، لأن الجسم مركب من أشياء مؤلفة، وذلك يرد على الجهمية في زعمهم أنه جسم". (فتح الباري، كتاب التوحيد: ۱۳/۳۴۵، دار المعرفة)

وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: "و هو شيء لا كالأشياء، و معنى الشيء إثباته بلا جسم و لا جوهر ولا عرض". (الفقه الاكبر، ص: ۳۵، ۳۶، قديمى)

"(و لا جسم)، لأنه متركب و متحيز، و ذلك أمارة الحدوث". (شرح العقائد النسفية للتفتازانى، ص: ۳۸، ۳۹، قديمى)

(۲) "اين كلام خلاف شرع است، اگر گوينده اين كلام حلول حق تعالىٰ را در اشياء يا اتحاد اشياء بآن ذات مقدس اعتقاد مى نمايد، پس كفر است". (فتاوى عزيزى، ص: ۱۴۱، كتب خانه رحيميه ديوبند)

"و بيان ذلك أن الاتحاد بعد ما قام من البراهين المقررة في كتب الحكمة، والكلام على امتناع اتحاد الاثنين هو يستلزم كون الواجب هو الممكن و عكسه، و ذلك محال بالضرورة، و أما الحلول فلوجوه: الأول أن الحالّ في الشيء يفتقر إليه في الجملة سواء كان حلول جسم فى مكان، أو عرض في جوهر، أو صورة في مادة كما هو رأى الحكماء، أو صفة في موصوف، والإفتقار إلى الغير ينافي الوجوب، و من ذلك حلول الامتزاج كالماء في الورد، فإنه من خواص الأجسام، و هى مفتقرة إلى الغير. =

اللہ تعالیٰ کا ہر شئے میں حلول کرنے کا عقیدہ

سوال[۷۲]: میرا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر، علم اس کا ہر جگہ ہے، حاضر و ناظر ہے: "سمیع بصیر، علی کل شیئ قدیر، واللہ غالب علی أمرہ"۔

جو لوگ اس مسئلہ کے منکر ہیں، دلیل پیش کریں، ورنہ تو وہ جھوٹے برخلاف اسلام کے لوگوں کو چلاتے ہیں اور برے عقیدے میں ڈالتے ہیں، پھر کیوں لوگوں کو خراب و برباد کرتے ہیں، علم شریعت کا سیکھنا فرض ہے، جو لوگ اس مسئلہ کو غلط کرتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں محض وہ لوگ جاہل ہیں۔

دیکھو، ذرا غور کرو، جاہل لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان میں ہے، یعنی مسلمان، ہندو، چوڑھا، چمار سب کے بیچ میں۔ توبہ استغفار، یا اللہ ان لوگوں کو ہدایت عطا فرما" ورب العرش فوق العرش لکن بلا وصف التمکن والاتصال" اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش مجید پر ہے اور وہ ایسے مکان میں ہے جس کا علم اسی کو ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں ہے، ہندو ہو، یا مسلم، یا چوپایوں کے، حتیٰ کہ تمام اشیاء پاک و پلید میں ہے، یہ عقیدہ بالکل غلط ہے اور جھوٹا ہے، (العیاذ باللہ) اور یہ کفر قبیح ہے (کتاب الابانۃ) (۱)۔ ۳۸۰ھ یہ مذہب پیدا ہوا ہے۔ کتاب العرش والعلو (کتاب حمویہ) قاضی ابن الحسن نے ایک شخص مذہب جہمیہ کو جہیم میں قید کیا، پس اس نے توبہ کی، رہا کرنے کے لئے لایا گیا تو ہشام نے امتحان لیا تو ناقص نکلا، پھر قید کر دیا گیا، کیونکہ توبہ نہیں کی ہے (نعوذ باللہ من ذلک) "توبوا إلی اللہ توبۃ نصوحاً" جو شخص کہتا ہے کہ خداوند کریم لامکان ہے، امام ابوحنیفہؒ جواب دیتے ہیں کہ "یکفر بہ" کفر کیا اس نے۔

= الثاني: أن الحلول في الغير إن لم يكن صفة كمال، و جب نفيه عن الواجب، وإلا لزم كون الواجب مستكملاً بالغير وهو باطل..... الخ". (الفتاوى الحديثية، مطلب ما معنى توحيد الصوفية المُوهِم للحلول والاتحاد الموجب لكثير من الفقهاء الاعتراض الخ ، ص: ۴۳۸، قديمي)

(و كذا في شرح المقاصد : ۳/ ۳۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وزعمت المعتزلة والحرورية والجهمية أن الله عزوجل في كل مكان، فلزمهم أنه في بطن مريم، وفي الحشوش والأخلية، و هذا خلاف الدين، تعالى الله عن قولهم علواً كبيراً". (الإبانة في أصول الديانة ، ص: ۱۲۱ ، المملكة العربية السعودية مركز شئون الدعوة)

الجواب حامداً و مصلياً :

خداوندکریم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہر شئے میں حلول کئے ہوئے ہے، کفر ہے(۱) اسی طرح یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ عرش پر، یا کسی اَور مکان میں ہے جس طرح کہ بادشاہ لندن میں ہے یہ بھی کفر ہے، ان دونوں عقیدوں سے توبہ اور اجتناب واجب ہے، خداوند تعالیٰ کسی مکان میں محدود نہیں، وہ مکان سے منزہ و بالاتر ہے:

”و (يكفر) بإثبات المكان لله تعالى، فإن قال: الله في السماء، فإن قصدبه حكاية ماجاء في ظاهر الأخبار، لايكفر، و إذا أراد به المكان كفر، وإن لم تكن له نية، يكفر عند أكثر هم، و عليه الفتوى اهـ“ مجمع: ۲/۶۹۸(۲)، ”يكفر بإثبات المكان لله تعالى، فلو قال: از خدا هيچ مكان خالى نيست يكفر“۔ عالمگيرى: ۱/۸۸۱(۳)۔

”ولا يتمكن في مكان اهـ“۔ شرح عقائد، ص: ۳۴(۴)۔

البتہ عرش پر اس کا خاص تسلط اور استیلاء ہے، اس کی کیفیت کو وہی خوب جانتا ہے اور اپنے علم کے

(۱) ”و ليس حالاً و لا محلاً“. (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۳۶، قديمى)

”و أما قوله: (عنده) فقال ابن بطال: ”عند“ في اللغة لمكان، والله منزه عن الحلول في المواضع، لأن الحلول عرض يفنى، و هو حادث، والحادث لا يليق بالله“. (فتح البارى، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿و يحذركم الله نفسه﴾: ۱۳/۴۷۵، قديمى)

”أن المعقول من حلول الشيء في غيره كون هذا الحالّ تبعاً لذلك المحل في أمر من الأمور، وواجب الوجود لذاته يمتنع أن يكون تبعاً لغيره، فوجب أن يمتنع عليه الحلول“. (أصول الدين للرازى، ص: ۴۴، مكتبه الكليات الأزهرية)

(۲) (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد: ۱/۶۹۰، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۲، ۲۰۳، رشيديه)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد: ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(۴) (شرح العقائد النسفية للتفتازانى، ص: ۴۰، قديمى)

”و لا متمكن في مكان لا علو و لا سفل و لا غيرهما“. (شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ۳۶، قديمى)

اعتبار سے ہر شئی کو محیط ہے: ﴿ثم استوى على العرش﴾: أي استواه، فقد يقدس الديان عن المكان والمعبود عن الحدود اهـ"۔ مدارك، ص:۱۱۷ "۔ (۱) ﴿وان الله قد أحاط بكل شيء علماً﴾. (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر العلوم، ۲۳/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

''اللہ تعالیٰ قادر ہے جو چاہے دکھلا دے''، عقیدہ پر اشکال اور اس کا جواب

سوال [۷۳]: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے اور جہاں چاہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر کردے، یا جو چاہے دکھلا دے، اس کے دلائل قرآن وحدیث میں کیا ہیں؟ ان دونوں سوالوں کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً مصلياً:

اس کا قادر مطلق ہونا ہی کافی ہے، مزید کسی دلیل کی حاجت نہیں (۳) دلیل طلب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قادر مطلق ہونا تسلیم نہیں یا اس میں شبہ ہے۔ لیلۃ المعراج کا واقعہ کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت، سب آسمانوں پر تشریف لے جانا، وہاں انبیاء سے ان کے مقامات پر ملاقات، جنت ودوزخ کا معائنہ ہی بڑا واقعہ ہے (۴) جس سے مسئلہ خوب واضح ہوجاتا ہے۔

---

(۱) (تفسير المدارك، (يونس: ۳): ۱/۵۲۸، قديمی)

(۲) (الطلاق: ۱۲)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله على كل شيء قدير﴾ (البقرة)

(۴) و في رواية "ثم أتيَ بالمعراج: و هو كالسلم ذو درج يرقى فيها، فصعد فيه إلى سماء الدنيا، ثم إلى بقية السموات السبع، فتلقاه من كل سماء مُقرّبوها، و سلم على الأنبياء الذين في السموات بحسب منازلهم و درجاتهم، حتى مر بموسى الكليم في السادسة، وإبراهيم الخليل في السابعة، ثم جاوز منزلتهما صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و عليهما و على سائر الأنبياء، حتى انتهى إلى مستوى يسمع فيه صريف الأقلام .... و رأى سدرة المنتهىٰ .... و رأى هناك جبرئيل على صورته: و له ستمائة جناح، و رأى رفرفاً أخضر قد سد الأفق، و رأى البيت المعمور وإبراهيم الخليل بانيَ الكعبة الأرضية =

نیز جب واقعہ معراج بیان فرمایا تو مشرکین نے بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کے ستون وغیرہ کی تعداد دریافت کی، اس وقت وہ مسجد سامنے کردی گئی، آپ اس کو دیکھ دیکھ کر جوابات عنایت فرماتے تھے(۱)۔ نیز نجاشی کے انتقال پر جنازہ سامنے کردیا گیا، حجابات اٹھادیئے گئے، اس پر نماز جنازہ ادا فرمائی (۲)۔

نیز غزوۂ موتہ کا میدان سامنے کردیا گیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ فلاں شخص نے جھنڈا لیا، وہ شہید ہوگیا، پھر فلاں نے لیا وہ شہید ہوگیا، پھر فلاں نے لیا وہ شہید ہوگیا، پھر فلاں نے لیا تب فتح ہوئی، اور آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ فلاں شخص کو دو بازو عطا ہوئے اور وہ ملائکہ کے ساتھ اڑتا ہوا جارہا ہے(۳)، غرض بے شمار واقعات بطور شواہد موجود ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۲ھ۔

= مسندا ظهره إليه ...... ورأى الجنة والنار ...... ثم هبط إلى بيت المقدس، و هبط معه الأنبياء، فصلى بهم لما حانت الصلاة، و يحتمل أنها الصبح من يومئذٍ الخ ". (تفسير ابن كثير : ۱/۲۲، مكتبه دار القلم)

(۱) "قال أبوسلمة : سمعت جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول : "لما كذبتني قريش قمت في الحجر، فجلى الله لي بيت المقدس، فطفقت أخبرهم عن آياته و أنا أنظر إليه". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب (أسرى بعبده ليلاً من المسجد الحرام) : ۲/۶۸۴، قديمي)

(۲) " عن ابن عباس قال: كشف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن سرير النجاشي حتى رآه و صلى عليه"، و لابن حبان من حديث عمران بن حصين: "فقام، وصفّوا خلفه، و هم لا يظنون إلا أن جنازته بين يديه". أخرجه من طريق الأوزاعي عن يحيىٰ بن أبي كثير عن أبي قلابة عن أبي المهلب عنه، و لأبي عوانة من طريق أبان وغيره عن يحيىٰ: "فصلينا خلفه، و نحن لا نرى إلا أن الجنازة قدامنا". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب الصفوف على الجنازة :۳/۲۴۳، قديمي)

(۳)"عن عبد الله بن أبي بن أبي بكر قال : لما التقى الناس بمؤتة جلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و كشف مابينه و بين الشام، فهو ينظر إلى معركتهم، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"أخذ الراية زيد بن حارثة، فمضى حتى استشهد" و صلى عليه و دعا له و قال:"استغفروا له دخل الجنة، و هو يسعى،ثم أخذ الراية جعفر بن أبي طالب فمضى حتى استشهد". و صلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و دعا له، و قال:" استغفروا له، دخل الجنة فهو يطير فيها بجناحين حيث شاء". (المرقاة، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلوة عليها، الفصل الأول: ۴/۱۴۰، رشيديه)

اللہ تعالیٰ حفاظت کرنا چاہیں تو دشمنوں کے بیچ میں حفاظت کریں، نہ چاہیں نہ کریں

سوال [۷۴]: اولیاء سے مانگنے سے متعلق آپ نے صحیح تحریر فرمایا کہ خدا سے مانگنا چاہئے، کوئی مسلمان اولیاء سے اگر یہ التجا کرے کہ اے حضرت فلاں! ہم اللہ کے گناہگار بندے ہیں، ہماری رسائی ویسی نہیں ہے جیسا کہ آپ کی ہے چونکہ آپ اللہ کے ولی اور برگزیدہ بندے ہیں، دعا فرمائیے کہ ہمارا فلاں فلاں کام ہوجائے۔ حیدرآباد میں ایک درگاہ حضرت یوسف شریف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، مولانا مفتی صاحب! یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب میں بغرض حاضری احاطۂ درگاہ میں قدم رکھتا ہوں تو میرے دل و دماغ کو ایک قسم کا سکون ملتا ہے، قلبی سکون حاصل کرنے کے لئے میں حاضر دربار ہوتا ہوں، اس سے میں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ وہ ولی اللہ ہیں اور اللہ کے خاص بندے ہیں اور ان کے دربار میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، جب کوئی انسان بلا مذہب وملت احاطہ رحمت میں قدم رکھتا ہے تو ایک مسلمان کا ایمان یہ ہے کہ اس کے بلیات، بیماری ضرور دور ہوجاتے ہیں اور اس کو قلبی و دماغی سکون ملتا ہے اور یہ کہ صرف خدا تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے نہ کہ بزرگ محترم کی دَین، کوئی مسلمان اگر ایسے برگزیدہ بزرگان دین اور اولیاء اللہ سے نگاہ کرم کی بھیک مانگے تو کیا یہ مناسب نہیں؟

اگر پیر میں زخم آجائے تو ایک ڈاکٹر جو کافر ہوتا ہے اس کو بلواتے ہیں اور مرہم لگاتے ہیں تو کیا اپنی مصیبت میں اگر ہم مدد کے لئے (غیر اللہ کا تصور کرکے) اگر ہم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضرت غوث پاک کا نام لیں اور ان کا ذکر کرکے حق تعالیٰ سے دعاء کریں تو کیا یہ مناسب نہیں؟ جب کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں حکم دیتا ہے کہ اے مومنو! تم ایک دوسرے کے مددگار بن جاؤ۔ جب اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کو مددگار بن جانے کا حکم دے رہا ہے تو پھر ہم اپنی مدد کے لئے اگر بزرگان دین کو پکاریں تو جائز نہیں اور ایک ڈاکٹر جو کافر ہے اس سے مصیبت میں مدد مانگتے ہیں، چونکہ مردہ مرتا نہیں زندہ رہتا ہے، خدائے پاک کی رحمت کا نزول اس بزرگ کے دربار میں ہوتا ہے اور ہم بلا مذہب وملت اس سے فیضیاب ہوتے ہیں، تو آیا یہ مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و برگزیدہ بندوں پر بیشمار رحمت کی بارش ہوتی ہے، ان کی قبر کے قریب پہونچ کر بے مثال سکون نصیب ہوتا ہے اور ان کی قبر کے پاس اور ان کے وسیلہ سے دعاء خدائے پاک سے مانگی جائے تو جلد قبول ہوتی ہے، نیز ان کی برکت سے اللہ پاک مصائب کو دور فرماتے ہیں، یہ دوسرے

حضرات کا بھی تجربہ ہے، لیکن براہ راست ان صاحب قبر بزرگ کو خطاب کر کے ان سے مانگنا اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہے(۱)، جو بات جس قدر ثابت ہے اس کو تسلیم کیا جائے، جو ثابت نہ ہو اس سے پرہیز کیا جائے۔

جب تک آدمی اس دنیا میں زندہ ہے اس کے احکام اور ہیں، جب اس کی وفات ہوگئی اس کے احکام بھی دوسرے ہوگئے، برزخ کے احکام کو دنیا کے احکام پر قیاس کرنا صحیح نہیں، بزرگان دین کو بھی وفات ہونے پر غسل وکفن دیکر نماز جنازہ پڑھ کر قبر میں دفن کیا جاتا ہے شریعت کا حکم ہے، صحابہ کرام، اولیاء اللہ سب کے لئے یہی حکم ہے(۲)، شہید کو غسل نہیں دیا جاتا، وفات کے بعد مال بھی ترکہ میں تقسیم ہوجاتا ہے، بیوی بھی عدت گزار کر نکاحِ ثانی کی مختار ہوتی ہے، وفات سے قبل زندہ پر یہ حکم جاری نہیں ہوتا(۳) کسی زندہ ڈاکٹر کو آپ دفن کرنے کا حق نہیں رکھتے، دنیوی معاملے کافر کے ساتھ بھی کئے جاتے ہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی یہودی سے قرض لیا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھی ہے(۴) اسی طرح اگر آپ کسی کافر ڈاکٹر سے

---

(۱) قال العلامة الآلوسی: "و أما إذا كان المطلوب منه ميتاً أو غائباً فلا يستريب عالم أنه غير جائز، و أنه من البدع التي لم يفعلها أحد من السلف اهـ". (روح المعاني: ۱۲۵/۶، (سورة المائدة: ۳۵)، دار إحياء التراث العربي)

و قال أيضاً: "لم يشك في أن الاستغاثة بأصحاب القبور .... أمر يجب اجتنابه، و لا يليق بأرباب العقول ارتكابه". (روح المعاني: ۱۲۹/۶، (سورة المائدة: ۳۵)، دار إحياء التراث العربي)

(۲) "و أما بيان من يصلي عليه: فكل مسلم مات بعد الولادة يصلي عليه، صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثىٰ، حراً كان أو عبداً ..... لقول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوا على كل بَرٍ و فاجرٍ" (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من يصلي عليه: ۳۳۶/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "فأما في حق أحكام الدنيا فالشهيد ميت، يقسم ماله و تنكح امرأته بعد انقضاء العدة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في حكم الشهيد في الدنيا: ۳۲۰/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۱۵۲/۱، سورة البقرة: ۵۴، حافظ كتب خانه)

(۴) "عن عائشة (رضي الله عنها) أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اشترى طعاماً من رجل يهودي إلى أجل و رهنه درعاً من حديد". (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب شرى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالنسيئة: ۲۷۷/۱، قديمي)

زخم کی دوالیں، شرعاً اجازت ہے، لیکن کسی بزرگ سے آپ ہی ان کی قبر کے پاس جا کر زخم پر مرہم نہیں لگواتے، آپ ضرور بزرگانِ دین کے مزار مبارک پر جایئے اور موافقِ سنت ہر غلط کام سے بچ کر زیارت بھی کیجئے، ثواب بھی پہونچایئے، دعا بھی اللہ تعالیٰ سے کیجئے (۱) اور اس طرح دعا بھی کر سکتے ہیں کہ یا اللہ! اپنے مقبول بندوں کے طفیل مجھ گنہگار کی دعا قبول کر، مصیبت کو دور فرما (۲)، مگر براہ راست ان بزرگ سے نہ مانگئے، یہی طریقہ سنت کے موافق ہے، اس میں ان بزرگ کے ساتھ عقیدت بھی صحیح طریقہ پر ہے، ان کا احترام بھی ہے، اتباعِ سنت بھی ہے، اس سے زائد طویل بحث میں نہ جایئے۔

حق تعالیٰ جل شانہ کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ بہت عجیب وغریب ہے، دشمن سے حفاظت کرنا چاہیں تو مکان کا محاصرہ ہونے کے باوجود پوری احتیاط کے ساتھ دشمن سے بچا کر مکہ معظمہ سے بچالائیں اور غارِ ثور میں بھی حفاظت فرمالیں، دشمن موجود ہے مگر دیکھ نہیں سکتا (۳)۔ دوسرا معاملہ فرمانا چاہیں تو غزوۂ احد میں سارا

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: مر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بقبور المدینة، فأقبل علیهم بوجهه فقال: "السلام علیکم یا أهل القبور، یغفر اللہ لنا و لکم، أنتم سلفنا و نحن بالأثر".

قال القاری تحته: "و إذا زاره یقرأ فاتحة الکتاب و قل هو اللہ أحد ثلاث مرات، ثم یدعوا له، ولا یمسحه، و لا یقبله، فإن ذلک من عادة النصاری". (المرقاة شرح المشکوة: ۴/۳۵۳، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۱۷۶۵، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۴۲، ۳۴۳، کتاب الجنائز، رشیدیه)

(۲) "عن أمیة بن خالد بن عبد اللہ بن أسید رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: أنه کان یستفتح بصعالیک المهاجرین".

قال القاری: "(بصعالیک المهاجرین) أی بفقرائهم و ببرکة دعائهم و فی النهایة: أی یستنصر بهم .... و قال ابن الملک: بأن یقول: أللهم انصرنا علی الأعداء بحق عبادک الفقراء المهاجرین" (المرقاة شرح المشکوة: ۹/۱۰۰، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۵۲۴۷، رشیدیه)

(۳) "عن ابن عباس رضی اللہ عنهما فی قوله تعالیٰ: ﴿إذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک﴾ قال: تشاورت قریش لیلة مکة، فقال بعضهم: إذا أصبح فأثبتوه بالوثاق، یریدون النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و قال بعضهم: بل اقتلوه، و قال بعضهم: بل أخرجوه، فاطلع اللہ عزوجل نبیّه علی ذلک، فبات=

لشکر اور ہتھیار موجود رہتے ہوئے بھی دندان مبارک شہید ہوجائے، سر مبارک بھی زخمی ہوجائے (۱) حضرت زکریا علیہ السلام کو قوم نے پکڑنا چاہا مگر حفاظت کی گئی، قوم پکڑ نہیں سکی، ایک درخت میں امن دیدیا گیا، دوسرا معاملہ کرنا چاہا تو درخت کے اندر آرہ سے ذبح کرادیا گیا (۲)۔ غرض کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے کام میں

= عليٌّ على فراش النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تلك الليلة، و خرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتى لحق بالغار، و بات المشركون يحرسون علياً يحسبونه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلما أصبحوا ثاروا إليه، فلما رأوا علياً ردّ الله مكرهم فقالوا: أين صاحبك هذا؟ فقال: لا أدري، فاقتصوا أثره، فلما بلغوا الجبل خلط عليهم، فصعدوا في الجبل فمروا بالغار فرأوا على بابه نسج العنكبوت، فقالوا: لو دخل ههنا لم يكن نسج العنكبوت على بابه فمكث فيه ثلاث ليالٍ". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱/۵۴۲، ۵۴۳، رقم الحديث: ۳۲۴۱، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في فتح الباري: ۷/۳۰۰، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة رقم الحديث: ۳۹۰۵، قديمي)

(وكذا في عمدة القاري: ۱۷/۶۰، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ......رقم الحديث: ۳۹۰۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۹/۱۹۷، ۱۹۸، (سورة الأنفال، الآية: ۳۰)، دار احياء التراث العربي)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۲/۴۰۱، دار الفيحاء بيروت)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: "اشتد غضب الله على من قتله النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في سبيل الله، اشتد غضب الله على قومٍ دمّوا وجه نبي الله". (صلى الله عليه وسلم). (صحيح البخاري: ۲/۵۸۳، كتاب المغازي، باب ما أصاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الجراح يوم أحد، قديمي كتب خانه)

قال الحافظ: "و مجموع ما ذكر في الأخبار أنه شج وجهه، وكسرت رباعيته، و جرحت وجنته و شفته السفلى من باطنها" (فتح الباري: ۷/۴۷۳، كتاب المغازي، باب ما أصاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الجراح يوم أحد، قديمي)

(كذا في تفسير ابن كثير: ۱/۵۵۲، ۵۵۳، سورة آل عمران: ۱۵۳، دار الفيحاء)

(۲) "وكذلك زكريا عليه السلام، لأنه لما قتل ابنه انطلق هارباً، فأرسل الملك في طلبه غضباً لما =

کیا کیا راز ہیں۔

صاحب قبر بزرگ سے دعا کی درخواست کرنا کہ آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجئے ثابت نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۲۸/ ۶/ ۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند ۲۸/ /۹۵ھ۔

کیا اللہ تعالیٰ اونگھنے پر قادر ہے؟

سوال[۷۵]: کیا اللہ تعالیٰ بھی نیند یا اونگھنے پر قادر ہے؟اور جو خدائے واحد کی ذات وصفات میں کسی بھی فعل قبیح کی قدرت ہونا مانے ،اس کے لئے شرعی حکم کیا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

خدائے پاک کی شان اس سے بالاتر ہے:﴿لا تأخذه سنة و لا نوم﴾۔الاية (۲) کسی بھی فعل قبیح کے ساتھ ذاتِ خداوندی کو متصف ماننا اس کو عیب لگانا ہے جس کی اسلام میں ہرگز گنجائش نہیں ، جو شخص ایسا کرتا ہے وہ ایمان سے خارج ہے (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۱۲/ ۹۵ھ۔

= حصل لإمرأته من قتل إبنه ، فوجد في جوف شجرة، ففلقوا الشجرة معه فلقتين طولاً بمنشارٍ". (روح المعاني: ۱/ ۲۷۷، سورة البقرة : ۲۱، دار احياء التراث العربي)

(۱) (راجع، ص: ۱۳۱، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (البقرة : ۲۵۵)

(۳) "إذا وصف الله بما لا يليق به ...... يكفر". (الفتاوى التتارخانية: ۵/ ۴۶۱، فيما يقال في ذات الله سبحانه، إدارة القرآن)

"فيكفر إذا وصف الله تعالى بما لا يليق به". (البحر الرائق :۵/ ۲۰۲، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية : ۲/ ۲۵۸، كتاب السير، باب أحكام المرتدين،و منها ما يتعلق بذات الله تعالىٰ، رشيديه)

خالق مخلوق بننے پر قادر ہے یا نہیں؟

سوال[۷۶]: خالق کسی بھی مخلوق کو جو چاہے بنادے، وہ خود بھی کوئی مخلوق بننے پر قادر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تمام مخلوق خدائے قادر ومطلق کی پیدا کی ہوئی ہے(۱) خالق کے متعلق یہ سوال کہ وہ خود بھی کوئی مخلوق بننے پر قادر ہے یا نہیں، بےمحل سوال ہے، کیونکہ ہر مخلوق حادث وممکن ہے(۲) اور خدائے پاک واجب وقدیم ہے(۳)۔ جس چیز کے تسلیم کرنے سے ذات وصفاتِ خداوندی میں فرق آجائے وہ محال ہے جیسے خالق کو مخلوق تسلیم کرنا، قدیم کو حادث تسلیم کرنا، واجب کو ممکن تسلیم کرنا، پس اس کا مخلوق بن جانا ممتنع بالذات اور محال ہے(۴)، کوئی مُحال چیز باری تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں، وہ ہر محال سے منزہ و برتر ہے، ایسی چیزوں کو اس کی طرف منسوب کرنا سخت گستاخی ہے۔ فقط. واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

امکان کذب

سوال[۷۷]: یا موافق قول مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صاحب فتاوی رشیدیہ "خدا جھوٹ بولنے پر قادر

(۱) وقال الله تعالیٰ: ﴿وخلق كل شيء فقدّره تقديراً﴾. (الفرقان: ۲)

وقال الله تعالیٰ: ﴿و هو الذي خلق لكم ما في الأرض جميعاً﴾. (البقرة: ۲۹)

(۲) "والعالم: أي ما سوى الله تعالیٰ من الموجودات مما يعلم به الصانع يقال: عالَم الأجسام، وعالم الأعراض، وعالم النباتات، و عالم الحيوان إلى غير ذلک ...... بجميع أجزائه من السموات و ما فيها والأرض وما عليها محدث: أي مخرج من العدم إلى الوجود". (شرح العقائد، ص: ۱۹، دهلي)

(۳) "والمُحدِث للعالم هو الله تعالیٰ: أي الذات الواجب الوجود الواحد القديم". (شرح العقائد، ص: ۲۵، دهلي)

(۴) "و لا يحتاج إلى شيء أصلاً إذ لو كان جائز الوجود لكان من جملة العالم، فلم يصلح محدِثاً للعالم و مبدءاً له مع أن العالم اسم لجميع ما يصلح عَلَماً على وجود المبدأ له، و قريب من هذا ما يقال: إن مبدأ الممكنات بأسرها لا بد أن يكون واجباً؛ إذ لو كان ممكناً؛ لكان من جملة الممكنات فلم يكن مبدءاً لها". (شرح العقائد، ص: ۲۶، دهلي)

ہے'' آیا درست ہے؟ اگر درست ہے تو کیا خدا جھوٹ بولتا ہے، جو خدا جھوٹ بولنے کی طاقت رکھتا ہو تو کیا وہ جھوٹ نہیں بولتا؟ اگر بول سکتا ہے تو اگر خدا کہے کہ تم عبادت کرو، تمہارے لئے جنت ہے، اگر نہ کرو گے تو دوزخ تو کیا اس قول کو دونوں طرف سے ایک طرف محمول نہیں کر سکتے؟ اگر دونوں طرف یعنی صدق وکذب میں سے کسی پہلو کو لیا جاوے تو کیا ایک طرف کذب نہیں آ سکتا؟ اگر آ سکتا ہے تو نعوذ باللہ خدا پر کذب کی نسبت صادق آتی ہے؟ ۲۱/شعبان ۵۶ھ

الجواب حامداً و مصلياً :

قدرت مستلزم صدور نہیں، کذب ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہے، کذب چوں کہ قبیح ہے، اس لئے اس کا صدور باری تعالیٰ سے نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا، جو شخص صدورِ کذب کا قائل ہے وہ کافر ہے، جیسا کہ فتاوی رشیدیہ میں ہے(۱)۔

لیکن صدور نہ ہونے سے قدرت کا سلب لازم نہیں آتا، اگر قدرت نہ مانی جائے تو عجز لازم آتا ہے جو کہ ﴿إن الله على كل شيء قدير﴾(۲) کے خلاف ہے، قرآن شریف میں تعریف کے موقع پر فرمایا ہے: ﴿ومن أصدق من الله قيلاً﴾(۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدق کی ضد پر قدرت ضرور ہے اور وہ (ضد) کذب ہے، کیونکہ اگر قدرت نہ ہو تو وہ صدق پر مجبور ہوگا، لہذا ایسی شی بھی کچھ تعریف کے قابل ہوتی ہے کہ جس پر مجبور ہو اور اس کے خلاف پر قدرت نہ ہو، فعل قبیح تو قبیح ہوتا ہے اور فعل قبیح پر قدرت قبیح نہیں ہوتی، اور یہ مسئلہ شرح مقاصد (۴) شرح مواقف (۵) تفسیر کبیر (۶) شامی (۷) وغیرہ سب میں موجود ہے۔

---

(۱) (فتاوی رشیدیہ، کتاب العقائد، ''اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت''، ص: ۲۸۹، سعید کراچی)

(۲) (البقرة : ۲۰)

(۳) (النساء : ۱۲۲)

(۴) "والجواب، لا نسلم قبح الشيء بالنسبة إليه، كيف و هو تصرف في ملكه، و لو سلم، فالقدرة عليه لا تنافي امتناع صدوره عنه نظراً الى وجود الصارف، وعدم الداعي وإن كان ممكناً في نفسه". (شرح المقاصد، الفصل الثالث في الصفات الوجودية، المبحث الثاني إثبات القدرة لله تعالىٰ: ۳/۷۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۵) "الفرقة (الرابعة : النظام و متبعوه قالوا: لا يقدر على) الفعل (القبيح، لأنه مع العلم بقبحه، سفه =

....

= ودونه جهل، و كلاهما نقص) يجب تنزيهه تعالىٰ عنه (والجواب أنه لا قبيح بالنسبة إليه، فإن الكل ملكه) فله أن يتصرف فيه على أيّ وجه أراد (وإن سلم) قبح الفعل بالقياس إليه (فغايته عدم الفعل لوجود الصارف) عنه، وهو القبح، (وذلك لاينفي القدرة) عليه". (شرح المواقف، المرصد الرابع، المقصد الثاني في قدرته تعالىٰ: ۸/۴۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "احتج أصحابنا بهذه الآية على أن مقدور العبد مقدور لله تعالىٰ خلافاً لأبي علي وأبي هاشم، و وجه الاستدلال أن مقدور العبد شيء و كل شيء مقدور لله تعالىٰ بهذه الآية، فيلزم أن يكون مقدور العبد مقدوراً لله تعالىٰ" . (التفسير الكبير،(البقرة : ۲۰)،۲/۹،۳۱۹، دارإحياء التراث العربي)

"فإن العقلاء أجمعوا على أنه تعالىٰ منزه عن الكذب، و لأنه إذاجوز الكذب على الله في الوعيد لأجل ما قال : إن الخلف في الوعيد كرم، فلِمَ لا يجوز الخلف أيضاً في وعيد الكفار؟ وأيضاً فإذا جازالخلف في الوعيد لغرض الكرم فلم لا يجوز الخلف في القصص والأخبار لغرض المصلحة؟ و معلوم أن فتح هذاالباب يفضي إلى الطعن في القرآن و كل الشريعة، فثبت أن كل واحد من هذين الوجهين ليس بشيء". (التفسير الكبير،(النسآء : ۹۳)،۱۰/۲۳۹، دار الكتب العلمية طهران)

(۷) "هل يجوز الخلف في الوعيد ؟ فظاهر ما في المواقف والمقاصد أن الأشاعرة قائلون بجوازه، لأنه لا يُعدّ نقصاً بل جوداً و كرماً، و صرح التفتازاني وغيره بأن المحققين على عدم جوازه، و صرح النسفي بأنه الصحيح لاستحالته عليه تعالىٰ، لقوله : (وقد قدمت إليكم بالوعيد ما يبدل القول لديّ) و قوله تعالىٰ: ﴿ و لن يخلف الله وعده﴾: أي وعيده، و إنما يمدح به العباد خاصةً، .... والأشبه ترجح جواز الخلف في الوعيد في حق المسلمين خاصةً دون الكفار توفيقاً بين أدلة المانعين المتقدمة وأدلة المثبتين التي من نصها قوله تعالىٰ: ﴿ إن الله لايغفر أن يشرك به و يغفر مادون ذلك﴾ و قوله عن إبراهيم : ﴿رب اغفر لي و لوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب﴾، و أمر به نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بقوله تعالىٰ : ﴿ واستغفروا لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات﴾ و فعله عليه السلام كما في صحيح ابن حبان ،أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "اللهم اغفر لعائشة ماتقدم من ذنبها و ما تأخر، ما أسرت و أعلنت"،ثم قال :"إنها لدعائي لأمتي في كل صلاة)". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب في الدعاء المحرم، و في خلف الوعيد، و حكم الدعاء بالمغفرة للكافر ولجميع المؤمنين: ۱/۵۲۲، ۵۲۳، سعيد)

جہد المقل (۱) المہند وغیرہ میں اس کوخوب بسط سے بیان کیا گیا ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۸/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ۔ صحیح :عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم، ۴ رمضان ۵۶ھ۔

مسئلہ امکان کذب اور الفتح المبین میں تلبیس

سوال[۷۸] : مارچ ۵۷ میں مقام کوسیار میں علماء دیو بند وعلماء بریلوی میں مناظرہ ہوا، مخالفین کی طرف سے محمد حسن سنبھلی اور اپنی طرف سے مقامی علماء تھے، ہمارے علماء بوجوہ چند جواب نہ دے سکے، اہم اعتراض ان کا امکان کذب تھا ،حضرت گنگوہیؒ نے فتاوی رشیدیہ میں لکھا ہے کہ ''وقوع کذب معنی ہو گیا'' (۳)،حضرت شیخ الہند نے الجہد المقل میں امکان کذب کو ثابت کیا ہے (۴)، براہین قاطعہ میں خلفِ وعدکو خلف وعید کی فرع لکھ کر امکان کذب کا اعتراف کیا ہے (۵) دلائل سے قطع نظر مولانا عبد العلی صاحب آسی مدراسی نے ایک کتاب (فتح المبین مع تنبیہ الوہابین) بجواب ظفر المبین لکھی تھی ،مولانا آسی کی کتاب ۱۸۹۲ء میں بار دیگر طبع ہوئی ، اس کتاب کا ایک ضخیم ضمیمہ ہے، جس میں عقائد غیر مقلدین وہابیہ نجدیہ کوشمار کر کے اس کورد کیا ہے، غیر مقلد وہابیہ نجدیہ کا عقیدہ ہے کہ'' خدا جھوٹ بول سکتا ہے'' ان عقائد کے رد میں علماء دیو بند میں سے حضرت گنگوہیؒ ،حضرت شیخ الہندؒ ،حضرت تھانویؒ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ،حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ ،حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے دستخط ہیں ،مہریں بھی ثبت ہیں ، ان کے علاوہ علماء دہلی ،لکھنؤ ، کان پور، لدھیانہ، رامپور وغیرہ کے دستخط ہیں اور مہریں بھی ہیں۔ اس کے باوجود اکابرین دیو بند امکان کذب کے قائل ہیں، جیسا کہ فتاوی رشیدیہ، الجہد المقل ، براہین قاطعہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔تو مولانا آسی مدراسی

---

(۱) (جهد المقل فی تنزیه المعزّ والمذل، مکتبه مدنیه لاهور)

(۲) (المهند علی المفند ،ص: ۷۹، السوال الرابع والعشرون، مجیدیه ملتان)

(۳) معنی کے بجائے لفظ صورت کذب کا ذکر ہے۔ (فتاوی رشیدیه،ص: ۹۶ ، کتاب العقائد، نقل خط حضرت سیدنا حاجی امداد اللہ صاحبؒ ...... در مسئله امکان کذب الخ ، سعید)

(۴) (الجهد المقل فی تنزیه المعز والمذل، مکتبه مدنیه اردو بازار لاهور)

(۵) (براهین قاطعه بجواب انوار ساطعه ،ص: ٦ ، دار الاشاعت کراچی)

کی کتاب ''ضمیمہ فتح المبین مع تنبیہ الوہابین'' میں ان حضرات کی تصدیقات اور دستخط ومواہر کیوں ثبت ہیں؟ اس کتاب میں غیر مقلدین وہابیہ کے عقیدے میں "یا شیخ عبد القادر شیئا للہ" کو شرک کہنا اور اس کے عدم جواز کے قول کو ان ہی حضرات نے رد کر کے دستخط ومواہر ثبت کی ہیں، پھر راہ سنت اور فتاوی دار العلوم دیوبند میں ان چیزوں کو ناجائز کیوں لکھا گیا؟

مذکورہ بالا مناظرہ کے بعد تقریباً تیس میل تک عوام علمائے دیوبند کے عقائد سے متنفر ہو چکے ہیں، اس لئے آپ سے عرض ہے کہ علمائے دیوبند کے اقوال میں جو تعارض، بلکہ خود اپنے اپنے قول کا رد ثابت ہو رہا ہے، اس کو نہایت سیر حاصل طور پر حل فرما کر ہمارے عوام کو بچائیں۔ فقط عبد الحلیم قاسمی بھوجا گاؤں پوسٹ کدالدا ضلع مغربی دیناجپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

''الفتح المبین'' کو مبتدعین نے طبع کرایا اور ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا جو کہ مصنف الفتح المبین کا نہیں اور علماء کرام کے جو دستخط ''الفتح المبین'' کے آخر میں تھے ان کو ضمیمہ کے ختم پر منتقل کر دیئے، تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ علمائے کرام اس ضمیمہ کے موافق اور مؤید ہیں، ظاہر ہے کہ یہ کس قدر بڑی تلبیس اور فریب کاری ہے، جب مصنف ''الفتح المبین'' کو اس کی اطلاع ہوئی تو مصنف مرحوم ومغفور نے اطلاعِ عوام کے لئے اشتہار شائع کیا اور فریب کاری کو ظاہر کر کے اس سے اپنی پوری برأت کی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اہل مطبع نے تمام دنیا کے رطب و یابس بدعات لکھ کر ان مہروں کو آخر میں لکھ دیا اور اکثر بدعات ورسومات مروجہ کی اباحت ومشروعیت اس میں درج کی ہے، میں بہ ہزار جان اس قسم کے عقائد واعمال سے بیزار ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ کوئی صاحب مواہیر کو آخر ضمیمہ میں دیکھ کر یہ خیال نہ فرمائیں کہ مؤلف کتاب اور علمائے دیوبند مصدقین ومصوبین کتاب موصوف "الفتح المبین" کل مندرجہ ضمیمہ کے قائل ہیں۔ حاشا ثم حاشا، اہل مواہیر وبندہ نحیف ایسی بدعات ورسومات نامشروع اور ان پر مہر کرنے سے بری ہیں، کیونکہ اس ضمیمہ میں بہت سے مسائل بلا دلیل درج ہیں، اور نہ قرآن شریف وحدیث شریف اور اقوالِ ائمہ مجتہدین سے ان کا ثبوت ہے، فقط رسوم اور بے اصل امور ہیں، ان کو داخل عبادات اور حسناتِ شرعیہ کرنا بڑی جہالت ہے۔ یہ صرف اہل مطبع کی چالاکی ہے کہ عوام کو دھوکہ دیکر بدعات ورسومات کو اس تدبیر سے رواج دیں۔ (لیحق الحق و یبطل

الباطل و لو کرہ المجرمون)(۱)۔

مجھ بندہ نحیف کو بوساطت جناب تقدس مآب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب محدث نانوتوی وحضرت مولانا محمد احمد علی صاحب محدث سہارنپوری امطر اللہ علیہم شآبیب رضوانہ خاندان حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے علاقہ استناد ہے۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحبؒ، حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ، حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہم وارضاہم، ان بزرگوں کے جو عقائد واعمال کہ ان کی تصانیف اور فتووں سے بخوبی واضح ہیں، وہی عقائد واعمال اس بندہ نحیف کے تصور فرمائیں۔

بالجملہ سب حضرات متنبہ رہیں اور مضامین مندرجہ ضمیمہ سے مجھ نحیف اور جملہ علمائے حقانی کو بری رکھیں اور خود ان عقائد واعمال سے حذر کریں، ورنہ بجائے نفع آخرت نقصان اٹھائیں گے، اور جن حضرات کے پاس کتاب ہذا موجود ہو، وہ اشتہار ہذا اس کے آخر میں منضم کرلیں اور جہاں کہیں کتاب کی خبر پائیں، اشتہار کے پہونچانے میں کوشش بلیغ کریں اور جو صاحب پھر اس کتاب مذکور کے طبع کا قصد فرمائیں، مضامین زوائد مرقومہ ضمیمہ مذکور جو میرے نہیں ہیں، خارج کرکے طبع کرادیں یا مع اشتہار ہذا کے طبع کرادیں، تاکہ عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں اور کوئی دھوکہ نہ کھاوے۔ و ما علینا الا البلاغ المبین"۔

کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں اشتہار اسی کتاب کے ساتھ موجود ہے، امید ہے کہ اہل علم حضرات اور اہل فہم عوام کی الجھنیں بڑی حد تک دور ہوجائیں گی اور اب وہ الفتح المبین کے ضمیمہ کے مضامین کو نہ الفتح المبین کے مصنف کی طرف منسوب کریں گے، نہ ان اکابر علماء حق کی طرف منسوب کریں گے، جن کے دستخط کتاب "الفتح المبین" کے ختم ہونے کے بجائے ضمیمہ کا اضافہ کرکے ختم پر کردیئے گئے، خدائے پاک ایسے دجل وفریب کرنے والوں کا انتظام فرمائے، دیانتداری وخوفِ آخرت ان کو عطا فرمائے۔

اب رہ گیا امکان کذب کا مسئلہ تو یہ درحقیقت سیدھی سادی صاف بات کو بگاڑا گیا ہے، جس سے مقصود عوام مسلمانوں کو دھوکا دیکر علمائے حق سے بدظن وتنفر کرنا ہے۔ اصل مسئلہ توسیع قدرت کا ہے، جس کا عنوان بگاڑ کر لوگوں کے سامنے وحشت ونفرت پھیلائی جاتی ہے۔ (فتاوی رشیدیہ، قرآن محل ص:۹۰) میں ہے(۲):

---

(۱) (سورہ الأنفال:۸)

(۲) (فتاوی رشیدیہ، ص:۹۳، ۹۴، کتاب العقائد، اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت، سعید)

"ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک و منزہ ہے، اس سے کہ متصف بصفتِ کذب کیا جاوے- معاذ اللہ تعالیٰ- اس کے کلام میں ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿و من أصدق من اللہ قیلاً﴾ (۳) جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے اور مخالف قرآن اور حدیث کا اور اجماع امت کا ہے، وہ ہرگز مومن نہیں۔ ﴿تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً﴾۔

البتہ یہ عقیدہ اہل ایمان سب کا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مثلِ فرعون و ہامان و ابی لہب کو قرآن میں جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے، وہ حکم قطعی ہے، اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا، مگر وہ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دیدیوے، عاجز نہیں ہوگیا، قادر ہے، اگرچہ ایسا اپنے اختیار سے نہ کریگا۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لو شئنا لآتینا کل نفس - تا- من الجنة والناس أجمعین﴾ (۲) اس آیت سے واضح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو سب کو مؤمن کردیتا، مگر جو فرما چکا ہے اس کے خلاف نہ کرے گا اور یہ سب اختیار سے ہے، اضطرار سے نہیں، وہ فاعل مختار ہے، ﴿فعال لما یرید﴾ ہے (۳) یہ عقیدہ تمام علماء امت کا ہے، چنانچہ تفسیر بیضاوی شریف میں تحت قولہ تعالیٰ: ﴿إن تغفر لهم﴾ الخ (۴) لکھا ہے کہ عدم غفران شرک مقتضی وعید کا ہے ورنہ کوئی امتناع ذاتی نہیں، اور یہ ہے عبارت اس کی: "وعدم غفران الشرك مقتضى الوعيد فلا امتناع فيه لذاته"۔ (۵) واللہ اعلم بالصواب"۔

کتبه الأحقر رشید أحمد گنگوهی عفی عنه

ص: ۲۰۴ پر اس مسئلہ کو لکھ کر آخر میں تحریر فرمایا ہے: "اس کو اعداء نے دوسری طرح بیان کیا ہوگا"۔

(براہین قاطعہ (۶) اور جہد المقل میں بھی یہی ہے۔

اہل علم حضرات کے لئے اتنا کافی ہے، عوام کو ان کے ذہن کی صلاحیت کے اعتبار سے خود سمجھا دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۴/۴/۹۵ھ۔

---

(۱) (النساء: ۱۲۲) (۲) (السجدة: ۱۳) (۳) (البروج: ۱۶)

(۴) (المائدة: ۱۱۸) (۵) (تفسير البيضاوى: ۱/۲۹۱، دارلكتب العلمية بيروت)

(۶) (براهين قاطعه لخليل احمد السهارنفورى)

محال کے ساتھ ممکن ماننا

سوال[۷۹]: محال کے ساتھ ممکن ماننا گویا پھولوں کی خوشبو میں گھاس لپیٹ کے وجود کو ماننا ہوا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ممکنات پر قادر ہونا صفتِ کمال ہے، عاجز ہونا نقص ہے، جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے، محالات سے پاک ہونا صفتِ کمال ہے، محالات سے متصف ہونا نقص ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۲/۲۱ھ۔

کیا اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے؟

سوال[۸۰]: زید کہتا ہے کہ معراج شریف میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نو بار تشریف لے گئے اور ہر بار پانچ وقت کی نماز معاف ہوئی، اگر اللہ تعالیٰ عالم الغیب تھا تو یہ پہلی ہی بار سب معاف کر دیتا، اس معنی کر کے اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معراج کا واقعہ ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے(۲) اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے بار بار

---

(۱) "لأن بداهة العقل جازمة بأن محدث العالم على هذا النمط البديع والنظام المحكم مع ما يشتمل عليه من الأفعال المتقنة والنقوش المستحسنة لا يكون بدون هذه الصفات على أن أضدادها نقائص يجب تنزيه الله تعالىٰ عنها". (شرح العقائد النسفية، ص: ۲۶، ۲۷، سعيد)

"بخلاف مثل العلم و القدرة، فإنها صفات كمال تدل المحدثات على ثبوتها، و أضدادها صفات نقصان". (شرح العقائد، ص: ۳۰، سعيد)

"لأن الجهل بالبعض والعجز عن البعض نقص و افتقار". (شرح العقائد، ص: ۳۱، سعيد)

(۲) " فالذی عليه أئمة النقل: أن الإسراء كان مرةً واحدةً بمكة بعد البعثة قبل الهجرة بسنة، قال شمس الدين ابن القيم: ياعجباً لهؤلاء الذين زعموا أنه كان مراراً، كيف ساغ لهم أن يظنوا أنه في كل مرة يفرض عليهم الصلوات خمسين، ثم يتردد بين ربه و بين موسى حتى تصير خمساً". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۲۲۴، قديمی)

جا کر درخواست کرتے اور ہر درخواست پر معاف کرنے کی نوبت آئی ہے(۱)۔

اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا نص قطعی سے ثابت ہے(۲)، اس کا انکار نص قطعی کا انکار ہے جو کہ موجب کفر ہے(۳)۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عالم الغیب ہونے کی خود نفی فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اپنے علم غیب کی نفی کردیں: ﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "ان المعراج مرتان: مرة بالنوم و أخرى باليقظة". (مرقاة المفاتيح، باب في المعراج ۱۵۲/۱۰، رشيديه)

(وكذا في تفسير ابن كثير، (الإسراء: ۱): ۲۲/۳، دار القلم بيروت)

(۱) و في حديث المعراج: "ثم فرضت عليّ الصلاة، خمسين صلاةً كل يوم، فرجعت فمررت على موسى، فقال: بما أمرت؟ قلت: أمرت بخمسين صلاةً كل يوم. قال: إن أمّتك لا تستطيع خمسين صلاةً كل يوم، وإني والله قد جرّبت الناس قبلك، و عالجت بني اسرائيل أشد المعالجة، فارجع إلى ربك فسله التخفيف لأمتك........ فرجعت إلى موسىٰ، فقال: بما أمرت؟ قلت: أمرت بخمس صلوات كل يوم قال:........ فارجع إلى ربك فسله التخفيف لأمتك، قال: سألت ربي حتى استحييت ولكني أرضى وأسلم........ الخ". (مشكوة المصابيح، باب في المعراج: ۵۲۸/۲، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و عنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو، و يعلم ما في البرّ والبحر﴾. (الأنعام: ۵۹)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾. (النمل: ۶۵)

"و بالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه، و لا سبيل للعباد إليه إلا بإعلام منه و إلهام بطريق المعجزة أوالكرامة أوالإرشاد إلى الإستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۵۱، قديمي)

(۳) "فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة" (رد المحتار: ۴۶/۳، كتاب النكاح، مطلب مهم في وطء السراري، سعيد)

(۴) (الأنعام: ۵۰)

کیا ہر وقت دیدار خداوندی ممکن ہے؟

سوال[۸۱]: زید کہتا ہے کہ مجھے ہر وقت ایسا دیدار رہتا ہے کہ بغیر اس کے میرا چلنا اور سکون مشکل ہے اور یہ شعر پڑھتے رہتے ہیں ۔

درد تو پھر ہی دیکھیں گے میں نے تجھ کو دیکھ لیا

اور نماز وغیرہ پڑھتے ہیں اور لوگ ان کے مرید بھی ہیں، اس قسم کی باتوں سے عوام کے عقیدے خراب ہونے کا ڈر ہے، ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ تو ممکن ہے کہ کسی شخص کو ایسا استحضار حاصل ہو جائے کہ غفلت نہ ہو، لیکن یہ دیکھنا ان آنکھوں سے دیکھنا نہیں ہے، بلکہ دل میں یہ ایک تصور ہے(۱) قرآن میں ہے:﴿لاتدركه الأبصار﴾ (۲) ''یہ آنکھیں اس ذات پاک کا ادراک نہیں کرسکتیں''، مگر جن کو یہ تصور حاصل ہو جاتا ہے وہ دعوی کرتے اور کہتے نہیں پھرا کرتے، اس سے عوام کے عقیدے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۸۷ھ۔

---

(۱) ''وأقره الشيخ علاء الدين القونوي في شرحه وقال : إن صحّ عن أحد دعوى نحوه، فيمكن تأويله بأن غلبة الأحوال تجعل الغائب كالشاهد، حتى إذا كثر اشتغال السرّ بشيء واستحضاره له، يصير كأنه حضر بين يديه انتهى. و يؤيده حديث : ''(الإحسان أن تعبد الله كأنك تراه)'' و كذا حديث عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه : ''(حالَ الطواف كنا نترائ الله) وقال صاحب عوارف المعارف في كتابه ''أعلام الهدى وعقيدة أرباب التقى'' : أن رؤية العيان متعذرة في هذه الدار، لأنها دار الفناء، والآخرة هي دار البقاء''. (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى،ص : ۱۲۳، قديمى)

''و حال الشهود و ليس له الرؤية و لكنه كالرؤية كما قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :''اعبد الله كأنك تراه''. و هذه هي حالة المشاهدة التي أشار إليها القوم بتوالي التجلي على قلبه، فصار كالعيان في حاله''. (الفتاوى الحديثية، مطلب ما معنى توحيد الصوفية الموهم للحلول و الاتحاد الموجب لكثير من الفقهاء الاعتراض، ص:۳۴۷، قديمى)

(۲) (الأنعام : ۱۰۳)

اللہ میاں کہنا

سوال[۸۲]: اللہ میاں کہنا کیسا ہے یعنی جائز ہے کہ ناجائز؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

''اللہ میاں'' کہنا درست ہے اردو میں یہ لفظ اس موقعہ پر تعظیم کے لئے بولا جاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۵/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۵/ ۹۰ھ۔

کیا گاڈ خدا کا نام ہے؟

سوال[۸۳]: ایک شخص نے دوران گفتگو اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ گاڈ (انگلش) کہہ کر کوئی بات سمجھانی چاہی جس پر ایک صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا: گاڈ، فاڈ، راڈ، ساڈ، میں کیا جانوں (حالانکہ وہ انگلش بھی جانتے ہیں) آپ اردو میں سمجھایئے، جب اللہ تعالیٰ کے ۹۹/ نام ہیں انہیں ناموں میں سے کسی نام سے سمجھایئے، عربی یا اردو میں کہئے یہ مسئلہ ہم لوگوں کے درمیان بہت ہی پیچیدہ بن گیا ہے، کیا اس شخص کا لفظ گاڈ کو اٹھلانا، بگاڑنا اور بری طرح سے ادا کرنا درست ہے یا اس لفظ کا احترام کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اپنے محاورات اور بول چال میں اللہ تعالیٰ کا ایسا نام لینا اولیٰ اور مناسب ہے جو قرآن شریف اور حدیث شریف سے ثابت ہو، تاہم ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں، ان کا بھی ادب واحترام لازم ہے، یہ بات

(۱) ''من الأسماء التوقيفية عَلَم، و منها ألقاب و أوصاف و ترجمة اللفظ بمنزلته، فالأسماء العجمية ترجمة تلك الألقاب والأوصاف، و لذا انعقد الإجماع على إطلاقها، نعم لا يجوز ترجمة العَلَم، فالله عَلَم والباقي ألقاب و أوصاف بخلاف المرادف العربي للأسمآء العربية، لأنها لا ضرورة إلى إطلاقها فلا يؤذن فيها، أما العجم فيحتاجون إلى الترجمة للسهولة في الفهم''. (امداد الفتاوی: ۴/ ۵۱۳، مسائل شتی، دارالعلوم کراچی)

(وكذا في اليواقيت والجواهر لعبد الوهاب الشعراني، ص: ۷۸، مصر)

جانتے ہوئے کہ فلاں لفظ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس کی بے ادبی کرنے کا حق نہیں، اس سے پورا پرہیز لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۹۴ھ۔

اسماءِ الٰہی دوسری زبانوں میں

سوال[۸۴]: ''شحنۂ شریعت'' رسالہ میں ہے کہ اللہ کو صرف انہیں ناموں سے یاد کرنا لازم ہے جو قرآن میں بتلائے گئے ہیں: جیسے رحمٰن، ستار، غفار وغیرہ اور اللہ پاک کو ایسے اسماء سے موسوم نہ کرنا چاہئے، جو اس میں نہیں بتلائے گئے معنی خواہ اس کے اچھے ہوں خواہ خراب جیسے: ''گاڈ، ایزد، یزدان، رام، ایشور، پرمیشور، پروردگار'' وغیرہ۔ اگر فارس کا رہنے والا فارسی زبان میں ''خدا'' کہتا ہے جو اس کی مادری زبان ہے، اسی طرح ہندوستان کا رہنے والا جس کی مادری زبان ہندی ہے، ہندی زبان میں ''رام'' کہتا ہے، پھر خدا اور رام میں کیا فرق ہے، اگر خدا کہنا جائز ہے تو رام کہنا کیوں ناجائز ہے؟ اگر ایک فارس کا رہنے والا کافر اپنی فارسی زبان میں اللہ کو ''خدا، ایزد، یزدان'' کہتا ہے اور عیسائی اپنی زبان میں ''گاڈ''، یزیدی اپنی زبان میں ''شیطان'' کہتا ہے، حبشی اپنی زبان میں ممبو کہتا ہے، آریہ اپنی زبان میں پرچودیات کہتا ہے پرکھودراجمبو، بمبو، بھگوان کہتا ہے، ان کا یہ کہنا اسلام کے قبول کرنے کے بعد بھی کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ اور اگر اسلام کے بعد بھی اس نام سے اللہ کو

---

(۱)قال اللہ تعالیٰ: ﴿و للہ الأسماء الحسنیٰ فادعوہ بها﴾ ..... عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إن للہ تعالیٰ تسعة و تسعین إسماً، مائة إلا واحدة، من أحصاها دخل الجنة". (التفسیر المظهری: ۳/۴۳۶، تفسیر سورة الأعراف، حافظ کتب خانه)

"ومنها أن للہ مائة اسم غیر اسم، من دعا بها استجاب اللہ له". (حاشیة الصاوی علی تفسیر الجلالین: ۲/۳۱۱، قدیمی)

"هی معظمة فی کل لغة مرجعها إلی ذات واحدة، فإن اسم اللہ لا یعرف العرب غیره، و هو بلسان فارسی "خدا" أی بلسانه الحبشة "واق" و بلسان الفرنجی "کریطرد روا". بحث علی ذلک فی سائر الألسن، تجد ذلک الاسم الإلهی معظماً فی کل لسان من حیث لا یدل علیه". (الیواقیت والجواهر، ص: ۸۷)

(وکذا فی امداد الفتاویٰ: ۴/۵۱۳، مسائل شتیٰ، دارالعلوم کراچی)

پکارتے ہیں تو اسلام اور کفر مسلمان اور کافر میں امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔

محض اس امتیاز کے واسطے اللہ نے اسمائے حسنیٰ سے واقف کردیا اور کوئی حجت باقی نہ رہی، تفصیلی جواب دیجئے، شاید ان کی سمجھ میں آجائے اور اصلاح ہوجائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مراد یہ ہے کہ جواز کا دارمدار صرف ان ناموں پر ہے جو کہ قرآن کریم میں وارد ہوئے ہیں تو بڑی دقت پیش آجائے گی، اس لئے کہ شاید قرآن شریف میں تمام اسماء حسنیٰ بھی موجود نہ ہوں، نیز کتب سابقہ: توراۃ، انجیل، زبور، صحف ابراہیم وموسیٰ کیا سب عربی ہی میں ہیں اور ان میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء مبارکہ مذکور ہیں، ان کے متعلق صاحب شحنہ کیا کہیں گے؟

بوستان، سکندرنامہ، مثنوی مولانا روم جن میں بیشتر مواقع میں دعائیں ہیں اور فارسی کے بہت سے اسماء سے خطاب کیا گیا ہے، کیا ان سب کا پڑھنا ناجائز ہے حالانکہ ان کتب کی تعلیم صدیوں سے بلکہ زمانہ مجتہدین سے مدارس میں ہوتی چلی آرہی ہے اور تصوف، حدیث، فقہ، تفسیر کا بہت بڑا ذخیرہ فارسی اور اردو وغیرہ میں موجود ہے اور مصنفین نے اس کا اہتمام نہیں کیا کہ اسماء حسنیٰ مذکور فی القرآن ہی سے تعبیر کریں، شیخ محی الدین ابن عربی نے ایک ہزار نام اللہ پاک کے تحریر کئے ہیں(۱) (کذا فی الطحطاوی، ص:۵) (۲)۔

کتب عقائد، شرح مواقف، شرح مقاصد، شرح عقائد، مسامرہ، شرح فقہ اکبر میں بھی اسماء حسنیٰ کے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و لله الأسماء الحسنیٰ فادعوه بها﴾ قال الحافظ أبو بکر بن العربی عن بعضهم: إن لله تعالیٰ ألف اسم، قال ابن العربی: و هذا قلیل فیها". (رد المحتار، کتاب الحظر و الإباحة، فصل فی البیع: ۶/۳۹۶، سعید)

"قال أبو البقاء و لو قلت: لاسم الله أو باسم ربی أتیت الألف و نحوه مما أضیف إلی غیر الجلالة من أسماء الباری نحو باسم الخالق. و ذکر الفقیه الإمام أبو بکر العربی أحد أئمة المالکیة فی کتابه "عارضة الأحوذی فی شرح الترمذی" أن بعضهم جمع من الکتاب و السنة، من أسماء الله ألف اسم فالله علم". (تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۵۸، دار السلام)

(و کذا فی تفسیر روح المعانی: ۹/۱۲۲، دار إحیاء التراث العربی)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، المقدمة: ۱/۳، دار المعرفة)

علاوہ دوسرے اسماء بھی ذکر کئے ہیں، اگر صاحب شحنہ یہ کہتے کہ نماز میں دوسرے ناموں یا دوسری زبان کے ناموں سے احتراز کرنا چاہئے تب بھی ان کا کہنا ایک حد تک صحیح ہوتا، اگرچہ یہ بھی اجماعی چیز نہیں کیونکہ بعض ائمہ کے نزدیک فارسی میں تکبیر تحریمہ کہنا اور فارسی میں قرأت کرنا درست ہے(۱) اور بعض کے نزدیک اذکار صلوٰۃ کو مطلقاً ہر زبان میں پڑھنا درست ہے (کذا فی ردالمحتار:۱/ ۳۲۵)(۲)۔

تفصیل دیکھنی ہو تو آکام النفائس دیکھئے، شیخ عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر کے ص:۸۷ پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء جس زبان میں ہیں سب کے سب قابل تعظیم واحترام ہیں: "فإن قلت: فهل يعم تعظيم الأسماء جميع الألفاظ الدائرة على ألسنة الخلق على اختلاف طبقاتهم وألسنتهم؟ فالجواب: نعم، هي معظمة في كل لغة مرجعها إلى ذات واحدة، فإن اسم الله لا يعرف العرب غيره، و هو بلسان فارسي "خدا" أي بلسانه الحبشة "واق" و بلسان الفرنجي "كريطرد روا"، بحث على ذلك في سائر الألسن تجد ذلك الأسماء الإلهي معظماً في كل لسان من حيث

---

(۱) "و أما صحة الشروع بالفارسية و كذا جميع أذكار الصلاة فهي على الخلاف، فعنده تصح الصلوة بها مطلقاً ...... والظاهر أن الصحة ولاتنفي الكراهة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الدعاء بغير العربية: ۱/ ۵۲۱، سعيد)

"قوله: (كما لو قرأ بها عاجزاً): أي لو قرأ بالفارسية حالة العجز عن العربية، فإنه يصح، و هذا بالاتفاق". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۵۳۶، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۲۰۶، رشيديه)

(۲) "(كما صح لو شرع بغير عربية) ...... و على هذا بخلاف الخطبة و جميع أذكار الصلاة، و أما ما ذكره بقوله: (أو آمن أولبّى أو سلم أو سمى عند ذبح) أو شهد عند حاكم أو رد سلاماً، و لم أر لو شمت عاطساً (أو قرأ بها عاجزاً) فجائز إجماعاً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۴۸۴، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب الصلوة، افتتاح الصلاة بالتهليل: ۱/ ۴۴۰، إدارة القرآن)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۲۰۵، ۲۰۶، رشيديه)

"(قوله: و جعل العيني الشروع كالقرأة) في أنها لا تجوز بغير العربية إلا عند العجز (قوله: ولا سند يقويه) بل الوجه الجواز، لأن المقصود التعظيم، و هو يحصل بأيّ لغة كانت". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل الشروع في الصلوة: ۱/ ۲۱۷، دارالمعرفة)

لا یدل علیہ"۔

امام بخاریؒ نے ایسی احادیث پاک بھی ذکر کی ہیں جن میں دوسرے اسماء استعمال کئے گئے ہیں، اگر مراد یہ ہے کہ دوسرے نام اگر چہ دیگر اقوام کے نزدیک خدا ہی کے نام ہیں، لیکن چونکہ وہ دیگر اقوام کے شعار بن چکے ہیں اور مسلم کو غیر مسلم کے شعار سے اجتناب چاہئے تو یہ مراد بھی خلاف شرع نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہیں (۱) مگر اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جا سکتا ہے جو غیر اقوام کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں کیا جا سکتا، جیسے خدا، ایزد، یزدان کہ یہ نام کسی مخصوص غیر مسلم کے شعار نہیں بلکہ بکثرت اہل اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اسماء الٰہی میں الحاد کا مطلب

سوال [۸۵]: اسماء الٰہی میں الحاد کرنے کی تعریف کیا ہے؟ کیا ملحد دائرہ اسلام سے خارج ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ملحد کہتے ہیں سیدھے راستہ سے ہٹنے والے کو، جو شخص شریعت اور اسلام کا سیدھا راستہ چھوڑ کر کسی دوسری طرف چلے، اگر وہ بالکل حدود اسلام سے باہر نکل جائے تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا، بت پرست کہتے تھے کہ لات (بت) لفظ اللہ سے بنا، ہے اور عزیٰ (بت) لفظ: عزیز سے بنا ہے، اور منات (بت) لفظ:

---

(۱) "(الإعطاء باسم النيروز والمهرجان لا يجوز): أي الهدايا باسم هذين اليومين حرام (وإن قصد تعظيمه) كما يعظمه (يكفر)". (الدر المختار).

"والأولىٰ للمسلمين أن لا يوافقهم على مثل هذه الأحوال لإظهار الفرح والسرور اهـ". (رد المحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/۷۵۴، ۷۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الخنثى، مسائل شتىٰ: ۶/۴۴۶، رشيديه)

(۲) (فيروز اللغات اردو جامع، مرتبه الحاج مولوی فيروز الدينؒ، ص: ۵۸۵، ۱۴۵، ۱۴۶۷، فيروز سنز لميٹڈ)

(و كذا في نور اللغات، مولوی نور الحسن نيّر مرحوم: ۲/۱۲۴۴، ۱/۴۲۵، ۴/۱۷۲۳، سنگ ميل پبلی کيشنز لاهور)

منان سے (۱)۔ قرآن کریم نے کہا کہ یہ اسماء الٰہی میں الحاد ہے، کیونکہ یہ اللہ کے ناموں کا بگاڑنا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) "والملحد: و هو من مال عن الشرع القويم إلى جهة من جهات الكفر، من ألحد فى الدين حار و عدل .... فالملحد أوسع فرق الكفر حداً: أى هو أعم من الكل". (رد المحتار: ۴/ ۲۴۱، باب المرتد، مطلب: فى الفرق بين الزنديق والمنافق، سعيد)

﴿و ذروا الذين يلحدون فى أسمائه﴾ . الآية، حيث اشتقوا منها أسمآءً لآلهتهم كاللات من الله، والعزى من العزيز، و مناة من المنان". (تفسير الجلالين مع حاشية الصاوى: ۲/ ۳۱۱، بيروت)

"والإلحاد يكون بثلاثة أوجه: أحدها بالتغيير فيها كما فعله المشركون، و ذلك أنهم عدلوا بها عما هى عليه، فسمّوا بها أوثانهم، فاشتقوا اللات من الله، والعزى من العزيز، و مناة من المنان". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبى: ۷/ ۲۰۸، بيروت)

ما یتعلق بالإشراک باللہ تعالیٰ و صفاتہ

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کا بیان)

شرک کی تفصیل

سوال [۸۶] : شرک کے معنی کیا ہیں؟ کیا خدا کے بیٹا، پوتا، یا ایک خدا کے بجائے دو خدا ماننا ہے؟ یا اس کے علاوہ اور کچھ باتیں شرک کی ہیں؟ یا پھر کون کون باتیں شرک کی ہیں؟ بالتفصیل تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خدائے پاک اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے، اس کے مثل اور کوئی ذات ماننا یہ شرک ہے، اس کی صفات کے مثل کسی میں صفات ماننا، یہ شرک ہے۔ جو کام صرف اسی کے لئے کئے جائیں وہ کام کسی اور کے لئے کرنا شرک ہے۔ مرادیں صرف اسی سے مانگی جاتی ہیں، کسی اور سے مانگنا شرک ہے (۱) بہشتی زیور میں بہت سی

---

(۱) "(و لا شیء مثلہ) اتفق أهل السنة علی أن الله لیس کمثله شیء لا في ذاته و لا في صفاته ولا في أفعاله". (شرح العقیدة الطحاویة لابن أبي العز، تفسیر قوله تعالیٰ: ﴿لیس کمثله شيء﴾، (سورة الشوریٰ: ۱۱)، ص: ۹۸، قدیمی)

"أحدهما أن یجعل لله نداً یدعوه کما یدعو الله، ویسأله الشفاعة کما یسأل الله، ویرجوه کما یرجو الله، و یحبه کما یحب الله، و یخشاه کما یخشی الله، وبالجملة فهو أن یجعل لله نداً یعبده کما یعبد الله، و هذا هو الشرک الأکبر و هو الذی قال الله فیه: ﴿واعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئاً﴾ (النسآء: ۳۶) وقال: ﴿و لقد بعثنا في کل أمة رسولاً أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت﴾ (النحل: ۳۶) وقال تعالیٰ: ﴿ویعبدون من دون الله ما لا یضرهم و لا ینفعهم، و یقولون هولاء شفعاؤنا عند الله، قل أتنبّئون الله بما لا یعلم في السمٰوات و لا في الأرض، سبحانه و تعالیٰ عما یشرکون﴾ (یونس: ۱۸) وقال تعالیٰ: ﴿الله الذی خلق السمٰوات والأرض و ما بینهما في ستة أیام، ثم استوی علی العرش، مالکم من دونه من ولي و لا شفیع، أفلا تتذکرون﴾ (السجدة: ۴) والآیات في النهي عن هذا الشرک و بیان بطلانه کثیرة جداً". (تیسیر العزیز الحمید شرح کتاب التوحید، ص: ۳۰، مکتبه دار الباز، مکة)

مثالیں اس کی موجود ہیں (۱) خدا کا بیٹا پوتا ماننا، یا ایک خدا کی بجائے دو یا زیادہ خدا ماننا، یہ بھی شرک ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ / ۸۹ھ۔

شرک فی وجود الوجوب

سوال [۸۷]: شرک فی وجوب الوجود اور شرک فی العبادۃ کس کو کہتے ہیں؟ اور شرک کی کل کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس طرح باری تعالیٰ واجب الوجود ہے، ازلی، ابدی، غیر فانی ہے، اسی طرح کسی اور چیز کو تسلیم کرنا شرک فی وجوب الوجود ہے اور خدائے وحدہ کے ساتھ کسی اور شئی کی بھی عبادت کرنا شرک فی العبادۃ ہے۔ شرک فی الأسماء، شرک فی الصفات، شرک فی الأفعال بھی شرک کی قسمیں ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۸۷ھ۔

---

(۱) (بہشتی زیور، عقیدوں کا بیان: ۱/ ۴۵، دارالاشاعت)

(۲) ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ○ لَمْ يَلِدْ○ وَ لَمْ يُوْلَدْ○ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ○﴾ (الإخلاص)

(۳) "و إنما قلنا: إنه حي قيوم، لأنه واجب الوجود لذاته، و كل ما سواه فإنه ممكن لذاته محدث حصل تكوينه و تخليقه و إيجاده على ما بيّنا كل ذلك في تفسير قوله تعالىٰ: ﴿الله لا إله إلا هو الحى القيوم﴾، وإذا كان الكل محدثاً امتنع كون شيء منها ولداً و إلهاً كما قال: ﴿إن كل من فى السموات والأرض إلا اٰت الرحمن عبداً﴾". (التفسير الكبير: (آل عمران: ۱، ۲)، ۷/ ۱۵۶، دارالكتب العلميه طهران)

"إذا ثبت هذا فاعلم أن علماء نا رضى الله تعالىٰ عنهم قالوا: الشرك على ثلاث مراتب و كله محرم: وأصله اعتقاد شريك لله في ألوهيته و هو الشرك الأعظم، و هو شرك الجاهلية، و هو المراد بقوله تعالىٰ: ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ (النسآء: ۴۸). ويليه في الرتبة اعتقاد شريك لله تعالىٰ في الفعل، و هو قول من قال: إن موجودا ما غير الله تعالىٰ يستقل بإحداث فعل و إيجاده، وإن لم يعتقد كونه إلهاً كالقدرية مجوس هذه الأمة، وقد تبرأ منهم ابن عمر كما في حديث جبريل عليه السلام. ويلى هذه الرتبة الإشراك فى العبادة و هو الرياء، وهو أن يفعل شيئاً من =

کافر ومشرک میں فرق

سوال[۸۸]: کافر ومشرک میں کیا فرق ہے؟ کیا جس طرح گنہگار مؤمن کو اللہ پاک چاہے بخشے یا نہ بخشے، اسی طرح مشرکوں کو بھی چاہے بخشے چاہے نہ بخشے؟ اللہ پاک میں اتنی قدرت ضرور ہے کہ مشرکوں کافروں کو بھی بلاحساب کتاب جنت اعلی میں داخل کردے، ﴿إن الله علی کل شئ قدیر﴾(۱) لیکن اللہ پاک کافروں ومشرکوں کو نہیں بخشے گا، کیونکہ وہ قرآن مجید میں یوں فرماتا ہے: ﴿إن الله لایغفر أن یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء﴾(۲)۔

= العبادات التی أمر الله بفعلها له لغیره، و هذا هو الذی سیقت الآیات والأحادیث لبیان تحریمه، و هو مبطل للأعمال، وهو خفي لا یعرفه کل جاهل غبی". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: (النسآء: ۳۶)، ۱۱۸/۵، دارالکتب العلمیة، بیروت)

"الشرک فی الربوبیة: و هو نوعان: أحدهما: شرک التعطیل، و هو أقبح أنواع الشرک، کشرک فرعون، إذ قال: (و مارب العالمین) و من هذا شرک الفلاسفة القائلین بقدم العالم و أبدیته، و إنه لم یکن معدوماً أصلاً، بل لم یزل و لا یزال، والحوادث بأسرها مستندة عندهم إلی أسباب و وسائط اقتضت إیجادها، یسمونها: العقول، والنفوس .... ومن هذا شرک من عطّل أسماء الرب وأوصافه من غلاة الجهمیة والقرامطة.

النوع الثانی: شرک من جعل معه إلهاً آخر، و لم یعطّل أسمائه و صفاته و ربوبیته کشرک النصاری الذین جعلوه ثالث ثلاثة، و شرک المجوس القائلین بإسناد حوادث الخیر إلی النور و حوادث الشر إلی الظلمة .... القسم الثاني: الشرک فی توحید الأسماء والصفات، و هو أسهل مما قبله، و هو نوعان: أحدهما: تشبیه الخالق بالمخلوق، کمن یقول: ید کیدي، وسمع کسمعی، و بصر کبصري، و استواء کاستوائي، و هو شرک المشبهة، الثاني: اشتقاق أسماء للآلهة الباطلة من أسماء الإله الحق، قال الله تعالیٰ: ﴿ولله الأسماء الحسنی، فادعوه بها، و ذروا الذین یلحدون في أسمائه، سیجزون ما کانوا یعملون﴾ (الأعراف: ۱۸۰) قال ابن عباس: یلحدون في أسمائه: یشرکون، وعنه: سموا اللات من الإله، و العزی من العزیز". (تیسیر العزیز الحمید، ص: ۲۷، ۲۸، المکتبة السلفیه)

(۱) (البقرة: ۲۰)

(۲) (النساء: ۴۸، ۱۱۶)

الجواب حامداً ومصلیاً

ہر مشرک تو کافر ہے، لیکن ہر کافر مشرک نہیں (١) کافر تو وہ بھی ہے جو ضروریاتِ دین نصِ قطعی وغیرہ کا انکار کرے (٢) مگر اسے مشرک نہیں کہتے، بلکہ مشرک اسے کہتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرے، خواہ ذات میں خواہ صفات وافعال وغیرہ میں (٣) اللہ تعالیٰ نے دونوں کو نہ بخشنے کا وعدہ فرمایا ہے: ﴿الذین کفروا وکذبوا بآیتنا أولئك أصحاب النار﴾ (٤)، ﴿إن الله لایغفر أن یشرك به﴾ الخ (٥)۔

لیکن باوجود اس کے قدرت سلب نہیں ہوئی، بلکہ مغفرت پر قدرت باقی ہے کما فی کتب العقائد (٦)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(١) أنظر المسئلة الآتیة: "مشرک اور کافر میں فرق"

(٢) "والکفر لغةً الستر وشرعاً: تکذیبه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في شيءٍ مما جاء به من الدین ضرورةً". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٤/٢٢٣، باب المرتد من کتاب الجهاد، سعید)

"والکفر لغةً الستر، وشرعاً: تکذیبه محمداً صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في شي مما یثبت عنه ادعاه ضرورةً". (البحرالرائق: ٥/٢٠٢، باب احکام المرتدین، رشیدیه)

(٣) "حقیقة الشرک أن یعتقد إنسان في بعض المعظمین من الناس أن الآثار العجیبة الصادرة منه إنما صدرت لکونه متصفاً بصفة من صفات الکمال مما لم یعهد في جنس الإنسان، بل یختص بالواجب جل مجده لایوجد في غیره، إلا أن یخلع بخلعة الألوهیة علی غیره، أو یَفْنَی غیره في ذاته، ویبقی بذاته أو نحو ذالک مما یظنه هذا المعتقد من أنواع الخرافات کما ورد في الحدیث: "إن المشرکین کانوا یلبّون بهذه الصیغة: لبیک لبیک، لاشریک لک إلا شریکاً هو لک تملکه وما ملک"، فیتذلل عنده أقصی التذلل، ویعامل معه معاملة العباد مع الله تعالیٰ". (حجة الله البالغة: ١/٦١، ٦٢، باب أقسام الشرک، إدارة المنیریة)

(٤) (سورة البقرة ٣٩)　　(٥) (سورة النساء ١٤٨)

(٦) (إن الله علی کل شئ قدیر) (سورة البقرة: ١٤٨)

"والله تعالیٰ لایغفر أن یشرک به بإجماع المسلمین، لکنهم اختلفوا في أنه یجوز عقلاً أم لا، فذهب بعضهم إلی أنه یجوز عقلاً وإنما عدمه بدلیل السمع". (شرح العقائد، ص: ٨٥ دهلی)

مشرک اور کافر میں فرق

سوال[۸۹]: مشرک اور کافر میں کیا فرق ہے اور مشرک اور کافر کی کیا تعریف ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

ہر مشرک کافر ہے، لیکن ہر کافر مشرک نہیں، بلکہ بعض کافر غیر مشرک بھی ہوتا ہے، مشرک وہ شخص ہے جو توحید کا منکر ہو، یعنی خدا کو ایک نہیں مانتا، بلکہ اس کے ساتھ شریک مانتا ہے اور خدا کا بھی منکر نہیں۔ اور جو کافر مشرک کا مقابل ہے، وہ ہے جو خدا کو تو ایک مانتا ہے، لیکن خدا کے تعین میں غلطی کرتا ہے، مثلاً حضرت مسیح کو خدا اور معبود مانتا ہے تو یہ شخص کافر ہے مشرک نہیں، شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب، ص: ۲۷۵ میں ایسا ہی بیان کیا ہے(۱) اور الیواقیت والجواہر کے، ص: ۳۳ میں بھی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "و فرق بينه و بين الكفار من أهل الكتب المنزّلة، فإن المشرك قادح في الحق و في الكون بشركه، فلم يكن له مستند يعصمه من القتل، لأنه قدح في التوحيد و في الرسل، والكفار من أهل الكتاب لم يقدحوا في التوحيد و لا في الكون: أعنى الرسل، لكن قدحوا في رسول معين لهوى، أو شبهة قائمة بنفوسهم أداهم ما قام بهم إلى جحود الحق ظلماً و علواً مع اليقين به". (الفتوحات المكية، الباب الخامس والسبعون ومائتان في معرفة منزل التبري من الأوثان من المقام الموسوي، و هو من منازل الأمر السبعة: ۴/۳۳۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "فإن قيل: فهل كل كافر مشرك كماأن كل مشرك كافر، أم لا؟ فالجواب ما قاله في الباب الخامس والسبعين و مائتين: أن كل مشرك كافر و ليس كل كافر مشركاً، فأما كفر المشرك، فلعدوله عن أحدية الإله، و أما شركه، فلأنه نسب الألوهية إلى غير الله مع الله، و جعل له نسبتين فأشرك، و أما وجه كونه لا يلزم أن يكون كل كافر مشركاً، فهوأن الكافر هو الذي يقول: إن الإله واحد غير أنه أخطأ في تعيين الإله .... الخ". (اليواقيت والجواهر، المبحث الأول في بيان أن الله تعالىٰ واحد أحد منفرد في ملكه لا شريك له: ۱/۶۲، دار إحياء التراث العربي و مؤسسة التاريخ العربي بيروت)

صفات باری تعالیٰ میں کسی کوشریک کرنا

سوال[۹۰]: خالق اپنی صفت خاصہ کی وجہ سے قادرِ مطلق اور یکتا بھی، مخلوق میں ہونا محال ہے، ممکن اور متنفس کے ساتھ تشبیہ دینا توحید میں عیب لگانا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قادر مطلق جل شانہ کے اوصاف خاصہ میں کسی مخلوق کوشریک کرنا غلط ہے، شرک فی الصفات ہے، اس کی توحید میں عیب لگانا ہے۔ معاذ اللہ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۲۱/۱۲/ ۹۵ھ۔

کیا اولیاء کوذاتی قدرت ہے؟

سوال[۹۱]: ما قولکم دام فضلکم اندریں مسئله یکے ا زپیش امام مسجد در وعظ خود این می گوید که قدرتیکه مر خدا را هست اولیاء راهم باشد، باین الفاظ هم می گوید که بعضے از انبیاء و اولیاء مردگان را بالفاظ "قم باذنی" و نگفت "قم باذن الله" حیات بخشنده اند، پس بعضے از مقتدیان که در پس در نماز اقتداء کرده بودند اقتداء کردن در پس آن امام ترک کرده اند، دریں باب از روئے اعتقاد وفقه چه می گویند ترکِ اقتداء از روئے فقه و عقائد اولیٰ است یا ناجائز یا اقتداء در پس او جائز؟ دلیل و برهان فقه عقائد فرموده مستحق اجر شوند.

سائل: ابوالقاسم نمبر: ۸، حق درگاہ اسٹریٹ، پرنگی پیٹی مدراس، انڈیا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

فبعد! امام را نشاید که ایں چنین سخن بر زبان راند که موجبِ فتنه و فساد عقیده

---

(۱) "والشرک أن یثبت لغیر الله سبحانه وتعالی شیأ من الصفات المختصة کالتصرف فی العالم بالإرادة الذی یعبر عنه "بکن فیکون"، أو العلم الذاتی من غیر اکتساب بالحواس ودلیل العقل والمنام والإلهام ونحو ذالک، أو الإیجاد لشفاء المریض". (الفوزالکبیر: ص: ۱۸، مکتبه خیر کثیر)

"فالشرک فی الربوبیة، فإن الرب سبحانه هو المالک المدبر المعطی المانع الضار النافع الخافض الرافع المعز المذل، فمن شهد أن المعطی أو المانع أو الضار أو النافع أو المعز أو المذل غیره فقدأشرک بربوبیته". (مجموعة الفتاوی لابن تیمیة: ۱/ ۷۲، بیروت)

شود، قدرتیکہ در مردم ظاہر می شود، ذاتی وخانہ زاد نیست، بلکہ پر توِ قدرت قادرِ مطلق است جل شانہ، کسے نمی تواند کہ بغیر مددِ خدا ذرّہ و برگ کا ھے را از جائے بجنباند، و از بعض اولیاء کہ این جملہ منقول است در حقیقت ِحکایت جملہ است کہ" از سروش در گوش ایشان گفتہ شد نہ کہ از نفس خود گفتہ بودند"۔ چنانچہ در گوش منصور آواز آمد "أنا الحق" او مست شدہ ہمان آواز را می گفت، شنیدگان فہمیدند کہ او دعویٰ می کند پس بگذشت برو آنچہ گذشت. اگر مرادِ امام ہمین است، در پس ِاو نماز جائز است(۱) مگر او رَا احتیاط لازم است، و اگر انبیاء اولیاء را قدرتے مستقل مثل قدرتِ حق تعالیٰ مسلّم می دارد، این شرک است(۲) . *فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔*

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۹۳ھ۔

---

(۱) "و الصلاة خلف كل بر و فاجر": أي صالح و طالح (من المؤمنين جائزة): أي لقوله صلى الله عليه وسلم : (صلوا خلف كل بر و فاجر)". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري،ص:۲۷، قديمى)

"و تجوز الصلاة خلف كل بر و فاجر لقوله عليه السلام :"صلوا خلف كل بر و فاجر" و لأن علماء الأمة كانوا يصلون خلف الفسقة و أهل الهواء والبدع من غير نكير". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۰ ، قديمى)

(وكذا فى شرح العقيدة الطحاوية لابن ابى العز، ص: ۳۷۳، ۳۷۴، قديمى)

(۲) "و يليه فى الرتبة اعتقاد شريك لله تعالىٰ فى الفعل، و هو قول من قال : إن موجوداً ما غير الله تعالىٰ يستقل بإحداث فعل و إيجاده و إن لم يعتقد كونه إلهاً كالقدرية مجوس هذه الأمة، و قد تبرأ منهم ابن عمر كما فى حديث جبرئيل عليه السلام ".(الجامع لأحكام القرآن للقرطبى، (النسآء:۳۶) ۱۱۸/۵، دارالكتب العلمية)

"حقيقة الشرك أن يعتقد إنسان فى بعض المعظمين من الناس أن الآثار العجيبة الصادرة منه إنما صدرت منه لكونه متصفاً بصفة من صفات الكمال مما لم يعهد فى جنس الإنسان، بل يختص بالواجب جل مجده لا يوجد فى غيره إلا أن يخلع هو خلعة الألوهية على غيره، أو يفْنَى غيره فى ذاته و يبقى بذاته أو نحو ذلك مما يظنه هذا المعتقد من أنواع الخرافات، كما ورد فى الحديث:"إن المشركين كانوا يلبّون بهذه الصيغة: لبيك، لبيك لا شريك لك إلا شريكاً هو لك، تملكه و ما ملك". فيتذلل عنده أقصى التذلل، و يعامل معه معاملة العباد مع الله تعالىٰ". (حجة الله البالغة، باب أقسام الشرك : ۱/ ۱۸۳، ۱۸۴، قديمى)

کیا اولیاء پر موت طاری نہیں ہوتی؟

سوال[۹۲]: ما تقولون فی معنی الأولیاء لا یموتون هل هذه الجملة جزء من حدیث أم کیف؟ و یعتقد فرقة ضالة أن الأولیاء أحیاء لا یموتون، بل هم یغیبون من نظر الناس و یسمعون کلام الناس من مقام تکلموا من قریب أو بعید؟ المستفتی :فدوی محمد بدر الدجیٰ عفی عنه ضلع چاٹگام۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

هذا لم یوجد فی شيء من کتب الأحادیث الصحیحة والحسان فیما أعلم۔ وأما السماع من أیّ مقام، تکلموا من قریب أو بعید، فهو شان السمیع الخبیر، لا یشارکه أحد، ومن اعتقده فهو شرك فی الصفات، قال القاری فی شرح الفقه الأکبر: "إن رجال الغیب هم الجن، لأن الإنس لایکون دائماً محتجباً عن أبصار الإنس، و إنما یحتجب أحیاناً، فمن ظن أنهم من الإنس فمن غلطه و جهله وسبب الضلالة فیهم، و بالجملة فالعلم بالغیب أمر تفرّد به سبحانه و لا سبیل إلیه للعباد إلا بإعلام منه وإلهام بطریق المعجزة أو الکرامة أو إرشاد إلی الإستدلال بالأمارات فیما یمکن فیه ذلك۔

ثم اعلم أن الأنبیاء علیهم السلام لم یعلموا المغیبات من الأشیاء إلا ماأعلمهم اللّٰه تعالیٰ أحیاناً، وذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر بإعتقاد أن النبی علیه الصلاة والسلام یعلم الغیب، لمعارضة قوله تعالیٰ: ﴿قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والأرض الغیب إلا اللّٰه﴾ کذا فی المسایرة اهـ"(۱)۔ وقال فی الفتاویٰ البزازیة: "تزوج بلا شهود وقال: **خدا و رسول خدا و فرشتگان را گواه کردم**، یکفر؛ لأنه اعتقد أن الرسول والملك یعلمان الغیب اهـ"(۲)۔

"من قال: إن أرواح المشایخ حاضرة تعلم یکفراهـ"(۳)۔فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم و علمه أتم و أحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی بمدرسہ مظاہر علوم سہارنفور الہند۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفر له المبتلیٰ بامانة الإفتاء بالمدرسة العلیة المشتهرة بمظاهر علوم الواقعة ببلدة سهارنفور یوپی، ۷/جمادی الاولی /۶۷ھ۔

---

(۱) (شرح الملا علی القاري علی الفقه الأکبر، ص: ۱۵۱، قدیمی)

(۲) (الفتاوی البزازیة: ۶/۳۲۵، الثانی فیما یتعلق باللہ تعالیٰ من کتاب السیر، رشیدیه)

(۳) (الفتاوی البزازیة: ۶/۳۲۶، الثانی فیما یتعلق باللہ تعالیٰ، رشیدیه)

و قال اللہ تعالیٰ: ﴿قل لا أملك لنفسی نفعاً و لا ضراً إلا ما شاء اللہ ولو کنت أعلم الغیب لاستکثرت =

کسی بزرگ کی دوہائی

سوال[۹۳] : دوہائی کے کیا معنیٰ اور غیر اللہ کی دوہائی دینا جیسے کہے کہ سلیمان علیہ السلام اور پیران پیر کی دوہائی سے بولتا ہوں کہ ایسا کام نہ کرو، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً :

دوہائی (۱) اس طرح ناجائز ہے، بلکہ شرک ہے کہ غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی طرح متصرف مانتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

= من الخير﴾ (الأعراف :۱۸۸)

قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله عنده علم الساعة وينزل الغيث و يعلم ما في الأرحام﴾ (سورة لقمان:۳۴)

"والتحقيق أن الغيب ما غاب عن الحواس والعلم الضروري والعلم الاستدلالي، و قد نطق القرآن بنفي علمه عمن سواه تعالىٰ، فمن ادعى أنه يعلمه كفر، ومن صدق المدعي كفر". (النبراس ، ص:۳۴۳، امدادیہ ملتان)

"رجل تزوج امرأةً بغير شهود فقال الرجل والمرأة: خدائے را، وپیغامبر را گواہ کردیم، قالوا: يكون كفراً، لأنه اعتقد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب، وهو ما كان يعلم الغيب حين كان في الأحياء فكيف بعد الموت". (فتاوى قاضي خان :۳/۵۷۶، باب ما يكون كفرا من المسلم و ما لا يكون، رشيديه)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية: ۲/۲۶۶، الباب التاسع في أحكام المرتدين، رشيديه)

(۱) "کسی کا نام لے کر فریاد کرنا" ۔(فیروز اللغات :ص:۶۵۷، فیروز سنز)

(۲) "و منها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ، و اعتقاده ذلك كفر". (رد المحتار كتاب الصوم، مطلب في النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام من شمع أو زيت أو نحوه: ۲/۴۳۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر : ۲/۵۲۰، رشيديه)

(والنهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في النذر :۲/۴۲، امداديه)

شہید بابا پر دونے چڑھانا

سوال[۹۴]: مسجد میں یا مکان کے کسی طاق میں یہ کہہ کر کہ یہاں شہید بابا ہیں، اس پر ہندو مسلمان دونے (۱) چڑھاتے ہیں، ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مشرکانہ حرکت ہے(۲) توبہ لازم ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کسی پیر کے نام بچہ کے سر پر چوٹی رکھنا

سوال[۹۵]: بزرگوں سے منت ماننا اور بزرگوں کے نام پر بچوں کے سر پر چوٹی رکھنا، پھر وقت مقررہ پر درگاہوں میں جا کر منڈوانا، ازروئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ حرام اور شرک ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱)''مزار پر پھول یا شیرینی کا چڑھاوا چڑھانا'' (فیروز اللغات ،ص:۶۵۷، فیروز سنز)

(۲) "من قال: إن أرواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر". (الفتاوى البزازية: ٦/٣٢٦، الفصل الثاني فيما يتعلق بالله تعالىٰ، رشيديه)

(وكذا في مجموعة الفتاوى: ١/٤٦، كتاب العقائد، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة﴾. (سورة النساء: ١٧)

قال الله تعالىٰ: ﴿واستغفروا ربكم ثم توبوا إليه إن ربي رحيم ودود﴾. (سورة هود: ٩٠)

(۴) "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، و ما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت و نحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام". (رد المحتار: ٢/٤٣٩، كتاب الصوم، مطلب في النذر، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ٥/٣٥١، الباب السادس في زيارة القبور، رشيديه)

"عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم ينهى عن القزع، قيل لنافع: ما القزع؟ قال: يحلق بعض رأس الصبي و يترك البعض".

"عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى صبياً قد حلق بعض رأسه وترك بعضه، فنهاهم عن =

کسی مردہ بزرگ کا کسی انسان میں حلول کرنا

سوال [۹۶] : پیر یا غوث بزرگ عورت میں آ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ صفت انسان کی نہیں، بلکہ شیطان کی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

گمراہ مرشد کے کہنے سے قبر کو سجدہ کرنے کا حکم

سوال [۹۷] : خلاصۂ سوال یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک مرشد صاحب رہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ "نماز، نماز کیا جو آدمی رات دن محنت ومزدوری کرتا ہے اور دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرتا ہے، کیا یہ نماز نہیں ہے"؟ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے قبر پر سجدہ کرایا، میں قسم کھاتا ہوں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اندر ہی اندر اللہ سے ڈرتا ہوں، اپنی غلطی سے بے حد نادم ہوں، یہ شخص کوئی عالم وفاضل نہیں ہیں، بلکہ پہلے انہوں نے زندگی ایک فلمی ہیرو کی طرح گزاری اور اب پیر بن گئے ہیں۔ حضرت والا! مجھے سچی توبہ کا راستہ

= ذلک". (مشکوۃ المصابیح ، ص: ۳۸۰، باب الترجل، قدیمی)

(۱) "و ذکر أبو الحسن الأشعری في مقالات أهل السنة والجماعة أنهم يقولون: إن الجن تدخل في بدن المصروع كماقال الله تعالیٰ : ﴿الذين يأكلون الربوا لا يقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس﴾ الاية (سورة البقرة :۲۷۵).قال عبد الله بن أحمد بن حنبل : قلت لأبی: إن قوماً يقولون: إن الجن لا تدخل في بدن الإنس. قال: يا بني! يكذبون، هوذا يتكلم على لسانه ". (آكام المرجان فی غرائب الأخبار وأحكام الجان، بيان دخول الجن في بدن المصروع ،ص: ۱۰۷، مكتبه خير كثير)

"تصرف جن و شیاطین در بدن آدمی: یعنی در روح ہوائی وتسمیہ او کہ حامل قوی است، و آنرا بصرع الجن در عربی می نامند، و بآسیب وخبط در عرف تعبیر میکنند، نزدِ اہلسنت بلکہ اکثر فرقِ اسلام مسلّم است، چنانچہ در تفسیر نیشاپوری وغیرہ درتحت آیہ: ﴿يتخبطه الشيطان من المس﴾ مذکور است : "وأكثر المسلمين على أن الشيطان قادر على الصرع والقتل والإيذاء بتقدير الله تعالیٰ ". (فتاوی عزیزی ،ص: ۱۱۲ ، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

(وکذا فی مجموعة الفتاوی، کتاب العقائد (اردو): ۱/۹۳، سعید)

بتلا دیجئے، تاکہ گمراہی سے بچوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

جن مرشد کے آپ نے حالات لکھے ہیں وہ ہدایت کے مرشد نہیں، بلکہ ضلالت کے مرشد ہیں یعنی ہدایت کے راستہ سے ہٹا کر گمراہ کرنے والے ہیں، ان کا کام جنت کے راستہ پر چلانا نہیں، بلکہ دوزخ کے راستہ پر چلانا ہے۔آپ نے ان کے کہنے سے، قبر پر سجدہ وطواف وغیرہ کیا تو وہ بھی غلط طریقہ اختیار کیا، تعلیماتِ اسلام کے خلاف کیا، ان کی نیت کا حال ہم نہیں جانتے، صورۃً یہ ضرور شرک ہے، دوسرے دیکھنے والے بھی اس سے گمراہ ہوں گے، آپ نے بھی سخت غلطی کی، معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں: ''لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" الحدیث(۱)۔ آپ اپنی نیت کی وجہ سے شرک حقیقی سے اگرچہ بچ گئے، لیکن قبر کو سجدہ کرنا بھی صورۃً شرک ہوا(۲)، دیکھنے والوں نے بھی یہی سمجھا کہ آپ نے قبر کو سجدہ کیا ہے، مٹی پر مصلی بچھا کر خدا کو سجدہ نہیں کیا، نہ اس مقصد کے لئے ان گمراہ مرشد نے آپ کو سجدہ کرنے کے لئے کہا تھا۔

بہرحال سخت معصیت کا صدور ہوا، سچے دل سے توبہ کیجئے، استغفار پڑھئے اور صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں نے قبر کو سجدہ نہیں کیا، نہ قبر کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا ہوں، بلکہ قبر کو سجدہ کرنا معصیت اور شرک سمجھتا ہوں، گمراہ مرشد کے کہنے سے جو صورت پیش آئی اس سے توبہ کرتا ہوں (۳) توبہ کی تکمیل کے لئے، کچھ صدقہ بھی دے دیجئے، کچھ روزے بھی رکھ لیجئے، سچی توبہ سے اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑے گناہ معاف فرما دیتے ہیں: لقوله تعالیٰ: ﴿إني لغفار لمن تاب﴾ الآية (٤) امید ہے کہ اس کو بھی معاف فرمائیں گے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱)(مشکوۃ المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثانی، ص: ۳۲۱، قدیمی)

(۲) "و ما يفعله من السجود بين يدى السلطان، فحرام، والفاعل والراضى به آثمان، لأنه أشبه بعبدة الأوثان، و ذكر الصدر الشهيد أنه لا يكفر بهذا السجود، لأنه يريد به التحية، وقال شمس الأئمة السرخسى: السجود لغير الله على وجه التعظيم كفر". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل فى البيع: ۸/۳٦٤، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿إلا الذين تابوا و أصلحوا و بيّنوا، فأولئك أتوب عليهم، و أنا التواب الرحيم﴾ (البقرة : ۱٦۰)

قال علامة الآلوسى تحتها : "أى أظهروا ما بينه الله تعالىٰ للناس معاينة، و بهذين الأمرين تتم =

قبروں کوسجدہ کرنا اور چومنا

سوال[۹۸]: ایک مولوی صاحب فارغ التحصیل مدرسہ ہذا حسب ذیل امور کا ارتکاب کرتے ہیں، کیا شریعت کی رو سے مذہب حنفی میں یہ باتیں کرنا اور تعلیم دینا جائز ہے یا کیا؟ یہ مولوی صاحب خاندانی پیر ہیں، اپنے بزرگوں کے مزارات پر جا کر در و دیوار کو چومتے ہیں، مزار کے دروازہ پر جا کر سر رکھتے ہیں، پھر اندر داخل ہوتے ہیں اور ان کو دیکھ کر مرید بھی بڑھ چڑھ کر ایسا کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا حرام؟ آرڈر کرنے والا کیسا ہے؟ حوالہ جات کتب معتبرہ فقہ، حدیث، تفسیر سے جوابات ارقام فرما کر عنداللہ مشکور ہوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مزار کے دروازہ پر جا کر سر رکھنا، سجدہ کی ہیئت بنانا اگر بقصدِ تعظیم ہو تو حرام ہے، اگر بقصد عبادت ہو تو شرک ہے، قبر کو بوسہ دینا یا مزار کے درو دیوار کو چومنا بھی حرام ہے:

"من سجد للسلطان بنية العبادة أولم يحضرها فقد كفر. و في الخلاصة: و من سجد لهم إن أراد به التعظيم: أي كتعظيم الله سبحانه، كفر، و إن أراد به التحية، اختار بعض العلماء أنه لا يكفر، أقول: هذا هو الأظهر. وفي الظهيرية: قال بعضهم: يكفر مطلقاً، و أما تقبيل الأرض فهو قريب من السجود، إلا أن وضع الجبين أو الخد على الأرض فحش و أقبح من تقبيل الأرض، أقول: وضع الجبين أقبح من وضع الخد اهـ". شرح فقه اكبر: ص: ۲۳۸ (۱).

=التوبة، و قيل: أظهروا ما أحدثوه من التوبة ليمحوا سمة الكفر عن أنفسهم و يقتدى بهم أضرابهم، فإن إظهار التوبة ممن يقتدى به شرط فيها على ما يشير بعض الآثار". (روح المعاني: ۲/۲۸، دار إحياء التراث العربي)

(۴) (طه: ۸۲)

(۱) (شرح الفقه الأكبر لملا على القارئ: أواخر فصل في الكفر صريحاً و كنايةً، ص: ۱۹۳، قديمي)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في البيع: ۸/۳۶۴، رشيديه)

(و روح المعاني تحت قوله تعالى: (وإذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم) الاية: ۱/۲۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"والسجدة حرام لغيره سبحانه اهـ". شرح فقه اكبر، ص: ٢٣٠ (١) "والمستحب لزيارة القبور أن يقف مستدبر القبلة مستقبلاً وجه الميت، و أن يسلم، و لا يمسح القبر، ولا يقبّله، و لا يمسه، فإن ذلك من عادة النصارى اهـ". طحطاوى، ص: ٣٤١ (٢).

"و من وقف بالقبر لا يلتصق به، و لا يمسه (إلى قوله): فينبه العالم غيره على ذلك، و يحذر هم من تلك البدع التى أحدث هناك من لا علم عنده ليطوف بالقبر الشريف كما يطوف بالكعبة الحرام و يتمسح به و يقبله الخ". مدخل: ١/٢٦٢ (٣). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف، ۱۹/محرم الحرام/۶۳ھ۔

پیر و مرشد کو سجدہ کرنا

سوال [۹۹]: کیا اللہ تعالیٰ کو ایک سجدہ اور دوسرا سجدہ پیر و مشائخ کو درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہر سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے، پیر و مرشد کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے اور نماز میں پیر و مرشد کے لئے سجدہ کرنا شرک ہے (۴)۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ "اگر اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے سجدہ جائز ہوتا تو

---

(١) (شرح الفقه الأكبر أواخر فصل فى الكفر صريحاً وكناية، ص: ١٨٧)

(٢) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل فى زيارة القبور، ص: ٦٢١، قديمى)

(٣) (المدخل لابن الحاج، فصل فى زيارة القبور: ١/٢٥٦، مصطفى البابى الحلبى)

(٤) "و ما يفعله من السجود بين يدي السلطان، فحرام، والفاعل والراضى به آثمان؛ لأنه أشبه بعبدة الأوثان، و ذكر الصدر الشهيد أنه لا يكفر بهذا السجود، لأنه يريد به التحية، وقال شمس الأئمة السرخسىؒ: السجود لغير الله على وجه التعظيم كفر". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل فى البيع: ٨/٣٦٤، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن والعشرون فى ملاقاة الملوك الخ: ٥/٣٦٨، ٣٦٩، رشيديه)

(وكذا فى شرح الفقه الأكبر، أواخر فصل فى الكفر صريحاً و كناية، ص: ١٩٣، قديمى)

عورت کو کہا جاتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے" (۱)، اس وجہ سے کسی کو بھی خدا کے سوا سجدہ نہ کیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۴/ ۹/ ۹۰ھ۔

مصنوعی قبر کی پرستش

سوال [۱۰۰]: زید مصنوعی قبر بنا کر پرستش کرتا کراتا ہے، یہ کس درجہ کا جرم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

وہ مستحق لعنت ہے (۲) اس کو توبہ لازم ہے، تجدیدِ ایمان اور تجدید نکاح بھی کرے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۴/ ۹۴ھ۔

---

(۱) "و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لو كنت آمر أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرئة أن تسجد لزوجها" رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء و ما لكل واحد من الحقوق، الفصل الثاني، ص: ۲۸۱، قديمي)

و ذكر العلامة الجصاص بلفظ: "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما ينبغي لبشر أن يسجد لبشر، ولو صلح لبشر أن يسجد لبشر، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها من عظم حقه عليها". (أحكام القرآن، باب السجود لغير الله تعالىٰ: ۱/ ۴۲، تحت قوله تعالىٰ: ﴿و إذ قلنا للملائكة اسجدوا لأدم﴾" الاية (البقرة: ۳۴)، قديمي)

وقال العلامة الآلوسي تحت آية البقرة رقمها: ۳۴: "إن السجود الشرعي عبادة، و عبادة غيره سبحانه و تعالى شرك محرم في جميع الأديان و الأزمان، و لا أراها حلّت في عصر من الأعصار". (روح المعاني: ۱/ ۲۲۸، دار إحياء التراث العربي)

(۲) (قد تقدم تخريجه تحت عنوان "پیرومرشد کو سجدہ کرنا")

"و من سجد للسلطان بنية العبادة أو لم تحضره، فقد كفر. و في الخلاصة: و من سجد لهم إن أراد به التعظيم كتعظيم الله سبحانه، كفر". (شرح الفقه الأكبر للقاريؒ، أواخر فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۹۳، قديمي)

(۳) "و ما كان في كونه كفراً إختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح و بالتوبة و الرجوع عن ذلك =

پیرانِ پیر کا کلمہ اور جلوس

سوال[۱۰۱]: دونوں عیدوں میں چاندی پنجہ حضرت محی الدین جیلانی کے علموں پر چڑھانا اور دف سے تال میں "ھو اللہ لا اللہ، ھو اللہ لا اللہ محی الدین جیلانی " ایک چھوٹی نقاری سرنائی، الوانی، تلوار تیغ سلائی کے ساتھ جلوس نکالنا، جس میں نہ تکبیراتِ تشریق ہوں، نہ ذکر ہو تو ایسے جلوس میں شامل ہونا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ جلوس مشرکانہ ہے، اس میں شرکت حرام ہے، ایمان کا خطرہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا عبدالقادر جیلانی کا نام لینے سے بال گھٹ جاتے ہیں؟

سوال[۱۰۲]: مسلمان کہتے ہیں کہ عبدالقادر جیلانی کا نام لینے سے ڈیڑھ بال گھٹ جاتے ہیں، اگر لاکھ مرتبہ نام لیا جائے تو بال ترشوانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

=بطریق الاحتیاط". (التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین ، فصل فی إجراء کلمة الکفر الخ :۵/ ۴۶۱، إدارة القرآن)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین، قبیل باب البغاة: ۲/ ۲۸۳، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة :۲)

وقال الله تعالیٰ :﴿فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین ﴾ (سورة الأنعام:۶۸)

"و ذلک عموم فی النهی عن مجالسة سائر الظالمین من أهل الشرک وأهل الملة لوقوع الإسم علیهم جمیعاً". (أحکام القرآن للجصاص :۳/ ۲، تفسیر سورة الأنعام : آیت :۶۸)

"عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "من کثّر سواد قوم فهو منهم، و من رضی عمل قوم کان شریکاً لمن عمله". (المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانیة :۴۲۲)

"قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشکوة المصابیح، ص: ۳۷۵، کتاب اللباس، قدیمی)

الجواب حامداً و مصلیاً :

ہمارا یہ عقیدہ نہیں، اگر کسی نے ہماری طرف اس کو منسوب کیا ہے تو غلط منسوب کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بڑے پیر صاحب کا ملک الموت سے ارواح کو چھین کر زندہ کر دینا

سوال [۱۰۳] : ایک عورت کا شوہر مرگیا وہ عورت رو رہی تھی، اتنے میں بڑے پیر صاحب نے دریافت کیا اس نے کہا کہ میرا شوہر مرگیا، اس کو تسلی دے کر وہ چوتھے آسمان پر گئے اور ملک الموت کو پکڑا اور ایک روح مانگی، اس فرشتے نے نہیں دیا تو ملک الموت سے وہ زنبیل بڑے پیر صاحب نے چھین لی اور تمام روحیں زمین پر چھوڑ دی تو سب کے سب زندہ ہوگئے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ واقعہ سراسر جھوٹ ہے، جس طرح دوسرے مذہب کے لوگ اپنے بزرگوں کی طرف جھوٹے قصے منسوب کرتے ہیں تو مسلمانوں نے بھی ایسی ہی صورت اختیار کر لی۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح : بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

کیا بڑے پیر صاحب اور شمس تبریز نے مردوں کو زندہ کیا؟

سوال [۱۰۴] : کیا یہ بات صحیح ہے کہ بڑے پیر اور شمس تبریز رحمہ اللہ تعالیٰ نے مردے زندہ کئے ہیں؟ کیا بزرگوں سے ایسی کرامات ثابت ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

میں نے کسی مستند کتاب میں یہ نہیں دیکھا کہ بڑے پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت شمس تبریز رحمہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا ہے، اللہ پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ معجزہ عطا

فرمایا تھا(۱) اور بھی کسی کے ذریعہ کسی مردہ کو زندہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں (۲) لیکن کوئی شخص خود کسی مردہ کو زندہ نہیں کرسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۹۱ھ۔

بزرگ کی پھونک کا اثر ایک میل تک پہونچنا

سوال[۱۰۵]: یہاں پر کھیرالو نامی ایک گاؤں ہے، یہاں پر بیلم بابو نامی ایک شخص کو کسی کامل بزرگ نے کچھ آیات قرآنی عطا فرمائی ہیں اور دریافت کرنے پر وہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کے ساتویں پارے کی وہ آیتیں ہیں جسے پڑھ کر وہ ہوا میں پھونک مارتے ہیں جس کا اثر ایک میل تک اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے پانی سے بھرے ہوئے برتنوں میں پہونچ جاتا ہے اور ان کی بتائی ہوئی ترکیب کے موافق اس پانی کا استعمال کرنے سے ہزاروں خلق خدا نے فائدہ اٹھایا ہے اور بیماریوں سے نجات حاصل کی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک شخص داڑھی نہ رکھتا ہو مگر نمازی ہو یا بے نمازی ہو اور اسے کسی کامل بزرگ کی طرف سے کوئی آیات قرآنی یا اسماء حسنیٰ میں سے کوئی اسم عطا کیا گیا ہو اور وہ ان آیات یا اسماء حسنیٰ کو پڑھ کر پانی پر پھونک مار دیتا ہو تو ایسا پانی پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے پانی سے فائدہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور پھونک کا اثر اتنی دور تک پہونچ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آیات قرآنی اور اسماء حسنیٰ کا اثر یقیناً حق ہے(۳) بسا اوقات پڑھنے والے کی زبان کی وجہ سے ان کا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحي الموتى بإذن اللہ﴾. (آل عمران: ۴۹)

وقال تعالیٰ: ﴿و إذ تخلق من الطين كهيئة الطير باذني، فتنفخ فيهافتكون طيراً باذني، وتبرىء الأكمه والأبرص باذني، وإذ تخرج الموتى باذني﴾. (المائدة: ۱۱۰)

(۲) (فيكون طيراً باذن اللہ) و أشار بذلک إلى أن إحياء ه من اللہ تعالیٰ، و لكن بسبب النفخ .... بل لو شاء اللہ تعالیٰ الإحياء بنفخ أيّ شخص كان، لكان من غير تخلف ولا استعصاء". (روح المعانی، (آل عمران: ۴۹): ۳/۱۶۸، دار إحياء التراث العربی)

(۳) "عن أبی لهيعة عن قيس بن الحجاج قال: قال شيطانی: دخلت فيک و أنا مثل الجزور و أنا فيک اليوم مثل العصفور، قال: قلت: و لم ذلک؟ قال تذيبنی بكتاب اللہ عزوجل .... و عن أبی خالد =

اثر ظاہر نہیں ہوتا، بسا اوقات ایسے شخص کے پڑھنے سے بھی اثر ظاہر ہوجاتا ہے جو بظاہر بزرگ معلوم نہیں ہوتا، پھونک کا اثر اللہ تعالیٰ کی مدد سے بہت دور تک پہونچ سکتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

پیر بزرگ کی سواری کا آنا

سوال[۱۰۲]: بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ بڑے پیر غازی میاں ہٹھیلے بابا کی سواری آ گئی، اس کی کوئی اصل ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بزرگ حضرات انتقال کے بعد کسی پر سوار ہوکر اس کو نہیں ستاتے، سواری آنے کے متعلق لوگوں میں جو خیالات پھیلے ہوئے ہیں وہ شرعاً بے اصل ہیں، البتہ جنات اور شیاطین آ سکتے ہیں اور جس کا نام چاہیں بتلادیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۷/۱۳ھ۔

= الوالبی قال: خرجت وافداً إلی عمر رحمه الله و معی أهلي، فنزلنا منزلاً و أهلي خلفي، فسمعت أصوات الغلمان و جلبتهم، فرفعت صوتي بالقرآن، فسمعت وجبة شيء طرح فسألتهم، فقالوا: أخذتنا الشياطين فلعبت بنا، فلما رفعت صوتک بالقرآن ألقونا و ذهبوا". (آکام المرجان في غرائب الأخبار و أحكام الجان، بيان تأثير القرآن والذكر والرقى، ص: ۹۸، مكتبه خير كثير)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه إن ناساً من أصحاب النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أتوا على حي من أحياء العرب فلم يَقرُوهم، فبينما هم كذلک إذا لدغ سيد أولئک، فقالوا: هل معكم دواء أو راق؟ فقالوا: نعم إنكم لم تقرونا و لا نفعل حتى تجعلوا لنا جعلاً، فجعلوا لهم قطيعاً من الشاء، فجعل يقرأ بأم القرآن و يجمع بزاقه و يتفل فبرأ الخ". (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الرقى بفاتحة الكتاب: ۸۵۴/۲، قديمي)

(۱)"سوال: نبی یا صدیق یا شہید یا ولی یا صالح کا بعد موت یا قبل موت کسی کے سر پر آنا اور اس کی زبان پر بولنا اور اس کی مدد کرنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟ .... =

کیا بوعلی شاہ قلندرؒ کے مزار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں؟

سوال[۱۰۷]: حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ جن کا مزار پانی پت میں ہے، ان کے مزار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے مزار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تشریف لانا کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

صاحب مزار کے متعلق عقیدہ

سوال[۱۰۸]: کیا اولیاء کرام کے نام سے نیاز و نذر اور منتیں مرادیں مانگنا جائز ہے یا صریح شرک ہے اور ان کے مزارات پر پھول چڑھانا اور ریشمی زری کی چادریں چڑھانا درست ہے یا اسراف؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اولیائے کرام کے لئے نذر ماننا اور ان کے مزارات پر چڑھاوے چڑھانا حرام ہے، اگر یہ عقیدہ بھی ہو

= جواب: ثابت نہیں، ایسے امور کا قائل واہی، اس کا قول قابلِ سماعت نہیں، البتہ شیاطین، جن ایسے کام کیا کرتے ہیں، جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے: ﴿الذين يأكلون الربوا لا يقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشياطين من المس﴾ الاية (مجموعة الفتاوى (اردو)، كتاب العقائد : ۱/۷۰، سعيد)

(وكذا في امداد المفتيين، ص: ۱۲۰، دار الاشاعت)

"قال عبد الله بن أحمد بن حنبل: قلت لأبي: إن قوماً يقولون: إن الجن لا تدخل في بدن الإنس، قال: يا بني! يكذبون، هوذا يتكلم على لسانه". (آكام المرجان في غرائب الأخبار و أحكام الجان، بيان دخول الجن في بدن المصروع، ص: ۱۰۷، مكتبه خير كثير)

"وكانت الشياطين تتراءى لهم أحياناً، و قد يخاطبونهم من الصنم و يخبرونهم ببعض الأمور الغائبة أو يقضون لهم بعض الحوائج". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية رحمه الله، فصل في تزيين الشيطان العبادات البدعية لأهلها: ۱۰/۲۳۸، مكتبة العبيكان)

کہ وہ صاحب مزار ہماری مرادیں پوری کرتے ہیں اور دنیا کی سب چیزیں ان کے تصرفات سے ہوتی ہیں تو شرک ہے:

"واعلم أن النذر الذی يقع للأموات من أكثر العوام، و ما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت و نحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو باطل و حرام. قال في البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق و لا يجوز، ولأنه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق، و منها: أن المنذور له ميت والميت لا يملك. و منها: أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ، كفر اهـ". طحطاوی علی المراقی، ص: ۳۳۸ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

ایک شیعہ پیر کے عقائد وخیالات

سوال [۱۰۹]: ایک پیر مسمی بہ قاتل معروف ومشہور ہے، تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ مذہب روافض سے تعلق رکھتا ہے، بناء علیہ وہ اہل سنت والجماعت کے عقائد، فقہ کو محو اور نسیان کے گھاٹ اتار دینا واجب اور فرض عین سمجھتا ہے، شب وروز اسی بیخ کنی میں غوطہ زن ہے اور بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے باطل مذہب کا شکار بناتا اور گمراہ کرتا ہے۔ اس کے بہت لوگ مرید ہیں منجملہ ان کے چند یہاں قصبہ بھوساور، ریاست بھرتپور کے اندر بھی موجود ہیں جن کے ذریعہ اس مبطل کے عقائد باطلہ اور خبیثہ کا ظہور رہتا ہے۔

مثلاً پہلا عقیدہ تو یہ ہے کہ وہ کسی کو سلام نہیں کرتے، دوسرا یہ ہے کہ کسی کے پیچھے نماز پڑھنا اچھا نہیں سمجھتے خواہ امام کتنا ہی بڑا متقی و پرہیز گار کیوں نہ ہو، کہتے ہیں کہ یہ معلوم نہیں کہ یہ امام حلالی ہے یا حرامی، زنا کاری کو مباح اور عین ثواب سمجھتے ہیں۔ سوم یہ کہتے ہیں ہماری شریعت اَور ہے اور علماء کی اَور، دیگر ہمارے پیر کا مرتبہ خدا تعالیٰ سے بھی بڑھ کر ہے، ہمارے پیر کے سامنے اللہ تعالیٰ ہے ہی کیا چیز، بلکہ خدا تعالیٰ بڑا ہی لُچا ہے۔ چہارم حقیقی دین درویشوں ہی کے

---

(۱) (حاشية الطحطاوی علی المراقی، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمی)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده، مطلب في النذر الذی يقع للأموات من أكثر العوام من شمع أو زيت أو نحوه: ۲/ ۴۳۹، سعيد)

(والبحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/ ۵۲۰، رشيديه)

پاس ہے، علماء کے پاس کچھ نہیں کیونکہ وہ مثل حمار وحشی کے ہیں، خدا تعالیٰ سے درویش ہی لوگ ڈرتے ہیں، علماء نہیں ڈرتے ہیں اور قرآن وحدیث کو درویش ہی لوگ سمجھتے ہیں علماء کچھ نہیں سمجھتے ہیں، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ:

۱......کیا واقعی پیش امام کی اس قدر تحقیق وتفتیش کرنا ضروری ہے کہ یہ حلالی ہے یا حرامی؟

۲......کیا درویشوں اور علماء کی شرع علیحدہ علیحدہ ہیں؟

۳......اور کیا پیر کا مرتبہ نعوذ باللہ منہ خدا تعالیٰ سے بڑھ کر ہے اور کیا خدا تعالیٰ لُچا ہے؟

۴......اور کیا خدا تعالیٰ سے درویش ہی لوگ ڈرتے ہیں، علماء لوگ نہیں ڈرتے ہیں، باوجود کہ پیر کا مرتبہ خدا تعالیٰ سے اعلیٰ واعظم ہونے کے؟ نیز کیا فرمان خداوندی نعوذ باللہ من ذلک لغو اور باطل ہے: ﴿إنما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء﴾ (۱)۔

الحاصل جن لوگوں کے عقائد مذکورہ بالا کے مطابق ہوں تو کیا ان کو مسلمان کہا جا سکتا ہے؟ نیز ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے اور سلام وکلام، تعلقاتِ دنیویہ مثلاً: اکل وشرب، بیع وشراء اور نکاح وغیرہ کرنا کیسا ہے اور جو عورتیں کہ ان کے نکاح کے اندر ہیں ان کا علیحدہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بلا وجہ کسی کے متعلق یہ تحقیق وتفتیش کرنا یہ حرامی ہے یا حلالی ہے یہ جائز نہیں اور کسی پر بلا دلیل شرعی حرامی ہونے کی بدگمانی کرنا یا الزام لگانا حرام ہے (۲)، اگر اسلامی حکومت ہو اور دوسرے شرائط بھی پائے جائیں تو

(۱) (الفاطر: ۲۸)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یأیها الذین اٰمنوا اجتنبو کثیراً من الظن إن بعض الظن إثم، و لا تجسسوا و لا یغتب بعضکم بعضاً، أیحب أحدکم أن یأکل لحم أخیه میتاً فکرهتموه﴾ (الحجرات: ۱۲)

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "إیاکم والظن، فإن الظن أکذب الحدیث، و لا تحسّسوا، و لا تجسّسوا، و لا تنافسوا، و لا تباغضوا، ولاتدابروا، و کونوا عباد اللہ إخواناً". (الصحیح لمسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب تحریم الظن والتجسس والتنافس والتناجش ونحوها: ۲/۳۱۶، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الأدب، باب قوله تعالیٰ: ﴿یأیها الذین اٰمنوا اجتنبو کثیراً من الظن﴾ الاٰیة: ۲/۸۹۶، قدیمی)

الزام لگانے والے پر حدِ قذف جاری کی جائے گی: "و هو كحد القذف كمية و ثبوتاً، و يحد الحر و العبد قاذف المسلم الحر البالغ العفيف بصريح الزنا أو بقوله: زنأت في الجبل أولست لأبيك الخ". درمختار علی الشامی: ۴/ ۱۶۷، ۱۶۸(۱)۔

۲...... یہ جاہلوں اور گمراہ کرنے والوں کا خیال اور من گھڑت عقیدہ ہے کہ علماء اور درویشوں کی شریعت علیحدہ علیحدہ ہے، شریعت کا حکم سب کے لئے برابر واجب العمل ہے(۲)۔

۳...... یہ اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ کفریہ عقیدہ ہے، ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کرنا اور اس قسم کے خلاف شرع عقائد سے توبہ کرنا لازم ہے(۳)۔

۴...... چھوٹا، بڑے سے ڈرا کرتا ہے، اہل علم اپنی حقیقت کو پہچانتے ہیں اور اپنا چھوٹا ہونا اور خدائے برتر کا اکبر من کل شیء ہونا ان کو خوب معلوم ہے، اس لئے خداوند تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور جو شخص نعوذ باللہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ سے بڑا جانتا ہے وہ کہاں ڈرے گا، ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو اولاً نرمی سے سمجھایا جائے کہ ان کا یہ عقیدہ اللہ پاک اور اس کے سچے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے اور بدترین معصیت ہے، اس عقیدہ سے توبہ کر کے تجدید اسلام و تجدید نکاح شرعاً ضروری ہے، اگر وہ مان لیں تب تو بہتر ہے ورنہ ان سے ترکِ تعلق کر دیا جائے تا کہ ان کا اثر دوسروں پر نہ پڑے اور خود تنگ آ کر توبہ کر لیں(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶ رجب ۵۹ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، باب حد القذف: ۴/ ۴۴، ۴۷، سعید)

(و كذا في الهداية، كتاب الحدود: ۲/ ۵۲۹، مكتبه شركت علميه)

(و كذا كنز الدقائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، ص: ۱۸۹، رشيديه)

(۲) "ولا يصل العبد ما دام عاقلاً بالغاً إلى حيث يسقط عنه الأمر والنهي لعموم الخطابات الواردة في التكاليف و إجماع المجتهدين على ذلك". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۶، مبحث لا يبلغ وليّ درجة الأنبياء، قديمي)

"عن عائشة رضي الله عنها قالت: أتي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بسارق فقطعه فقالوا: ما كنا نراك تبلغ به هذا، قال: "لو كانت فاطمة لقطعتها". (المشكوة، ص: ۳۱۴، باب الشفاعة في الحدود، قديمي) =

پیر کو حاجت روا سمجھنا

سوال[۱۱۰]: ایک پیر صاحب کے انتقال کے بعد ان کے ایک مرید نے یہ الفاظ کہے ہیں: "اے اللہ! ہم دین و دنیا کی حاجت کس سے طلب کریں، جس سے ہم روحانی اور جسمانی حاجتیں طلب کرتے تھے وہ دنیا سے کوچ کر گئے"۔ یہ الفاظ اس کی زبان پر لانا کہاں تک درست ہے؟ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصالۃً حاجت روا خدائے وحدہ لا شریك له ہے(۱)، کسی اور کو حاجت روا سمجھنا تعلیمات اسلام

= (۳) "فيكفر إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به، أو سخر باسم من أسمائه أو بأمر من أوامره". (البحر الرائق: ۵/۲۰۲، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

(۴) "والهجر فوق ثلاث دائر مع القصد، فإن قصد هجر المسلم حرم، و إلا لا: أي بأن كان الهجر لموجب شرعي لا يحرم". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ۱/۹۷، القاعدة الثانية، إدارة القرآن)

"قال الخطابي: رُخّص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ فيجوز فوق ذلك، و في النهاية: فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مرّ الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح: ۸/۷۵۸، ۷۵۹، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و إذا سألك عبادي عني فإني قريب، أجيب دعوة الداع إذا دعان، فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي، لعلهم يرشدون﴾". (البقرة: ۱۸۶)

و قال تعالىٰ: ﴿و من أضل ممن يدعو من دون الله من لا يستجيب له إلى يوم القيامة، و هم عن دعائهم غافلون﴾. (الاحقاف: ۵)

"إنكار لأن يكون أضل من المشركين ...... أي وهو أضل من كل ضال حيث ترك دعاء المجيب القادر المستجمع لجميع صفات الكمال ...... و دعا من ليس شانه الإستجابة له و إسعافه بمطلوبه (إلى يوم القيامة) .... (وهم عن دعائهم) ...... أي والذين يدعون من لا يستجيبون لهم عن دعائهم إياهم (غافلون) لا يسمعون و لا يدرون، أما إن كان المدعو جماداً، فظاهر، و أما إن كان من =

کے خلاف ہے، اللہ پاک کے علاوہ پیر وغیرہ سے حاجت طلب کرنا جائز نہیں (۱)۔ اس مرید نے اپنے پیر کے بارے میں جو مذکورہ الفاظ کہے ہیں، ان سے ایہامِ شرک ہوتا ہے، لیکن کسی مسلمان کے قول پر شرک وکفر کا حکم لگانا شریعت میں بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے، جب تک اس کے کلام کا صحیح محمل ذرا بھی نکل سکتا ہے (گو تاویل سے ہی ہو) سخت حکم لگانے میں جلدی نہ کی جائے۔

"وقد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع و تسعون إحتمالاً للكفر و احتمال واحد في نفيه، فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالإحتمال الثاني، لأن الخطاء في إبقاء ألف كافر أهون من الخطاء في إفناء مسلم واحد". شرح فقہ اکبر، ص: ۱۹۹ (۲)۔

یہاں اس کے کلام کا محمل یہ ہے کہ وہ خدا کو حاجت روا سمجھتے ہوئے اپنے پیر صاحب کو سفارشی سمجھتا تھا

= ذوي العقول، فإن كان من المقبولين المقربين عند الله تعالىٰ، فلإشتغاله عن ذلك بما هو فيه من الخير، أو كونه في محل ليس من شان الذي فيه أن يسمع دعاء الداعي للعبد كعيسى عليه الصلوٰة السلام اليوم". (روح المعاني: ۲۶/۶، ۷، دار إحياء التراث العربي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين تدعون من دون الله لايملكون من قطمير﴾ (الفاطر: ۱۳) وقال الله تعالىٰ: ﴿والذين تدعون من دون الله لا يستطيعون نصركم، ولا أنفسهم فيصرون﴾ (الأعراف: ۱۹۷) "إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم مثل: يا سيدي فلان! أغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شئ اهـ". (روح المعاني (المائدة): ۱۲۸/۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

وقال الله تعالىٰ: ﴿والذين يدعون من دونه لا يستجيبون لهم بشئي﴾. (الرعد: ۱۴۰)

(۲) (شرح الفقه الأكبر للقاري، مطلب في التوبة و شرائطهما: ص: ۱۲۲، قديمي)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في احكام المرتدين، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب احكام المرقدين: ۲۱۰/۵، رشيديه)

و في "مالا بد منه" "امام ناصر الدینؒ گفتہ کہ:........وآنچہ درردّت بودن آن شک است، ازاں حکم بردت نباید کرد: کہ ثابت از شک زائل نہ شود، حال آنکہ: "الاسلام يعلو و لا يُعلى" ودر حکم بہ کافر گفتن اہل اسلام جلدی نہ باید کرد، حال آنکہ بہ صحتِ اسلام مکرہ علماء حکم کردہ اند"۔ (باب الفاظ الکفر: ص: ۱۳۱، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

یعنی پیر صاحب کی سفارش اور دعا سے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) حاجتیں پوری ہوا کرتی تھیں، اب پیر صاحب نہیں رہے تو کس کی سفارش سے پوری ہوں گی، کوئی سفارشی ہی نہیں رہا۔ اس لئے نہ اس پر شرک کا حکم لگایا جائے نہ اس کو اس قسم کا عقیدہ رکھنے اور بات کہنے کی اجازت دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۱۷ھ۔

پوجا کے لئے چندہ اور پوجا کی مٹھائی کھانا

سوال[۱۱۱]: میں آر۔ ایم۔ ایس میں کام کرتا ہوں، ہر جمعرات کو آفس میں ہندو لوگ ستیہ نارائن کی پوجا کرتے ہیں تو اس پوجا کے لئے ہم سب سروس والوں سے دس پیسے یا کبھی زیادہ، شیوا جی (۱) وغیرہ کے نام پر بھی کبھی ایک یا دو روپے دینے پڑتے ہیں۔ چونکہ ہم مسلمان تھوڑے ہیں ہماری چل نہیں سکتی، سوچ یہ ہے کہ پیسے دینے سے مالی شرک ہوگا اور اگر نہ دیئے تو ڈبل دشمن بن جائیں گے، نیز پوجا کی مٹھائی کھوپرا کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر پیسے دیئے بغیر چھٹکارہ نہیں تو جو لوگ مانگتے ہیں ان کو مالک بنانے کی نیت سے دیدیں (۲) پھر وہ اپنی طرف سے جہاں دل چاہے خرچ کریں، مٹھائی اور کھوپرا بھی اگر لینا ضروری ہو تو اس کو لے لیں، پھر کسی جانور کو دیدیں، پوجا کی مٹھائی وغیرہ نہ کھائیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۲۷ھ۔

---

(۱) ''ہندوؤں کا بڑا دیوتا''۔ (فیروز اللغات: ۵۵۵)

(۲) اپنی طرف سے بطور حصہ کے دیدینا ناجائز اور حرام ہے۔ کما سیأتي تخریجہ مفصلا تحت عنوان: ''اسکول میں پوجا کے لئے چندہ دینا اور پوجا کا کھانا کھانا''۔

(۳) یہ نذر لغیر اللہ کے قبیل سے ہے اور نذر لغیر اللہ حرام ہے اور حرام کا کھانا بھی حرام ہے: ''و أما النذر الذي ینذرہ أکثر العوام علی ما ھو مشاھد کأن یکون لإنسان غائب أو مریض أو لہ حاجۃ ضروریۃ، فیأتي بعض الصلحآء فیجعل سترہ علی رأسہ، فیقول: یا سیدي فلان! إن ردّ غائبي أو عوفي مریضي أو قضت حاجتي، فلک من الذھب کذا، فھذا النذر باطل بالإجماع لوجوہ: منھا أنہ نذر لمخلوق، والنذر للمخلوق لا یجوز؛ لأنہ عبادۃ والعبادۃ لا تکون للمخلوق، و منھا أن المنذور لہ میت، و المیت لا یملک، و منھا أنہ إن ظن أن المیت یتصرف في الأمور دون اللہ تعالیٰ، واعتقادہ ذلک کفر .... فإذا علمت ھذا، فما یؤخذ من =

اسکول میں پوجا کے لئے چندہ دینا اور پوجا کا کھانا کھانا

سوال[۱۱۱۲]: ہم لوگ ایسی جگہ کے باشندے ہیں کہ جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے، جس کے قریب تین ہائی اسکول ہیں مگر اردو کی تعلیم کسی میں نہ تھی، ہمارے جیسے جو کامیاب ہوتے ہیں ان کی ملازمت میں کچھ دشواری ہوتی ہے اس لئے ہم لوگوں کو بہت کوشش کے بعد ایک ہائی اسکول اردو گرانٹ پرائیویٹ طریقہ سے امسال رکھا گیا ہے جس میں احقر کو اسکول کے مینجگ نے منتخب کیا ہے اور تنخواہ بھی اس وقت اس کمیٹی سے دی جاتی ہے، یہاں مسلمان بچوں کی تعداد بیس ہے اور ہندو بچوں کی تعداد تین سو تک ہے، یہاں تمام قوانین ہندوانی ہیں جس میں تمام پوجا بھی شامل ہے: مثلاً: گنیش پوجا، سرتی پوجا، لکھی پوجا وغیرہ کیا جاتا ہے۔

ہر ماسٹر مسلمان بچوں سے جبراً کہتا ہے کہ تم لوگ اس پوجا میں چندہ دو اور دینا ہوگا جب کہ تم اس اسکول میں تعلیم پاتے ہو، تو بچے مجبور ہو کر اپنے سرپرست سے کہہ کر چندہ لاتے ہیں۔ ان پوجاؤں میں کچھ کھانے کی چیزیں بھی ہوتی ہیں وہ کھایا کرتے ہیں۔ احقر نے جب امسال یہاں ملازمت کی تو ہیڈ ماسٹر سے کہا کہ ایسا چندہ ہمارے دھرم میں نہیں ہے، آپ کیوں بچوں سے یہ چندہ لیتے ہیں، تو وہ بولے ہم لوگ اسکول کے قانون سے تمام سے لیتے ہیں ان سے بھی لیں گے۔ اب جو کھانا وغیرہ ہوتا ہے اس بارے میں ان سے پوچھا تو بولے ہم لوگ یہ جو روپیہ لیتے ہیں پوجا کے نام سے، حقیقت میں یہ پوجا نہیں ہے، بلکہ ایک فشٹ کھانا مقصد ہے، اس میں پوجا سے کوئی نقص نہیں ہے اور ہم تو آپ کے بچوں کو پوجا کی ہوئی چیز نہیں دیتے ہیں، کھانے کی جو چیز پوجا نہیں ہوتی ہے اس کو دیتے ہیں تو اس کھانے میں آپ کا کیا حرج ہے؟ احقر نے کہا جب ایسا ہے تو آپ یہ فشٹ پوجا کے دوسرے دن کریں جب اس پوجا سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ بولے اس میں اسکول کا نقصان ہے چھٹی زیادہ ہو جاتی ہے، پڑھائی نہیں ہوسکتی ہے اور ہم کو ضروری ہے کہ ہر پوجا میں اس دن اسکول کی چھٹی کریں تو اسی چھٹی میں یہ فشٹ کر لیتے ہیں، تاکہ اور چھٹی کی نوبت نہ آسکے۔

اس کے علاوہ تمام استاذوں سے ایک مدعو نوٹس لی جاتی ہے جس پر تمام اساتذہ دستخط کرتے ہیں۔ اگر

= الدراهم والشمع والزيت وغيرها، و ينقل إلى ضرائح الأولياء تقرباً إليهم، فحرام بإجماع المسلمين".

(البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/ ۵۲۰، ۵۲۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

کوئی نہ آئے تو باز پرس ہوتی ہے، نیز لڑکوں سے بھی معمولی، خاص کر اگر احقر نہ آئے تو زیادہ تر دشمنی کا باعث ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ملازمت اور گرانٹ پر نقصان آسکتا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ کیا بچے اس حال میں چندہ دیکر کھا سکتے ہیں؟ اور احقر حتی الامکان یہ کوشش کرتا ہے کہ اس پوجا میں نہ کھائے یا نہ شریک ہو، اگر بالکل مجبور ہوکر وہ کھانا کھالیا تو امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس چیز اور کھانے کا پوجا سے کوئی تعلق نہیں تو موجودہ حالت میں کھانے کے لئے چندہ دینے اور اس کھانے کی وجہ سے کفر و شرک کا حکم نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۱۱/ ۹۲ھ۔

---

(۱) هذا حكم الواقعة المذكورة ، أما من أهدى شيئاً ذلك اليوم حسب اعتقادٍ ما : أي موافقةً لهم أو تحسيناً لفعلهم أو تعظيماً لمذهبهم و معتقدهم أو إعانتهم على كفرهم أو تشبهاً بهم،فقد عدّ الفقهاء ذلك كله من جملة الكفر:

قال الملا على القاريؒ " من أهدى بيضةً إلى المجوس يوم النوروز كفر: أي لأنه أعانه على كفره وإغوائه، أو تشبه بهم في إهدائه ، ومفهومه أنه لو أهدى شيئاً في يوم النوروز إلى المسلم لا يكفر .... و في مجموع النوازل : اجتمع المجوس فقال مسلم : سيرة حسنة و ضعوها، كفر : أي لأنه استحسن وضع الكفر مع تضمن استقباحه سيرة الإسلام ، وفي الفتاوى الصغرى : من اشترى يوم النوروز شيئاً و لم يكن يشتريه قبل ذلك، أراد به تعظيم النوروز ، كفر: أي لأنه عظّم عيد الكفرة".

(شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۸٦ ، قديمي)

(وكذا في الفتاوى البزازية ، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً ، الفصل الثاني ، النوع السادس في التشبيه : ٦/ ۳۳۳، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى ، كتاب ألفاظ الكفر ، الفصل الثاني، الجنس السادس في التشبيه : ۴/ ۳۸۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب السير ، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بتلقين الكفر و الأمر بالارتداد الخ: ۲/ ۲۷٦، ۲۷۷، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين ،فصل في الخروج إلى النشيدة : ۵/ ۵۲۱، إدارة القرآن) =

دُرگا پوجا میں چندہ دینے والے کا حکم

سوال[۱۱۳]: اس مسلمان کے بارے میں کیا حکم ہے جو ہندوؤں کے دُرگا (ہندوؤں کی دیوی بھوانی) پوجا اور سرش پوجا میں چندہ دیتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر پوجا کو اچھا سمجھ کر چندہ دیتا ہے تو سخت گنہگار ہے اس کو فوراً توبہ لازم ہے، اگر کسی مجبوری کی وجہ سے چندہ دیتا ہے تو اس کو چاہئے کہ جو شخص چندہ لینے کے لئے آیا اس کو دینے کی نیت سے دیدے براہ راست پوجا کے لئے نہ دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

مشرکانہ طریقہ پر کنویں کے افتتاح میں شرکت

سوال[۱۱۴]: ایک مسلم شخص نے کنواں کھدوانا شروع کیا، افتتاح تو دو مولوی صاحب اور ایک قاضی

= أما إذا لم يكن على قصد التعظيم والتحسين والتشبه وغير ذلك فلا بأس به و لايكون كفراً، لكن الترك و الإحتراز أولى، كما قال العلامة البزازي في فتاواه قال: و إن أخذه لا على ذلك الوجه (أي الموافقة) لا بأس به، والإحترازعنه أسلم، المسلم إذا أهدى يوم النيروز إلى مسلم آخر شيئاً ولم يُرد به تعظيم ذلك اليوم، و لكن جرى على ما اعتاده بعض الناس، لا يكفر، لكن لا ينبغي له أن يفعل ذلك". (البزازية، كتاب الألفاظ الخ، الفصل الثاني، النوع السادس: ۶/۳۳۳)

(وكذا في الشرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً وكنايةً، ص: ۱۸۶)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في الخروج إلى النشيدة: ۵/۵۲۱، إدارة القرآن)

(۱) قال الله تعالى: ﴿و تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾. (سورة المائدة: ۲)

"ذمي سأل مسلماً عن طريق البيعة لا ينبغي للمسلم أن يدلّه على ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۲۵۰، كتاب السير، الباب الثامن في الجزية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۵۹۱، الباب الثالث في الوكالة بالبيع، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۵۹، كتاب الكراهية، الثالث فيما يتعلق بالمناهي، رشيديه)

امام صاحب کے ہاتھوں ہوا، لیکن اس طرح چونکہ کھودنے والے غیر مسلم تھے انہوں نے ایک پتھر کو بھیروں (۱) کے نامزد کر کے سیندور لگایا (۲) پتھر کی پوجا کی، گڑ اور چنے کا بھوگ (۳) لگایا، بھیروں کی جے بولی (۴)، تب پجاری نے زمین پر سات پھاوڑے (۵) مارے، اس کے بعد مولویوں نے سات سات پھاوڑے مار کر کھلا شرک کیا، اب ان لوگوں کے پیچھے نماز وغیرہ کا کیا ہوگا؟ نیز ان لوگوں نے اس کی اجرت گیارہ گیارہ روپے بھی لئے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

شرک کی قباحت و مذمت تو کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں بلکہ سب کو ہی معلوم ہے (۶) مگر صورت مسئولہ میں جس نے شرک کیا ہے وہ تو ہے ہی مشرک (۷) مسلمانوں نے تو یہ کام نہیں کیا، لیکن جس مسلمان نے شرک کی اجازت دی یا اس کو پسند کیا یا ساتھ دیا، اس نے بھی گناہ کا کام کیا، اگر معلوم تھا کہ یہ شرک ہے تو زیادہ خطرناک ہے (۸) اگر یہ سمجھا کہ یہ کوئی خاص طریقہ ہے جو کنواں کھودنے کے وقت کیا جاتا ہے اور عدم واقفیت کی وجہ سے

---

(۱) ''بھیروں'' ''سیوجی کا اوتار''۔ (فیروز اللغات: ص: ۲۴۲)

''اوتار'' ہندوؤں کے عقیدے میں خدا کا کسی جسم (خلقت) میں داخل ہو کر مخلوق کی اصلاح کے لئے دنیا میں آنا''۔ (الفیروز ص: ۱۳۵)

(۲) ''سرخ رنگ کا ایک سفوف (پسی ہوئی چیز، پوڈر) جسے ہندو عورتیں مانگ میں بھرتی ہیں''۔ (الفیروز ص: ۸۳۰)

(۳) ''بھوگ'' کھانا، تبرک، دیوتاؤں کا چڑھاوا''۔ (الفیروز ص: ۲۴)

(۴) ''جے'' عروج: تسلیم، شاباش، زندہ باد''۔ (الفیروز ص: ۵۰۴)، یعنی ان دیوتاؤں کی شان میں جو تسلیمی اور داد کے کلمات کہے جاتے ہیں۔

(۵) ''پھاوڑا'' کدال، بیلچہ''۔ (الفیروز ص: ۳۱۳)

(۶) قال الله تعالیٰ: ﴿إنه من يشرک بالله، فقد حرّم الله عليه الجنة، و مأواه النار، و ما للظالمين من أنصار﴾. (المائدة : ۷۲)

(۷) یعنی کرنے والے ہندو ہی ہیں، جیسے کہ سوال میں مذکور ہے۔

(۸) یہ رضا بالکفر والشرک کے قبیل سے ہے اور رضا بالکفر پر فقہاء کرامؒ نے کفر کا حکم عائد کیا ہے: '' و ذكر شيخ الإسلام: إن الرضا بكفر غيره إنما يكون كفراً إذا كان يستجيزه و يستحسنه ''. (شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۸۰، قديمي)

(و كذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الرابع في الإيمان =

اس کو یہ دیکھتے رہے تو پھر زیادہ تشدد کی ضرورت نہیں، تاہم توبہ واستغفار پھر بھی کریں، خاص کر امام وقاضی کا بڑا منصب ہے، جو جو اس میں شریک رہے سب ہی دو رکعت صلوۃ توبہ پڑھ کر توبہ کرلیں، امام صاحب خود بھی توبہ کریں اور مقتدیوں کو بھی توبہ کرادیں (۱) آئندہ ہرگز ایسے کام میں شریک نہ ہوں (۲) نہ امام نہ مقتدی، نیز امام صاحب، موذن صاحب، قاضی صاحب کے حق میں یا کسی بھی مسلم کے حق میں شرک وغیرہ کا لفظ استعمال نہ کریں، اب اس قصہ کو ہوا نہ دیں بلکہ ختم کردیں۔ حق تعالیٰ سب کو صراط مستقیم پر چلائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۴ھ۔

کیا کسی خاص کنویں کے پانی میں شفاء ہے؟

سوال[۱۱۵]: ایک کنواں ہے جس میں چشمہ نکل آیا ہے اس کنویں کے پانی کے متعلق سنا ہے کہ کسی کو کسی تکلیف میں فائدہ ہوگیا اس وجہ سے عامۃ الناس بغرضِ شفاء اس کنویں کے پانی کو استعمال کرنے اور حاصل

= والإسلام : ۲/۳۲۹، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب السير ، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالإيمان والإسلام : ۲/۲۵۷، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين ، فصل في إجراء كلمة الكفر الخ : ۵/۴۶۰، إدارة القرآن)

(۱) "ما كان في كونه كفراً اختلاف ، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح ، وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير ، موجبات الكفر أنواع ، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتار خانية: ۵/۴۶۱، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر، إدارة القرآن)

(۲) "إعلم أن من أراد أن يكون مسلماً عند جميع طوائف الإسلام ، فعليه أن يتوب من جميع الآثام : صغيرها و كبيرها ، سواء ما يتعلق بالأعمال الظاهرة أو الأخلاق الباطنة ، ثم يجب عليه أن يحفظ نفسه في الأقوال و الأفعال والأحوال من الوقوع في الارتداد ، نعوذ بالله من ذلك ، فإنه مبطل للأعمال و سوء خاتمة المآل ، و إن قدر الله عليه و صدر عنه ما يوجب الردة، فيتوب عنها ويجدّد الشهادة لترجع له السعادة ". (شرح الفقه الأكبر للقاري ، بحث التوبة، ص: ۱۶۱ ، قديمى)

کرنے کے لئے مستقل سفر کرتے ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

بعض جگہ پانی میں قدرتی طور پر ایسا مادہ ہوتا ہے جس سے جسمانی امراض سے شفاء ہوجاتی ہے یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں ہے اگر بات یہیں تک محدود ہے تو کچھ مضائقہ نہیں، جیسے بعض ادویہ کا استعمال ہوتا ہے یا تبدیلی آب وہوا کے لئے بعض مقامات کا سفر کیا جاتا ہے، اطباء وڈاکٹر تجویز کرتے ہیں کہ فلاں جگہ کی آب وہوا گرم یا سرد یا تر ہونے کی وجہ سے مریض کے موافق ہے یا بعض امراض میں جاری پانی سے غسل تجویز کیا جاتا ہے، لیکن اگر عقائد فاسد ہونے کا مظنہ (اندیشہ) ہو کہ اس پانی کی پوجا شروع ہوجائے گی تو پھر اس فتنے کو روکنے کی ضرورت ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی ملک میں وہ کنواں ہے اس کو سمجھا کر حسنِ تدبیر سے آمادہ کیا جائے کہ وہ اس کو بند کرادے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کسی خاص درخت سے شفاء حاصل کرنا

سوال[۱۱۶] : یہاں تحصیل جانسٹھ مظفر نگر کے ایک گاؤں میں پندرہ بیس یوم سے ایک ببول کے درخت کے نیچے مسلم وغیر مسلم، مرد، عورت، جوان، بوڑھے تقریباً ہر قسم کے لوگ اپنی حاجات مثلاً شفائے امراض وغیرہ کے لئے آتے ہیں، تمام دن اس درخت کے نیچے بھیڑ رہتی ہے، دور دراز سے لوگ کثرت سے آتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں کوئی پیر صاحب ہیں، کوئی کہتا ہے کہ یہاں کوئی جن ہے اور سنا ہے کہ اب وہاں مزار بھی بنانے کی اسکیم ہے، لوگوں کا یہ عقیدہ بن رہا ہے کہ اس درخت کے نیچے بیٹھنے سے شفاء ہوتی ہے، جانے والے بتاتے ہیں کہ ضرورت منداس درخت کے نیچے مٹھی بند کر کے بیٹھتے ہیں اور نظر درخت کی طرف رہتی ہے، مٹھی خود بخود کھل جاتی ہے اور مرض وغیرہ سے شفا مل جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ باتیں ہوتی ہوں، جو لوگ وہاں جاتے ہیں ان کی نیت سے تو اللہ ہی واقف ہے، بظاہر تو استعانت من غیر اللہ ہے اور بظاہر شرک وبدعت معلوم ہوتی ہے اور یہ وہی شکل ہے جیسے قبور اولیاء اللہ پر لوگ جاتے اور اپنی حاجات مانگتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا وہاں اپنی ضرورت کے لئے جانا شرک ہے؟ ایسے لوگوں کے لئے کیا وہی وعید ہے جو مشرکین کے لئے خلود فی النار کی آئی ہے؟ اگر جانے والے مسلمان ہوں تو ان کے نکاح باقی رہتے ہیں یا

ٹوٹ جاتے ہیں؟ جیسے کفر کے بارے میں لکھا ہے کہ ایمان سے خارج ہوجانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ہوسکتا ہے کہ وہاں جناتی شیطانی کوئی اثر ہو جس سے لوگ متاثر ہوتے ہوں اور عقائد فاسد کرنے کی غرض سے یہ اثرات مرتب ہوتے ہوں کہ مٹھی خود بخود کھل جاتی ہے اور مرض سے شفا مل جاتی ہے (۱)، مگر جب تک ان لوگوں کے عقائد کی تحقیق نہ ہوان کے اس عمل کی وجہ سے خلود فی النار کا حکم نہیں ہوگا (۲) البتہ اس عمل سے شدت کے ساتھ روکنا ضروری ہے، اول شفقت سے تفہیم کی جائے پھر وعید سنائی جائے اور عقائدِ باطلہ اختیار کرنے کی صورت میں وعید شدید، خلود فی النار بتلائی جائے اور یہ کہ اس دنیا میں نکاح باقی رہنا بھی دشوار ہوگا۔ استفتاء اور فتوی مشتہر کرنا مناسب نہیں، بسا اوقات اس سے طبائع میں ضد اور عناد پیدا ہوکر زیادہ خرابی پیدا ہوتی ہے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ کسی صاحبِ نسبت بزرگ عالم کا وعظ کرایا جائے جس میں وہ حکمت وموعظت سے

---

(۱) "والإنسان إذا فسدت نفسه أو مزاجه يشتهي ما يضره و يلتذبه، بل يعشق ذلك عشقاً يفسد عقله و دينه و خلقه و بدنه و ماله، والشيطان هو نفسه خبيث، فإذا تقرّب صاحب العزائم والأقسام و كتب الروحانيات السحرية و أمثال ذلك إليهم بما يحبونه، فمن الكفر و الشرك صار ذلك كالرشوة والبرطيل لهم، فيقضون بعض أغراضه كمن يعطي غيره مالاً ليقتل له من يريد قتله أو يعينه على فاحشة أو ينال معه فاحشة". (آكام المرجان في أحكام الجآن، الباب الثامن والأربعون في بيان السبب الذی من أجله تنقاد الجن والشياطين، ص: ۹۹، ۱۰۰، مكتبه خير كثير)

"و كانت الشياطين تتراء ى لهم أحيانًا، و قد يخاطبونهم من الصنم و يخبرونهم ببعض الأمور الغائبة، أو يقضون لهم بعض الحوائج، فكانوا يبذلون لهم هذا النفع القليل بمااشتروه منهم من توحيدهم و إيمانهم الذی هلكوا بزواله كالسحر". (مجموعة الفتاوی لإبن تيميةؒ، فصل في تزيين الشيطان العبادات البدعية لأهلها: ۲۳۸/۱۰، مكتبة العبيكان)

(۲) "عن أبي ذر رضي الله تعالیٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمی رجل رجلاً بالفسوق و لا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاری، كتاب الأدب، باب ما ينهی عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمی)

"و لايجوز أن يرمي مسلم بفسق و كفر من غير تحقيق". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۲، قديمی)

لوگوں کو سمجھائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

درخت کے پاس بیٹھنے سے شفاء

سوال[۱۱۷]: یہاں پر ایک مہوا(۱) کا درخت ہے، بہت سے مریض اس کے پاس جا کر درود شریف پڑھتے ہیں، اس پڑھنے والے پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے، جو مریض اچھا ہونے والا ہے درخت کی طرف سرکنے لگتا ہے اور جو مریض اچھا ہونے والا نہیں ہے وہ بیٹھا رہتا ہے۔ بہت سوں نے اس کا تجربہ کیا ہے تو اس درخت کے پاس جانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص عرصہ سے بیمار ہے تو اس درخت کے پاس جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

درود شریف کی ترغیب وفضیلت قرآن کریم (۲) اور حدیث شریف سے ثابت ہے(۳) زیادہ سے

---

(۱) ''ایک درخت کا نام ہے، جس کے پھلوں کو کھاتے، پھولوں کی شراب اور بیجوں کا تیل نکالتے ہیں''۔ (نور اللغات، ص:۱۴۱۸)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله و ملائكته يصلون على النبي، يأيها الذين آمنوا صلوا عليه و سلموا تسليماً﴾ (الأحزاب: ۵۶)

(۳) ''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من صلى عليَّ واحدةً صلى الله عليه عشراً''. رواه مسلم''.

''عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من صلى عليّ صلاةً واحدةً صلى الله عليه عشر صلوات، و حطت عنه عشر خطيئات، و رفعت له عشر درجات''. (رواه النسائي)

''وعن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم عليّ صلاةً''. رواه الترمذي''.

''عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: ''من صلى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واحدةً صلى الله عليه و ملائكته سبعين صلاةً''. رواه أحمد''.

''وعن رويفع رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ''من صلى على محمد و قال: أللهم أنزله المقعد المقرب عندك يوم القيامة، وجبت له شفاعتي'' رواه أحمد''. (مشكوة المصابيح، باب الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها: ۱/۸۶، ۸۷، قديمي)

زیادہ پڑھا جائے، مکان پر بھی مسجد میں بھی حتی کہ چلتے پھرتے بھی، مگر اس مخصوص درخت کے پاس جا کر بیٹھنا نہ دلائل شرعیہ سے ثابت ہے نہ یہ کوئی حکمت اور طب کا مسئلہ ہے، بلکہ وہاں جا کر بیٹھنے سے لوگ اعتقاد کریں گے کہ اس درخت کو بھی کوئی دخل ہے، یہ درخت واجب التعظیم وتکریم ہے، پھر اس پر چڑھاوے شروع ہوجائیں گے، اس کی پوجا ہونے لگے گی، اس سے عقائد فاسد ہوکر دین تباہ و برباد ہوجائے گا، اس لئے وہاں ہرگز نہ جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۳ھ۔

کامیابی کے لئے ایک درخت کے نیچے خاص ہیئت اختیار کرنا

سوال[۱۱۱۸]: ایک درخت ہے اس کے نیچے جا کر بہت سے آدمی اوکڑو بیٹھ جاتے ہیں اور ہاتھ زمین پر ٹیک لیتے ہیں اور نظر پیر پر رکھتے ہیں، کہنے والا یہ کہتا ہے کہ اگر مقصد میں کامیابی ہے تو ہاتھ آگے کو سرک جاتے ہیں اور پھر اوندھا زمین پر گر جاتا ہے، اگر مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی تو ویسے ہی بیٹھا رہتا ہے کچھ نہیں ہوتا۔ اس طرح کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا ناجائز؟ اور یہ سجدے میں شمار ہوتا ہے یا نہیں اور جو شخص اس درخت کے نیچے جا کر ایسا کرے اس پر شرک لازم آئے گا یا نہیں؟ نیز انسان کی تقدیر خاص پوری عمر کا اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ لکھتا ہے یا کہ ہر سال ایک ایک سال کا لکھا جاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ماں کے پیٹ میں جب بچہ میں روح ڈالی جاتی ہے اسی وقت اس کی ساری زندگی کا رزق اور عمل وہیں لکھ دیا جاتا ہے(۱)، اس کی تفصیل کا علم اللہ کو ہے اور کسی کو نہیں کہ کیا کیا لکھا ہے، کسی درخت کے نیچے جا کر اکڑو بیٹھ کر زمین پر ہاتھ ٹیکنا اور یہ سمجھنا کہ اگر مقصود میں کامیابی ہوگی تو ہاتھ آگے کو سرک کر زمین پر گر جائے گا ورنہ اسی طرح بیٹھا رہے گا، یہ کوئی ٹوٹکا اور شگون ہے، شرعی چیز نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگوں نے کامیابی اور

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم :"وكّل الله بالرحم ملكاً فيقول : أي رب! نطفة، أى رب! علقة، أى رب! مضغة، فإذا أراد الله أن يقضي خلقها، قال: يارب! أذكر أم أنثى، أشقى أم سعيد؟ فماالرزق ، فما الأجل؟ فيكتب كذلك فى بطن أمه". (صحيح البخارى، كتاب القدر: ۲/۹۷۶، قديمى)

ناکامی کی کچھ علامتیں تجویز کررکھی تھیں جن کی کوئی واقعی بنیاد نہیں تھی، شریعت نے ایسی چیزوں کو استقسام قرار دیکر منع فرمایا ہے(۱)، تاہم اگر زمین پر سر گر گیا تب بھی اس کو شرک نہیں کہا جائے گا، مگر اس سے منع کیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۳/۱۶ھ۔

قبر کی مٹی سے شفاء

سوال[۱۱۹]: ایک مرتبہ ایک گاؤں میں جاڑے بخار کی بہت کثرت ہوئی، جو شخص قبر سے مٹی لے جاکر باندھ لیتا اسے آرام ہوجاتا، بس لوگ اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر میں مٹی ڈالو تب ہی ختم، کئی مرتبہ مٹی ڈال چکا، پریشان ہوکر ایک مرتبہ میں نے مولانا کی قبر پر جاکر کہا کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت، یاد رکھو! اگر اب کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے، لوگ جوتہ پہن کر تمہارے اوپر چلیں گے، بس اسی دن سے آرام نہ ہوا، پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کردیا۔ کیا ایسا عقیدہ رکھنا درست ہے اور شریعت کا کیا حکم ہوگا؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾. (المائدة: ۹۰)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وأن تستقسموا بالأزلام﴾ (المائدة: ۳)

"أي حرم عليكم أيها المؤمنون الاستقسام بالأزلام، واحدها "زلم" و قد تفتح الزاي، فيقال: زلم، و قد كانت العرب في جاهليتها يتعاطون ذلك، و هي عبارة عن قداح ثلاثة، على أحدها مكتوب: افعل، وعلى الآخر: لا تفعل، والثالث: غفل ليس عليه شيء .... و قال ابن عباس رضي اللہ تعالیٰ عنهما: هي قداح، كانوا يستقسمون بهاالأمور". (تفسير ابن كثير، (المائدة): ۱۸/۲، مكتبه دارالسلام الرياض)

"والحق عندي أن الاستقسام الذي كان يفعله أهل الجاهلية حرام بلا شبهة كما هو نص الكتاب، و أن حرمته ناشئة من سوء الاعتقاد، و أنه لا يخلو عن تشاؤم، و ليس بتفاؤل محض". (روح المعاني، المائدة: ۵۹/۶، دار إحياء التراث العربي)

الجواب حامداً و مصلیاً :

اصل شفاء دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں خواہ کسی حکیم، ڈاکٹر کی دوا کے ذریعہ سے ہو یا کسی عامل کے تعویذ اور پھونک سے دیں، خواہ کسی بزرگ کی کرامت (خاک قبر وغیرہ) سے دیں، خواہ بغیر کسی ظاہری سبب کے دیں، ایک ہی چیز سے جب وہ چاہیں شفاء دیدیں، جب چاہیں نہ دیں، یہ عقیدہ صحیح اور درست ہے(۱)۔ شفاء کو کسی غیر کے قبضۂ قدرت میں تجویز کرنا درست نہیں، خواہ وہ غیر کوئی زندہ ولی وغیرہ ہو یا مردہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۵ھ۔

بدعات شرکیہ

سوال[۲۰۱] : قبر پرست مسلمان جن کو قبوریین کہا جاتا ہے ان کے افعال شرکیہ و بدعیہ جیسے مزارات اولیاء وانبیاء کو سجدہ کرنا یا ان کی قبور کے غسل کے پانی کو متبرک سمجھنا اور بطور آب زمزم کے اس کو لانا اور ان کو حاضر وناظر خیال کرنا اور ان کو مشکل کشا سمجھنا اور ان کے نام کے وظائف پڑھنا اور ان کو عالم الغیب جاننا اور ان کے مزارات پر نذریں چڑھانا اور ان کے نام کے وہاں پر بکرے ذبح کرنا اور ان کی طرف اپنے بچوں اولادوں کو منسوب کرنا کہ یہ بچہ ہم کو فلاں پیر نے دیا ہے وغیرہ وغیرہ، یہ امور شرکیہ کفریہ کرنے والے مسلمان ہیں یا نہیں اور ان میں اور کفار قریش مکہ میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی اولیاء وانبیاء و اوثان سے ایسی ہی عقیدت رکھتے تھے،

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإذا مرضت فهو يشفين﴾ (الشعراء : ۸۰)

"فقال أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه : ألا أرقيک برقية رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم ؟ قال: بلی قال: "أللهم رب الناس، مذهب البأس، اشف أنت الشافي، و لا شافي إلا أنت شفاءً لا يغادر سقماً".

"عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم كان يرقي يقول: "امسح البأس رب الناس، بيدک الشفآء، لا كاشف له إلا أنت". (صحيح البخاری ، كتاب الطب ، باب رقية النبي صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم : ۲/ ۸۵۵، قديمی)

﴿وإذا مرضت فهو يشفين﴾: أي إذا وقعتُ في مرض، فإنه لا يقدر على شفائي أحد غيره بما يقدر من الأسباب الموصلة إليه". (تفسير ابن كثير ، (الشعراء): ۳/ ۴۵۱، دار الفيحاء و دار السلام)

بینوا توجروا۔ طالب تحقیق ابوالعتیق محمد پٹھان، ۱۸/ رجب/ ۶۴ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مردم شماری کے اعتبار سے ان کا نام مسلمان ہے، لیکن شرعی نقطۂ نظر سے یہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں (۱)۔ مشرکینِ عرب بھی ایسے ہی عقائد واعمال کی وجہ سے مشرک کہلاتے تھے، یہ لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۰/ ۱۱/ ۶۴ھ۔

اس میں تفصیل کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ اگر انبیاء اولیاء کے لئے وہ قدرت اور اختیار بالذات مانتے ہوں اور حاضر وناظر بلا واسطہ سمجھتے ہوں تب تو وہی جواب ہے جو مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے، ورنہ تغلیظاً تو ان پر حکم کفر کرنا جائز ہے، حقیقۃً تمام احکامِ کفر جاری نہ کئے جائیں گے۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذیعقدہ، ۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذیعقدہ/ ۶۴ھ۔

---

(۱) أما قوله: "قبور کے غسل کے پانی کو تبرک سمجھنا اور بطور آب زمزم اس کو لانا" فباطل لا أصل له في الدين، لأنه لم يذكره أحد من السلف ولم يعتقده، وأما التبرك به فمردود على قفى قائله، وكيف يتبرك به وهو اعتقاد باطل وبدعة شنيعة مذمومة. والله تعالىٰ أعلم.

وأما قوله: "اور ان کو حاضر وناضر خیال کرنا" فقد قال محمد بن شهاب البزاز: "قال علمائنا: من قال: أرواح المشايخ حاضرة، يكفر". (الفتاوىٰ البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الثاني في ما يتعلق بالله تعالى: ۶/ ۳۲۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/ ۲۰۹، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ثم ألفاظ الكفر أنواع: ۲/ ۵۰۵، غفارية)

وأما قوله: "ان کو مشکل کشا سمجھنا" فباطل لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تدع من دون الله ما لا ينفعك ولا يضرك، فإن فعلت فإنك إذاً من الظالمين﴾. (يونس: ۱۰۶) .... =

....

= قد بحث العلامة الألوسیؒ تحت هذه الآية طويلاً فقال: "(ولا تدع من دون الله) استقلالاً ولا اشتراكاً (ما لا ينفعك) بنفسه إذا دعوته بدفع مكروه أو جلب محبوب (ولا يضرك) إذا تركته بسلب المحبوب دفعاً أو رفعاً، أو بإيقاع المكروه ...... (وإن يمسسك الله بضر) تقرير لما أورد في حيز الصلة من سلب النفع من المعبودات الباطلة، وتصوير لإختصاصه به سبحانه، وإن يصبك بسوءٍ مّا (فلا كاشف له) عنك كائناً من كان وما كان (إلا هو) ...... (وإن يردك بخير) تحقيق لسلب الضرر الخ". (روح المعانی: ۱۱/ ۱۹۸، ۱۹۹، دار إحياء التراث العربی)

وأما قوله: "ان کے نام کے وظائف پڑھنا" فلا يجوز، لأن الأوراد المثابة على فعلها خاصة بأسماء الله تعالیٰ، وقال تعالیٰ: ﴿فاذكروني أذكركم، واشكروا لي، ولا تكفرون﴾ (البقرة: ۱۵۲)

ولما رواه مسلم في كتاب الذكر والدعاء الخ: "عن أبي هريرة قال: كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم في طريق مكة ...... فقال: "سيروا هذا جمدان، سبق المفردون، قالوا: وما المفردون يا رسول الله؟ قال: "الذاكرون الله كثيراً والذاكرات". (باب الحث على ذكر الله تعالى: ۲/ ۳۴۱، قديمی)

قال الملا علی القاری تحت هذا الحديث: "المفردون أنفسهم عن أقرانهم ...... بنيل الزلفی والعروج إلى الدرجات العلى، لأنهم أفراد بذكر الله تعالیٰ عن من لم يذكر الله تعالیٰ، أو جعلوا ربهم فرداً بالذكر، وتركوا ذكر ما سواه، وهو حقيقة التفريد هنا". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب ذكر الله عزوجل و التقرب إليه: ۵/ ۳۴، رشيديه)

وأما قوله: "ان کو عالم الغیب جاننا" فهو إشراك بالله في صفاته وهو تعالیٰ منزه عنه، ونفى الله تعالیٰ هذه الصفة عن جميع مخلوقاته، وأثبتها لنفسه بقوله: ﴿وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾. (الأنعام: ۵۹)

"والمراد بالغيب المغيبات على سبيل الاستغراق، والمقصود على كل تقدير أنه سبحانه هو العالم بالمغيبات كما هي ابتداء (لا يعلمها إلا هو) ...... والكلام إما مسوق لبيان اختصاص المقدورات الغيبية به سبحانه من حيث العلم أثر بيان إختصاص كلها به تعالیٰ من حيث القدرة ...... وإما لإثبات العلم العام له سبحانه، وهو علمه بكل شئ بعد إثبات العلم الخاص، وهو علمه بالظالمين". (روح المعانی: ۷/ ۱۷۰، ۱۷۱، دار إحياء التراث العربی)

وأما قوله: "ان کے مزارات پر نذرانے چڑھانا اور ان کے نام پر بکرے ذبح کرنا" فباطل وحرام كماسيأتي تخريجه......=

قبر پر چراغ، منت، ذبح، سجدہ وغیرہ

سوال [۱۲۱]: مصنوعی قبر بنا کر اس کو کسی ولی کا مزار قرار دینا، اس میں چراغ جلانا اور منت چڑھانا اور بکرا گائے وغیرہ منت کر کے وہاں پر ذبح کرنا اور لوگوں کو کھلانا اور مزار کو سجدہ کرنا، شرعاً یہ افعال کیا حکم رکھتے ہیں اور فاعل فعل مذکورہ کو کیا حکم لگایا جا سکتا ہے اور اس قسم کا طعام حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مصنوعی قبر بنا کر کسی ولی کا مزار قرار دینا مخلوق کو دھوکہ دینا ہے لہٰذا قطعاً ناجائز ہے (۱) اور دیگر افعال مذکورہ بھی ممنوع اور ناجائز ہیں، اگر واقعی کسی بزرگ کی قبر ہو تب بھی افعالِ مذکورہ کا ارتکاب ناجائز ہوگا اور قبر کو

= تحت عنوان: ''قبور کا چڑھاوا''۔

وأما قوله: ''ان کی طرف اپنے بچوں اور اولاد کو منسوب کرنا'' فاعتقاد باطل لقول الله عز وجل: ﴿والله جعل لكن من أنفسكم أزواجاً وجعل لكم من أزواجكم بنين وحفدة، ورزقكم من الطيبات، أفبالباطل يؤمنون، وبنعمة الله هم يكفرون﴾ (النحل: ۷۲)

وقوله تعالىٰ: ﴿يهب لمن يشآء إناثاً، ويهب لمن يشآء الذكور، أو يزوجهم ذكراناً وإناثاً، ويجعل من يشآء عقيماً، إنه عليم قدير﴾ (الشورى: ۴۹، ۵۰)

فهذه صفة خاصة لله تعالىٰ لا مجال لغيره فيها قطعاً. فقط والله تعالىٰ أعلم.

(۱) قال ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: ''فكذلك المنافق سمّي مخادعاً لله وللمؤمنين بإظهاره ما ظهر بلسانه تقيةً بما يخلص به من القتل والسبي والعذاب العاجل، وهو لغير ما أظهره مستبطن، وذلك من فعله وإن كان خداعاً للمؤمنين في عاجل الدنيا، فهو لنفسه بذلك من فعله خادع، لأنه يظهر لها بفعله ذلك بها أنه يعطيها أمنيتها ويسقيها كأس سرورها، وهو موردها حياض عطبها، ومجرعها به كأس عذابها، ومذيقها من غضب الله وأليم عقابه مالا قبل لها به، فذلك خديعته نفسه ظناً منه مع إساء ته إليها في أمر معادها أنه إليها محسن كما قال تعالى: (وما يخدعون إلا أنفسهم وما يشعرون) إعلاماً منه عباده المؤمنين أن المنافقين بإسائتهم إلى أنفسهم في إسخاطهم عليها ربهم بكفرهم وشكهم وتكذيبهم غير شاعرين ولا دارّين ولكنهم على عمى أمرهم مقيمين''. (تفسير ابن كثير تحت قوله تعالىٰ: ﴿يخادعون الله اهـ﴾ البقرة: ۱/۷۷، مكتب دار السلام الرياض)

سجدہ کرنا شرک ہے، اگر بنیت عبادت ہو(۱) اگر بہ نیت تعظیم ہو تو حرام ہے، مشابہ بالشرک ہے(۲)۔ اگر نذر خدا کے لئے کی جائے اور اس کا کھانا مزار کے فقراء کو کھلا دیا جائے تو وہ کھانا فقراء کے لئے جائز ہے اور اگر نذر صاحبِ مزار کے لئے کی جائے تو حرام ہے، اس کا کھانا درست نہیں:

"اعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام، تقرباً إلیهم فهو باطل وحرام اه. قال فی البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق وهو لا یجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تکون لمخلوق، ومنها أن المنذور له میت والمیت لا یملك الخ". ص:٤٣ طحطاوی (٣)۔ "السجود لغیر الله علی وجه التکرمة والتحیة منسوخ بما روت عائشةؓ وجابر بن عبد اللهؓ وأنسؓ أن النبی صلی الله علیه ولسم قال: "ما ینبغی لبشر لو صلح لبشر أن یسجد لبشر، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها من عظم حقه"۔ أحکام القرآن: ١/٣٥(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لو کنت آمر أحداً أن یسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها". رواه الترمذی". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب عشرة النساء وما لکل واحدة من الحقوق، ص: ۲۸۱، قدیمی)

قال الملا علی القاری: "فإن السجدة لا تحل لغیر الله". (المرقاة شرح مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب عشرة النساء الخ: ۶/۴۰۲، رشیدیه)

(۲) "و کذا ما یفعلونه من تقبیل الأرض بین یدی العلماء والعظماء فحرام، و الفاعل والراضی به آثمان؛ لأنه یشبه عبادة الوثن، و هل یکفر إن علی وجه العبادة والتعظیم؟ کفر، و إن علی وجه التحیة لا، و صار آثماً مرتکباً لکبیرة" (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغیره :۶/۳۸۳، سعید)

(۳)(حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسد، قبیل باب الإعتکاف: ۱/۴۷۱، ۴۷۲، دار المعرفة بیروت)

(وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)

(۴)(أحکام القرآن للجصاص، باب السجود لغیر الله تعالیٰ، تحت قوله تعالیٰ: ﴿وإذ قلنا للملائکة اسجدوا﴾ الآیة (البقرة: ۳۴): ۱/۳۲، دار الکتاب العربی)

مزارات پرعورتوں کا جانا اور منت مانگنا

سوال[۱۲۲]: مزارات پرعورتوں کا جانا اور وہاں منتیں مانگنا اور وہاں سے واپس آکر تبرک تقسیم کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اولیاء اللہ کے مزارات پر جاکر مرادیں اور منتیں مانگنا حرام ہے، جیسا کہ البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تصریح موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبور کا چڑھاوا

سوال[۱۲۳]: چڑھاوے کی اشیاء "وما أهل به لغير الله" کے تحت علماء حرام قطعی فرماتے ہیں، بدعتی لوگ اس آیت سے صرف اس ذبیحہ کو مراد لیتے ہیں جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور بظاہر صحیح بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مفسرین نے اس آیت میں صرف ذبح حیوانات ہی کو ذکر کیا ہے۔ مفصل مدلل جواب مرحمت ہوکر شفاء میسر ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مفسرین نے "وما أهل به لغير الله" کے ذیل میں چڑھاوے کو بھی ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو تفسیر فتح العزیز پارہ الم، ص: ۶۱۵، وتفسیر احمدی۔ اور فقہاء کے کلام میں مستقلاً چڑھاوے کی حرمت موجود ہے، درمختار (۲) طحطاوی (۳) فتاویٰ عالمگیری (۴) بحر رائق (۵) وغیرہ سب کتب میں اس کو بصراحت لکھا ہے:

"واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم والشموع

---

(۱) (كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۰، ۵۲۱، رشيديه)

(وسيأتي تخريجه تحت عنوان: "قبور کا چڑھاوا" أعني الحواشي الآتية)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، قبيل باب الاعتكاف: ۲/۴۳۹، سعيد)

(۳) (حاشيه الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، قبيل باب الإعتكاف: ۱/۴۷۱، ۴۷۲، دار المعرفة بيروت)

(۴) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل في المتفرقات، قبيل كتاب المناسك: ۱/۲۱۶، رشيديه)

(۵) (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۰، ۵۲۱، رشيديه)

والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو باطل وحرام اه. قال في البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق ولا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق، ومنها أن المنذور له ميت والميت لا يملك، ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ كفر، أللهم إلا أن يقول: يا الله! إني نذرت لك إن شفيت مريضي أو رددت غائبي أو قضيت حاجتي أن أطعم الفقراء الذين بباب السيدة نفيسة، أو الفقراء الذين بباب الإمام الشافعي، أوالإمام الليث، أو أشتري حصراً لمسجدهم أو زيتاً لوقودها، أو دراهم ممن يقوم بشعائرها إلى غير ذلك مما يكون فيه نفع للفقراء، أو نذر لله عزوجل۔ وذكر الشيخ أنما هو بيان لمحل صرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه أو مسجده، فيجوز بهذا الإعتبار، إذ مصرف النذر الفقراء وقد وُجد، ولا يجوز أن يصرف ذلك إلى غني غير محتاج إليه ولا لشريف منصب؛ لأنه لا يحل له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً، ولا لذي نسب لأجل نسبه ما لم يكن فقيراً، ولا لذي علم لأجل علمه مالم يكن فقيراً، أو لم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء للإجماع على حرمة النذر للمخلوق، ولا ينعقد، ولا تشتغل به الذمة، وأنه حرام بل سحت" اه. طحطاوی، ص:۴۰۳(۱)۔

تاوقتیکہ چڑھاوا چڑھانے والا اپنے اعتقاد اور نیت سے توبہ اور رجوع کرکے بیع یا ہبہ یا صدقہ وغیرہ کے ذریعہ سے کسی کو نہ دے اس کا کھانا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۴/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

مزارات کا چڑھاوا

سوال[۱۲۴]: جو ملکات بادشاہوں نے پیروں کے نام وقف کردی تھیں تو ان کی آمدنی سے اگر لنگر خانہ جاری کیا جاوے تو وہ کھانا کیسا ہے اور جو پیروں پر چڑھایا جاوے اس کا کھانا کیسا ہے اور جو باشرع اس چڑھاوے میں سے لڑ جھگڑ کر مثل ترکہ جدی سمجھ کر حصہ لیتا ہے تو وہ شخص کیسا ہے؟

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب ما يلزم الوفاء به، ص:۲۹۳، ۲۹۴، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقف نے وقف کی آمدنی سے لنگر خانہ جاری کرنے کی اجازت دیدی تھی تو مستحق کو اس کا کھانا جائز ہے(۱)۔ اگر وہ چڑھاوا پیروں اور مزاروں کے نام کا ہے تو اس کا چڑھانا اور کھانا ناجائز ہے اور اگر وہاں کے فقراء کے لئے ہے تو فقراء کو کھانا درست ہے، اگر وہ باقاعدہ شرعی طور پر وقف ہے تو اس میں میراث جاری نہ ہوگی بلکہ واقف نے جو حصہ جس طرح متعین کردیا ہے اس کے موافق مستحقین میں تقسیم کیا جاوے گا، اگر وہ باقاعدہ وقف نہیں بلکہ کسی خاص شخص کی ملک ہے تو اس میں شرعی طور پر میراث جاری ہوگی:

''واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراهم الشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو باطل وحرام''۔ طحطاوی، ص: ۴۰۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مزاروں کا چکر

سوال[۱۲۵]: ۱...... خداوندکریم قرآن شریف میں فرماتے ہیں ''اتباع کرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی'' پھر مزاروں کا چکر، مرادوں کا مانگنا کیسے اسلام میں داخل ہوگیا ہے؟

۲...... نیاز و فاتحہ کی شرطیں کیا ہیں، کیا فاتحہ کی ہوئی مٹھائی یا مرغ مسلم مردے تک پہونچتا ہے؟

۳...... لوگ کہتے ہیں چونکہ اولیاء کرام اور صالحین دنیا میں بھی زندہ ہیں اور آخرت میں بھی، اس لئے وہ مدد کو آتے ہیں ان کا خیال مذکور کہاں تک صحیح ہے؟

۴...... کیا اسلام سے پہلے دوسرے مذاہب میں بھی اس طرح اولیاء کرام یا پیر پیدا ہوتے تھے، اگر نہیں تو خدا تک رسائی کیسے ہوتی تھی؟

---

(۱)''شرط الواقف کنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به''. (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم: شرط الواقف کنص الشارع: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(۲)(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب ما یلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مرادیں مانگنے کے لئے مزاروں کا چکر غلط اور خلاف شرع ہے(۱) البتہ ایصال ثواب کے لئے اور دنیا کی محبت کم کرنے کے لئے قبرستان جانے کی ترغیب آئی ہے(۲)۔

۲......کوئی بھی نیک کام کر کے بغیر کسی ایسی پابندی کے جس کا شرعاً ثبوت نہ ہو، ثواب پہونچا دینا درست ہے، شرعی طریقہ پر صدقہ کرنے سے جو ثواب حاصل ہو وہ مردہ کو پہنچتا ہے(۳)۔

۳......اس پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں۔

۴......پہلے بھی پیدا ہوئے تھے(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

قبروں کا طواف کرنا اور چومنا

سوال[۱۲۶]: بزرگوں کی قبروں کا طواف کرنا اور اس کو بوسہ دینا کیسا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: "﴿ذلک بأن اللہ هو الحق، وأن ما یدعون من دونه هو الباطل، وأن اللہ هو العلی الکبیر﴾ (الحج: ۶۲)

وقال تعالیٰ: ﴿والذین تدعون من دونه، لا یستطیعون نصرکم، ولا أنفسهم ینصرون﴾"(الأعراف: ۱۹۷)

(۲)"وعن ابن مسعود أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "کنت نهیتکم عن زیارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد فی الدنیا، وتذکر الآخرة". رواه ابن ماجه". (مشکوة المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، الفصل الثالث، ص: ۱۵۴، قدیمی)

(۳)"فللإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره عند أهل السنة والجماعة صلاةً کان أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو قراءةً للقرآن، أو الأذکار، أو غیر ذلک من أنواع البر، ویصل ذلک إلی المیت، وینفعه، قاله الزیلعی فی باب الحج عن الغیر". (مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قدیمی)

(۴) جیسے حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کی قوم میں پانچ حضرات: ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے، کما فی تفسیر ابن جریر، وروح المعانی وغیرهما تحت قوله تعالیٰ: ﴿ولا تذرنّ وداً ولا سواعاً ولا یغوث ویعوق ونسراً﴾ (النوح: ۲۳)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدعتِ ضلالت اور معصیت ہے۔فتاوی عزیزی:۲/۱۰۳(۱)،ومجموعہ فتاوی:۳/۶۷(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نذرانۂ مزارات کی تفصیل

سوال[۱۲۷]: شہر گوالپاڑہ میں مسلمانوں کے ایک قبرستان میں مدفون خراسانی پیر صاحب کے بارے میں آپ سے چند سوالات عرض کرنا چاہتا ہوں، برائے کرم ان سوالوں کے جوابات مع حوالہ کتبِ معتبرہ ارسال کرنے سے آپ کا بہت بہت مشکور ہوں گا۔سوال عرض کرنے سے قبل مذکورہ قبرستان میں مدفون شاہ پیر صاحب کے مزار کے بارے میں ایک مختصر بیان آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں تا کہ اس کے بارے میں میرے سوالات کے جوابات شریعت اسلامی کے متعلق واضح طور پر تحریر کرنے میں آپ کو سہولت ہو جائے اور ہمیں بھی اس کے معنیٰ اور مطلب سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

مختصر بیان: آج سے تقریباً ایک سو سال قبل سید ابوالقاسم خراسانیؒ پیر صاحب شہر گوالپاڑہ میں تشریف لائے تھے اور دین اسلام کی خدمت انجام دیئے، ان کی معیت میں لوگوں نے معرفت وسلوک اور ہدایت پا کر کافی فائدہ اٹھایا، پیر صاحب گوالپاڑہ کے لوگوں کو بہت محبوب سمجھتے تھے، گوالپاڑہ کے لوگ بھی ان کی بہت تعظیم وتکریم کرتے تھے اور آج تک ان کی تعظیم گوالپاڑہ کے لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔

گذشتہ ۱۳۰۳ھ میں پیر صاحب کا انتقال ہو گیا اور ان کو مسلمانوں کے مذکورہ قبرستان کے ایک اونچی جگہ میں دفن کیا گیا، اس بارے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ مذکورہ مسلمانوں کا قبرستان مذکورہ پیر صاحب کے انتقال سے بہت پہلے سے تھا، علاوہ ازیں مذکورہ مسلمانوں کا قبرستان پیر صاحب کا اپنا قائم کردہ ہرگز نہیں تھا، سرکاری ریکارڈ کے مطابق وہ عام مسلمانوں کا قبرستان کر کے سرکار کے یہاں درج ہے۔

خراسانی پیر صاحب کے انتقال کے بعد گوالپاڑہ کے مسلمان زائرین مزار کے آنے جانے کے لئے

---

(۱) (فتاویٰ عزیزی، باب التصوف، طواف کا حکم، ص: ۱۵۸، سعید)

(۲) (مجموعة الفتاویٰ (اردو)، کتاب الحظر والإباحة، پانچ سوال متعلق عبادت وثبوت فاتحہ مروجہ وطوافِ قبر اھ: ۲/۲۲۴، سعید)

پانچ سوفٹ لمبا ایک پکا راستہ بنادیا اور ہر سال عرس مبارک کیا جاتا ہے اور پیر صاحب کی خدمت عوام کی طرف سے کی جاتی ہے۔

فی الحال اس بارے میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ آج سے تقریباً بیس یا بائیس برس پہلے پیر صاحب کے نواسے سید محی الدین صاحب تشریف لائے اور اپنی مرضی سے پیر صاحب کے مزار پر رکھے ہوئے بکس میں عوام کی منت وعطیہ ونذرانہ وغیرہ کا جو سالانہ جمع ہوتا ہے آج تک اپنی مرضی کے مطابق صرف کرتے آئے ہیں اور اس کا کوئی حساب وغیرہ نہیں ہے اور ایک بات یہ ہے کہ سید محی الدین صاحب کے گوالپاڑہ میں تشریف لانے سے پہلے پیسہ وغیرہ بکس میں تھا اور اس میں جمع شدہ پیسہ مزار اور قبرستان کے جنگل کی صفائی کے کام میں صرف ہوتا تھا اور یہ بھی سب کو معلوم تھا اور مسلمان عوام کا یہ خیال تھا کہ جب سید محی الدین صاحب پیر صاحب کے خاندان کے آدمی ہیں تو پیر صاحب کے مزار اور ساتھ ساتھ پورے قبرستان کی ترقی اور نفع کا کام اس بکس کے ذریعہ حاصل کردہ عوام کا پیسہ اچھی طرح صرف کریں گے، لیکن بعد میں افسوس کے ساتھ دیکھا گیا کہ سید محی الدین صاحب اس بکس کی آمدنی کے پیسہ سے مذکورہ مزار اور قبرستان کی ترقی میں کوئی خاص کام نہ کرکے خود اپنے نان ونفقہ میں صرف کرتے آئے ہیں۔

اس بارے میں عوام میں سے کسی نے سنجیدگی کے ساتھ سید محی الدین صاحب سے پوچھا، تو اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ "یہ میرے دادا کی وراثت ہے اور عوام میرے دادا پیر صاحب کو عطیہ اور ہدیہ دیتے ہیں، لہٰذا میں وارث ہونے کی حیثیت سے اس روپیہ پیسہ کو صرف کرنے کا مجھے پورا حق حاصل ہے" اور سید صاحب عوام کو اس کا حساب دینے کے لئے راضی نہیں ہوئے، اب مذکورہ پیر صاحب کے مزار میں رکھے ہوئے بکس میں جو منت، ہدیہ، عطیہ وغیرہ کا پیسہ دستیاب ہوتا ہے، اس بارے میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱...... کسی ولی یا بزرگ یا پیر صاحب کے مزار پر کس کس وجہ سے منت کر سکتے ہیں؟ یا کس کس مقصد سے عطیہ یا ہدیہ دینا جائز ہے؟

۲...... کسی مسلمان عوام کے قبرستان میں مدفون کسی بزرگ یا پیر صاحب کے مزار کو مرکز ٹھہرا کر مذکورہ بزرگ کے کوئی وارث اپنے کو اس مذکورہ کام کا خادم بننے کا اظہار کرکے مذکورہ مزار میں لوگوں کے عطیہ، ہدیہ یا منت کے دئے ہوئے روپے پیسے اپنی مرضی کے مطابق اپنے نان ونفقہ میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۳......ولی بزرگ یا پیر صاحب کے مزار سے حاصل کردہ لوگوں کے عطیہ، ہدیہ یا منت کے روپے پیسے کس کس موقع پر خرچ کر سکتے ہیں؟ اور اس کے جمع اور خرچ کا حساب عوام سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

۴......قرآن پاک میں امانت کے بارے میں کیا بیان ہے اور کس انداز سے ہے؟ اس بیان کے مطابق عوام کے رفیق، جیسے مسلمانی عوام کے قبرستان وغیرہ میں، کسی درسگاہ، خانقاہ یا کسی پیر بزرگ کے؟

۵......مذکورہ مزار کے منت کے بکس میں کوئی غیر مسلم آدمی اگر عطیہ یا ہدیہ دیدے تو اس روپیہ پیسہ کو مزار یا قبرستان کی ترقی میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......خدا کے نام پر ثواب حاصل کرنے اور اس کو راضی کرنے کے لئے صدقہ دینا، خیرات کرنا (۱) اور اس کا مصرف ان فقراء کو قرار دینا جو مزار کی حفاظت وخدمت کیلئے رہتے ہیں شرعاً درست ہے (۲)، وہ محافظ وخادم اگر صاحب مزار کے اقرباء ہوں تو وہ بھی ایسی رقوم کے مستحق ہو سکتے ہیں بلکہ دوسروں پر مقدم ہیں، لیکن وہ خدمت وحفاظت بھی کرتے ہیں، اس کو ان بزرگ کی میراث تصور نہ کریں، میراث تو ان اشیاء میں جاری ہوتی ہے جو مرنے والے نے اپنی مملوکہ اشیاء بطور ترکہ چھوڑی ہوں (۳) اس لئے (نہ) اس کو میراث کہا جائے گا نہ اس میں ورثہ کے درجات ذوی الفروض، عصبات، ذوی الارحام کا لحاظ ہوگا۔

براہ راست صاحب مزار کے نام پر کچھ ہدیہ عطیہ دینا یا نذر ماننا جائز نہیں، نہ ایسی رقوم کو لینا درست ہے، نہ خدام مزار کے لئے، نہ ورثہ پیر صاحب کے لئے۔ نذر خدا کے نام پر ہو اور مصرف خدام مزار ہوں تو درست ہے جبکہ یہ خدام فقراء مستحقِ صدقہ ہوں، مالدار، ذی علم و باوجاہت ہوں تو نہیں لینا چاہئے:

"واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراهم والشمع

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وما أنفقتم من نفقة أو نذرتم من نذر، فإن اللّٰہ یعلمه﴾ الآیة (البقرة: ۲۷۰)

(۲) "لو قال: علیّ أن أطعم هذا المسکین هذا الطعام بعینه، فأطعم هذا الطعام مسکیناً آخر، أجزأه، والأفضل أن یطعمه ذلک المسکین". (الفتاویٰ التاتار خانیه: ۵/۴۳، إدارة القرآن)

(۳) "الموروث هو الترکة، ویسمی أیضاً میراثاً، وهو ما یترکه المورث من المال أو الحقوق التی یمکن إرثها عنه". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۸/۲۴۹)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۸/۴۸۹، رشیدیه)

والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل و حرام مالم یقصدوا صرفها لفقراء الأنام اه". درمختار. (قوله: تقرباً إلیهم) کأن یقول: یا سیدی فلان! إن ردّ غائبی أو عوفی مریضی أو قُضِیت حاجتی، فلك من الذهب أو الفضة أو من الطعام أو الشمع أو الزیت کذا، بحر".

"(قوله: باطل وحرام) لوجوه: منها: أنه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تکون لمخلوق، ومنها أن المنذور له میت والمیت لا یملك، ومنها: أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللّٰه تعالیٰ واعتقاده ذلك کفر، أللهم إلا أن یقال: یاالله! إنی نذرت لك إن شفیتَ مریضی أو رددتَ غائبی أو قضیت حاجتی أن أطعم الفقراء الذین باب السیدة نفیسة، أو الإمام الشافعی، أو الإمام اللیث، أو اشتری حصراً لمساجد هم أو زیتاً لوقودها أو دراهم لمن یقوم بشعائرها إلی غیر ذلك ممایکون فیه نفع للفقراء والنذر للّٰه عز وجل. وذکر الشیخ: إنما هو محل لصرف النذر لمستحقیه القاطنین برباطه أو مسجده فیجوز بهذا الإعتبار، ولا یجوز أن یصرف ذلك لغنی ولا لشریف منصب أوذی نسب أو عالم مالم یکن فقیراً، ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف للأغنیاء لإجماع علی حرمة النذر للمخلوق، ولا ینعقد ولا تشتغل الذمة به، ولأنه حرام بل سحت، ولا یجوز لخادم الشیخ أخذه إلا أن یکون فقیراً أو له عیال فقراء عاجزون فیأخذونه علی سبیل الصدقة المبتدأة، وأخذه أیضاً مکروه مالم یقصد الناذر التقرب إلی اللّٰه تعالیٰ وصرفه إلی الفقراء ویقطع النظر عن نذر الشیخ۔"بحر ملخصاً عن شرح العلامة قاسم". (رد المحتار، قبیل باب الاعتکاف: ۲/۱۲۸، مصری: ۲/۴۳۹ (۱)۔

۲...... دینے والا جبکہ جائز طریقہ پر دے اور لینے والا مستحق ہو جس کی تفصیل نمبر: ا میں آ گئی تو اس کو جائز

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصوم: ۲/۴۳۹، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر، قبیل باب الاعتکاف: ۲/۵۲۱، رشیدیه)

(وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب مایلزم الوفاء به، ص: ۲۰۳، قدیمی)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصوم، فی المتفرقات، قبیل کتاب المناسك: ۱/۲۱۲، رشیدیه)

(وحاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصوم، قبیل باب الإعتکاف)

مصرف میں صرف کرنا درست ہے جیسا کہ فقیر کا حال ہوتا ہے(۱)۔

۳...... دینے والے نے جبکہ بطور صدقہ ان کو دیا تو وہ مالک ہوگئے (۲)، کھانے کپڑے اور دیگر ضروریات میں خرچ کر سکتے ہیں، ان سے حساب لینے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر مصرف کی تعیین کر کے دیں، مثلاً اس رقم سے فقراء کو کپڑا بنا کر دیدیں پھر اسی کام میں صرف کرنا لازم ہوگا اور حساب لینے کا بھی حق ہوگا۔

۴...... دوسرے کی چیز جو اپنے پاس ہو، اس کی حفاظت ہو اور اس کے صرف کرنے کی تعیین وتقیید ہو وہ امانت ہے جیسے متولی مسجد ومہتمم مدرسہ کے پاس مسجد ومدرسہ کی اشیاء ہوتی ہیں، اشیاء موقوفہ بھی متولی کے پاس امانت ہوتی ہے، متولی خواہ پیر صاحب کے رشتہ دار ہوں یا غیر ہوں۔

۵...... پیسہ دینے کی تفصیل نمبر:۱ میں آگئی، اس کا لحاظ ضروری ہے، غیر مسلم کی دی ہوئی رقم کا حکم بھی یہی ہے جبکہ وہ کار ثواب سمجھ کر دے۔

تنبیہ: مزار پختہ بنانا (۳)، اس پر قبہ بنانا (۴)، اس پر چادر چڑھانا (۵)، اس پر چراغ جلانا (۶)، اس پر

---

(۱) (راجع، صفحہ: ۱۹۹، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "إعلم أن أسباب الملک ثلاثة: ناقل کبیع وهبة". (الدر المختار) (قوله: ناقل): أی من ملک إلی ملک". (رد المحتار، کتاب الصید: ۶/۴۶۳، سعید)

(۳، ۴) "عن جابر رضی الله عنه قال: نهی رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم أن یجصص القبر، وأن یبنی علیه، وأن یقعد علیه". (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل فی النهی عن تجصیص القبور الخ: ۱/۳۱۲، قدیمی)

وقال العلامة النوویؒ: "والبناء علیه" فإن کان فی ملک البانی فمکروه، وإن کان فی مقبرة مسبلة فحرام، نص علیه الشافعیؒ والأصحاب، قال الشافعیؒ فی الأم: ورأیت الأئمة بمکة یأمرون بهدم ما یبنی، ویؤید الهدم قوله: "ولا قبراً مشرفاً إلا سویته". (شرح مسلم: ۱/۳۱۲، قدیمی)

(۵) "وکره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثیاب علی قبور الصالحین والأولیاء، قال فی فتاوی الحجۃ: وتکره الستور علی القبور". (ردالمحتار: ۶/۳۶۳، کتاب الکراهیة، قبل فصل فی النظر واللمس، سعید)

(۶) "وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسراج". رواه أبوداؤد والترمذی والنسائی". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۷۱، کتاب الصلوٰة، باب المساجد ومواضع الصلوٰة، قدیمی)

چڑھاوا چڑھانا (۱)، اس کو چومنا (۲)، اس کا طواف کرنا (۳)، اس کو سجدہ کرنا (۴)، عرس کرنا (۵)، قوالی کرنا (۶)، یہ سب امور خلافِ شرع ہیں، بعض کی حرمت ومعصیت بہت شدید ہے، ایسی چیزوں سے پورا احتراز واجب اور لازم ہے۔

اگر وہ قبرستان مملوکہ ہے تو مالکان ہی اس کے انتظامات کے ذمہ دار ہیں، جس کو وہاں دفن کیا جائے گا اس کے ورثاء ذمہ دار نہیں ہوں گے، پورے قبرستان کے تو بہت سے حقوق ہیں، دینے والے نے جو چیز وہاں کے خدام کو دی ہیں تو ان خدام سے مدرسہ وغیرہ کے لینے کا حق نہیں، بہتر ہے کہ دینے والوں سے دریافت کرلیا جائے، وہ مدارس ومکاتب وغیرہ میں صرف کرنے کی اجازت دیں تو وہاں ان کی ہدایت کے مطابق صرف کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مزارات کا چڑھاوا''.)

(۲) "ولا یمسح القبر، ولا یقبّله، ولا یمسه، فإن ذلک من عادة النصاری کذا فی شرح الشرعة". (حاشية الطحطاوی علی المراقی، فصل فی زيارة القبور، ص: ۶۲۱، قدیمی)

(۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''قبروں کا طواف کرنا'')

(۴) (قد مضی تخریجه تحت عنوان: ''بدعات شرکیہ'')

(۵) "ولا یجوز مایفعل الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها، واتخاذ السراج والمساجد إليها، ومن الاجتماع بعد الحول کالأعياد، ويسمونه عرساً". (التفسیر المظهری: ۲/۶۵، حافظ کتب خانه، کوئٹه)

(۶) قال ابن أمير الحاج فی المدخل: "فانظر رحمنا الله وإياک إلی هذا المغنی، إذا غنی تجد له من الهيبة والوقار، وحسن الهيئة والسمت، ويقتدی به أهل الإشارات والعبارات ...... فإذا دبّ معه الطرب قليلاً، حرک رأسه کما يفعله أهل الخمرة سواء بسواء ...... ثم إذا تمکن الطرب منه ذهب حياءه، ووقاره ...... فيقوم ويرقص، وينادی ويبکی ويتباکی، ...... وربما مزّق بعض ثيابه، وعبث بلحيته، وهذا منکر بيّن، لأن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم نهی عن إضاعة المال، ولا شک أن تمزيق الثياب من ذلک". (فصل فی المولد: ۲/۷)

بن بیوی خدا برکت، پانچ پیر مزار پر نذرانے

سوال[۱۲۸]: مسلمانوں میں سے ایک جماعت نے بن بیوی خدا برکت اور پانچ پیر وغیرہ کے نام سے درگاہ بنوا کر وہاں دودھ وغیرہ نذرانہ دیتے ہیں اور ان سے اپنی حاجت مانگتے ہیں تو اب دریافت کرنا یہ ہے کہ کوئی مسلمان اگر یہ سب فعل کرے تو شریعت کی رو سے اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ اس شخص پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور اس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہم اہلِ سنت مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟ کوئی مسلمان اگر اسے بُرا جان کر درگاہ کو توڑ ڈالے تو اس کے لئے کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ طریقہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، شرعاً ہرگز اس کی اجازت نہیں (۱)، یہ مشرکین کا طریقہ ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو نرمی سے فہمائش کی جائے کہ ایسا کرنے سے ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے، وہ اگر باز نہ آئیں تو ان سے قطع تعلق کرنے میں اہل السنۃ والجماعۃ حق بجانب ہوں گے (۲)۔

کوئی مسلمان اگر ایسی جگہ کو توڑ دے جہاں مشرکانہ کام کئے جاتے ہیں تو وہ شرعاً مجرم نہیں (۳)، اس پر اگر فتنہ برپا ہو یا قانونی گرفت ہو تو اس کا انتظام پہلے لازم ہے، نیز اگر واقعۃً وہاں کسی پیر بزرگ کا مزار (قبر) ہو تو

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "نذرانہ مزار کی تفصیل")

(۲) "قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، ولایجوز فوقها، إلا إذا کان الهجران فی حق من حقوق الله فیجوز فوق ذلک". (مرقاة المصابیح: ۷۵۸/۸، کتاب الآداب، باب ماینهی من التقاطع والتدابیر اهـ، رشیدیه)

"وفی النهایه: یرید به الهجر ضد الوصل یعنی فیما یکون بین المسلمین من عتب وموجدة أو تقصیر یقع فی حقوق العشرة والصحبة دون ماکان من ذلک فی جانب الدین، فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مرّ الأوقات مالم یظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح، الفصل الأول، باب ماینهی من التقاطع والتدابر اهـ، کتاب الآداب: ۷۵۹/۸، رشیدیه)

(۳) "وضمن بکسر معزف قیمته صالحاً لغیر اللهو، وقال: لایضمن، ولایصح بیعها، وعلیه قال فی الرد: هذا الاختلاف فی الضمان دون إباحة إتلاف المعازف". (رد المحتار، کتاب الغصب، فصل فی مسائل متفرقة: ۲۱۲/۶، سعید)

اس کی توہین نہ کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

دریا کے نام پر ذبح اور تصدق

سوال[۱۲۹]: ایک قریہ کے لوگ برلبِ دریا بکرا ذبح کریں بایں غرض کہ دریا زمین کو نقصان نہ کرے اور اسی جگہ ختم قرآن شریف کرنا، مذبوح مذکور کا گوشت یہاں ہی پکانا اور کھانا پکا کر ختم کرنے والوں کو یہاں ہی کھانا کھلانا بایں غرض کہ حضرت خضر علیہ السلام فعل مذکورہ پر خوش ہوں اور آئندہ زمین میں نقصان نہ ہونے پاوے اور فعل کرنے والے مسلمان بھی رہیں۔ محمد شفیع ضلع راولپنڈی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کوئی شیء بغیر حکم خداوندی کے نہ نفع پہونچا سکتی ہے نہ نقصان، دریا کا زمین کو نفع یا نقصان پہونچانا بھی حکم خداوندی کے ماتحت ہے(۱) پس دریا کے نام پر یا دریا کے لئے بکرا ذبح کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ دریا بکرا لے کر خوش ہوجائے گا اور ہمیں نقصان نہ پہونچائے گا، یا حضرت خضر علیہ السلام کے لئے بکرا ذبح کرنا کہ اگر ہم نے بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت یہاں پکا کر قرآن شریف ختم کرنے والوں کو نہ کھلایا تو حضرت خضر علیہ السلام ناراض ہوجائیں گے اور آئندہ زمین کو نقصان پہنچائیں گے اور ایسا کرنے سے وہ خوش ہوجائیں گے اور زمین کو نقصان نہ پہنچائیں گے ناجائز ہے اور ایسا عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں، اس فعل سے بچنا چاہئے اور اس عقیدہ سے

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: كنت خلف رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يوماً فقال: "يا غلام .... و إذا سألت فاسأل الله، و إذا استعنت فاستعن بالله، واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشئي لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك، و لو اجتمعوا على أن يضرّوك بشيء لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليك اهـ". (مشكوة المصابيح: ۲/۴۵۳، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني، قديمي)

قال القاري: "و خلاصة المعنى: أنك وحّدِ الله في المطلب المهرب، فهو الضار النافع والمعطي المانع .... إذ ما من حادثة من سعادة و شقاوة، و عسر و يسر، وخير و شر، و نفع و ضر، وأجل و رزق إلا و يتعلق بقدره و قضائه". (المرقاة شرح المشكوة: ۹/۱۶۴، كتاب الرقاق، باب التوكل و الصبر، رقم الحديث: ۵۳۰۲، رشيديه)

توبہ واجب ہے(۱) ہاں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا، اور التجا کرنا کہ وہ دریا کے نیز ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رکھیں، ضرور نافع اور مستحسن ہے(۲) اس طرح نقصان سے بچنے کے لئے حسبِ مقدرت خدا کے نام پر خیرات کرنا بھی مفید اور موجب ثواب ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ جمادی الاولیٰ/ ۵۶ھ

---

(۱) ''ذبح کردن جانور بنام غیر خدا خواه پیغمبر باشد خواه ولی خواه شهید خواه غیر انسان، حرام است، و اگر به قصدِ تقرب بنام اینها ذبح کرده باشد، ذبیحهٔ آن جانور هم حرام و مردار میشود، و ذبح کننده مرتد میشود، توبه ازیں فعلِ منع لازم است، در تفسیر نیشاپوری و دیگر تفاسیر مرقوم است: قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبيحةً و قصد بذبحه التقرب إلى غير الله، صار مرتداً و ذبيحته ذبيحة مرتد''. (فتاوی عزیزی: ۱/۵۰، مسئله ذبح جانور بنام غیر الله تعالیٰ، کتب خانه رحیمیه دیوبند)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۶/۲۲۵، كتاب الذبائح والصيود، دار الكتب العلمية)

(۲) ''چنانچہ خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے اوقات میں مختلف دعائیں منقول ہیں: ''عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يدعو عند الكرب: ''لا إله إلا الله الحليم الحكيم، لا إله إلا الله رب العرش العظيم، لا إله الا الله رب السموات والأرض و رب العرش الكريم''. (جامع الترمذي: ۲/۱۸۱، كتاب الدعوات، باب ما يقول عند الكرب، سعيد)

قال القاري تحته: ''ثم هذا في الذكر إشارة بأنه لا يقدر أحد على إزالة الغم إلا الله. قال الطيبي: هذا ذكر يترتب عليه رفع الكرب اهـ''. (المرقاة شرح المشكوة: ۵/۲۶۲، كتاب الدعوات، باب الدعوات في الأوقات، الفصل الأول، رقم الحديث: ۲۴۱۷، رشيديه)

''وعن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه كان إذا كربه أمر قال: ''يا حي يا قيوم! برحمتك أستغيث''. (كتاب الأذكار للنووي، كتاب الأذكار والدعوات الخ، باب دعاء الكرب والدعاء عند الأمور المهمة، ص: ۱۲۴، رقم الحديث: ۳۶۰، مكتبة دار البيان)

(۳) ''قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''الصدقة تمنع ميتة السوء''. قال المناوي: ''الحالة التي يكون عليها الإنسان من الموت'' قال التوربشتي: ''و أراد بها مالا تحمد عاقبته و لا تؤمن عائلته من الحلال كالفقر المدقع، والوصب الموجع، والألم المقلق، والعلل المفضية إلى كفران النعمة و نسيان =

''بھوک'' کا جانور ذبح کرنا اور کھانا

سوال[۱۳۰]: چہ میفر مایند علماء کرام ومفتیان عظام درحکم جانور یکہ بطریق بھوک گذاشتہ ،یعنی اگر بکسے اثرِ جنات یامرضِ شدیدلاحق شود، اکثر مقصود جانور ازاں برنگ گوناگوں آمیختہ بنام ارواحِ خبیث مطلقاً می گذارند، ومی پندارند کہ تاثیر ازاں بدو لاحق شدہ اَو رإشفادھد. خوردن آن شرعاً جائز باشد یانہ؟وملکِ آن شخص زائل شد یانہ، اگر شود، تصرفِ اوچہ حرج آید؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

این چنین حیوان از ملک مالکِ خارج نہ میشود، وبنامِ رواحِ خبیثہ گذاشتنش روانیست، وھم چنیں بغیر تملیک گذاشتن نادرست تاوقتیکہ مالک ازیں گذاشتن رجوع کردہ بکسے، برائے خدادھد، یابدست اورنفر وشد یابطریق دیگر مثل ھبہ مالک نگر داند،آنکس راخوردن ودرآن تصرف کردن روا نخواھد شد، ودلائلِ آن درفتاوی عزیزی بر،ص: ۲۲،وص:۲۳،(۱)وغیرہ مرقوم است .فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور،۲۳/۱۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۲۳/ ذی الحجہ/۵۵ء۔

= الذکر والأھوال الشاغلة عمّاله و علیه". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی :۷/۳۸۰۲، رقم الحدیث: ۵۱۴۳ ، مکتبہ نزار مصطفی الباز، الریاض)

(۱)(فتاوی عزیزی، ص: ۵۰۷، سعید)

"واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، ومایؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیھم، فھو بالإجماع باطل وحرام". (رد المحتار: ۲/۴۳۹، کتاب الصوم، قبیل باب الاعتکاف، سعید)

" ولقائل أن یقول: یستدل بالآیة علی نظیر ذلک، وھو ما یُلقی فی الأنھار والطریق وقرب الأشجار من طرح البیض والفراریج ونحوذلک، فلایجوز فعله، ولایزول ملک المالک".(تفسیر القاسمی: ۴/۴۰۴، (سورة المائدہ :۱۰۳)

"وفی الصید أنه لایملکه إذالم یبحه، وکذا فی الدابة إذا سیبھا کما بسطه الشرنبلا لی".

(ردالمحتار،کتاب الصید: ۶/۴۷۷،سعید).. =

بت کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ کا حکم

سوال[۱۳۱]: ایک ہندو نے بتوں کے نام پر ایک سانڈ چھوڑا اور کئی سال گزرنے کے بعد مالک نے ایک برہمن کو بلاکر اس سانڈ کو اس کے حوالہ کرکے اس کو مالک بنادیا، برہمن نے اس کو ایک مسلمان کے ہاتھ فروخت کردیا، مسلمانوں نے اس کو شرعی طریق سے ذبح کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ از طرف مولوی عبدالغفور رنگپوری معرفت عبدالرحمٰن کامل پوری۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

عامۂ مفسرین نے "ما أهل لغير الله" کی تفسیر "ذبح للأصنام فذكر عليه غير اسم الله" (مدارک) کی ہے(۱)، لہٰذا اس تفسیر کے موافق سانڈ جو کہ بتوں کے نام چھوڑ دیا گیا تھا اور اس کے بعد مالک نے وہ کسی کو دے دیا خواہ وہ ہبۃً ہو خواہ قیمتاً اور پھر شرعی طریق پر اس کو ذبح کرایا گیا تو وہ شرعاً حرام نہ ہوگا، کیونکہ وہ بت کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا، لیکن بعض محققین نے "ما أهل به لغير الله" کو عام کہا ہے یعنی خواہ بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے خواہ بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جائے، دونوں صورتوں میں وہ جانور حرام ہوتا ہے۔ اول صورت میں اس کا حلال ہونا ممکن نہیں ہے، کیونکہ بت کے نام پر ذبح کردیا گیا اور حرمت مقرر ہو چکی۔

ثانی صورت میں حلال ہونا ممکن ہے وہ اس طرح کہ مالک اپنے اس فعل یعنی بت کے نام پر چھوڑنے

= (وكذا في امداد الفتاوى: ۴/۹۹، مكتبه دار العلوم كراچی)

(وكذا في مجموعه الفتاوى: ۲/۱۸۲، كتاب الحظر والإباحة)

ترجمۂ سوال: اگر کسی جانور کو بھوک کے طریق پر چھوڑ دیا گیا ہو اس کا کیا حکم ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی پر جنات کا اثر ہو یا مرضِ شدید لاحق ہو تو کسی جانور کو مختلف رنگوں میں رنگ کر ارواحِ خبیثہ کے نام پر یا مطلقاً چھوڑ دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس کی تاثیر سے بیمار کو شفا ہوگی۔ اس جانور کا شرعاً کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس شخص کی ملکیت اس جانور سے زائل ہو جاتی ہے؟

ترجمۂ جواب: اس طرح جانور مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا اور ارواحِ خبیثہ کے نام پر چھوڑنا جائز نہیں، اس طرح کسی کو مالک بنائے بغیر چھوڑنا بھی درست نہیں، جب تک مالک ارواح خبیثہ کے نام پر چھوڑنے سے رجوع کرکے کسی کو خدا واسطے نہ دے یا اس کے ہاتھ فروخت نہ کرے یا کسی دوسرے طریقہ پر مثل ہبہ مالک نہ بنادے اس کو کھانا اور اس میں تصرف کرنا جائز نہ ہوگا اور اس کے دلائل فتاوی عزیزی، ص:۲۲، ص:۲۳، وغیرہ میں مرقوم ہیں، فقط۔

(۱) (تفسیر مدارک التنزیل: ۱/۹۸، سورہ البقرۃ: ۱۷۳)

سے رجوع کرلے اوراس کے بعد شرعی طریق پر ذبح کیا جائے، اس سے حرمت مرتفع ہوجائے گی، دوسری تفسیر احوط ہے(۱)۔ پس اگر صورت مسئولہ میں مالک نے اپنے فعلِ سابق، یعنی: بتوں کے نام پر چھوڑنے سے رجوع کرلیا تھا اوراس کے بعد دوسرے شخص کو دیا ہے تب تو جائز ہے اوراگر اپنے سابق فعل سے رجوع نہیں کیا تو ناجائز ہے: "لو ذبح شاةً على النصب من الأنصاب أو على قبر من القبور، وقصد به التقرب إلى صاحب القبر أو صاحب النصب، وذكر اسم الله عليها، لاتحل اھ". فتاوی عزیزی، ص: ۲۳(۲)۔

قال في البحر: "لايجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولاالتصرف فيه بوجه من الوجوه، إلاأن يكون فقيراً أوله عيال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرون، فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتدأة، وأخذه أيضاًمكروه مالم يقصد الناذر التقرب إلى الله وصدقة إلى الفقراء، ويقطع عن نذر الشيخ، اھ". طحطاوی: ۱/ ٤٧١ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ۵/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "إذاجتمع الحلال والحرام، أو المبيح والمحرّم، غلب الحرام والمحرّم". (شرح الأشباه والنظائر، القاعده الثانية: ۱/ ۳۰۱)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/ ۱۱۹، سعید)

"بت کے نام پر چھوڑ ہوئے سانڈ کا حکم مثل سائبہ کے ہے اور سائبہ ملکِ غیر ہونے کی وجہ سے حرام ہوتا ہے، لیکن مذکورہ صورت میں جب مالک نے زندہ سانڈ کو برہمن کے ملک میں دیا اور پھر مسلمان نے برہمن سے خرید کر شرعی طریقہ سے ذبح کیا تو اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں رہی، اور محققین نے بھی ایسے جانور کو حرام قرار نہیں دیا ہے، بلکہ اس جانور کو حرام قرار دیا ہے جو غیر اللہ کے نام نذر کی جائے پھر مالک یا اس کا وکیل اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کردے تو اس صورت میں ناذر کا مقصد ذبح ہی ہوتا ہے، اسلئے یہ "وما أهل به لغير الله" میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور پہلی صورت میں ناذر کا مقصد ذبح نہیں ہوتا"۔ (امداد الفتاوی: ۴/ ۹۹)

(واحسن الفتاوی: ۱/ ۵۰) (ومجموعہ الفتاوی: ۲/ ۱۸۲، ۲۴۹، سعید)

(خیر الفتاوی: ۱/ ۲۰۰) (امداد المفتیین، ص: ۹۳۲)

(۲) (فتاوی عزیزی، ص: ۴۸۴، سعید)

(۳) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصوم: ۱/ ۴۷۱، دار المعرفة بيروت)

دیوی دیوتاؤں کے نام پر تقسیم ہونے والی اشیاء کا حکم

سوال[۱۳۲] :۱...... دیوی دیوتاؤں کے نام پر تقسیم ہونے والی اشیاء، مثلاً: گڑ، شکر وغیرہ حلال ہیں یا حرام؟

۲...... دیوی دیوتاؤں کے نام پر چھوڑے ہوئے یا دیوی دیوتاؤں کے لئے خریدے ہوئے جانور کو کسی مسلمان کے ہاتھ سے ذبح کرانے کے بعد اس کا گوشت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱...... حرام ہے(۱)۔

۲...... ہرگز جائز نہیں، بلکہ میتہ کے حکم میں ہے، کذا فی الاکلیل (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

اہلِ ہنود کے مخصوص بکروں کا حکم

سوال[۱۳۳] : ہمارے علاقہ میں بعض ہنود کے پاس ایسے بکرے ملتے ہیں جو کان کٹے ہوئے ہیں اور اس کے کانوں میں بالی بھی ڈالی ہوئی ہوتی ہے، ایسے بکرے کا مسلمانوں کے لئے خریدنا اور اس کی

---

(۱)"واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراھم والشموع والزیت ونحوھا إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیھم، فھو بالإجماع باطل وحرام اھ". (الدر المختار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لایفسد، قبیل باب الاعتکاف: ۲/۴۳۹، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر: ۲/۵۲۱، رشیدیہ)

(۲) غیر اللہ کے نام پر خریدنے سے ایسے تمام جانور حرام ہو جاتے ہیں، پھر جب تک اس فعلِ قبیح سے توبہ کر کے "بسم اللہ" پڑھ کر جانور ذبح نہ کیا جائے تو حرام ہی ہوگا:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما أھل بہ لغیر اللہ﴾: أی ذکر علیہ غیر اسم اللہ، و ھی ذبیحۃ المجوسی والوثنی والمعطل، فالوثنی یذبح للوثن، والمجوسی للنار، والمعطل لا یعتقد شیئاً فیذبح لنفسہ اھ". (أحکام القرآن للقرطبی: ۲/۱۵۰، (سورۃ البقرۃ: ۱۷۳)، دار الکتب)

"قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبیحۃً وقصد بذبحھا التقرب إلی غیر اللہ صار مرتداً، و ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد". (غرائب القرآن علی ھامش جامع البیان لابن جریر الطبری: ۲/۱۲۰، (سورۃ البقرۃ: ۱۷۳)، دار المعرفۃ بیروت)

بیع کرنا، نیز اس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ بکرے غیر اللہ کے نام پر چڑھائے گئے تو ان کو خریدنا اور گوشت کھانا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۹۶ھ۔

کالی بکری کو مخصوص طور پر ذبح کرنا

سوال [۱۳۴]: ایک شخص رمضان کی ۲۷/ تاریخ کو ایک سیاہ رنگ کی بکری ذبح کرتا ہے اور تمام گھر کے آدمی ہلدی میں ہاتھ رنگ کر اس پر لگاتے ہیں، پھر امام صاحب سے ذبح کراتے ہیں، اور اس کے سری و پائے چوراہے راستہ میں دفن کرتے ہیں اور گوشت کی پلاؤ پکوا کر کھلاتے ہیں اور وہ بکری کالی کے نام سے کرتے ہیں اور امام صاحب سے قل پڑھواتے ہیں، اگر امام یہ کام نہ کرے تو مسجد میں نہیں رہ سکتا۔ اس بکری کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ فعل سخت گناہ، قریب شرک ہے (۲) اور اس بکری کا کھانا حرام ہے، وہ بالکل مردار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رمضان المبارک/ ۶۶ھ۔

---

(۱) ”غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کا حکم مثل سائبہ کے ہے اور سائبہ ملک غیر ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس لئے اگر مالک کی اجازت سے مذکورہ جانور کو خرید کر ذبح کیا جائے تو حلال ہے کیونکہ کہ جب ناذر مالک نہ رہا تو اس کا فساد نیت بھی قابل اعتبار نہیں رہا“۔ (امداد الفتاوی: ۴/ ۹۹) (و کذا فی مجموعة الفتاوی: ۲/ ۲۴۹) (واحسن الفتاوی: ۱/ ۵۱) (وامداد المفتیین، ص: ۹۳۹)

(۲) اس کو قریبِ شرک اس لئے فرمایا ہے کہ ایسے ذبائح اکثر لوگ غیر اللہ (کسی صاحبِ مزار وغیرہ) کی خوشنودی کے لئے اپنی مرادیں پوری ہونے کی غرض سے کرتے ہیں، اور یہ حرام ہے اور ایسے ذبیحوں کا کھانا قرآن پاک کی آیت کے تحت حرام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ”﴿إنما حرّم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر و ماأهل به لغیر اللہ﴾. الایة“ (البقرة: ۱۱۵)

قال العلامة الآلوسی رحمه اللہ تعالیٰ تحتها: ”أی ماوقع متلبساً به أی بذبحه الصوت لغیر اللہ تعالیٰ =

غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ سے گائے گابھن کرانا

سوال[۱۳۵]: غیر اللہ کے نام پر یعنی رام سیپ درگاہ وغیرہ کے نام ہندو لوگ بیل، بھینس چھوڑتے ہیں، اس کا کھانا مسلمانوں کے لئے درست ہے یا نہیں؟ اور اس سانڈ سے جو کہ غیر اللہ کے نام پر ہے مسلمانوں کو اپنی گائے اور بھینس وغیرہ کو گابھن کرانا درست ہے یا نہیں؟ اگر اس کا کھانا درست نہیں ہے تو اس سے گابھن کرانا اور بچہ پیدا کرنا کیسے درست ہے؟ ایک مجبوری یہ ہے کہ مسلمان کوئی سانڈ نہیں چھوڑتا، بتائیے کہ نسل کس طرح باقی رہ سکتی ہے؟ نیز مینڈک، کیکڑا، گیدڑ، بلی اور انسانوں کے بال، سانپ کا چمڑا، بیچنا یا خریدنا، اس کا پیسہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا جانور حرام ہے اس کا کھانا ہرگز جائز نہیں (۱)، ایسے جانور سے اگر گائے وغیرہ گابھن ہو کر بچہ دے تو وہ بچہ مردار نہیں (۲)۔ مردہ مینڈک، کیکڑا، گیدڑ، بلی اور انسانوں کے بالوں کی خرید وفروخت ناجائز ہے (۳)، اس کی قیمت کا پیسہ بھی جائز نہیں، سانپ کا چمڑہ دباغت دیکر بیع کرنا

=...... و المراد- بغير الله - تعالىٰ الصنم وغيره كما هو الظاهر". (روح المعانی: ۴۲/۲، دار احیاء التراث العربی)

وقال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "وكذلك حرّم عليهم ما أهل به لغير الله، و هو ما ذبح على غير اسمه تعالىٰ من الأنصاب والأنداد والأزلام ونحو ذلك الخ". (تفسیر ابن کثیر: ۲۷۹/۱، مکتبہ دار السلام ریاض)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''اہلِ ہنود کے مخصوص بکروں کا حکم'')

(۲) "فلو كانت أمه حلالاً، لكان حكمه حكم أمه، لأن حكم الولد حكم الأم، إذ هو كبعضها، ألاترى أن حمارةً أهلية لوولدت من حمار وحشي، لم يوكل ولدها، ولوولدت حمارة وحشية من حمار أهليّ أكل ولدها، فكان الولد تابعاً لأمه دون ابيه". (أحكام القران للجصاص: ۲۷۱/۳، ۲۷۲، سورة النحل، تحت قوله تعالىٰ: (والأنعام خلقها)، قديمي)

"إن ولد الحيوان يتبع أمه". (ردالمحتار: ۲۸۴/۴، کتاب اللقيط، مطلب فيمن وجد خطباً، سعيد)

(۳) فی الدر المختار: "وبطل بيع قن ...... وشعر الإنسان لكرامة الآدمي ولو كافراً". قال الشاميؒ: "لايجوز الانتفاع به لحديث: "لعن الله الواصلة والمستوصلة". وإنما يرخص فيما يتخذ من الوبر، فيزيدفي قرون النساء وزوا بهن". هدايه. (فرع) لو أخذ شعر النبي صلى الله عليه وسلم ممن عنده وأعطاه هداية عظمية لاعلى وجه البيع، فلابأس به، سائحاني عن الهندية". (الدر المختار: ۵۸/۵، کتاب البيوع مطلب في بطلان بيع، سعيد) .... =

جائز ہے (۴)، اس کا پیسہ بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

پیر کے نام کا بکرا ذبح کرنے سے حلال نہیں

سوال [۱۳۶]: پیر کے نام کا بکرا جبکہ وقتِ ذبح اللہ کا نام لیا جائے حرام ہے یا حلال یا مکروہ، جبکہ تفسیر میں حرام ہونے کا ثبوت نہیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

حرام ہے: صرح به في تفسير الإكليل حاشية مدارك التنزيل، وأكثر فيه من النقول، وأيضاً صرح به في تفسير عزيزى (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۳۰ھ۔

= وفي النهر: "ولم يجز أيضاً بيع شعر الإنسان ولا الانتفاع به، لأن الآدمي غير مبتذل، فلا يجوز أن يكون شيء من أجزاءه مهاناً مبتذلاً وهذا الإطلاق يعم الكافر". (النهر الفائق: ۳/۴۲۸، باب البيع الفاسد، امداديه ملتان) (وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۳۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۳۷۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، بيروت)

(۴) قال الحصكفي رحمه الله: "يباع إلا جلد إنسان وخنزير وحية". قال الطحطاوي: "(قوله: وحية) ينبغي تقييده بالحية الصغيرة التي لهادم، فإن جلدها لرقته لايحتمل الدبغ، ومالادم لها طاهرة لعدم حلول الحياة فيها. والكبير ينبغي طهارة جلدها بالدبغ حيث احتمله، ويجوز بيعه للانتفاع به كمايدل عليه ظاهر كلامهم في الطهارة عند ذكر الدبغ وحرره". (حاشيه الطحطاوي على الدر المختار: ۳/۷۲، باب البيع الفاسد، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار على الدر المختار: ۵/۷۳، باب البيع الفاسد، سعيد)

"وأما مالايحتمل الدباغ مثل جلد الحيه الصغيرة، والفارة لايطهر بالدباغ كاللحم". (تبيين الحقائق، ۱/۱۹، كتاب الطهارة، سعيد)

(۱) قال الشاه عبدالعزيز المحدّث الدهلوي في فتاواه: "لو ذبح شاةً على النصب من الأنصاب أو ...... =

حضرت سید سالار غازی مسعود کی نذر

سوال [۱۳۷] : غازی مسعود سالار غازی کی یادگار سالانہ تازہ کرنے کے لئے اپنے مکان میں نشان مٹی کے گولے کی طرح بناتے اور اس سے ڈرتے، نیز تبرک مانتے ہیں اور سالار غازی صاحب کے نام پر خصی و مرغ ذبح کرتے ہیں، خصی و مرغ کا خون نیز ہڈیاں سب اسی مٹی کے ڈھیر اور نشان میں دفن کردیتے ہیں، یہ سب ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے کرتے ہیں، خصی نیز مرغ کا گوشت کھاتے نیز اقرباء میں تقسیم کرتے ہیں، اگر کوئی منع کرے تو اس کو برا تصور کرتے ہیں۔ ایسا کرنا کرانا اور اس میں مدد کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ سب مشرکانہ رسمیں ہیں ان سے توبہ واجب ہے (۱)، نذر صرف اللہ پاک کے لئے جائز ہے اور کسی کے لئے جائز نہیں (۲) غیر اللہ پر ذبح کیا ہوا جانور مرغ خصی وغیرہ کھانا قطعاً حرام ہے: قال اللہ تعالیٰ ﴿و ما أهل به لغير الله﴾ الآية (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= علی قبر من القبور، وقصدبه التقرب إلى صاحب القبر أو صاحب النصب، وذكر اسم الله عليه، لا تحل اهـ". (فتاویٰ عزیزی، ص: ۴۸۴، سعید)

(۱) "ذبح کردنِ جانور بنام غیر خدا خواه پیغمبر باشد خواه ولی خواه شهید خواه غیر انسان، حرام است، و اگر به قصدِ تقرب بنام اینها ذبح کرده باشد ذبیحۂ آن جانور هم حرام و مردار میشود، و ذبح کننده مرتد میشود، توبه ازیں فعلِ منع لازم است، درتفسیر نیشاپوری و دیگر تفاسیر مرقوم است: قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبيحةً، و قصد بذبحه التقرب إلى غير الله صار مرتداً، و ذبيحته ذبيحة مرتد". (فتاوی عزیزی: ۱/۵۰، مسئله ذبح جانور بنام غیر الله تعالیٰ، کتب خانه رحیمیه دیوبند)

(و كذا في روح المعاني: ۵۸/۶، (سورة المائده: ۳)، دار إحياء التراث العربي)

(۲) "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم والشموع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام اهـ". (الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لايفسد، مطلب في النذر الذي يقع للأموات الخ. قبيل باب الاعتكاف: ۲/۴۳۹، سعيد)

(۳) (البقرة: ۱۷۳) قال الله تعالیٰ: ﴿و ما أهل لغير الله به﴾: أي ماذبح فذكر عليه غير اسم الله فهو حرام، =

اولیاءاللہ کیلئے نذر ماننا

سوال[۱۳۸]: کیا مشکل کے وقت مرحوم بزگان دین اولیاءکرام کو پکارنا منتیں ماننا، پیروں کے نام سے نذر ونیاز کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ پیروں کو اللہ کے برابر نہیں مانتے، ہم ان کو اللہ کے بندے مانتے ہیں، اسی نے اس کو یہ قدرت وتصرف بخشا ہے، اس کی مرضی سے عالم میں تصرف کرتے ہیں، ان سے مدد مانگنا عین اللہ سے مدد مانگنی ہے، کیا ایسا عقیدہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا عقیدہ رکھنا تعلیمات اسلام کے خلاف اور غلط ہے، اس کو توبہ لازم ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ ایمان بالکل ہی سلب نہ ہوجائے: "أما النذر الذی ینذره أکثر العوام علی ماهو مشاهد کأن یکون لإنسان غائب أومریض أوله حاجة ضروریة، فیأتی بعض الصلحاء، فیجعل ستره علی رأسه فیقول: یاسیدی فلان! إن ردّ غائبی أوعوفی مریضی أو قضیت حاجتی، فلك من الذهب ومن الفضة کذا أو من الطعام کذا، أو من الماء أو من الشمع کذا، أومن الزیت کذا، فهذا النذر باطل بالإجماع لوجوه: منها: أنه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لاتکون للمخلوق، ومنها: أن المنذور له میت والمیت لایملك، ومنها أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللّٰه تعالی، واعتقاده ذلك کفراهـ". بحر: ۲/ ۲۸۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۹/ ۹۰ھ۔

= لأن الله تعالیٰ أوجب أن تذبح مخلوقاته علی إسمه العظیم، فمتی عدل بها عن ذلک و ذکر علیها اسم غیره من صنم أو طاغوت أو وثن أو غیر ذلک من سائر المخلوقات، فإنها حرام بالإجماع".

(تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۱۲، ۱۳، (سورة المائدة: ۳)، دار الفیحاء بیروت)

(وکذا فی روح المعانی: ۸/ ۴۴، (سورة الأنعام: ۱۴۵)، دار إحیاء التراث العربی)

(وکذا فی فتاوی عزیزی: ۱/ ۵۰، مسئله: ذبح جانور بنام غیر الله تعالیٰ" کتب خانه رحیمیه دیوبند یوپی)

(۱) (البحر الرائق: ۲/ ۵۲۰، کتاب الصوم، فصل فی النذر، رشیدیه)

"اعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل وحرام مالم یقصد واصرفها لفقراء الأنام". (الدرالمختار، ۲/ ۴۳۹، کتاب الصوم، سعید)

غیر اللہ کے نام کا جانور

سوال[۱۳۹]: جو بکرا وغیرہ بنام غیر اللہ چھوڑا گیا ہو، اس کو شرعی طریق سے ذبح کر کے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ محمد اصغر، ہوشیار پوری

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مالک اپنی نیت سے توبہ کر کے خود ذبح کردے یا کسی کے ہاتھ فروخت کردے یا ویسے ہی ہبہ کردے تب تو درست ہے(۱)، اگر مالک نے توبہ نہیں کی بلکہ اس کو چھوڑے رکھا اور کسی نے اس کو ذبح کردیا تو یہ جائز نہیں، اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔
صحیح: عبد اللطیف، ۲۸/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

بھینٹ کا مرغا

سوال[۱۴۰]: کسی جانور مثلاً: مرغا وغیرہ کو جانوروں کے اوپر سے پھیر کر یا کسی انسان کے سر پر سے پھیر کر رکھا جائے تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ مشرکانہ طریقہ ہے اور اس کو بھینٹ چڑھانا کہتے ہیں، یہ غیر اللہ کے لئے نذر ہوتی ہے جو کہ مردار کے حکم میں ہے، اس کا کھانا جائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۴/۲/ ۱۳۹۵ھ۔

---

(۱)(تقدم تخریجه تحت عنوان: "بت کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ کا حکم")

(۲)"اگر مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کیا تو اس میں دو وجہ سے حرمت آگئی ایک مالک کی فسادِ نیت کی وجہ سے کیونکہ جانور کو سائبہ کرنے سے مالک کا ملک زائل نہیں ہوتا اور دوسرے غصب و سرقہ کی وجہ سے"۔ (امداد الفتاوی ۴/۹۹)

(۳)"اعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفها لفقراء الأنام". (الدر المختار: ۲/ ۴۳۹، کتاب الصوم، سعید) .... =

غیر اللہ کے نام پر ذبح مشرکانہ عمل ہے

سوال[۱۴۱] : ۱......زید نے ایسے بت اور مورتی کی منت مانی جس کو ہندو لوگ پوجتے ہیں اور ان پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، پھر چند سال کے بعد وہ اپنے لڑکے کے سر پر سے چوٹی اتروانے کے لئے ایک یا دو بکرے اسی بت اور مورتی کے نام سے مانے، پھر وہاں ایک یا دو بکرے اسی بت کے نام ذبح کئے۔

۲......بکرا اس بت یا مورتی کا مانا ہوا تھا اور جہاں پر بت اور مورتی ہے وہاں لے جا کر اپنے لڑکے کے سر پر چوٹی اتروا کر بغیر کسی کا نام لئے ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت نہ اللہ کا نام لیا اور نہ کسی بت و مورتی کا نام لیا۔

۳......زید نے بکرا اسی بت اور مورتی کے نام کا مانا ہوا تھا اور مورتی اور بت گاہ پر پہونچ کر "بسم اللہ، اللہ اکبر" کہہ کر ذبح کیا تو کیا ان تینوں صورتوں میں بت کے نام کی منت ماننے سے توبہ کرنا ضروری ہے؟

۴......اگر کسی شخص نے منت مذکورہ بالا طریقے پر مانی اور وہ اپنے گھر پر منت پوری کرتا ہے تو کیا اس کو توبہ کرنے کی ضرورت ہوگی؟

۵......اگر کسی نے غیر اللہ کے نام کی منت مانی اور بے خبری کی وجہ سے کھالیا تو کیا گنہگار ہوگا؟

۶......اگر کسی نے یہ سمجھ کر کھالیا کہ بھائی ناراض ہوجائے گا تو کیا فتویٰ ہے؟

۷......زید کو معلوم ہے کہ غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا شرک ہے اور کھانا حرام ہے، پھر بھی وہ اپنی منت پوری کرتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہوگا؟ مولوی عبد المجید قاسمی بناس کانٹھا گجرات۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس طرح نذر ماننا مشرکانہ طریقہ ہے جو کہ سخت معصیت ہے اور ایسا بکرا حلال نہیں، تینوں صورتوں

= "وکذا مایقع من المعتقدین للأموات من الذبح علی قبورھم، فإنه مما أھل به لغیر اللہ، ولا فرق بينه وبين الذبح للوثن". (فتح القدیر للشوکانی: ۱/ ۱۷۰، مصر)

"قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبيحةً وقصد بذبحها التقرب إلی غیر اللہ صار مرتداً، و ذبيحته ذبيحة مرتد". (تفسیر النیشابوری بهامش الطبری: ۲/ ۱۲۰، دار المعرفة بیروت)

"لو أن مسلماً ذبح ذبيحةً وقصد بذبحها التقرب إلی غیر اللہ، صار مرتداً، و ذبيحته ذبيحة مرتد". (التفسیر الکبیر للإمام فخر الدین الرازی: ۵/ ۱۱، طھران)

میں حرام اور مردار ہے (۱) قرآن شریف وحدیث شریف کا جو فیصلہ ہے وہ بالکل حق ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، کسی کو اس کے خلاف فیصلہ دینے کا حق نہیں (۲)، مہمان کو اگر علم ہو کہ یہ کھانا غیر اللہ کے نام کا اور بت کی نذر کا ہے تو اس کو بھی کھانا حرام ہے (۳)۔

جو شخص بت کی پوجا کرے وہ اسلام سے خارج ہے (۴) نہ اس کا ایمان باقی رہا، نہ اس کا نکاح باقی رہا، تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح لازم ہے (۵)، شوہر نے اگر ایسا کیا ہے تو جب تک وہ تجدید ایمان وتجدید نکاح نہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما حرّم علیکم المیتة والدم و لحم الخنزیر و ما أهل به لغیر اللہ﴾ .الآیة (البقرة :۱۷۳)

"﴿و ما أهل به لغیر اللہ﴾ والمراد بغیر اللہ تعالیٰ الصنم و غیره کما هو الظاهر". (روح المعانی: ۲/۴۴، (البقرة :۱۷۳)، دار إحیاء التراث العربی)

"ذبح لقدوم الأمیر یحرم؛ لأنه أهل به لغیر اللہ (ولو) وصلیة(ذکر اسم اللہ تعالیٰ)". (الدرالمختار: ۶/۳۰۹، کتاب الذبائح، سعید)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ما کان لمؤمن و لا مؤمنة إذا قضی اللہ و رسوله أمراً أن یکون لهم الخِیَرة من أمرهم﴾. الآیة (الاحزاب:۳۶)

(۳) "و فی الأشباه : الحرمة تنتقل مع العلم". (الدر المختار: ۲/۳۸۵، فصل فی البیع ، سعید)

"أهدی إلی رجل شیئاً أو أضافه، إن کان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن یعلم بأنه حرام". (الفتاوی العالمکیریة :۵/۳۴۲، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، رشیدیه)

(۴) "لو سجد لصنم .... یکفر". (رد المحتار: ۴/۲۲۲ ، باب المرتد ، سعید)

"عبادة الصنم کفر، و لا اعتبار بما فی قلبه". (الأشباه والنظائر،ص: ۲۲۲ ، کتاب السیر ، قبیل اللقیط واللقطة الخ، دار الفکر)

(۵) "ما یکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل والنکاح .... و ما فیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة و تجدید النکاح .... (قوله: والتوبة): أی تجدید الإسلام". (رد المحتار علی الدر المختار: ۴/۲۴۶، ۲۴۷ ، باب المرتد،مطلب جملة من لا یقتل إذا ارتد، سعید)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۲/۲۸۳ ، کتاب السیر ، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، قبیل الباب العاشر فی البغاة ، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۵/۴۵۸، کتاب أحکام المرتدین ، فصل فی إجراء کلمة الکفر الخ، إدارة القرآن)

کرلے بیوی اس کو پاس نہ آنے دے، جب یہ نذر ماننا ہی حرام ہے، شرک ہے تو اپنے گھر پر بھی اس کو پورا کرنا ناجائز ہے (۱) لہذا صورت نمبر:۴ کی صورت بھی پہلی ہی صورتوں میں داخل ہے۔

غیر اللہ کی منت ماننے کا مستقل گناہ ہے اور جس نے بے خبری میں ایسا کھانا کھالیا تو اس کو توبہ واستغفار لازم ہے، کھلانے والے کو بھی سرزنش کرے اور آئندہ کو پوری احتیاط کرے۔ بھائی کی ناراضگی کے اندیشہ سے بھی حرام ومردار کھانا جائز نہیں، اللہ اور رسول کو ناراض کر کے بھائی کو راضی کرنے کا انجام خطرناک ہے (۲)، غیر اللہ کی منت ماننے پر جو وعید ہے اس کا علم نہیں تھا جہالت میں منت مان لی ہے اور اب یہ علم ہوا کہ یہ حرام اور شرک ہے ہرگز وہ منت پوری نہ کرے بلکہ اس سے توبہ کرے، غیر اللہ کی منت ماننا بالکل حرام ہے خواہ وہ بت ہو یا کوئی بزرگ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۵/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۶/۹۲ھ۔

النذر لغیر اللہ

سوال [۱۴۲]: العبادة مطلقاً مالیةً كانت أو بدنيةً من الحقوق الخالصة لله تعالى، فالإتيان بشئی من العبادات لغير ه تعالى إشراك بالله تعالى، فالنذر لتعظيم المخلوق والإهلال

---

(۱) "واعلم أن النذر الذی يقع للأموات من أكثر العوام .... تقرباً إليهم فهو بالإجماع باطل وحرام". (الدر المختار) قوله: (باطل و حرام) لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق .... ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ، كفر". (الدر المختار، كتاب الصوم، مطلب: النذر الذی يقع للأموات: ۲/۴۳۹، سعيد)

(۲) "عن النواس بن سمعان رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق". رواه في شرح السنة". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۲۱، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثانی، قديمی)

(و فيض القدير: ۱۲/۶۴۸۶، رقم الحديث: ۹۹۰۳، نزار مصطفی الباز)

(ومسند الإمام أحمد: ۶/۵۹، رقم الحديث: ۲۰۱۳۰، دار إحياء التراث العربی)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

بشئی لأجل تعظیم غیر اللّٰہ کفر وإشراك باللّٰہ تعالی، والمنذور حرام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

العبادة مختصة باللّٰہ تعالیٰ، والنذر لغیر اللّٰہ حرام أو شرك، والمنذور لغیر اللّٰہ حرام ألبتة، لقوله تعالی:﴿ وماأهل به لغیر اللّٰہ﴾ (١) والبسط في البحر الرائق(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۱۱/ ۸۸ھ۔

نذر لغیر اللہ کا حکم

سوال[۱۴۳]: کیا نذر و نیاز کا کھانا امیر، صاحبِ نصاب کھا سکتے ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین یا ائمہ مجتہدین یا بڑے پیر صاحب نظام الدین اولیاءؒ یا باقی معتمد علیہم بزرگانِ دینؒ کا تیجہ، دسواں، چالیسواں ہوا ہے، ہوا ہے تو کس بزرگ نے کیا؟ مع نام کے تحریر فرمائیں اور موتیٰ کو ایصالِ ثواب کی نیت سے پکایا ہوا کھانا غریبوں کا حق ہے یا مالداروں کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نذر کسی میت کے لئے مانی گئی تو وہ حرام ہے اس کو کھانا کسی کو بھی جائز نہیں، اگر نذر خدا کے لئے ہے اور ثواب میت کے لئے تو فقراء کو اس کا کھانا شرعاً درست ہے، مالدار، عہدہ دار، علماء کو ایسا کھانا نہیں کھانا چاہئے:

---

(١) (البقرة: ١٧٣)

(٢) "أما النذر الذی ینذره أکثر العوام علی ماهو المشاهد کأن یکون لإنسان غائب أومریض أوله حاجة ضروریة، فیأتی بعض الصلحاء، فیجعل ستره علی رأسه، فیقول: یاسیدی فلان! إن رد غائبی أو عوفی مریض أو قضیت حاجتی، فلک من الذهب ومن الفضة کذا، أو من الطعام کذا، أو من الماء، أو من الشمع کذا، أومن الزیت کذا، فهذا النذر باطل بالإجماع، لوجوه: منها: أنه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز، لأنه عبادة والعبادة لاتکون للمخلوق، ومنها: أن المنذور له میت والمیت لایملک، ومنها: أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون الله تعالی، واعتقاده ذلک کفر". (البحر الرائق: ٢/ ٥٢٠، کتاب الصوم، فصل فی النذر، رشیدیه)

"ألـلهـم إلا أن يقول: يا الله! إني نذرت لك إن شفيتَ مريضى أو رددتَ غائبى أو قضيت حاجتى أن أطعِم الفقراء الذين بباب السيدة النفسة، أو الفقراء الذين بباب الإمام الشافعى أوالإمام الليث أو أشترى حصراً لمساجد هم أو زيتاً لوقودها، أو دراهم لمن يقوم بشعائرها إلى غير ذلك مما يكون فيه نفع للفقراء، و النذر لله عزوجل۔ وذكر الشيخ: إنما هو بيان لمحل صرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه أو مسجده، فيجوز بهذا الإعتبار، إذ مصرف النذر الفقراء وقد وُجد، ولا يجوز أن يصرف ذلك إلى غنى غير محتاج إليه ولا لشريف منصب ، لأنه لا يحل له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً، ولا لذى نسب لأجل نسبه ما لم يكن فقيراً، ولا لذى علم لأجل علمه مالم يكن فقيراً، و لم يثبت فى الشرع جواز الصرف للأغنياء للإجماع على حرمة النذر للمخلوق، ولا ينعقد، ولا تشتغل به الذمة، وأنه حرام بل سحت".

طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲/۳۷۹(۱)، تیجہ، دسواں، چالیسواں شرعاً ثابت نہیں، بدعت اور ممنوع ہے، شامی (۲) فتاوی بزازیہ (۳) وغیرہ میں صراحۃً ممانعت موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۲۴/۱۰/۶۰ھ۔

نذر لغیر اللہ

سوال[۱۴۴]: بزرگوں کے مزاروں پر جو نذر و نیاز چڑھائی جاتی ہے، اسی طرح بزرگوں کو خوش کرنے کے لئے ان بزرگوں کے نام پر جو مرغ وغیرہ ذبح کرتے ہیں ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو عوام بزرگوں کے نام کی نذر و نیاز مانتے اور مزارات پر چڑھاتے ہیں، وہ سخت گنہ گار ہیں

---

(۱)(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۶۹۳، كتاب الصوم، باب يلزم الوفاء، قديمى)

(۲) "ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر فى المواسم، واتخاذ الدعوة لقرائة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراء ة سورة الأنعام أو الإخلاص".
(رد المحتار: ۲/۲۴۰، مطلب فى كراهة الضيافة من أهل الميت، سعيد)

(۳) (الفتاوىٰ البزازيه، الخامس والعشرون فى الجنائز، وفيه الشهيد: ۴/۸۱، رشيديه)

اور وہ نذر حرام ہے، اس کا کھانا بالکل ناجائز ہے اور مرغ وغیرہ جو جانور بھی بزرگوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں وہ بالکل مردار ہے، اگر نذر ماننے وقت بزرگوں کے نام کی نذر مانی، پھر اس کو "بسم اللہ، اللہ اکبر" کہہ کر ذبح کیا جاوے وہ بھی حرام ہے(۱)۔

"اعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل وحرام اه. درمختار. (قوله: باطل و حرام): لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق ولا یجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تکون لمخلوق، ومنها: أن المنذور له میت والمیت لا یملك، ومنها: أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللّٰه تعالیٰ، کفر الخ". طحطای: ۲/ ۴۷۱(۲)۔

---

(۱)"قال العلماء :لو أن مسلماً ذبح ذبیحةً وقصد بذبحها التقرب إلی غیر الله، صار مرتداً، و ذبیحة ذبیحة مرتد". (التفسیر الکبیر للإمام فخر الدین الرازی: ۵/ ۱۱،دارالکتب طهران)

"ذبح لقدوم الأمیر ونحوه کواحد من العظماء یحرم؛ لأنه أهل به لغیرالله، ولو ذکر اسم الله تعالیٰ". (الدر المختار، کتاب الذبائح:۶/ ۳۰۹،سعید)

"عن الحسن البصری سئل عن امرأة عملت عرساً للعبها فنحرت فیه جزوراً فقال:لاتوکل، لأنها ذبحت لصنم". (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۸۰،دارالقلم، بیروت)

"قال صاحب الروض :"إن المسلم إذاذبح للنبی صلی الله علیه وسلم کفر". قال الشوکانی :"وإذاکان الذبح لسید الرسل کفراً عنده ، فکیف بالذبح لسائر الأموات".(فتح البیان: ۱/ ۲۷۵،مصر)

"ومثله مایقع من المعتقدین للأموات من الذبح علی قبورهم، فإنه مما أهل به لغیر الله، ولافرق بینه وبین الذبح للوثن". (فتح القدیر: ۱/ ۱۷۰، للعلامه الشوکانی، مصر)

"لو أن مسلماً ذبح ذبیحةً وقصد بذبحها التقرب إلی غیر اللهصار مرتداً ،وذبیحته ذبیحة مرتد".(تفسیر النیسابوری علی هامش الطبری: ۲/ ۱۲۰، بیروت)

(وکذا فی موضح القرآن: ۱/ ۳۲،سعید)

(وکذا فی معارف القرآن: ۱/ ۴۲۲،۴۲۴، إدارة المعارف)

(۲) (حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/ ۴۷۱، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده، قبیل باب الإعتکاف، دارالمعرفة)

"وماأحل به : یعنی دیگر آن جانور که آواز برآورده شد، وشهرت دا شد درحقِ آن جانور که بغیر الله یعنی برائے غیرخدااست، خواه آن غیربُت باشد یاروحے خبیث که بطریقِ بھوگ که بنامِ اوبد هنده، خواه جنے مسلط برخانه یاسرائے که بدون دادنِ جانور از ایذائے سکنه آنجادست بردار نشود، یاتوپ را روانه کردن ندهد، وخواه پیرے وپیغمبر رابایں وضع جانور مقرر کرده، همه حرام است،و درحدیث صحیح وارداست: "ملعون من ذبح لغیر الله" یعنی هرکه بذبحِ جانور تقرب بغیرِخدانماید ملعون است، خواه در وقتِ ذبح نامِ خدا بگیرد یانے، زیراکه چوں شهرت داد که این جانور برائے فلانے است ذکر نام خداوقت ذبح فائده نه کرد، آں جانور منسوب بآں غیر گشت، وخبثے گشت که زیاده از خبثِ مردار است ،زیراکه مردار بے ذکر نام خدا جان داده است ،وجانِ این جانور را از آں غیرِ خدا قرادادہ گشته اند، وآن عینِ شرک است، وهرگاه ایں خبث دروے سرایت کرد، دیگر بذکرِ نام حلال نمی شود ،مانندِ سگ وخوک که اگر بنامِ خدامذبوح شوند حلال نمی مگرد، کذافی الإکلیل، ج: ۲، من تفسیر فتح العزیز للشاه عبدالعزیز المحدث دهلوی)(۱).

---

(۱) "ملعونٌ من ذبح لغیر الله"(فتاوی عزیزی، ص: ۵۰۵، سعید)

"لعن اللہ من ذبح لغیر الله"(التفسیر المظهری: ۳/۲۰، حافظ کتب خانه)

"عن علی رضی الله تعالیٰ عنه حدثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم بأربع کلمات : "لعن الله من ذبح لغیر الله". (معارج القبول بشرح سلّم الوصل إلی علم الأصول فی التوحید: ۱/۴۱۲،سعودی)

ترجمہ: اکثر عوام کے طرف سے مردوں کی خاطر جونذر چڑھائی جاتی ہےاور بزرگوں کے مزارات پر جوموم بتی خوشبواورروپیہ چڑھایا جاتا ہے جس کا مقصدان بزرگوں کوخوش کرنااوران کاتقرب حاصل کرنا ہے یہ سب باتفاق ائمہ حرام ہے اور باطل ہیں (درمختار) طحطاوی میں ان کے حرام اور ناجائز ہونے کی کئی وجہ لکھی ہیں: ایک تو یہ کہ مخلوق کے لئے نذر ماننا ہے، حالانکہ نذرعبادت ہے جوخالق کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے یہ کہ جس کے لئے نذر مانی ہے وہ مردہ ہےتو بھلا وہ کسی چیز کا کیسے مالک ہوسکتا ہےاورتیسرے یہ کہ اس میت کے ساتھ یہ اعتقاد بھی کیا جاتا ہے کہ وہ عالم میں تصرف کرتا ہےاور یہ عقیدہ رکھنا تو کفر ہے۔ =

غیر اللہ کی نذر کا کھانا کیا کیا جائے

سوال[۱۴۵]: غیر اللہ کی نذر ونیاز کا کھانا بلا علم تحفہ میں آجائے اور پھر واپس کرنے پر واپس نہ لیں تو اس کو غرباء کو دیا جاسکتا ہے کہ نہیں یا دفن کر دیا جائے یا جانور کو دیدیا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر غیر اللہ کے نام کی نذر ہے تو اس کو ایسی جگہ رکھ دیا جائے کہ اسے جانور کھالے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۶/ ۶/ ۸۷ھ

= الاکلیل: ۲/ ۶، میں ہے، دوسرے وہ جانور بھی حرام ہیں جن کے بارے میں اعلان اور شہرت دیدی گئی ہو کہ یہ غیر اللہ کے واسطے ہیں، خواہ وہ غیر اللہ بت ہو یا کوئی خبیث روح جیسا کہ بت وغیرہ کے نام پر بھوگ چڑھاتے ہیں اور خواہ وہ روح کسی ایسے جن کی ہو جو کسی مکان پر مسلط ہو اور وہ بغیر اس جانور کے بھینٹ چڑھائے وہ جن اس گھر کے رہنے والوں سے دست بردار نہ ہو یا وہ جن توپ کو نہ چلانے دے اور ایسے ہی کسی پیر پیغمبر کے واسطے کوئی زندہ جانور موسوم کر دیا جائے، یہ سب شکلیں حرام ہیں اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ''جو شخص کسی جانور کو ذبح کر کے غیر اللہ کا تقرب کرنا چاہے وہ ملعون ہے'' خواہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے یا نہ لے۔ اس واسطے ہے کہ جب اس بات کی شہرت دیدی گئی کہ یہ جانور فلاں (پیر، پیغمبر) کے واسطے تو بوقت ذبح خدا کا نام لینا مفید نہ ہوگا، کیونکہ وہ جانور غیر اللہ کی طرف منسوب ہو ہی چکا ہے اور اس نسبت کی وجہ سے اس میں ایسی برائی پیدا ہوگئی، جو مردار کی برائی سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ مردار میں صرف یہی برائی ہے کہ اس کی موت بغیر اللہ کے نام لئے ہوئے واقع ہوئی ہے اور اس جانور کی جان اس غیر خدا کے لئے مقرر کر کے لی گئی ہے اور یہ عین شرک ہے اور جب یہ برائی اس میں سرایت پذیر ہوگئی تو اب نام خدا لینے سے یہ حلال نہیں ہوسکتا جیسے کہ کتا اور سور اگر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ تو حلال نہیں ہوجاتے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) ''قیل: لتحمل الخمر إلیها، أما إذاقیدت إلی الخمر، فلابأس به کمافی الکلب والمیتة''. (الهدایة، کتاب الأشربة: ۴/ ۴۹۶، شرکة علمیة)

''قال بعض المشایخ: لوقاد الدابة إلی الخمر لابأس به''. (رد المحتار: ۶/ ۴۴۹، کتاب الأشربة، سعید)

''قال بعض المشایخ: لونقل الدابة إلی الخمر لابأس به، ولو نقل الخمر إلی الدابة یکره''. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأشربة: ۵/ ۴۱۱، رشیدیه)

''قوله: کمافی الکلب: أی لایحمل المیتة إلی الکلب، لکن یؤتی الکلب إلیها''. (الکفایة مع فتح القدیر، کتاب الأشربة، فصل طبخ العصیر: ۹/ ۴۰، المکتبه النوریه الرضویة سکهر)

ما یتعلق بالاستمداد بغیر اللّٰہ تعالیٰ

(غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کا بیان)

الاستغاثۃ

سوال[۱۴۶]: الاستغاثة إلى المخلوق، والإ ستغاثة فوق الأسباب، و دعائه دعاءً غيبياً حياً كان المدعو أو ميتاً إشراك باللّٰه تعالىٰ أم لا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

"يكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم". كذا في مجمع الأنهر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

نداء الاموات

سوال[۱۴۷]: إذا دعا أحد: يا شيخ محي الدين رحمه اللّٰه تعالىٰ! يا أبا بكر! يا عثمان!، وغيرهم من الأولياء الكرام، بعض العلماء يقولون: هو شرك محض، والبعض يقولون ليس بشركٍ، وإذا كان شركاً فما الجواب لما ورد في التحيات" أيها النبي" فإن الناس يقولون: إن الأولياء يسمعون بعد الموت، إذا سئل شيئاً يجيبون، و هكذا عقيدة الناس، و في أكثر البلاد يقرأ الناس: محي الدين شيئًا للّٰه، وفيه يدعو العامة: يا محي الدين! فإنهم يقولون: إن محي الدين

---

(۱) (مجمع الأنهر، باب المرتد، النوع الأول: ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية: ۶/۳۲۶، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الثاني فيما يتعلق باللّٰه تعالىٰ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

یحضر فی ذلك المجلس و یجیب دعائهم، و هذا مجرب لأكثر الناس،إن الناس لا یفهم أن محی الدین هو الله،و لكن یقولون: و له مرتبة لیس ذلك لعامة العلماء والناس، ما الجواب؟(۱).

الجواب حامداً و مصلیاً:

من اعتقد أن الأولیاء والصلحاء بعد مفارقة أرواحهم من الأبدان یتصرفون فی الكون،و لهم قدرة علی أن یغیثوا من استغاثهم،و یسمعون و یَصِلون للإعانة من أیّ مكانٍ ینادون،فهذا الإعتقاد لا أصل له فی الدین من الكتاب والسنة،وقد صرّح الفقهاء بخلافه حیث قالوا فی باب المرتد: "و یكفر بقوله: أرواح المشایخ حاضرة تعلم اهـ". مجمع :۱/۶۹۹(۲)

---

(۱)(**ترجمۂ سوال و جواب**): "جب کوئی شخص "یا شیخ محی الدین، یا ابوبکر، یا عثمان" یا ان کے علاوہ دوسرے اولیاءِ کرام کو پکارتا ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ شرکِ محض ہے اور بعض کہتے ہیں کہ شرک نہیں اور اگر شرک ہو تو اس کا کیا جواب ہوگا، جو التحیات میں "أیها النبی" وارد ہوا ہے، پس بے شک لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء موت کے بعد بھی سنتے ہیں اور جب ان سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا ہے، اس کا جواب دیتے ہیں، لوگوں کا عقیدہ یہی ہے اور اکثر بلاد میں لوگ "محی الدین شیئاً للہ" کہتے ہیں اور عوام "یا محی الدین"۔ پس بلا شبہ وہ اس کے قائل ہیں کہ محی الدین اس مجلس میں موجود ہیں اور ان کی پکار کا جواب دیتے ہیں، یہ اکثر لوگوں کا مجرب ہے، لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ محی الدین ہی اللہ ہے، البتہ اس کے قائل ہیں کہ ان کا ایسا مرتبہ ہے جو عامۂ علماء اور عام لوگوں کا نہیں ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: جو شخص اس کا معتقد ہے کہ اولیاء وصلحاء اپنی ارواح کے بدنوں کے جدا ہونے کے بعد بھی عالم میں تصرف کرتے ہیں اور ان کو اس کی قدرت ہے کہ اپنے سے مدد طلب کرنیوالوں کی مدد کریں اور جس جگہ سے بھی ان کو پکارا جائے، ان کی سنیں اور ان کی مدد کو پہونچیں، تو اس اعتقاد کی دین میں کتاب وسنت سے کوئی اصل نہیں، اور تحقیق فقہاء نے اس کے خلاف کی صراحت کی ہے اس طرح کہ مرتد کے باب میں بیان کیا ہے کہ ارواح مشائخ کو حاضر و ناظر اعتقاد کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے، مجمع الأنہر: ۱/ ۶۹۹، والبحر الرائق: ۵/۱۲۴۔ اور رد المحتار میں کہا ہے کہ اگر کوئی یہ گمان کرے کہ مردہ امور میں تصرف کرتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ۲/ ۱۲۸۔ اسی طرح طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

تشہد میں جو نداء وخطاب کا صیغہ وارد ہوا ہے، تو وہ نقل کے طور پر پڑھا جاتا ہے، اصل خطاب اور ہر تشہد پڑھنے والے کے پاس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کریمہ کے موجود ہونے کی بنا پر نہیں، جیسا کہ "یا جبال أوّبی" (سورة السباء: ۱۰) وغیرہ بہت سی آیات قرآن کریم میں پڑھی جاتی ہیں اور سوائے نقل کے ان سے کچھ اور مقصود نہیں"۔

(۲) (مجمع الأنهر، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: الأول فیما یتعلق بالله تعالیٰ: ۱/۶۹۱،دار إحیاء التراث العربی)

والبحر الرائق: ٥/١٢٤ (١)۔ وقال فی رد المحتار: "إن ظن أن المیت متصرف فی الأمور دون اللّٰہ تعالیٰ، کفر". ٢/١٢٨ (٢)، و کذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ٣٧٨ (٣)۔

وأما ما ورد فی التشهد من صیغة النداء والخطاب، فهو یقرأ علی سبیل النقل، لا لأصل الخطاب و حضور الروح الکریمة عند کل متشهد کما یقرأ فی القرآن الکریم: ﴿یا جبال أوّبی﴾ (٤) و غیره من الآیات الکثیرة لیس المقصود منها سوی النقل۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

انبیائے کرام کو پکارنا

سوال [۱۴۸]: بعض لوگ مصیبت اور حاجت کے وقت انبیاء علیہم السلام، یا اولیاء کرام کو دور سے بطور استمداد پکارتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ سنتے ہیں، اس صورت سے کہنا (ان کو پکارنا) جائز ہے یا نہیں؟ اور اس اعتقاد والے کا کیا حکم ہے؟

دور سے، "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کہنا یا نماز میں "أیها النبی" پڑھنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری پکار کو سن رہے ہیں اور خبردار ہوتے ہیں، ایسے اعتقاد والے پر کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ بھی اسلام کے خلاف ہے، جب ایسا عقیدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق رکھنا کفر ہے تو کسی اور نبی، یا ولی کے متعلق کیسے درست ہوگا؟ (۵) "یارسول اللہ" اس عقیدے سے کہنا کہ ہر جگہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آواز کو خود سنتے ہیں ناجائز ہے اور اس عقیدہ سے کہنا کہ ملائکہ آپ کو اس کی اطلاع کرتے

---

(١) "وفی البزازیة: قال علماؤنا: من قال أرواح المشایخ حاضرة تعلم یکفر". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ٥/٢٠٩، رشیدیه)

(٢) (رد المحتار، کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام من شمع أو زیت أو نحوه: ٢/٤٣٩، سعید)

(٣) (الطحطاوی علی مراقي الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یلزم الوفاء به، ص: ٦٩٣، قدیمی)

(٤) (سورة السباء: ١٠)

(٥) "إن الناس قد أکثروا من دعاء غیر اللّٰہ تعالیٰ من الأولیاء الأحیاء منهم والأموات وغیرهم، مثل: یا سیدی فلان! أغثنی، و لیس ذلک من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه =

ہیں درست ہے(۱)،لیکن عوام کے عقائد میں ضرور اس سے فساد آتا ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔

"أیھا النبی" نماز میں پڑھنا شرعاً ثابت ہے لہٰذا اس کو پڑھنا جائز ہے(۲) اور عقیدہ یہ رکھنا چاہئے کہ ملائکہ کے ذریعے سے درود وسلام آپ تک پہنچتا ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۶/۴/۵۵ھ۔

صحیح:سعید احمد غفرلہ۔

اولیاء اللہ سے مدد مانگنا

سوال[۱۴۹]: اولیاء اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے،یا نہیں؟فقط

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرات اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا درست ہے،مثلاً: یا اللہ اپنے اولیاء کے طفیل یا فلاں بزرگ کے طفیل مجھے نیک بیٹا عطا فرما(۴)،خود براہ راست اولیاء اللہ سے یہ چیز نہ

= بذلک،وأن لا یحوم حول حماہ،وقد عدّہ أناس من العلماء شرکاً". (روح المعانی،[المائدۃ : ۳۵]، ۱۲۶/۲،دار إحیاء التراث العربی)

(۱) "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : "إن للہ ملائکۃً سیاحین فی الأرض یبلغوني من أمتي السلام". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و فضلھا: ۸۶/۱،قدیمی)

(۲) "قال عبد اللہ : کنا إذا صلینا خلف النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قلنا: السلام علی جبرئیل و میکائیل، السلام علی فلان و فلان، فالتفت إلینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال : "إن اللہ ھو السلام، فإذا صلّی أحدکم فلیقل: التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک أیھا النبي و رحمۃ اللہ و برکاتہ .... الخ". (صحیح البخاری، باب التشھد فی الآخرۃ : ۱۱۵/۱،قدیمی)

(۳)(راجع الحاشیۃ المتقدمۃ رقمھا : ۱)

(۴) "عندنا و عند مشایخنا رحمھم اللہ تعالیٰ یجوز التوسل فی الدعوات بالأنبیاء والصالحین من الأولیاء والشھداء والصدیقین فی حیاتھم و بعد وفاتھم بأن یقول في دعائہ : أللھم إني أتوسل إلیک بفلان أن تجیب دعوتي و تقضي حاجتي إلی غیر ذلک". (المھند علی المفند، الجواب عن السوال الرابع،ص: ۳۲،مکتبۃ العلم)

مانگی جائے کہ اے فلاں بزرگ آپ مجھے بیٹا دے دیجئے، اسی طرح کسی مصیبت یا بیماری وغیرہ میں مبتلا ہوتو بزرگ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے، براہ راست بزرگ سے نہیں، جیسے کہ بعض جگہ دستور ہے کہ بڑے پیر صاحب، یا کسی اَور بزرگ سے مدد مانگتے ہیں اور کہتے ہیں: "یا غوث المدد" شرعاً اس کی اجازت نہیں (۱) جو شخص متبع سنت اور نیک آدمی ہو ہمارے اطراف میں، اس کو وہابی کہتے ہیں، اگر چہ وہ کچھ بھی مراد لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۶۷ھ۔

پیران پیر سے مدد مانگنا

سوال[۱۵۰]: ایک عورت دردزہ کی تکلیف میں کسی ولی سے استغاثہ کا کلمہ مثلاً: ''یا محی الدین'' بے اختیار زبان سے کہتی رہے، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ نیز اس علاقہ میں استغاثہ کرنا عوام میں رائج ہے، مثلاً ''یا غوث الأعظم''، لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کہنے والوں کے پیش نظر واقعۃً ان اولیاء سے استغاثہ ہی مقصود ہے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بلکہ صراحۃً جب پوچھا جائے تو وہ بھی استغاثہ کی نفی ہی کرتے ہیں، گویا محض عادتاً یہ کلمات زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ محمد مصطفیٰ مدراسی۔

---

(۱) ''دوم آنکہ بالاستقلال چیزے کہ خصوصیت بجناب الٰہی دارد مثل: دادنِ فرزند، یا بارش باران، یا دفعِ امراض، یا طولِ عمر، و مانندِ آن چیزہائے آنکہ دعاء و سوال از جنابِ الٰہی در نیت منظور باشد از مخلوقے درخواست نمایند، این نوع حرام مطلق، بلکہ کفر است. و اگر مسلمانان کسے از اولیائے مذہبِ خود خواہ زندہ باشد یا مردہ این نوع مدد خواہد از دائرہ مسلمانان خارج می شود''. (فتاوی عزیزی، بیان در شبہاتِ بت پرستان: ۱/ ۴۵، ۴۶، کتب خانہ رحمیہ دیوبند)

''إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالىٰ من الأولياء الأحياء منهم والأموات و غيرهم، مثل: ''يا سيدي فلان! أغثني''، و ليس ذلك من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلك، وأن لا يحوم حول حماه، و قد عدّه أناس من العلماء شركاً، و إن لا يكنه فهو قريب منه''. (روح المعاني، [المائدة: ۳۵] ۶/ ۱۲۸، دار إحياء التراث العربي)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرحضرت محی الدین قدس اللہ سرہ کوحاضر وناظر،فریادرس اعتقاد نہ کرتے ہوئے بھی یہ صورت اختیار کی جاتی ہے،تب بھی یہ صورۃً شرک ہے،اس لئے اس سے توبہ واجتناب ضروری ہے،اگراعتقاد بھی ہوتو پھر شرک ظاہر ہے،جیسا کہ مجمع الأنہر میں ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ دارالعلوم دیوبند،۲۴/ ۵/ ۹۴ھ۔

پیران پیر سے مدد مانگنے سے متعلق شعر کا حکم

سوال[۱۵۱]:

اللہ میرے بادشاہ ہیں محمد وزیر
توڑ دو میری مصیبتیں کھول دو میری زنجیر
مدد کر پیران پیر

آیا اس قسم کے کلمات شرک ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت پیران پیر قدس اللہ سرّہٗ ، یا اَور کسی بزرگ مرحوم سے مدد مانگنا جائز نہیں (۲) اگر اعتقاد یہ ہو کہ وہ مدد کرتے ہیں اور میری آواز کو سنتے ہیں تو یہ شرک ہے (۳) اس لئے ہرگز اس طرح دعا نہ کی جائے ،دعاء

(۱) "و یکفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر، باب المرتد، النوع الأول: ۱/ ۶۹۱،دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين،۵/ ۲۰۹،رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تدع من دون الله ما لا ينفعك و لا يضرك،فإن فعلت فإنك إذاً من الظالمين،وإن يمسسك الله بضر فلا كاشف له إلا هو،وإن يردك بخير فلا رآدّ لفضله﴾. (يونس : ۱۰۶،۱۰۷)

قال الله تعالىٰ:﴿و من أضل ممن يدعوا من دون الله من لا يستجيب له إلى يوم القيامة،وهم عن دعائهم غافلون﴾"(الاحقاف : ۵)

(۳) "و يكفر بقوله : أرواح المشايخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر، باب المرتد، النوع =

صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہیئے (۱) کہ وہ واجب وخالق ہے، حاضر وناظر ہے، معین ومددگار ہے، سمیع وبصیر ہے، اور کسی کی یہ شان نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۴ھ۔

پیر وفقیر سے حاجتیں مانگنا

سوال[۱۵۲]: جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر نہیں بلکہ نور ہیں، یعنی خدا کے نور سے جدا ہیں، یا ان کو خدا نے نوری ذات سے پیدا کیا ہے، اور تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام عالم الغیب ما کان وما یکون اور ہر جگہ حاضر وناظر ہیں، اسی طرح تمام پیغمبر علیہم الصلاۃ والسلام، پیر فقیر خدائی طاقتوں کے مالک ہیں، اب ہمیں پیروں فقیروں سے حاجت مانگنی چاہیے، کیونکہ یہ ہمارے خدا کے وکیل ہیں، ہماری سفارش کرکے کام کروا دیں گے، ایسے عقیدہ والا آدمی شریعتِ محمدی میں مسلمان ہے، یا کافر؟ اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنا چاہیے یعنی نماز جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسے عقیدے رکھنا درست نہیں (۲)، ایسے شخص کو توبہ لازم ہے، اگر ایسے عقیدے والے آدمی کو ان عقیدوں کے اعتبار سے دلائل کی روشنی میں دیکھا جائے اور تاویل بعید کرکے اس کو نہ بچایا جائے، تو اس کو مومن و

= الأول: ۱/۱۹۱، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ۵/۲۰۹، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم﴾ (المومن: ۶۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿أجيب دعوة الداع إذا دعان فليستجيبوا لي و ليؤمنوا بي، لعلهم يرشدون﴾. (البقرة: ۱۸۶)

"وإذا سألت فاسئل الله و إذا استعنت فاستعن بالله". (المشكوة، باب التوكل والصبر: ۲/۴۵۳، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم﴾ ". (الكهف: ۱۱۰)

"ثم اعلم أن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما علّمهم الله تعالىٰ أحياناً، و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاده أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ كذا في المسايرة". (شرح الفقه الأكبر =

موحد نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کے اوپر مشرک ہونے کا حکم لگایا جائے گا(۱)، مگر چونکہ شریعت کا حکم یہ بھی ہے کہ جہاں تک ہو سکے مسلمان پر کفر کا حکم نہ لگایا جائے اور اس کے کلام کی ایسی تاویل کر لی جائے کہ وہ مسلمان رہ سکے اور کفر سے بچ جائے خواہ وہ تاویل کتنی ہی بعید ہو، اس لئے ایسے آدمی پر کفر کا فتویٰ لگا کر اس کو اسلام سے خارج نہیں کیا جاتا(۲) اور مسلمانوں کی طرح تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ کو منع نہیں کیا جاتا، پس اسی سے سمجھ لیجئے کہ ایسے عقیدے کتنے غلط اور خطرناک ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

طلب الحاجۃ من اہل القبور

سوال[۱۵۳]: قصد قبور العباد الصالحين لعرض الحاجات إليهم، وكانت الشفاعة منهم ليس أمراً مشروعاً، بل هو شرك بالله أو بدعة محرمة؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قصد القبور وزيارتها لتذكر الآخرة والموت مندوب كما ورد في الحديث (۳) وطلب الحاجة من الله تعالى متوسلاً و متشفعاً بأوليائه مباح (٤) و طلب الحاجة من أهل القبور

= لملا علی القاری، ص: ۱۵۱، قدیمی)

(۱) "ویکفر: بقوله: أرواح المشایخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر، باب المرتد، ص: ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربی)

(۲) وفی الدر المختار: "إذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر وواحد یمنعه، فعلی المفتی المیل لما یمنعه". (باب المرتد من کتاب الجهاد: ۴/۲۳۰، سعید)

"وقد ذکروا أن المسئلة المتعلقة بالکفر إذا کان لها تسع و تسعون احتمالاً للکفر، واحتمال واحد فی نفیه، فالأولی للمفتی والقاضی أن یعمل بالاحتمال النافی؛ لأن الخطأ فی إبقاء ألف کافر أهون من الخطأ فی إفناء مسلم واحد". (شرح الفقه الأکبر للقاری، أواخر بحث التوبة، ص: ۱۶۲، قدیمی)

(۳) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ...... "فزوروا القبور، فإنها تذکرکم الموت". (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز: ۱/۳۱۴، قدیمی)

(۴) "عندنا و عند مشایخنا رحمهم الله تعالیٰ یجوز التوسل فی الدعوات بالأنبیاء والصالحین من الأولیاء والشهداء والصدیقین فی حیاتهم و بعد وفاتهم بأن یقول في دعائه: اللهم إني أتوسل إلیک بفلان أن تجیب دعوتي و تقضي حاجتي إلی غیر ذلک". (المهند علی المفند، الجواب عن السوال =

بدعة؛ لأنه قريب من الشرك (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

اولیاء سے استمداد

سوال[۱۵۴]: مزارات پر چادر چڑھانا اولیاء اللہ سے استمداد چاہنا کن صورتوں میں جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مزارات پر چادر چڑھانا منع ہے "ویکره الستور على القبور" (۲) اولیاء اللہ کی ارواح سے استمداد کرنا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ہم جب مصیبت میں گرفتار ہو کر ان بزرگوں کو آواز دیتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں تو وہ ہماری فریاد کو ہر جگہ سنتے اور ہماری مدد کے لئے آتے ہیں، یہ عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ مشرکانہ عقیدہ ہے، اس سے اسلام سلامت رہنا دشوار ہے: "ویکفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر: ۲/۶۹۹)(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

استمداد

سوال[۱۵۵]: زید کہتا ہے کہ استمدادِ غیر اللہ حرام ہے خواہ حالِ حیات میں ہو یا بعد از موت، خواہ انبیاء علیہم السلام ہوں یا صلحاء و اولیاء وغیرہ اور زید اپنے استدلال میں آیت کریمہ پیش کرتا ہے ﴿إياك نعبد و إياك نستعين﴾ (۴) اور حدیث بھی پیش کرتا ہے "إذا استعنت فاستعن بالله" (۵)۔

= الرابع، ص: ۳۲، مكتبة العلم)

(۱) "لم يشك في أن الإستغاثة بأصحاب القبور .... أمر يجب اجتنابه، و لا يليق بأرباب العقول إرتكابه". (روح المعاني، [المائدة: ۳۵]: ۶/۱۲۹، دار إحياء التراث العربي)

(۲) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في النظر واللمس: ۶/۳۶۳، سعيد)

(۳) (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: ۲/۵۰۵، الغفارية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

(۴) (الفاتحه: ۴)

(۵) (مشكوة المصابيح، باب التوكل والصبر: ۲/۴۵۳، قديمي)

اور عمر کہتا ہے تمہارا یہ قول استمداد غیر اللہ خواہ حال حیات میں ہو یا ممات میں ہو حرام ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر کس و ناکس حالتِ حیات میں امداد طلب کرتا ہے، بقول تمہارے حرام ہے اور نیز انبیاء و اولیاء وغیرہ کے توسل سے استمداد کرنا، تمہارا یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ حدیث کے خلاف ہے: "إذا أراد عوناً، فلیناد عباد اللہ أعینونی یا عباد اللہ أعینونی" (۱)۔ محمد فائق پرتاب گڈھی طالب مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آج کل عوام میں جو طریقہ استمداد باہل القبور کا جاری ہے وہ حرام بلکہ شرک ہے، کیونکہ عوام اعتقاد کرتے ہیں کہ اہل قبور ہماری آواز کو ہر جگہ سے سنتے ہیں، اور مستقل علم وقدرت رکھتے ہیں کہ ہر جگہ سے ہماری ہر طرح کی امداد کر سکتے ہیں، یہ عقیدہ شرک ہے (۲)۔

"ویکفر بقوله: أرواح المشایخ حاضرة تعلم اھ" مجمع. (۳) "و ذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاده أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ: ﴿قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا اللہ﴾ کذا فی المسایرة". شرح فقه اکبر (۴)۔

" أهل الهند لهم الید الطولیٰ فی ذلک قاتلهم اللہ، فإنهم یطوفون بقبر الولی الذی

---

(۱) "عن عتبة بن غزوان عن نبي اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا ضلّ أحدکم شیئاً أو أراد عوناً و هو بأرض لیس بها أنیس، فلیقل: یا عباد اللہ! أعینوني، فإن للہ عباداً لا نراهم". و قد جرّب ذلک". رواه الطبراني و رجاله وثقوا علی ضعف في بعضهم إلا أن یزید بن عليّ لم یدرک عتبة". (مجمع الزوائد، کتاب الأذکار، باب ما یقول إذا انفلتت دابته أو أراد غوثاً أو أضل شیئاً: ۱۰/۱۳۲، دار الفکر)

لیکن یہ حدیث ضعیف اور منقطع ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں کما اشار الیہ المصنف۔

(۲) "و لا أری أحداً ممن یقول ذلک إلا وهو یعتقد أن المدعو الحي الغائب أو المیت المغیب یعلم الغیب أو یسمع النداء، ویقدر بالذات أو بالغیر علی جلب الخیر و دفع الأذی، وإلا لما ادعاه ولا فتح فاه". (روح المعاني (المائدة: ۳۵): ۶/۱۲۸، دار إحیاء التراث العربی)

(۳) (مجمع الأنهر، باب المرتد، ص: ۱/۶۹۱، دار إحیاء التراث العربی)

(۴) (شرح الفقه الأکبر للملا علی القاری، ص: ۱۵۱، قدیمی)

(والمسایرة مع المسامرة، ص: ۲/۸۸، مصر)

يعتقدون فيه، و يظنون أنهم هو المتصرف في الكون، وأن الإنسان إذا تمسك بهذا فلا حاجة له بالصلوة والصيام، وأكثر ما غلوا في ذلك أتباع سيدنا عبد القادر الجيلاني رضي الله تعالىٰ عنه و نفعنا ببركاته، فإنه معاذ الله أنّى يرضىٰ بتلك الكفريات التي يعتقدونها. "تبليغ الحق". والبسط في "الفتاوى العزيزي".

اورحدیث "إذا أراد عوناً" الخ کہاں ہے؟ حوالہ دیا جائے (۱)، البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرے کہ اے خدا اپنے انبیاء اولیاء صلحاء کی برکت سے مجھے بھی صلاحیت دے یا میرا فلاں کام کردے تو اس طرح دعا کرنا درست ہے، نیز بزرگانِ دین کو ایصال ثواب کر کے بطریق مذکور دعاء کرنا موجب برکت ہے۔ احیاء سے اپنے روز و شب کے کاروبار میں امداد لینا جائز ہے، کیونکہ انسان مدنی الطبع ہے، بلا ایک دوسرے کی اعانت کے اس کو زندگی بسر کرنا دشوار ہے، نیز اس میں کوئی امر غیر مشروع لازم نہیں آتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ۵/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

اہل قبور سے استمداد

سوال [۱۵۶]: اولیاء اللہ (مرحوم) سے دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دور سے مدد کے لئے پکارنا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مراد صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے (۲)، کسی مرحوم ولی کو مدد کے لئے پکارنا منع ہے، اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہم جہاں سے پکاریں، ولی مرحوم ہماری پکار کو سنتے ہیں اور ہماری مدد کے لئے آتے ہیں، تو یہ عقیدہ قطعاً غلط اور

---

(۱) (راجع، ص: ۳۵۴، رقم الحاشية: ۱)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إياك نعبد و إياك نستعين﴾. (الفاتحة: ۴)

"وإذا سألت فاسئل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله". (مشكوة المصابيح، باب التوكل والصبر: ۲/ ۴۵۳، قديمي)

تعلیمات اسلام کے خلاف ہے(۱)، سخت خطرناک ہے: "إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللہ تعالیٰ، فاعتقادہ ذلک کفرٌ اھـ". درمختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غیر اللہ سے مدد طلب کرنا

سوال[۱۵۷]: ایک شخص نامی بنگالی موضع ہذا میں آیا اور اس نے گاؤں کے لوگوں میں یہ کہنا شروع کیا کہ میرے جنات تابع ہیں اور اگر کسی شخص کو کوئی مشکلات ہوں، وہ مجھ سے دور کی جاسکتی ہیں، چنانچہ گاؤں ہذا میں ایک نہیں، بلکہ چالیس گھروں میں اس کا تسلط جمنے لگا اور وہ ایسے ایسے حربے استعمال میں لانے لگا، جس سے گاؤں میں ایک دولڑکیوں کی بھی شادی اس کے ذریعہ سے عمل میں آئی، اب بنگالی نے ختمات بھی پڑھنے شروع کئے، جس ختمات میں یہ جادوگر بنگالی یہ کلمات پڑھتا ہے، بلکہ کل مورخہ تقریباً ۷/۱۰/۴۶ کو اس بنگالی جادو گرنے معہ کچھ افراد ساتھ لے کر اندر ختم یہ پڑھا، جو حرف بحرف گزارش ہے: ﴿واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملك سلیمان وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس﴾ یا إبلیس، أبو جھل، ھامان، لعین شداد ونمرود لعین، **ہر بلا سے نجات، گواھم من سلیمان بادشاہ بن داود علیھم السلام المدد**"۔

اس ختم میں صرف تین اشخاص تھے اور بعد میں دوسرا امام آیا اور اس نے اس معاملہ کو آشکار کیا، برائے کرم جواب جو بروئے شرع محمدی ہو مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح ختم پڑھنا اور اس میں شریک ہونا جائز نہیں، اگر عقیدہ یہ ہو کہ جن کو پکارا گیا ہے، یہ مدد کے

---

(۱) "و لا أری أحداً ممن یقول ذلک إلا وھو یعتقد أن المدعو الحي الغائب، أو المیت المغیب یعلم الغیب، أو یسمع النداء، و یقدر بالذات، أو بالغیر علی جلب الخیر و دفع الأذی، و إلا لما ادعاہ، و لا فتح فاہ". (روح المعانی، (المائدہ: ۳۵)، ۲/۱۲۸، دار إحیاء التراث العربی)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسد، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام من شمع أو زیت أو نحوہ: ۲/۴۳۹، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر: ۲/۵۲۰، رشیدیہ)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقي الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یلزم الوفاء بہ، ص: ۶۹۳، قدیمی)

لئے پہنچتے ہیں تو یہ شرک ہے(۱) اس سے ایمان سلامت نہیں رہے گا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

صاحب قبر سے دعاء کی درخواست

سوال[۱۵۸]: قبرستان کا زائر صاحب قبر کو خطاب کر کے یوں کہہ سکتا ہے کہ "اے صاحبِ قبر! آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری مغفرت کی دعا کیجئے" ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ یہ عمل حدیث شریف سے ثابت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضر ہو کر اس طرح دعاء کی درخواست تو ثابت ہے(۳)، لیکن دوسری جگہ کسی قبر پر جا کر کسی صاحب قبر سے اس طرح خطاب کرنا ثابت نہیں، جس حدیث سے اس کے ثبوت میں استدلال کیا جاتا ہے، جب تک وہ سامنے نہ ہو اس کے متعلق کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "وفي البزازية: قال علماؤنا: من قال أرواح المشايخ حاضرة تعلم، يكفر". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

(وكذا مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، النوع الأول: ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربي)

(۲) "و لا تجوز الإستعانة بالجن، فقد ذم الله تعالى الكافرين على ذلك فقال الله تعالىٰ: ﴿و أنه كان رجال من الإنس يعوذون برجال من الجن" فزادوهم رهقا﴾. (الجن: ۶)

و قال الله تعالىٰ: ﴿و يوم يحشرهم جميعاً يا معشر الجن قد استكثرتم من الإنس، و قال أولياۤء هم من الإنس: ربنا استمتع بعضنا ببعض﴾ الآية. قوله تعالىٰ: ﴿قال: النار مثواكم خلدين فيها﴾. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵۱، قديمى)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية، مطلب في التنازع في حقيقة السحر وأنواعه، ص: ۴۲۱)

(۳) "و قد ذكر جماعة: منهم الشيخ أبو نصر بن الصباغ في كتابه الشامل الحكاية المشهورة عن العتبي قال: كنت جالساً عند قبر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فجاء أعرابي فقال: السلام عليك يا رسول الله، سمعت الله يقول: ﴿و لو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً﴾" و قد جئتك مستغفراً لذنبي مستشفعاً بك إلى ربي، ثم أنشأ يقول: =

مُردوں سے قبول دعاء کی درخواست

سوال[۱۵۹]: بزرگان دین کے مزار پر جا کر اس طور سے دعاء کرنا کہ ”آپ اللہ کے نیک بندے ہیں، آپ ہماری فلاں پریشانیوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمادیں کہ اللہ ہماری ضرورت کو پورا کردے“ یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

۲.....اس طرح دعاء کرنا کہ ”اے اللہ ہماری فلاں ضرورت ان بزرگوں کے طفیل میں پوری کردے“ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....اس طرح دعا کرنا ثابت نہیں ہے، اس میں ان بزرگوں کو دعاء کرنے کے لئے خطاب کیا گیا ہے، میت کے ساتھ جو معاملہ شرعاً ثابت ہے اس کی اجازت ہے، اپنی طرف سے اس میں اضافہ نہ کیا جائے (۱)۔

=

یا خیر من دفنت بالقاع أعظمه
فطاب من طیبهن القاع والأکم
نفسي الفداء لقبر أنت ساکنه
فیه العفاف وفیه الجود والکرم

ثم انصرف الأعرابی، فغلبتني عیني فرأیت النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم في النوم فقال: "یا عتبي! ألحق الأعرابی، فبشره أن اللہ قد غفر له". (تفسیر ابن کثیر، (النساء: ۶۴)، ۱/۱۹۱، مکتبه دار الفیحاء)

"روی أبو صادق عن علي قال: قدم علینا أعرابی بعد ما دفنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بثلاثة أیام، فرمی بنفسه علی قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، و حثا علی رأسه من ترابه، فقال: قلت: یا رسول اللہ! فسمعنا قولک، ووعیتَ عن اللہ فوعینا عنک، وکان فیما أنزل اللہ علیک ﴿ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم﴾ الآیة. وقد ظلمت نفسي و جئتک تستغفرلي، فنودي من القبر أنه قد غفر لک". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، [النساء: ۶۴]، ۵/۲۶۵، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۱) "والتفصیل في المسئلة أن التوسل بالمخلوق له تفاسیر ثلاثة: **الأول**: دعائه واستغاثته کدیدن المشرکین وهو حرام إجماعاً..... **الثاني**: طلب الدعاء منه..... و لم یثبت في المیت بدلیل فیختص هذا المعنی بالحي، **والثالث**: دعاء اللہ ببرکة هذا المخلوق المقبول، وهذا قد جوّزه الجمهور". (بوادر النوادر: ۲/۷۰۶، ۷۰۸، ادارہ اسلامیات لاہور)

"ومنهم من یقول للغائب أو المیت من عباد اللہ تعالیٰ الصالحین: یا فلان! ادع اللہ تعالیٰ لیرزقنی کذا وکذا، و یزعمون أن ذلک من باب ابتغاء الوسیلة، و یروون عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أنه =

۲......اس طرح درست ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۱۹۸۶ء۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

"یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" کہنا یا پڑھنا

سوال[۱۲۰]: "یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" کا ترجمہ ومطلب کیا ہے؟ اسے لکھنا اور بطور وظیفہ پڑھنا کیسا ہے؟ یہ کلمہ کب اور کیوں جاری ہوا؟ اس کے محرکِ اول کون ہیں؟ فقط نعمت اللہ جنگ لائن، عابد روڈ حیدرآباد۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں حضرت سید عبدالقادر صاحب سے کچھ اللہ کے واسطے مانگا گیا، سوال خود ان ہی سے ہے، اور اللہ جل جلالہ عم نوالہ کو وسیلہ بنایا گیا ہے یہ طریقہ غلط ہے، برعکس ہوگیا، مانگنا چاہئے تھا خدائے پاک مالک الملک سے اور وسیلہ بنالیا جاتا اس کے مقبول بندے کو، مگر یہاں معاملہ الٹا ہوگیا، یہ معلوم نہیں اس کا موجد کون ہے، اس کا وظیفہ ناجائز ہے(۲)۔

= قال: "إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأهل القبور، أو فاستغيثوا بأهل القبور". و كل ذلك بعيد عن الحق بمراحل". (روح المعانی: ۶/۱۲۵، بیروت)

(۱) "عن عثمان بن حُنَيف رضی الله تعالیٰ عنه أن رجلاً ضرير البصر أتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: أدع الله لی أن يعافينی (إلی قوله) إنی أسئلک و أتوجه إليک بمحمد نبی الرحمة". الحديث.

(سنن ابن ماجة، ص: ۱۰۰، کتاب الصلاة، باب صلاة الحاجة، میر محمد)

(وکذا فی مشکوة المصابیح: ص: ۱۳۲، باب الإستسقاء، الفصل الثالث)

(وکذا فی فتح الباری: ۲/۳۹۹، باب تحويل الرداء فی الاستسقاء)

(۲) "اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات مقدسہ میں یکتا ہے اسی طرح اس کی صفات میں کسی کا شریک ہونا ناممکن ہے، غیر اللہ سے استغاثہ اور طلبِ رزق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ اس کے ساتھ شریک پیدا کرنے والوں کی مغفرت نہیں ہوگی۔

قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله لا يغفر أن يشرک به و يغفر ما دون ذلک لمن يشآء﴾ (النسآء: ۴۸)

قال العلامة الآلوسی تحتها: " والشرک يكون بمعنی اعتقاد أن لله تعالیٰ شأنه شريكاً، إما فی الألوهية أو فی الربوبية ...... (و من يشرک) ...... أی و من يشرک بالله تعالیٰ الجامع لجميع صفات الكمال من =

''غوث'' صوفیاء میں ایک منصب اور عہدہ ہے، اپنے لغوی معنی میں نہیں، تاہم اس سے عقائد فاسد ہوتے ہیں یعنی لوگ ان کو فریادرس اور ہر ایک کی پکار سننے والا اور مدد کے لئے پہونچنے والا سمجھتے ہیں تو اس سے بچنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲۴ھ۔

''یا شیخ عبدالقادر جیلانی'' کا وظیفہ

سوال[۱۶۱]: وظیفہ ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ'' پڑھنا ازروئے عقائد اہل سنت والجماعت اور بالخصوص عقائد حنفیہ جائز ہے یا نہیں؟ و نیز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو حاضر و ناظر، عالم الغیب و حاجت روا، فریادرس مشکل کشا، متصرف اور ہر شخص کی ہر مقام سے بروقت ندا اور پکار کا سننے والا سمجھ کر وظیفہ مذکورہ پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟

اگر مسجد میں کوئی ایسا کتبہ لگا ہو اور کوئی شخص اس کتبہ کو مسجد کی پیشانی سے (اسے قرآن پاک اور سنت رسول اور عقائد اہل سنت والجماعت کے خلاف بلکہ مسجد کی غرض و غایت کے خلاف سمجھتے ہوئے) محو کر دے تو شریعت محمدیہ کے نزدیک اس کا کیا حکم ہے؟ جواب ازروئے قرآن پاک و حدیث نبوی و فقہ حنفیہ اور محققین علمائے سلف کے اقوال سے دیا جائے۔ المستفتی: محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وظیفہ مذکورہ پڑھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہر جگہ حاضر و ناظر، عالم الغیب وغیرہ وغیرہ ہیں شرعاً کسی طرح جائز نہیں، ایسا عقیدہ حرام بلکہ شرک ہے کیونکہ یہ صفات خداوند تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں: ﴿وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾ (۱) جو شخص کسی اور میں ان صفات کا عقیدہ رکھتا ہو فقہاء نے اس کی تکفیر کی ہے: "ويكفر لقوله: أرواح المشائخ حاضرة تعلم الخ". مجمع الأنهر: ۶۹۹/۱(۲)۔

= الجمال والجلال، أيّ شرك كان ﴿فقد افترى إثماً عظيماً﴾. (روح المعاني: ۵/۵۱-۵۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (الأنعام: ۵۹)

(۲) (كتاب السير، باب المرتد، ثم إن الفاظ الكفر أنواع، النوع الأول: ۶۹۱/۱، دار إحياء التراث العربي)............ =

پس ایسے وظیفہ کا کتبہ مسجد میں آویزاں کرنا بھی جائز نہیں اور مسجد کی پیشانی پر کندہ کرنا بھی منع ہے اور اس کا محو کرنا باعث اجر ہے۔

''یا شیخ عبدالقادر جیلانی'' کی جگہ "یا أرحم الراحمين" پڑھنا چاہئے، جس کے قبضہ وقدرت میں شیخ عبدالقادرؒ بلکہ تمام عالم ہے، خلاف شرع عقیدہ رکھنے والوں کو کسی بہتر تدبیر شرعی اور تفہیم سے راہ راست پر لانا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۲/ ۹/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۱۳/ رمضان المبارک/ ۵۶ھ۔

''یا غوث'' کہنا

سوال [۱۶۲]: محفل میلاد شریف میں شریک ہو کر یا غوث کہہ کر چیخنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ ناجائز ہے، ایک قسم کا شرک ہے (۱) ایسی محفل میں شرکت نہ کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۲/ ۸۹ھ۔

= (وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً او كفراً، الفصل الثاني، النوع الثاني فيما يتعلق بالله تعالى: ۶/ ۳۲۶، رشيديه)

(والبحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/ ۱۰۹، رشيديه)

(۱) ایسے الفاظ (یا غوث وغیرہ) اکثر اس عقیدے سے کہے جاتے ہیں کہ یہ حضرات ان مجالس میں حاضر ہوتے ہیں اور علم غیب جانتے ہیں اور یہ شرک وکفر ہے:

قال في البحر الرائق: "قال علمائنا: من قال: أرواح المشايخ حاضرة تعلم، يكفر". (كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/ ۲۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً الخ: الفصل الثاني، النوع الثاني فيما يتعلق بالله تعالى: ۶/ ۳۲۶، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وقد نزّل عليكم في الكتاب أن إذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها، فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا في حديث غيره، إنكم إذاً مثلهم﴾ (النساء: ۱۴۰) .... =

''یاغوث الاعظم المدد'' پکارنا

سوال [۱۶۳]: کیا اولیائے کرام کو اٹھتے بیٹھتے پکارنا جیسا کہ ''یاغوث الاعظم المدد'' یا بڑا پیر جائز ہے یا کھلا ہوا شرک ہے، یا ان کے مزارات پر جا کر دعائیں کرنا یا کرانا کہ یہی دعائیں کر سکتے ہیں، انہی کی خدا سنتا ہے، یہیں سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور مرادیں ملتی ہیں، بے اولادوں کو اولادیں ملتی ہیں، بے روزگاروں کو روزگار ملتا ہے؟ فرمایئے ایسے اعتقادات رکھنے والا باوجود کلمہ پڑھنے کے مسلم رہتا ہے یا مشرک ہوجاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان اعتقادات اور اعمال سے ایمان سلامت نہیں رہتا ہے، اس عقیدہ کو فقہاء نے کفر لکھا ہے: "ویکفر بقوله: أرواح المشائخ حاضرة تعلم اھ". مجمع الأنهر: ۱/۶۹۹(۱)۔

''یاعلی مشکل کشا'' کہنے کا حکم

سوال [۱۶۴]: میں نے عام طور سے لوگوں کو کہتے ہوئے یہ سنا ہے ''یاعلی مشکل کشا'' میرے خیال میں ''مشکل کشا'' مشکل کے حل کرنے والے کو کہتے ہیں اور مشکلات کا حل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں تو کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشکل کشا کہنا جائز ہے؟ کسی شاعر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

= قال رشيد احمد الكنكوهي: اس آیت سے عدم شرکتِ مجالسِ غیر مشروعہ ثابت ہوتی ہے اس طرح کہ استہزاء بالکتاب اللہ حرام ہے، علیٰ ہذا بدعات خلافِ حکمِ شرع حرام ہیں، جیسا کہ ان کی شرکت کی حرمت ثابت ہوتی ہے''۔ (فتاوی رشیدیہ، از تالیفات رشیدیہ، کتاب البدعات، شرکتِ مجالس بدعت، ص: ۱۳۷، ۱۳۸، إدارة اسلامیات)

قال الشاطبي: " وعن أبي قلابة: لا تجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم، فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون، قال أيوب: وكان (ابو قلابة) والله من الفقهاء ذوي الألباب ...... وعن الحسن: لا تجالس صاحب بدعة، فإنه يمرض قلبك". (الاعتصام، باب في ذم البدع وسوء منقلب أهلها، فصل: الوجه الثالث من النقل، ص: ۲۵، دار المعرفة)

(۱) (كتاب السير، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: ۱/۶۹۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الثاني فيما يتعلق بالله تعالى: ۶/۳۲۶، رشيديه)

(والبحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

شان میں ایک شعر اس طرح کہا ہے کیا وہ درست ہے؟ وہ یہ ہے:

دور ہوگی اس کی بلا میں نے عقیدت سے کہا
مشکل میں ہوں آ جاؤ یا مولا علی مشکل کشا

الجواب حامداً و مصلیاً:

مشکلات حل کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دینا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس سے مشکلات حل ہوتی ہیں غلط اور مشابہ شرک ہے(۱) اس سے توبہ اور احتیاط لازم ہے، اس مقصد کے لئے جو شعر لکھا ہے وہ بھی غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۲/۹/۹۲ھ۔

چند اشعار اور علی مشکل کشا

سوال[۱۶۵]: شب برات کی محفل میلاد میں ایک شخص نے یہ اشعار کہے جو نیچے درج ہیں، اس پر آپس میں بحث ومباحثہ ہوا کہ ایسے اشعار کہنا بالکل غلط ہے وغیرہ تو ایسے اشعار محفل میلاد اور اس کے علاوہ میں کہنے درست ہیں یا نہیں؟

خدا تک میں رسائی چاہتا ہوں — وسیلہ ہے مرا وہ شیخِ اعظم
شفیع الوریٰ تک پہونچ جاؤں گا میں — پکڑ لوں گا جب حشر میں تیرا دامان
علی سے ملی تجھ کو مشکل کشائی — نہ کیوں مشکلیں پھر ہماری ہوں آسان

---

(۱) "ایں وظیفه متضمن است ندائے اموات را از امکنۂ بعید، و شرعاً ثابت نیست که اولیآء را قدرتے حاصل است که از امکنۂ بعیده نِدا را بشنوند، .... بلکه اعتقاد اینکه غیر حق سبحانه حاضر و ناظر و عالم خفی وجلی در هر وقت و هر آن است اعتقاد شرک است، درفتاوی بزازیة مینویسند: "تزوج بلا شهود و قال: خدای و رسول خداوفرشتگان را گواه کردم، یکفر، لأنه اعتقد أن الرسول والمَلَک یعلمان الغیب، و قال علمائنا: من قال: إن أرواح المشایخ حاضرة تعلم، یکفر". (مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، کتاب الکراهیة: ۳۳۱/۴، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الثانی فیما یتعلق بالله تعالیٰ: ۳۲۶/۶، رشیدیه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

شیخ محقق کامل کی تربیت اور توسل سے طالب صادق کو اللہ پاک کے ساتھ نسبت حاصل ہوجاتی ہے، یہی خدا تک پہونچتا ہے، شفیع الوریٰ کی بارگاہ تک بھی اتباعِ شیخ کی بدولت پہونچا جاسکتا ہے، لہٰذا ان دونوں شعروں میں تو کوئی اشکال نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت مشکل مقدمات اور معاملات کو آسانی سے حل فرمادیا کرتے تھے اس لئے ان کو "حلّال المعضلات" کہتے تھے (۱) جس کا فارسی میں ترجمہ "مشکل کشا" ہے، لیکن ان کی محبت وعقیدت میں غلو کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہر مشکل کو خواہ کسی زمانے میں پیش آئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حل کرتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ پریشانی اور مصیبت کے وقت "یاعلی" پکارتے ہیں حتیٰ کہ اللہ پاک سے بھی وہ لوگ بے نیاز ہوگئے اور جملہ امور میں کارساز حقیقی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی قرار دے لیا، یہ عقیدہ اور طریقہ اسلام کے خلاف اور شرک ہے (۲) اس سے بچنا لازم ہے، یہ مروجہ محفلِ میلاد بھی ممنوع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۵ھ۔

---

(۱) "وقد اشتهر أبو الحسن علي رضي الله تعالىٰ عنه بالقضاء، حتى صار يضرب به المثل في حل المعضلات وفك المغلقات، حتى قيل في مشكلة يستعصي حلّها ويصعب كشف كنهها: " قضية ولا أباحسن لها". يعنون أن علياً أبا الحسن رضي الله عنه وهو حلال المشكلات اهـ". (تعليقات أبي غدة على الأحكام للإمام القرا في المالكي، السوال الرابع، ص: ۴۷، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أمن يجيب المضطرّ إذا دعاه و يكشف السوء، و يجعلكم خلفآء الأرض، أإله مع الله، قليلاً ما تذكّرون﴾. (النمل: ۶۲)

قال العلامة الآلوسيؒ تحت قوله تعالىٰ: ﴿وابتغوا إليه الوسيلة﴾ الآية (المائدة: ۳۵): "و استدل بعض الناس بهذه الآية على مشروعية الاستغاثة بالصالحين .... و منهم من يقول للغاءب أو الميت من عباد الله تعالىٰ الصالحين: يا فلان! أدع الله تعالىٰ ليرزقني كذا و كذا، و يزعمون أن ذلك من باب ابتغآء الوسيلة، و يروون عن النبي ﷺ أنه قال: "إذا أعيتكم الأمور، فعليكم بأهل القبور أو فاستغيثوا بأهل القبور. و كل ذلك بعيد عن الحق بمراحل، (إلى أن قال): والناس قد أفرطوا اليوم .... و أعظم =

''یارسول اللہ'' کہنا

سوال[۱٦٦]: یارسول اللہ کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو شرک ہے، البتہ روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر یا رسول اللہ کہنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ٦۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ٦۸ھ۔

اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب

سوال[۱٦۷]: اگر کوئی شخص رباعی ذیل کو اس عقیدے سے پڑھے کہ جو فرشتے درود شریف دربارِ رسالت میں لے جا کر پیش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں، میری طرف سے اس رباعی کو دربار رسالت میں پیش کریں گے، پڑھے تو کسی قسم کا شرک و گناہ تو نہیں جب کہ کسی کے سامنے بھی نہ پڑھتا ہو بلکہ علیحدہ پڑھتا ہو، تا کہ عوام کا عقیدہ خراب نہ ہو، یہ بھی سنا ہے کہ یہ رباعی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ

= من ذلک أنهم یطلبون من أصحاب القبور نحو إشفآء المریض و إغناء الفقیر و رد الضالة، و تیسیر کل عسیر، و توحی إلیهم شیاطینهم خبر". إذا أعییتکم الأمر الخ" و هو حدیث مفتری علی رسول الله ﷺ بإجماع العارفین بحدیثه، لم یروه أحد من العلمآء، و لا یوجد فی شیء من کتب الحدیث المعتمدة......... إلی قوله: لم یشک أن الإستغاثة بأصحاب القبور .... أمر یجب اجتنابه، و لا یلیق بأرباب العقول ارتکابه". (روح المعانی :٦/۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۹، دار إحیاء التراث العربی)

(۱) قال ابن الهمامؒ: " روی أبو حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه فی مسنده عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: من السنة أن تأتی قبر النبی صلی الله علیه وسلم من قبل القبلة، وتجعل ظهرک إلی القبلة، وتستقبل القبر بوجهک، ثم تقول: السلام علیک أیها النبی ورحمة الله وبرکاته" ...... وعلی ماذکرنا یکون الواقف مستقبلاً وجهه علیه الصلوة والسلام وبصره، فیکون أولی، ثم یقول فی موقفه: السلام علیک یارسول الله اهـ". (فتح القدیر، کتاب الحج، مسائل منثورة، خاتمة تشتمل علی ثلاثة مقاصد، المقصد الثالث فی زیارة قبر النبی صلی الله علیه وسلم: ۳/۱۸۰، ۱۸۱، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

علیہ دہلوی کی ہے، اس کی کیا اصل ہے؟ رباعی حسب ذیل ہے:

"یا رسول اللّٰہ أنظر حالنا" تا آخر۔ بیوا توجروا

سائل: عظیم اللہ مہتمم مدرسہ فیض القرآن محلّہ چاہ چوڑہ پانی پت ضلع کرنال۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ساتھ ساتھ یہ عقیدہ ہونا بھی ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بذاتہ (بلا حکمِ خداوندی) کسی کی کوئی مشکل حل نہیں کر سکتے، بلکہ وہ بھی ہر بات میں خدا تعالیٰ کے محتاج ہیں (۱) البتہ ان کی برکت اور طفیل سے اللہ پاک اپنے بندوں کے بہت سے کام درست اور موافق مقصود بنا دیتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت حق ہے (۲)۔ اس رباعی کا حال مجھے معلوم نہیں کہ کس کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۴/۴/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/ ربیع الثانی/ ۶۱ھ، صحیح: عبداللطیف، ۲۷/ ربیع الثانی/ ۶۱ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یأیها الناس أنتم الفقراء إلی اللہ و اللہ هو الغنی الحمید﴾ (الفاطر: ۱۵)

و قال تعالیٰ: ﴿و ما أرسلنا من قبلک من رسول إلا نوحی إلیه أنه لا إله إلا أنا فاعبدون﴾ (الأنبیاء: ۲۵)

(۲) "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "أنا سید ولد آدم یوم القیامة، وأول من ینشق عنه القبر، و أول شافع، و أول مشفع". (الصحیح لمسلم: ۲/ ۲۴۵، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم علی جمع الخلائق، قدیمی)

"قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لکل نبی دعوة مستجابة، فتعجّل کل نبی دعوته، وإنی اکتبأت دعوتی شفاعة لأمتی، فهی نائلةٌ من مات منهم لا یشرک باللہ شیئاً". (سنن ابن ماجة: ۲/ ۳۲۹، أبواب الزهد، باب ذکر الشفاعة، میر محمد کتب خانه)

"و شفاعة الأنبیاء علیهم السلام حق، و شفاعة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم للمؤمنین المذنبین .... بالکتاب والسنة وإجماع الأمة، قال اللہ تعالیٰ: ﴿من ذا الذی یشفع عنده إلا بإذنه﴾ و هو إثبات الشفاعة لمن أذن له بها". (شرح الفقه الأکبر للشیخ أبی منصور السمرقندی، ص: ۱۵۷، ۱۵۸، شفاعة الأنبیاء، الشئون الدینیة، قطر)

ایک شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب

سوال[۱۶۸]:

ذرا چہرے سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ
مجھے دیدار ٹک اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ

یہ شعر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شعر لکھا ہے وہ اس طرح نہیں پڑھنا چاہئے اس سے بچنا بھی لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

بھگوان سے مدد مانگنا

سوال[۱۶۹]: ایک شخص ہیں جو صوم وصلوۃ کے پابند ہیں، ایک حلف نامہ میں انہوں نے تحریر کیا کہ ''بھگوان میری مدد کرے''، ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

---

(۱) اس قسم کے الفاظ اور اشعار میں شبہ شرک ہوتا ہے اور جس طرح شرک سے اجتناب لازم ہے اسی طرح شبہاتِ شرک سے بھی ضروری ہے اور یہی تقوی کی اصل ہے، ورنہ ذرائع شرک مفضی الی الشرک ہوتے ہیں:

''عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ''الحلال بيّن والحرام بيّن و بينهما مشتبهات لا يعلمها كثير من الناس، فمن اتقى المشبهات، استبرأ لدينه و عرضه، و من وقع في الشبهات كراع يرعى حول الحمى، يوشك أن يواقعه، ألا! و إن لكل ملك حمى، ألا! وإن حمى الله في الأرض محارمه''. الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه: ۱۳/۱، قديمي)

قال الحافظ ابن حجرؒ: ''و نقل ابن المنير في مناقب شيخه القباري عنه أنه كان يقول: المكروه عقَبَةٌ بين العبد والحرام، فمن استكثر من المكروه، تطرّق إلى الحرام ...... و قال: والمراد بالمحارم فعل المنهي المحرّم أو ترك الواجب، و لهذا وقع في رواية أبي فَروة التعبير بالمعاصي بدل المحرم''. (فتح الباري، كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه و عرضه: ۱۷۰/۱، ۱۷۱، قديمي)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا کہنے سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے ،صرف خدا سے مدد مانگی جائے (۱) بھگوان کا وہ مفہوم نہیں ہے جو خدا کا مفہوم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱/۸۸ھ۔

دیوان وطن کے شرکیہ اشعار

سوال[۱۷۰]: اشعار ذیل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

کسی کو گر رب کی طلب ہے — وہ دیکھے آپ میں مرأتِ رب ہے

کریں گر ذکر شغل اور فکر تو کیا — خدا کو دیکھنے کا اور ڈھب ہے(۲)

خودی ہے آئینہ شان خدا کا — خودی ہے معنی اور اثبات رب ہے

گزر کر آپ سے اپنے کو دیکھو — نظر آجائے گا حق کیا عجب ہے

خلاصہ ہے یہی علم لدن کا — کہ سب میں رب ہے اور عین عرب ہے

نہیں ہے فرق کچھ احمد احد میں — احد ہے اسم اور احمد لقب ہے

محمد کو خدا کہنا روا ہے — نہیں کہتا ہے وہ جو بے ادب ہے

خدائی ان کا سایہ ہے سراپا — نہ تھا سایہ جواُن کا یہ سبب ہے

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ :﴿و ما النصر إلا من عند الله إن الله عزيز حكيم﴾. (الأنفال: ۹)

"أي و ما النصر بالملائكة و غيرهم من الأسباب..... أو المعنى: لا تحسبوا النصر من الملائكة عليهم السلام، فإن الناصر هو الله تعالىٰ لكم، وللملائكة، و عليه فلا دخل للملائكة أصلاً". (روح المعاني: ۹/۱۷۴، دار إحياء التراث العربي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "كنت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً فقال: "يا غلام!..... وإذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله. واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيء لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك، ولو اجتمعوا على أن يضروك بشيء لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليك اهـ". (مشكوة المصابيح، باب التوكل والصبر: ۲/۴۵۳، قديمي)

(۲) "ڈھب" "ڈھنگ،طور،طریقہ،روش" (فیروز اللغات :ص:۶۸۴)

وہ خود ہی حاضر و ناظر جہاں میں اسے کہتے ہیں عالم غیب کا ہے
طلب دنیا کی ہے نہ آخرت کی خداوند' مجھے تیری طلب ہے
یہی ارشاد ہے حضرت وطن کا نظر کو حق نما ہر شیء میں رب ہے

(اشعار مندرجہ بالا مصنفہ کتب دیوان وطن مولوی سید افتخار شاہ صاحب)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان میں سے بعض اشعار شرکیہ مضامین پر مشتمل ہے جن کا کہنا، پڑھنا، سننا جائز نہیں اور اس کا اعتقاد رکھنا شرک ہے(۱) اعاذنا اللہ منہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) قولہ : ''احمد احد'' لفظ ''احد'' اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے، جس کا معنیٰ ''الوہیت اور اپنی ذات وصفات میں یکتا'' ہونے کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا اس کے غیر کے لئے ثابت کرنا شرک وکفر ہے:

''قال اللہ تعالیٰ: ﴿قل هو الله أحد﴾ الإخلاص: ۱)

قال الإمام الأعظم في الفقه الأكبر: ''أصل التوحيد و ما يصح الإعتقاد عليه يجب أن يقول: آمنت بالله .... و الله تعالىٰ واحد لا من طريق العدد و لكن من طريق أنه لا شريك له'' قل هو الله أحد، الله الصمد'' الخ ..... و لا يشبهه شئي''. (ص: ۱۴، ۱۵، قديمي)

قال الملا علي القاري تحته : ''وفي شرح القونوي : قال نعيم بن حماد : من شبه الله بشيء من خلقه ،فقد كفر ..... و قال إسحاق بن راهوية : من وصف الله تعالىٰ، فشبّه صفاته بصفات أحد من خلق الله، فهو كافر بالله العظيم''. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵، قديمي)

و قوله :''محمد کو خدا کہنا روا ہے'' تو خدا کا معنی ہے'' مالک، آقا، حاکم'' (فیروز اللغات: ص: ۵۸۵)، اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جس کا غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا کفر ہے، كما تقدم في قوله: ''احمد احد'' اور اسی طرح حاضر و ناظر کا عقیدہ بھی ہے۔

و قوله: ''عالم غیب'' فقد قال الله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ .الأية (النمل :۶۵)

قال العلامة الآلوسي :''من ادعى علم الغيب في قضية أو قضايا، لا يكفر .... و من ادعى علمه في سائر القضايا، يكفر''. (روح المعاني : ۲۰/۱۱، دار إحياء التراث العربي)

وفي الفتاوى العالمكيرية : ''رجل تزوج إمرأة و لم تحضر الشهود، قال : خدای را ورسول را گواه =

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے اشعار پر اعتراض

سوال[۱۷۱]: ۱...... سلیم کہتا ہے کہ غیر خدا سے مدد مانگنا ناجائز ہے، کلیم کہتا ہے کہ ہمارے پیشوا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے قصائد قاسمی میں لکھا ہے ؎

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسمِ بے کس کا کوئی حامی کار

اگر جائز نہ ہوتا تو کرمِ احمدی کے طالب کیوں ہوئے، سلیم کا قول درست ہے یا کلیم کا؟

۲...... جمیل نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفیع نہیں کہنا چاہیے، جلیل نے کہا اگر شفیع کہنا درست نہ ہوتا تو ہمارے پیشوا اپنی کتاب ''قصائد قاسمی'' میں اس طرح نہ لکھتے ؎

گناہ کیا ہے اگر کچھ گنہ کئے میں نے
تجھے شفیع کہے کون اگر نہ ہوں بدکار

ان دونوں میں سے کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں تشریف فرما ہیں، حی ہیں(۱) امت کی طرف سے صلوۃ وسلام بذریعہ ملائکہ خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے(۲) اور جو کچھ روضۂ اقدس کے پاس عرض کیا

= کردم...... کفر''. (کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع: و منها ما یتعلق بالأنبیآء علیهم السلام: ۲/۲۶۶، رشیدیه)

و فی البزازیة علی هامش الهندیة: "یکفر، لأنه اعتقد أن الرسول و الملک یعلمان الغیب".
(کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الثانی ما یتعلق بالله تعالیٰ: ۶/۳۲۵، رشیدیه)

(۱) "عن أبی الدرداء رضی الله تعالیٰ قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أکثروا الصلوة علیّ یوم الجمعة، فإنه مشهود تشهده الملائکة، و إن أحداً لن یصلی علیّ إلا عرضت علیّ صلوته حتی یفرغ منها"، قال: قلت: و بعد الموت؟ قال: "و بعد الموت، إن الله حرّم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء، فنبی الله حیّ یرزق". (ابن ماجه، کتاب الجنائز، قبیل، کتاب الصیام، ص: ۱۱۸، قدیمی)

(۲) "و عنه (أی عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه) قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الله =

جائے اس کو خود سنتے ہیں (۱) اس لئے دوسروں کو یعنی غیر نبی کو نبی پر قیاس کرنا صحیح نہیں استمداد کی تفصیل کے لئے ''سبیل السداد'' دیکھیں۔

۲......حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقیناً شفیع ہیں، شفاعت فرمائیں گے اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے، صحیح بخاری شریف (۲) اور کتب عقائد (۳) میں یہ مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۱۳۹۵ھ۔

= ملائكةً سياحين في الأرض، يبلغوني من أمتي السلام". رواه النسائي والدارمي". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها، الفصل الثاني، ص: ٨٦، قديمي)

(١) "و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، و من صلى عليّ نائياً أبلغته". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها، ص: ٨٧، قديمي)

و قال القاري تحته: "قال ميرك نقلاً عن الشيخ: و رواه أبو الشيخ و ابن حبان في كتاب "ثواب الأعمال" بسند جيد". (مرقاة المصابيح، تحت رقم الحديث: ٩٣٤، ٣/٢٢، رشيديه)

(٢) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي". (سنن أبي داؤد، كتاب لزوم السنة، باب في الشفاعة: ٢/٣٠٤، مكتبه امداديه ملتان)

(والمسند لأحمد بن حنبل، مسند أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه: ٤/٨٧، رقم الحديث: ١٢٨١٠، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: في حديث طويل: "إذهبوا إلى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فيأتون فيقولون: يا محمد! أنت رسول الله و خاتم الأنبياء، و قد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك و ما تأخر، إشفع لنا إلى ربك، ألا ترى إلى ما نحن فيه. فأنطلق، فآتي تحت العرش، فأقع ساجداً لربي، ثم يفتح الله عليّ من محامده و حسن الثنآء عليه شيئاً لم يفتحه على أحد قبلي، ثم يقول: يا محمد! إرفع رأسك، سل تعطه واشفع تشفع، فأرفع رأسي، فأقول: أمتي يا رب!، أمتي يا رب!، امتي يا رب!، فيقال: يا محمد! أدخل من أمتك من لا حساب عليهم من الباب الأيمن من أبواب الجنة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التفسير، تفسير سوره بني إسرائيل (الإسراء) باب قوله: (ذرية من حملنا مع نوح) الاية: ٢/٦٨٥، قديمي)

(٣) قال الإمام الأعظم أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: "و شفاعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للمؤمنين المذنبين، و لأهل الكبائر منهم المستوجبين لعقاب حق ثابت". (الفقه الأكبر، ص: ٩٤، قديمي)

(وكذا في شرح العقائد النسفية، ص: ٨٧، المطبع اليوسفي لكنؤو)

ما یتعلق بالأنبیاء علیهم السلام وأتباعهم

(انبیائے کرام اوران کے متبعین کا بیان)

نبوتِ تشریعی وغیر تشریعی

سوال[۱۷۲]: ۱......صاحب شریعت کس نبی کو کہتے ہیں، اس کی تعریف کیا ہے؟

۲......غیر تشریعی نبی کس کو کہتے ہیں، اس کی تعریف کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......جس کی شریعت مستقل ہو(۱)۔

۲......جو دوسرے نبی کے تابع ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۹۳ھ۔

ختم نبوت ذاتی سے متعلق "الشهاب الثاقب" کی عبارت پر اشکال کا جواب

سوال[۱۷۳]: حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الشهاب الثاقب" ص:۱۷۸ میں یہ عبارت ہے:

"پس بنظر اس کے وصف اصلی اور کمال ذاتی کے ممکن ہوگا کہ کوئی نبی اس کے

---

(۱) "والرسول إنسان بعثه الله إلى الخلق لتبليغ الأحكام، وقد يشترط فيه الكتاب، بخلاف النبي فإنه أعم". (شرح العقائد، ص: ۱۷، قدیمی)

"والرسول من له شريعة و كتاب فيكون أخص من النبي". (شرح الفقه الأكبر لأبي المنتهى، ص: ۱۰۵، قطر)

(وكذا في شرح الملاعلي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۲، قديمي)

(وكذا في النبراس شرح شرح العقائد، ص: ۵۴، امداديه، ملتان)

(۲) (راجع رقم: ۱)

بعد آوے اگر چہ یہ ممکن کسی وجہ خارجی سے ممتنع ہو گیا ہو"۔

یہ وہی مطلب اس عبارت کا ہے جو ص:۱۴میں مجدد بریلوی نے نقل کی ہے کہ:

"اگر فرض کیا جائے وجود کسی نبی کا بعد آپ کے تو آپ کی خاتمیت پر خلل نہ ہوگا

"الی آخرہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایک اثر کی تشریح کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے کہ "رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے ایک معنی تو وہی ہیں جو سب کے ذہنوں میں موجود ہیں، یعنی یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد تشریف لائے۔" یہ مطلب بھی درست ہے اور اس پر ہمارا عقیدہ ہے جیسا کہ خود حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "جوابات محذورات عشر" میں جگہ جگہ تحریر فرمایا ہے کہ "ختم نبوت اپنا دین وایمان ہے لیکن اس کے علاوہ ایک اور معنی بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ذات اور مرتبہ کے لحاظ سے بھی خاتم النبیین ہیں اور آپ کی ذات تمام انبیاء کے لئے خاتم ہے اور مطلب اس وقت میں بھی صادق ہے جب کہ آپ جملہ انبیاء کے آخر میں تشریف لائے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اب اگر کوئی شخص نبوت کا دعوی کرے تو وہ باطل ہے اور اگر بالفرض آپ سب سے پہلے حتی کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے بھی پہلے تشریف لاتے تب بھی آپ اپنے مرتبہ کے لحاظ سے خاتم النبیین ہی ہو کر تشریف لاتے، اور اگر چہ چند انبیاء کے بعد چند انبیاء سے پہلے تشریف لاتے جب بھی آپ مرتبہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہی ہوتے"۔ الحاصل آپ کا یہ عہدہ اور مقام ہر حال میں آپ کے لئے حاصل ہے"(۱)۔

یہی مطلب "الشھاب الثاقب" کی عبارت کا ہے، اب اگر کوئی اپنی باطن کی خرابی اور کج فہمی سے مطلب بگاڑ کر بیان کرے تو خود اس کا مطلب ہوگا، حضرت نانوتوی یا حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا وہ ہرگز مطلب نہیں، اس بگڑے ہوئے مطلب کو ان بزرگوں کی طرف منسوب کرنا افتراء اور بہتان ہے اور اس بگڑے

(۱) راجع للتفصیل: (تحذیر الناس، الشھاب الثاقب اورعبارات اکابر)

ہوئے مطلب پر جوشرعی حکم عائد ہوگا وہ خود اس بگاڑنے والے پر ہوگا نہ کہ ان بزرگوں پر۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۶/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۸۸ھ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر اشکال اور اس کا جواب

سوال [۱۷۴]: بلاشبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں لہذا اب کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا، لیکن اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور اس نے جس طرح پہلے انبیاء بھیجے اب بھی ان کے بھیجنے پر قادر ہے، پھر اب وہ نبی کیوں نہیں بھیجے گا؟ براہ کرم اس اشکال کو دور فرما دیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

جب وہ قادرِ مطلق ہے تو اس کو کون مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ضرور نبی بھیجے، کسی کو مطالبہ کا حق نہیں، اس نے اپنے پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی اور خاتم النبیین قرار دیدیا ہے (۱) اس لئے وہ قادرِ مطلق ہونے کے باوجود اب کسی نبی کو پیدا نہیں فرمائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/ ۱۰/ ۹۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين﴾ (الأحزاب: ۴۰)

"و قد أخبر الله تبارک و تعالى في كتابه و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في السنة المتواترة عنه أنه لا نبي بعده". (تفسير ابن كثير، (الاحزاب: ۴۰): ۳/ ۶۵۲، مكتبه دار الفيحاء بيروت)

"و كونه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خاتم النبيين مما نطق به الكتاب و صدعت به السنة، وأجمعت عليه الأمة". (روح المعاني، (الأحزاب: ۴۰): ۲۲/ ۵۹، دار الفكر)

(۲) وقال تعالىٰ: ﴿والله يحكم لا معقب لحكمه﴾ (الرعد: ۴۱)

"لأن إخباره تعالىٰ بوقوع الشيء أو عدم وقوعه لا ينفي القدرة عليه، و لا يخرجه من الإمكان الذاتي لامتناع الانقلاب، و إنما ينفي عدم وقوعه أو وقوعه، فيصير ممتنعاً بالغير، واللازم للممكن أن لا يلزم من فرض وقوعه نظراً إلى ذاته مُحال، و أما بالنظر إلى امتناعه بالغير فقد يستلزم الممتنع بالذات كاستلزام ...... =

کیا شیطان کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے؟

سوال[۱۷۵]: زید کہتا ہے کہ شیطان کا علم زیادہ ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے اور بکر کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم زیادہ ہے، ان دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

شیطان ملعون کی کیا حیثیت ہے کہ اس کے علم کو زیادہ کہا جائے جب کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کی وہ شان ہے کہ سید الاولین الاخرین امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خالق کائنات جل شانہ نے شانِ نبوت کے لائق اپنی ذات وصفات اور امور اخروی سے متعلق اتنے علوم عطا فرمائے کہ دیگر تمام انبیاء وملائکہ اور تمام جن و بشر کے علوم کی حیثیت ان کے سامنے ایسی ہے جیسے بحر نا پیدا کنار کے سامنے ایک قطرہ کی ہوتی ہے اور یہ حق تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ہے(۱)۔ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور اس کے علم کے سامنے تمام مخلوقات کے علوم ایک قطرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے، کیونکہ حق تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے، اور سب کے علوم کثرت کے باوجود متناہی ہیں، حضرات اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے۔

= عدم المعلول الأول عدم الواجب". (روح المعاني، (البقرة: ۲): ۱/۱۳۰، دار إحياء التراث العربي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما ينطق عن الهوى إن هو ألا وحي يوحى﴾ (سورة النجم: ۳)

و قال تعالىٰ: ﴿ذلك من أنباء الغيب نوحيه إليك﴾ (آل عمران: ۴۴)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لقد رأيتني في الحجر وقريش تسألني عن مسراي، فسألتني عن أشياء من بيت المقدس لم أثبتها، فكربت كربةً ما كربت مثله قط، قال: فرفعه الله لي أنظر إليه ما يسألوني عن شيء أنبأتهم به .... اهـ". (الصحيح لمسلم: ۱/۹۶، قديمي)

"وان سيدنا و شفيعنا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أعلم الخلق وأفضلهم جميعاً، فمن سوّى بين علمه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعلم الصبي والمجنون أو علم أحد من الخلائق أو تفوّه بأن إبليس اللعين أعلم منه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فهو كافر ملعون لعنة الله عليه". (امداد الفتاویٰ: ۲/۳۲۷، كتاب العقائد والكلام، دار العلوم كراچی)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات (از بہارِ شریعت)

سوال [۱۷۶]: بہارِ شریعت حصہ اول ص: ۲۲ "حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضورِ اکرم کے تحت تصرف کردیا گیا، جو چاہیں کریں، جسے وہ چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لیں، تمام جہاں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہاں ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں، جو انہیں اپنا مالک نہ مانے حلاوتِ سنت سے محروم ہے، تمام ان کی ملک ہے، تمام جنت ان کی جاگیر ہے، ملکوت السموات والأرض حضور کے زیرِ فرمان، رزق وخیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا وآخرت حضور کے عطا کا ایک حصہ ہے، احکامِ تشریعیہ حضور کے قبضہ میں کردیئے گئے کہ جس پر جو چاہیں حرام فرمائیں اور جس کے لئے جو چاہیں حلال کریں اور جو فرض چاہیں معاف کردیں"۔

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ عظیم الشان عقیدہ بلانص کیسے تسلیم کیا جاوے، خاص کر جب کہ نصوص اس کے بالکل خلاف موجود ہوں۔ ملاحظہ ہو:

﴿قل لا أملك﴾ الخ الآية (۱) "عن أبي هريرة قال: لما نزلت: (أنذر عشيرتك) الخ، دعا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قريشاً" إلى آخر الحديث. مشكوة، ص: ٤٦٠(۲) ﴿ليس لك من الأمر شئ﴾ الآية (۳) ﴿قل لا أقول لكم عندي﴾ الآية (۴)۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ ﴿قل لا أملك لنفسي نفعاً و لا ضراً إلا ما شاء الله﴾ (الأعراف : ۱۸۸)

و قال تعالىٰ : "﴿قل لا أملك لنفسي ضراً و لا نفعاً إلا ما شاء الله﴾" (يونس : ۴۹)

(۲) "عن أبي هريرة قال لما نزلت: (أنذر عشيرتک) الخ، دعا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قريشاً، فاجتمعوا فعم و خص: فقال: "يا بني كعب بن لؤى! أنقذوا أنفسكم من النار، يا بني مرة بن كعب! أنقذوا أنفسكم من النار .... يا فاطمة! أنقذي نفسک من النار، فإني لا أملک لكم من الله شيئاً غير أن لكم رحماً سأبلها ببلالها". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، باب الإنذار والتحذير : ۲/۴۶۰، قديمي)

(۳) (آل عمران : ۱۲۸)

(۴) (الأنعام : ۵۰)

عقائد مذکورہ کے ثبوت میں مصنف نے کچھ دلائل بھی پیش کئے ہیں یانہیں؟ میں نے بہار شریعت کا کبھی مطالعہ نہیں کیا، کسی جگہ سے دستیاب نہیں ہوئی، بریلی سے منگائی تھی وہاں سے جواب نہیں آیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ رجب/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نائب مطلق مالک ومختار ہیں؟

سوال [۱۷۷] : ۱...... ''حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں، جس سے جو چاہیں لیں جسے جو چاہیں دیں، تمام جہاں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہاں ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں، جو انہیں مالک نہ جانے حلاوت سنت سے محروم ہے، تمام زمین ان کی ملک ہے، تمام جنت ان کی جاگیر ہے، ملکوت السموات والارض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان، جنات ونار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دیدی گئیں، رزق وخیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا وآخرت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا کا ایک حصہ ہے، احکام شرعیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ میں کر دیئے گئے جس پر جو چاہیں حرام فرمادیں اور جس پر جو چاہیں حلال کردیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں''۔ (بہار شریعت، حصہ اول، ص:۲۲)

۲...... ''جتنے فضائل وکمالات خزانۂ قدرت میں ہیں سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گئے''۔ (ملفوظات خان صاحب، حصہ دوم، ص:۳۹)

۳...... ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خداوند عرب کہہ کر ندا کر سکتے ہیں''۔ (ملفوظات خان صاحب، حصہ اول، ص:۱۸۸)

۴...... ''انبیاء علیہم السلام کو معجزات وادراک مغیبات ظاہری جوارح، سماع، بصر کی طرح باطنی بخشی ہیں، جب چاہیں خرق عادت فرمالیں، مغیبات کو معلوم فرمالیں، چاہیں نہ فرمائیں''۔ (الأمن والعلی، مصنفہ خان صاحب بریلوی، ص:۲۰۹)

مذکورہ بالا چاروں نمبروں کی تحریر جومع حوالہ کتب لکھی گئی ہے، معلوم کرنے پر بریلوی حضرات ان عبارات کی یہ تفصیل کرتے ہیں کہ اطاع اللہ، اطاع الرسول کے تحت یہ نظریہ ہے کہ ہر حکم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے امت کو ملا ہے، آپ کے کل فرمان باذن اللہ ہیں، آپ نے ذاتی کوئی حکم نافذ نہیں فرمایا، بلکہ خالصتاً ہر حکم ربی امت کو دیا، بایں ہمہ عشق محبت رسول میں یہ تحریر کیا ہے ورنہ ہر چیز کا رب ہی مالک ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارات سے جو ظاہر ہے اور جو تفصیل ان کی نقل کی گئی، زید امام اسی گروپ کی تائید میں ہے اور نظریہ دیوبند سے مناسبت بھی نہیں رکھتا، ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر نماز پڑھ لی تو اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نقل کردہ عبارات کے خلاف بھی خان صاحب بریلوی کی کتابوں میں موجود ہے "الأمن والعلی" میں غیر اللہ کو عالم الغیب کہنا منع لکھا ہے، ایک مقام پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ "جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا خدائے پاک کے سوا کسی کے لئے بھی علم غیب ذاتی کا ایک ذرہ بھی تسلیم کرے وہ ایمان سے خارج ہے" اور یہ بھی لکھا ہے کہ "علم محیط (یعنی علم کلی) صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، غیر خدا کے لئے علم غیب ماننا درست نہیں"۔

بہر حال آپ کے تحریر کردہ عقائد جو شخص اپنائے ہوئے ہو اس کو امام بنانا جائز نہیں (۱)، آپ صحیح العقیدہ شخص کے پیچھے نماز پڑھیں، اگر کچھ عملی غلطیاں ہوں تو اس کی وجہ سے آپ اعادہ کرتے ہوں تو آپ نفس جماعت کی فضیلت حاصل کرلیں گے۔ خان صاحب بریلوی کا تو اہم عقیدہ یہ ہے کہ علمائے حق جن کے نام بھی تحریر کئے ہیں وہ کافر ہیں، جو ان کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے جس کی وجہ سے اس شخص کا نکاح بھی باقی نہیں رہا، اولاد ولد الزنا ہے۔ ایسے عقائد والے کی امامت کی کیا گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "أما إذا أدى إليه (الكفر) فلا كلام في عدم جواز الصلاة خلفه". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۱، قديمي)

"فإن كانت (أي البدعة) تكفره فالصلاة خلفه لاتجوز". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۱، رشيديه)

(والحلبي الكبير، فصل في الامامة، ص: ۵۱۴، سهيل اكيڈمی)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز میں خیال آنا

سوال [۱۷۸]: جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انسان نہ سمجھے وہ کون ہے، کیا اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال نماز میں آ جاوے تو وہ کتے اور خنزیر سے بھی بدتر ہے؟ ۲۱/ شعبان/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور نماز میں اس طرح جمانا کہ بالکل آپ ہی کی طرف دھیان رہے، کسی دوسری چیز کا خیال دل میں نہ آئے، قطعاً منع ہے، بلکہ ایہام شرک ہے، کیونکہ اس صورت میں نماز اللہ تعالیٰ کی نہ رہے گی، کیونکہ سجدہ وغیرہ سب کچھ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہوگا اور اس کا موہم شرک ہونا ظاہر ہے۔

اور اگر خنزیر وغیرہ کا تصور آئے گا تو حقیر و ذلیل ہو کر آئے گا اس کی کوئی تعظیم دل میں نہ ہوگی لہذا شرک کا شائبہ نہیں، بخلاف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصور کے کہ وہاں تعظیم ملحوظ ہوتی ہے جس میں شرک کا قوی اندیشہ ہے (۱) اور جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انسان نہیں مانتا وہ نص قطعی: ﴿إنما أنا بشر

---

(۱) صراط مستقیم میں لکھا ہے:

''اہل مکاشفات یہ خیال نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصور یا ارواح اور فرشتوں کی ملاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اسی نماز کا حاصل کرنا ہے جو مومنوں کے لئے معراج ہے، نہیں ہرگز نہیں، نماز میں یہ توجہ بھی ایک شاخ ہے خواہ وہ خفی ہو یا اخفی، یہ بھی نہ سمجھے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آ جانا اور ارواح و فرشتوں کا کشف نماز میں برا ہے بلکہ اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت کو اس کی طرف متوجہ کر دینا اور نیت میں اس مدعا کا ملا دینا مخلص لوگوں کے خلوص کے مخالف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آ جانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ علتوں میں سے ہے جو حضور حق میں مستغرق باخلاص لوگوں کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں''۔ (صراط مستقیم (اردو) ص: ۱۶۸، اسلامی اکیڈمی لاہور)

اور مولانا سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''صراط مستقیم کی اس عبارت میں وساوس کے مختلف درجات بیان کئے گئے ہیں کہ بعض کا خطرہ کم اور بعض کا زیادہ ہے، مثلاً زنا کے خیال سے اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ جماع کا خیال بہتر ہے کیوں کہ ایک چیز فی نفسہ جائز ہے اور دوسری حرام ہے، لہذا حلال کا وسوسہ حرام کی بہ نسبت بہتر ہے اور اسی طرح گاؤ خر یعنی دنیا کی چیزوں کے خیال میں مستغرق و منہمک اور محو ہو جانا اس لحاظ سے کم خطرناک ہے کہ یہ چیزیں صحیح اور کامل مسلمان کے نزدیک حقیر اور ذلیل اور بے وقعت ہوتی ہیں اور ان میں اس کو کوئی ......=

مثلکم ﴾(۱) کا منکر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۸/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ رمضان ۵۶ھ۔

کیا نماز میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال آنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے؟

سوال[۱۷۹]: ہمارے یہاں دیوبندی مولویوں کو بدنام کر رکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ دیوبندی کہتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معمولی انسان تھے، ان کا خیال نماز کے اندر آ جاوے تو نماز بالکل نہیں ہوتی، اس وجہ سے بدنام کر رکھا ہے، آپ اس کا ضروری فتویٰ بھیجیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ پاک کے سب سے زیادہ اور سب سے اونچے مقرب رسول ہیں، جو کمالات اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں وہ مجموعی طور پر کسی نبی یا فرشتہ کو نہیں ملے، آپ سب پیغمبروں کے سید ہیں، سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہیں (۲) ذات اور صفات سے

= لذت و سرور حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ان سے ایک گونہ اس کو نفرت ہوتی ہے تو لا محالہ وہ ان کو اپنے ذہن اور دل سے فوراً نکالنے کی سعی کرے گا اور اپنے دل کی گہرائیوں میں ان کو ہرگز جگہ نہ دے گا، بخلاف بزرگوں اور ان ہستیوں کے مذکور تصور اور خیال کے کہ چونکہ ان سے مسلمان کی بے حد محبت اور عقیدت ہوتی ہے، اس لئے عین نماز میں صرف ہمت کے درجہ کا خیال اور تصور مضر ہے اور علی الخصوص جناب رسالت مآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف صرف ہمت کر کے دل میں نماز کی حالت میں خیال لانا اور بہ ہمہ وجوہ آپ کی طرف متوجہ ہو جانا مضر تر ہے، کیونکہ آپ کی بے پناہ عقیدت اور لازوال محبت کے پیش نظر اور بے حد تعظیم وتکریم کے لحاظ سے اس خیال میں منہمک ہو کر آدمی توجہ الی اللہ سے محروم ہو جائے گا جو نماز میں مطلوب تھی، اس لئے یہ زیادہ خطرناک ہے کیونکہ دنیا کی دوسری چیزیں تو بے وقعت، حقیر اور ذلیل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم تو ارب کھرب بار تعظیم وتکریم کے مستحق ہیں جو ساری مخلوقات میں جامع کمالات ہیں''۔

جہاں کے سارے کمال ایک تجھ میں ہیں ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

(عبارات اکابر، ص: ۱۰۲، مکتبہ صفدریہ)

(۱) (سورة الكهف: ۱۱۰)

(۲) ''وهو صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في جميع أموره على الطاعة والبر والإستقامة التي لم ينلها بشر =

متعلق شان نبوت کے موافق جس قدر علوم آپ کو عطا ہوئے کسی کو بھی نہیں ملے (۱) نہ کوئی آپ کے درجہ کو پہنچا، نہ پہنچ سکتا ہے (۲) جو شخص اس کے خلاف علماء دیو بند کی طرف کوئی بات منسوب کرتا ہے وہ غلط کہتا ہے اور بہتان باندھتا ہے، نماز کو سمجھ سمجھ کر پڑھنے کا حکم ہے، جب نماز میں قرآن پاک کی وہ آیات پڑھے گا جن میں نام مبارک موجود ہے جیسے: ﴿محمد رسول الله﴾ الاية تو معنی پر دھیان کرنے کیلئے تصور مبارک ضرور آئے گا اور جب تشہد پڑھے گا تب بھی تصور آئے گا (۳) پھر کہنا کہ خیال آنے سے نماز نہیں ہوتی اور اس کو علماء دیو بند کی طرف منسوب کرنا بہتان ہے، جس سے علماء دیو بند بری ہیں۔ واللہ علیٰ ما نقول وکیل۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۰/۳/۹۰ھ۔

= سواه لا من الأولين و لا من الآخرين، و هو صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أكمل البشر على الإطلاق و سيدهم في الدنيا والآخرة ". (تفسير ابن كثير، (الفتح : ۲): ۴/۲۳۵، دار الفيحاء)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا سيد ولد آدم يوم القيامة و لا فخر، بيدي لواء الحمد و لا فخر، و ما من نبي يومئذ آدم فمن سواه تحت لوائي، وأنا أول من تنشق عنه الأرض ولا فخر". (جامع الترمذي، أبواب المناقب: ۲/۲۰۲، سعيد)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أتقاكم و أعلمكم بالله أنا". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: 'أنا أعلمكم بالله ". : ۱/۷، قديمي)

"(أنا أعلمكم بالله) ظاهر في أن العلم بالله درجات، وأن بعض الناس فيه أفضل من بعض، و أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم منه في أعلى الدرجات". (فتح الباري ، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا أعلمكم بالله". : ۱/۹۶، قديمي)

(۲) "و لا يبلغ ولي درجة الأنبياء؛ لأن الأنبياء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي ومشاهدة المَلَك، مأمورون بتبليغ الأحكام وإرشاد الأنام بعد الإتصاف بكمالات الأولياء، فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبي كفرٌ و ضلال ". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۲۱، قديمي)

(۳) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور")

تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور

سوال[۱۸۰]: التحیات میں ''السلام علیك أیها النبی'' سے صوفیاء حضرات استدلال کرتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور ضروری ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ ان الفاظ کی وجہ اور شانِ نزول کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

نماز کے معنی پر دھیان رکھ کر اور سمجھ کر پڑھنا چاہئے اس لئے تصور بھی آئے گا (۱)۔

معراج میں تین چیزیں: ''التحیات، الصلوات، الطیبات'' بارگاہِ خداوندی میں پیش کئے تو وہاں سے جواب میں تین چیزیں: ''السلام، رحمة، برکات'' عطا ہوئیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ''وقيل: الخشوع في الصلاة، هو جمع الهمة لها، والإعراض عما سواه، والتدبر فيما يجرى على لسانه من القراءة والذكر .... الخ''. (التفسير المظهرى، (المؤمنون: ۲): ۶/ ۳۶۲، حافظ كتب خانه)

(وكذا في تفسير الخازن، (المؤمنون: ۲): ۳/ ۲۶۷، دار الكتب العلميه)

''والمراد بخشوعهن سكون الجوارح عن العبث، والقلب عن أن يشتغل بغير ما هو فيه من صلاته بأن يكون متأملاً لمعاني قرأته وأذكاره .... الخ''. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة: ۲/ ۲۷۳، رشيديه)

''قال الغزالي في الإحياء: و قبل قولك: ''السلام عليك'' أحضر شخصه الكريم في قلبك، و ليصدق في أنه يبلغه، و يرد عليك ما هو أو فى منه''. (مرقاة الفاتيح، كتاب الصلاة: ۲/ ۱۳۱، رشيديه كوئٹه)

(۲) ''التحيات لله والصلوات والطيبات) .... و هي الصادرة منه ليلة الإسراء، فلما قال ذلك النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بإلهام من الله تعالىٰ، ردّ الله عليه و حيّاه بقوله: ''السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته''.

(مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، ص: ۲۸۴، قديمى)

کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہاڑ سے گرنے کا ارادہ فرمایا؟

سوال[۱۸۱]: زید نے ایک جلسۂ عام میں دوران تقریر فرمایا کہ ''جب چند روز تک وحی کا آنا رک گیا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہایت غمگین ہوکر بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے تھے تاکہ اپنے آپ کو گراکر خودکشی کرلیں''، اور زید نے اپنے قول کے اثبات کے لئے ''بخاری شریف'' کی وہ حدیث جو ''باب التعبیر'' دربارہ ''فترة الوحی'' وارد ہے، پیش کی (۱) تو کیا شریعت کی رو سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خودکشی جیسا برافعل منسوب کرنا قابلِ قبول ہوسکتا ہے، کیا زید اپنے قول میں صادق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں توہین اور گستاخی ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر گستاخی اور توہین قرار پاسکتی ہے تو پھر زید کے لئے شریعتِ مطہرہ کیا حکم نافذ کرتی ہے؟ کہ جو سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خودکشی جیسا برافعل منسوب کررہا ہے حالانکہ آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی تردید کررہا ہے کہ آپ کی قلب مبارک میں کبھی کوئی شک یا وہم پیدا ہوا ہو یا خودکشی جیسے قبیح فعل کا خیال دل میں گزرا ہو، چونکہ سخت مصائب کے وقت بھی آپ نے ایسے عزم واستقلال کا ثبوت دیا ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ بحوالۂ کتب معتبرہ جواب باصواب سے ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

زید کا بیان صحیح ہے، یہ واقعہ صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے (۲)، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخلاق وصفات کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، جو قرب اور فضل وکمال آپ کو حاصل ہے اور کسی بشر یا ملک کو حاصل

---

(۱) " و فتر الوحي فترةً، حتى حزن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيما بلغنا حزناً عدا منه مراراً، كي يتردى من رؤس شواهق الجبال، فكلما أوفى بذروة جبل لكي يلقي نفسه منه، تبدّى له جبرئيل، فقال: يا محمد! إنك رسول الله حقاً، فيسكن لذلك جأشه و تقر نفسه فيرجع، فإذا طالت عليه فترة الوحي غدا لمثل ذلك، فإذا أوفى بذروَة الجبل، تبدّى له جبرئيل فقال له مثل ذلك". (صحيح البخاري، كتاب التعبير، باب أول ما بدىء به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة: ۱۰۳۴/۲، قديمي)

(۲) (صحيح البخاري المصدر السابق)

نہیں، بایں ہمہ آپ بشر تھے، طبیعت بشریہ آپ میں موجود تھی وہ آپ سے جدا نہیں ہوئی تھی، لیکن دیگر افراد بشر میں اس بات میں ممتاز تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور اس کے مطابق احکامِ خداوندی پر عمل فرماتے اور دوسروں کو ہدایت کرتے تھے اور آپ معصوم تھے، آپ سے معصیت کا صدور نہیں ہوا، اگر کبھی کوئی بات خلاف اولیٰ صادر ہوئی تو اس پر مطلع کر کے معاف کر دیا گیا: ﴿إنما أنا بشر مثلكم يوحى إليّ﴾ الآیۃ (۱) ﴿وما ينطق عن الهوىٰ إن هو إلا وحي يوحىٰ﴾ الآیۃ (۲) ﴿عفا الله عنك لم أذنت لهم﴾ الآیۃ (۳)۔

واقعہ مسئولہ میں خودکشی کا صدور نہیں ہوا اور نہ زید نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خودکشی کی نسبت کی اور ارادۂ مذکورہ کا سبب یہ نہیں تھا کہ آپ کو اپنی نبوت یا رسالت میں کوئی وہم ہوا ہو، بلکہ سبب فتح الباری ۱۲/۳۱۸ میں مذکور ہے:

"وأما إرادته إلقاء نفسه من رؤوس الجبال بعد ما نبئ، فلضعف قوته عن تحمل ما حمله عن اعباء النبوة، وخوفاً مما يحصل له من القيام بها من مباينة الخلق جميعاً كما يطلب الرجل الراحة من غم يناله في العاجل بما يكون فيه زواله عنه، و لو أفضى إلى إهلاك نفسه عاجلاً حتى إذا تفكر فيما فيه صبره على ذلك من العقبىٰ المحمودة، صبر واستقرت نفسه الخ" (٤)۔

جس طرح کے بچے کے انتقال پر رونا اور غمگین ہونا عزم واستقلال کے خلاف نہیں اسی طرح یہ ارادہ اپنی نبوت پر یقین کے خلاف نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابا جان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو امی جان کہنا

سوال [۱۸۲]: ایک خطیب صاحب اپنی تقریر میں یا اپنی گفتگو کے اندر جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ

---

(۱) (الكهف: ۱۱۰)　　(۲) (النجم: ۳،۴)

(۳) (التوبة: ۴۳)

(۴) (فتح الباري، كتاب التعبير، باب أول ما بدئ به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الرؤيا الصالحة: ۱۲/۴۴۷، قديمي)

علیہ وسلم وحضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تذکرہ کرتے ہیں تو از راہ غلبۂ محبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام ''ابا جان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' اور ''اماں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' کہتے ہیں، تمام امت مسلمہ کے روحانی باپ و ماں ہیں، اس لئے ہم ان کو ماں باپ کے لفظوں سے صراحۃً تعبیر بھی کر سکتے ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ ایسا کرنا بدعت میں شامل ہوگا یا نہیں؟ عام لوگ اگر اس عمل پر اصرار کریں تو کیا حکم ہے؟ بظاہر دو ایک کے ایسا کرنے سے کوئی خرابی نظر نہیں آتی، ہاں کلام اس صورت میں ہے جب عام لوگ اصرار کریں، ہر ایک کا تفصیلی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

خالی ابا جان اور امی جان نہیں کہنا چاہئے (۱)، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ام المؤمنین کہنا سلف سے منقول ہے: ﴿وأزواجه أمهاتهم﴾ (۲)، امی جان اور ابا جان ہر دو کی شان اقدس سے بہت کم درجہ کا لفظ ہے، ابا جان کہنے میں بظاہر نص قرآنی: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم﴾ الآیۃ (۳) سے بھی تعارض ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) اس کی ممانعت اس وقت ہے جب عمومی معنی مراد ہو اور اس میں فضیلت کا کوئی پہلو ملحوظ نہ ہو۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهاتهم﴾ (الأحزاب: ۶)

''ویسمّی کل من کان سبباً فی إیجاد شیء أو إصلاحه أو ظهوره أباً، ولذالک سمي النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أبا المؤمنین، قال اللہ تعالیٰ: ﴿النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهاتهم﴾ و فی بعض القرآءت (وهو أب لهم)''. (روح المعانی، (الأحزاب: ۴۰): ۲۲/۴۶، دار الفکر)

(۳) (الأحزاب: ۴۰)

(۴) آیت کریمہ میں نسبی باپ ہونے کی نفی وارد ہوئی ہے، اگر تعظیماً اور تکریماً ابا جان کہا جائے تو بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ حضور پرنور کی شفقتوں کو دیکھ کر ''ابا جان'' بولنا مستحسن ہے، چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''(ولکن رسول الله) استدراک من نفی کونه علیه السلام أبا أحد من رجالهم علی وجه یقتضی حرمة المصاهرة و نحوها إلی إثبات کونه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أباً لکل واحد من الأمة فیما یرجع إلی وجوب التوقیر والتعظیم له صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، و وجوب الشفقة والنصیحة لهم علیه =

کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درجہ بڑے بھائی کے برابر ہے؟

سوال[۱۸۳]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے، وہ کس طرح سے ممکن ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں ارشاد ہے: ''أنا سيد ولد آدم ولا فخر''۔(۱) حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ اللہ پاک کے نزدیک اتنا بلند ہے کہ نہ کوئی فرشتہ اس کو پا سکتا ہے، نہ کوئی پیغمبر (۲)، پھر بڑے بھائی کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟ البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بلند مرتبہ کے باوجود حضرت عمر کو بھائی

= صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فإن كل رسول أب لأمته فيما يرجع إلى ذلك، وحاصله أنه استدراك من نفي الأبوة الحقيقية الشرعية التي يترتب عليها حرمة المصاهرة ونحوها إلى إثبات الأبوة المجازية اللغوية التي هي من شان الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و تقتضي التوقير من جانبهم و الشفقة من جانبه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم''. (روح المعاني، (الأحزاب: ۴۰): ۲۲/۴۶، دار الفكر)

(۱) (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۵/۲۲۹۱، نزار مصطفى الباز)

(۲) ''والمعتقد المعتمد أن أفضل الخلق نبينا حبيب الحق، و قد ادعى بعضهم الإجماع على ذلك، فقد قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: إن الله فضّل محمداً على أهل السماء وعلى الأنبياء''. (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۱۱۴، قديمي)

''و أفضل الأنبياء محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لقوله تعالىٰ: ﴿كنتم خير أمة أخرجت﴾. الاية''. (شرح العقائد النسفيه للتفتازاني، ص: ۱۰۲، المطبع اليوسفي)

''وأفضل الأنبياء محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لقوله تعالىٰ: ﴿كنتم خير أمة﴾ الاية .... و عندنا في الاستدلال وجهان: أحدهما الإجماع، فهو قول لم يعرف له مخالف من أهل السنة بل من أهل القبلة كلهم، ثانيهما الأحاديث المتظاهرة كقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''إن الله فضّلني على الأنبياء، و فضّل أمتي على الأمم''. رواه الترمذي. وقوله: ''أنا سيد الناس يوم القيامة'' رواه مسلم. و قوله: ''أنا أكرم الأولين والآخرين على الله و لا فخر''. رواه الترمذي والدارمي. وقوله: ''إذا كان يوم القيامة كنت إمام النبيين و خطيبهم و صاحب شفاعتهم غير فخر''. رواه الترمذي، و أمثالها كثيرة'' (النبراس، ص: ۲۸۶، حقانيه ملتان)

فرمایا ہے(۱) اور امت کو بھی بھائی فرمایا ہے جیسا کہ احادیث میں موجود ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۸ھ۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف بھائی کا درجہ دینا

سوال[۱۸۴]: کیا یہ صحیح ہے کہ اگر محنت کریں تو اولیاء اور انبیاء کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں، بعض صاحبان نے تو پیغمبران صاحبان علیہم الصلاۃ والسلام کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں، اس سے زائد اور کوئی فضیلت نہیں۔ خصوصاً سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں بھی یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں، کیا ایسا کہنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو مولانا فرماتے ہیں:

ہمسری با انبیاء پرداختند
اولیاء را خویشتن پنداشتند

جب انبیاء صاحبان علیہم الصلاۃ والسلام کی شان بعید از قیاس ہے تو ان کا مقابلہ کرنے والا گمراہ ہے یا کافر؟ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پرتو عکس سے دوزخ جنت، حور و غلمان، آسمان و زمین اور کل کائنات پیدا کئے گئے ہیں، کوئی نماز یا اوراد بغیر درود شریف کے مقبول نہیں، پھر ان کا مقابلہ کرنا یا مثل ان کے اپنے کو سمجھنا درست ہے؟

---

(۱) "عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أنه استأذن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في العمرة فقال: "أي أخي! أشركنا في دعائك و لا تنسنا". (جامع الترمذي، أحاديث شتى من أبواب الدعوات: ۱۹۶/۲، سعيد)

(۲) "وددت أنا قد رأينا إخواننا" قالوا: أو لسنا إخوانك يا رسول الله؟ قال: "أنتم أصحابي، وإخواننا الذين لم يأتوا بعد". (الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب استحباب إطالة الغرة: ۱۲۷/۱، قديمي)

"وددت أني قد رأيت إخواننا". قالوا: يا رسول الله ألسنا إخوانك يا رسول الله؟ قال: "أنتم أصحابي، وإخواننا الذين لم يأتوا بعد، وأنا فرطهم على الحوض". (سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب حلية الوضوء: ۳۵/۱، قديمي)

(وابن ماجه، أبواب الزهد، باب ذكر الحوض، ص: ۳۱۹، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی امتی کسی نبی کے درجہ کونہیں پہنچ سکتا (۱)، ولایت کے اونچے مقامات پر پہنچنا بعید نہیں مگر جو حضرات پہنچتے ہیں وہ دعویٰ نہیں کرتے اور تکبر نہیں کرتے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ صرف بھائی کے درجہ میں ہیں، اس سے زیادہ ان کی کوئی فضیلت نہیں یہ غلط ہے، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں توہین اور گستاخی کرنا کفر ہے (۲)، بلاتحقیق کسی کی طرف کوئی غلط عقیدہ منسوب کرنا درست نہیں، تہمت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

---

(۱) "و لا یبلغ وليّ درجة الأنبیاء؛ لأن الأنبیاء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة، مکرمون بالوحي ومشاهدة المَلَک، مأمورون بتبلیغ الأحکام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بکمالات الأولیاء، فما نقل عن بعض الکرامیة من جواز کون الولي أفضل من النبي کفر و ضلال". (شرح العقائد النسفیة للتفتازاني، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، قدیمی)

"و منها: أن الولي لایبلغ درجة النبي، لأن الأنبیاء علیهم الصلاة والسلام معصومون، مأمونون عن خوف الخاتمة، مکرمون بالوحي حتی في المنام و بمشاهدته الملائکة الکرام، مأمورون بتبلیغ الأحکام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بکمالات الأولیاء العظام، فما نقل عن بعض الکرامیة من جواز کون الولي أفضل من النبي کفر و ضلالة و إلحاد و جهالة". (شرح الفقه الأکبر للملا علي القاري، ص: ۱۲۱، قدیمی)

"و لا نفضل أحداً من الأولیاء علی أحد من الأنبیاء علیهم الصلاة والسلام و نقول: نبي واحد أفضل من جمیع الأولیاء". (العقیدة الطحاویة، ص: ۱۴، قدیمی)

(۲) "والمنتقص له کافر". (مجموعة رسائل ابن عابدین، تنبیه الولاة والحکام علی أحکام شاتم خیر الأنام الخ: ۱/۳۱۶، سهیل اکیڈمی)

"و لو عاب نبیاً یکفر". (خلاصة الفتاوی، کتاب ألفاظ الکفر: ۴/۳۸۵، امجد اکیڈمی)

"و لو عاب نبیاً کفر". (الفتاویٰ البزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً الثالث في الأنبیاء: ۶/۳۲۷، رشیدیه)

تمام امت مسلمہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر سمجھنا

سوال[۱۸۵]: ایک شخص جو کہ اپنے کو اور تمام امت مسلمہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے برابر تو سبھی لوگ ہو سکتے ہیں اور پیشاب کرنے کے بعد صرف پانی سے طہارت کر لیتا ہے تو ایسے شخص کو امام بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر وہ نفس مخلوق خدا اور بشر ہونے میں برابر سمجھتا ہے تو یہ عقیدہ درست ہے اور قرآن پاک (۱) حدیث پاک سے ثابت ہے (۲)، اگر وہ درجۂ قرب وفضیلت میں برابر سمجھتا ہے تو اس کو توبہ لازم ہے، پیغمبر کے برابر کوئی امتی نہیں ہوسکتا (۳) اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر تو کوئی پیغمبر بھی نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ کوئی امتی برابری کا دعویٰ کرے (استغفر اللہ)۔ اگر کوئی شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ ہرگز ہرگز امامت کے

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿هل كنت إلا بشراً رسولاً﴾ (الإسراء: ۹۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم﴾ (الكهف: ۱۱۰)

وقال الله تعالىٰ ﴿أكان للناس عجبًا أن أوحينا إلى رجل منهم﴾ (يونس: ۲)

(۲) قال رسول الله صلى الله عليهوسلم: "إنما أنا بشر مثلكم، أنسى كما تنسون". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان: ۵۸/۱، قديمي)

(۳) "و لا يبلغ ولي درجة الأنبياء؛ لأن الأنبياء معصومون، مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي ومشاهدة الملك، مأمورون بتبليغ الأحكام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء، فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبي كفرو ضلال". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۵، ۱۲۶. قديمي)

"ومنها: أن الولي لا يبلغ درجة النبي؛ لأن الأنبياء عليهم السلام معصومون، مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي حتى في المنام و بمشاهدة الملائكة الكرام، مأمورون بتبليغ الأحكام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء العظام، و ما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبي كفر و ضلالة وإلحاد و جهالة". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۱۲۱، قديمي) =

لائق نہیں (۱)۔

جو شخص پیشاب کے بعد ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء نہیں کرتا بلکہ فوراً پانی سے دھولیتا ہے تو ظن غالب یہ ہے کہ اس کا کپڑا ناپاک رہتا ہے، آج کل ڈاکٹروں اور طبیبوں کا تجربہ یہ ہے کہ پیشاب کے بعد عامۃً قطرہ ضرور آتا ہے اس لئے ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

روضۂ اقدس سے دستِ مبارک کا نکلنا

سوال [۱۸۶]: سرورِ کائنات احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک قبر مبارک سے کسی کے مصافحہ کے واسطے نکلنا صحیح ہے؟ اور از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سرور کائنات حضرت رسول مقبول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک مزار اقدس سے نکلنا بعض

= "و لا نفضل أحداً من الأولياء على أحد من الأنبياء عليهم السلام، و نقول: نبي واحد أفضل من جميع الأولياء". (العقيدة الطحاوية، ص: ۱۴، قديمي)

(۱) "أما إذا أدى إليه (الكفر) فلا كلام في عدم جواز الصلاة خلفه". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۱، قديمي)۔

" و شروط صحة الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام و هو شرط عام، فلاتصح إمامة منكر البعث .... الخ". (نور الإيضاح مع شرحه مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمي كراچى)

(و كذا في رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۵۰، سعيد)

(۲) اصل مقصد قطرے سے فراغت اور طہارت حاصل کرنا ہے خواہ ڈھیلے سے ہو یا پانی سے اور یہ کہنا کہ ایسا شخص ڈھیلا اور پانی دونوں چیزیں استعمال کرے اس کا مقصود بھی یہی ہے کہ قطرے سے فراغت حاصل ہوجائے تاکہ اس کے کپڑے پاک رہیں، اور اگر ایک یا دونوں چیزیں استعمال کرنے کے بعد بھی قطرے سے فراغت حاصل نہیں ہوتی تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے کپڑے ناپاک ہیں، اس لئے وہ امامت نہیں کرسکتا اگرچہ بوجہ معذوری اس کی اپنی نماز دوسرے امام کی اقتداء میں درست ہوتی ہے اور اگر ان میں سے صرف ایک سے یقینی طور پر صحیح طرح سے فراغت حاصل ہو تو ایک بھی کافی ہے۔

اولیاء کے لئے شرعاً ممکن ہے محال نہیں، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الحاوی للفتاوی" میں ایسا واقعہ بھی نقل کیا ہے(۱)۔ قبر اطہر میں حیات بھی احادیث سے ثابت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر اطہر سے دست مبارک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسی کے لئے نکلنا

سوال[۱۸۷]: کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک کسی کے مصافحہ کے واسطے مزار اقدس سے نکل سکتا ہے؟ شریعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے؟ روایت بے سند کی اشاعت باعثِ فتنہ ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

---

(۱) "وقال الشیخ تاج الدین بن عطاء اللہ فی لطائف المنن: قال رجل للشیخ أبی العباس المرسی: یا سیدی! صافحنی بکفک ھذہ، فإنک لقیت رجالاً و بلاداً، فقال: واللہ ما صافحت بکفي ھذہ إلا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ..." وفی بعض المجامیع: حج سیدی أحمد الرفاعی، فلمّا وقف تجاہ الحجرۃ الشریفة أنشد:

فی حالة البُعد روحي کنت أرسلھا
تقبل الأرض عني وھي نائبتي
و ھذہ دولة الأشباح قد حضرت
فامدد یمینک کي تحظی بھا شفتي

فخرجت الید الشریفة من القبر الشریف فقبلھا".

(الحاوی للفتاوی، کتاب البعث، تنویر الحلک فی إمکان رؤیة النبی والملک: ۲/۳۱۲، ۳۱۴، دار الفکر)

(۲) "الأنبیاء أحیاء فی قبورھم یصلون". (ع) عن أنس (ح)". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، رقم الحدیث: ۳۰۸۹، ۵/۲۵۵۶، نزار مصطفی الباز)

"(وکذا أخرجه أبو یعلی فی مسندہ والبیھقی فی کتاب حیاۃ الأنبیاء" فأقول: حیاۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی قبرہ ھو و سائر الأنبیاء معلومة عندنا علماً قطعیاً لما قام عندنا من الأدلة فی ذلک و تواترت به الأخبار". (الحاوی للفتاوی، أنباء الأذکیاء بحیاۃ الأنبیاء: ۲/۱۴۸، دار الفکر)

الجواب حامداً و مصلياً :

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں (۱) حدیث پاک میں متعدد سندوں سے یہ چیز مروی ہے اور اس پر مستقل رسائل بھی علماء نے تصنیف کئے ہیں، جس طرح خرقِ عادت کے طور پر حیات ظاہری میں کچھ امور صادر ہوئے ہیں اور ان کا صدور مسلّم عقیدہ ہے اسی طرح باذنہ تعالیٰ اگر کسی کے لئے قبر اطہر سے دست مبارک مصافحہ کے لئے نکل آئے تو یہ نہ عقلاً ممتنع ہے نہ شرعاً (۲)۔ علامہ تقی الدین سبکی علامہ سیوطی، علامہ زرقانی اور شیخ عبدالحق رحمہم اللہ نے اس قسم کے متعدد واقعات اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) كما في الحديث: "عن أوس بن أوس قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة .... إلى قوله .... فقال: إن الله عزوجل حرّم على الأرض أجساد الأنبياء" (سنن أبي داؤد، باب تفريع أبواب الجمعة : ۱/۱۵۰، سعيد)

"قال النووي : قال العلماء: الحكمة في أن الأنبياء صلوات الله عليهم أجمعين لا يورثون ...... قلت: أو لأنهم أحياء في قبورهم، فالأموال باق على ملكهم .... و مال السبكي الى الأول، لأن الأنبياء أحياء في قبورهم، و قضيته أنهم يعطون بعض أحكام الدنيا .... قال ابن عابدين في رسائله : إن المنع ههنا لانتفاء الشرط و هو عدم وجود الوارث بصفة الوارثية كما اقتضاه الحديث، و أما عدم موت المورث بناءً على أن الأنبياء أحياء في قبورهم كما ورد في الحديث .... و أجاد شيخ مشايخنا الكنكوهي قدس سره في الكوكب الدري في باب ما جاء في تركة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تقريراً أنيقاً ينبغي أن يكتب بماء الذهب فقال: و لأن النبيين صلوات الله عليهم أجمعين لما كانوا أحياءً فلا معنى لتوريث الأحياء منهم". (أوجز المسالك شرح المؤطأ للإمام مالك رحمه الله تعالىٰ، ماجاء في تركة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۶/۳۸۲)

(و كذافي عمدة القاري ، كتاب المناقب ، باب بعد باب قول النبي: "لو كنت متخذاً خليلاً": ۱۶/۱۸۵)

(۲) "و في بعض المجاميع حج سيدي أحمد الرفاعي، فلما وقف تجاه الحجرة الشريفة أنشد .... فخرجت اليد الشريفة من القبر الشريف فقبّلها". (الحاوي للفتاوى : ۲/۳۱۴، كتاب البعث، تنوير الحلك في إمكان رؤية النبي والملك، دار الفكر، بيروت) .... =

شق صدر اور معراج

سوال[۱۸۸]: جو شخص حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شقِ صدر کو باطل کہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کو خواب وخیال سمجھتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

روح الامین نمبر ۴۲ مرزا پورا سٹریٹ کلکتہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً ومسلّماً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شق صدر، روایات صحیحہ سے ثابت ہے، تفسیر فتح العزیز تفسیر الم نشرح: ۲/ ۲۷۵ میں ہے کہ چار مرتبہ شق صدر ہوا ہے، ابن حبان، حاکم، ابو نعیم، ابن عساکر، عبداللہ بن احمد وغیرہم کی روایات صحیحہ کو استدلال میں پیش کیا ہے(۱) لہذا اس کا انکار ناواقفیت یا عناد پر مبنی ہے۔

= "عن أبي الخير الأقطع قال: دخلت المدينة و أنا بفاقة، فأقمت خمسة أيام ما ذقت ذواقاً، فتقدمت إلى القبر الشريف و سلمت على النبي و على أبي بكر و عمر و قلت: أنا ضيفك الليلة يا رسول الله! و تنحيت و نمت خلف المنبر، فرأيت النبي في المنام و أبو بكر عن يمينه و عمر عن شماله وعلي، بين يديه، فحرّكني عليّ و قال: قم قد جاء رسول الله، فقمت إليه وقبلت بين عينيه، فدفع إليّ رغيفاً، فأكلت نصفه و انتبهت، فإذا في يدي نصف رغيف". رواه أبو عبد الرحمن السلمي". (القول البديع في الصلوة على الحبيب الشفيع، ص: ۳۲۵، الباب الرابع في تبليغه عليه السلام سلام من يسلّم عليه، مؤسسة الريان، بيروت)

(۱) "روزے همراه پسران دایۂ خود در کودکان بازی کرده، در چرانیدنِ گوسفندان مشغول بودند، و پسران دایه برائے گرفتنِ نان و آذوقه پیشِ مادر خود رفته، و آنجناب تنها همراه گوسفندان در آن صحرا بودند که ناگاه دو جانور کلان بصورتِ کرگس (که آنرا در زبان هندی گِد گویند) نمودار شدند، یکے مردیگرے را پرسید که این همان شخص ست؟ آن دیگر گفت که آری، پس هر دو متوجهِ آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم شدند، و آنحضرت بسببِ ترس از ان جانوران رو بگریز نهادند، تا آنکه آن هر دو جانور هر دو بازوئے آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم را گرفته بر پشت بر زمین انداختند، وبمنقارهائے خود شکم مبارکِ آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم چاک =

=کردند، و از سینه انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم دل مبارک را برآورده، نیز چاک کردند، وازان خون بسته سیاه بر آورده بر تافتند، و گفتند که این خون بسته مردار نصیبِ شیطان ست، در دل هر آدمی این را از دل او بر آوردیم، والا هر گز وسوسۂ شیطان را قبول نخواهد کرد.

بعد ازان یکے مر دیگرے را گفت که آبِ برف بیار، بآن آب شکمِ ایشان را بشستند، بعد ازان آبِ ژاله طلبیدند، وبآن آب دل را شستند، بعد ازان گفت که سکینه بیار، آنچیری بود بر مثالِ ذر در و آنرا بنزلِ ایشان افشاندند، بعد ازان یکے مر دیگرے را گفت که این را بدوز و آنرا دوخته بمهرِ نبوت مهر کردند، و سینۂ مبارک آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم را دوخته برابر کردند، چنانچه انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه که خادم ملازمِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بود میگفت که من اثر سوزن را در سینۂ مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم میدیدم الخ.

دوم آنکه ابن حبان و حاکم وابو نعیم وابن عساکر و ضیائی مقدسی و عبد اللہ بن احمد در زوائدِ مسند بسندِ صحیح روایت کرده اند که آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم چون ده ساله شدند، در صحرائے بودند که دو کس بصورتِ دو مرد ظاهر شدند، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم میفرمودند که من مانندِ چهره هائے آن دو شخص هیچگاه چهرۂ نورانی ندیده ام، و بوئے خوش که از انها می آمد در هیچ عطرے نشمیده ام، و مانندِ جامه هائے آن دو شخص در نفاست و صفا و درخشندگی هیچ جامه بنظر من نیامده، آن هر دو شخص جبرئیل و میکائیل علیهما السلام بودند، هر دو بازوئے مرا بوجهی گرفتند که اصلاً مرا معلوم نشد، و باسانی تمام بر فقره فقا مرا غلطانیدند که هیچ عضوِ من بے جا نشد، و درد نه کرد، و بازآنها شکمِ مرا چاک کردند، و اصلاً خون نه بر آمد، و درد نه شد، و یکے از آنها آب در طشتِ زرین می آورد، و دیگر تمام درد نه مرامی شست، بازیکے مر دیگرے را گفت که دلِ این را چاک کن، و غل و حسد را ازوے دور کن، خونِ بسته بر آوردند، و بر تافتند. باز گفت مهرُ بانگی و شفقت در دلِ این بیند، از چیزے بصورتِ تل سیمین آورده در دلِ من انداختند، و دوائے خشکی بر مثالِ زر در بالائے آن پاشیدند، باز انگشت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لا گرفته، گفتند که بر دو سلامت باش. آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فرمودند که من =

معراجِ جسمانی مسجد اقصیٰ تک بحالتِ یقظہ نص قطعی سے ثابت ہے، اس کا انکار کفر ہے اور سماءِ دنیا تک خبرِ مشہور سے ثابت ہے، اس کا منکر مضل اور مبتدع ہے اور سماءِ دنیا سے آگے جنت وعرش وغیرہ تک خبرِ واحد سے ثابت ہے، اس کا منکر فاسق ہے۔

فی العقائد النسفية: "والمعراج لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى اليقظة بشخصه إلى السماء ثم إلى ما شاء الله تعالىٰ من العلى حق". قال التفتازانى تحت (قوله: حق) "أى ثابت بالخبر المشهور حتى أن منكره يكون مبتدعاً (إلى أن قال) فقوله: فى اليقظة إشارة إلى الرد على من زعم أن المعراج كان فى المنام(إلى أن قال) و قوله: بشخصه إشارة إلى الرد على من زعم أنه كان للروح فقط(إلى أن قال) و قوله: إلى السماء إشارة إلى الرد على من زعم أن المعراج فى اليقظة لم يكن إلا إلى بيت المقدس على ما نطق به الكتاب و قوله : (ثم إلى ما شاء الله) إشارة إلى اختلاف أقوال السلف، فقيل: إلى الجنة، وقيل: إلى العرش، و قيل: فوق

= اذاں وقت در دلِ خود شفقت و رحمت بر هر صغیر و کبیر می یابم، واین بار آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم چون سنِ بلوغ قریب رسیده بود از لوازمِ جوانی میل بشهوت و سورتِ غضب ست، برائے عصمت از گناهائے که تعلق باین دو صفت دارند، و بیشتر غلبهٔ آنها در جوانی و ما بعد جوانی ست شقِ صدر مکرر واقع شد. سوم آنکه چون هنگامِ بعثت قریب ست، و زمانِ نزولِ وحی بر دل مبارکِ آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نزدیک آمد، بارِ دیگر دلِ ایشان را برائے تنقیه و تقویت چاک کردند .... چهارم: شب معراج، واین بار شقِ صدر برائے آن بود که دل مبارکِ آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قوتِ سیرِ عالَمِ ملکوت بهم سازند، و طاقت دیدنِ تجلیات بدیهه و انوارِ مثله لیه پیدا کند". (تفسیر عزیزی، (سوره الم نشرح : ۲۳۰ - ۲۳۲) ، ارگ بازار قندهار)

(وكذا فى دلائل النبوة للبيهقى، باب ذكر رضاع النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و مرضعته و حاضنته: ۱/۱۳۱، و باب ماجاء فى شقِ صدر النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ : ۲/۵، دار الكتب العلميه بيروت)

العرش إلى طرف العالم. فالإسراء و هو من المسجد الحرام إلى بيت المقدس قطعيٌ ثبت بالكتاب، والمعراج من الأرض إلى السماء مشهور، و من السماء إلى الجنة أو إلى العرش أو غير ذلك احاد". شرح عقائد نسفي، ص: ۱۰٤ (۱)۔

"قال أهل السنة بأجمعهم: إن المعراج إلى المسجد الأقصىٰ قطعي ثابت بالكتاب، وإلى سماء الدنيا ثابت بالخبر المشهور، و إلى ما فوقه من السموات ثابت بالآحاد، فمنكر الأول كافر ألبتة، و منكر الثاني مبتدع مضل، و منكر الثالث فاسق". تفسير احمديه، ص: ۵۰۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۳/۱/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ۔

معراج میں رؤیت

سوال [۱۸۹]: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں اللہ پاک کا دیدار ہوگیا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب معراج ہوئی تو اس وقت بعض علماء قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، پھر بعض کہتے ہیں کہ دل کی آنکھ سے دیکھا ہے، بعض کہتے ہیں کہ ظاہری آنکھوں سے اور بعض کہتے ہیں کہ ﴿ما كذب الفؤاد ما رأى﴾ میں حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ تفسیر مدارک میں ہے: "(ما كذب الفؤاد) فؤاد محمد (ما رأى) ما رآه ببصره من صورة جبريل عليه الصلاة والسلام: أي ما قال فؤاده لما راه ببصره: لم أعرفك، و لو قال ذلك، لكان كاذباً؛ لأنه

---

(۱) (شرح العقائد النسفيه للتفتازاني، ص: ۱۴۴، ۱۴۵ قديمي)

(كذا في شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۲۲۳، قديمي)

(۲) (التفسيرات الأحمديه، (الإسراء: ۱)، ص: ۵۰۳، حقانيه پشاور)

عرفه يعني أنه راه بعينه، وعرفه بقلبه، و لم يشك في أن ما راه حق، و قيل: المرئي هو الله سبحانه رآه بعين رأسه، و قيل: بقلبه اهـ". مدارك: ۱۴۸/۴ (۱)۔

"ثم الصحيح أنه عليه السلام راى ربه بفؤاده لا بعينه اهـ"۔ شرح عقائد نسفی، ص: ۱۰۵ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (تفسير المدارك (النجم: ۱۱) ۲۱۳/۲، قديمی)

"(بالتخفيف والتشديد): أي فهما قرأتان سبعيتان، فالمعنى على التشديد أن ما رآه محمد بعينه صدقه قلبه و لم ينكره، والتخفيف قيل كذالك، و قيل: هو على إسقاط الخافض، والمعنى ما كذب الفؤاد فيما رآه. قوله: (من صورة جبريل) بيان لماراى، و هذا أحد قولين، و قيل: هو الله عزوجل وعليه فقد رأى ربه مرتين: مرةً في مبادى البعثة و مرةً ليلة الإسراء، واختلف في تلك الرؤية فقيل: رآه بعينه حقيقةً: وهو قول جمهور الصحابة والتابعين، منهم ابن عباس وأنس بن مالك والحسن وغيرهم".

(حاشية الصاوی على تفسير الجلالين، (النجم: ۱۱): ۱۳/۶، دارالباز)

"(ما كذب الفؤاد ما رأى): أي لم يكذب قلب محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليلة المعراج، وذلك أن الله تعالىٰ جعل بصره في فؤاده حتى رأى ربه تعالىٰ و جعل الله تلك رؤيةً، وقيل: كانت رؤية حقيقةً بالبصر، و الأول مروى عن ابن عباس، وفي صحيح مسلم أنه رآه بقلبه، و هو قول أبي ذر و جماعة من الصحابة، والثاني قول أنس و جماعة".

"وروى عن ابن عباس أيضاً أنه قال: أتعجبون أن تكون الخلة لإبراهيم، والكلام لموسى، والرؤية لمحمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و روى عن ابن عباس أيضاً أنه قال: "أما نحن بني هاشم فنقول: إن محمداً رأى ربه مرتين" .... وقال ابن مسعود: رأى جبريل على صورته مرتين، وقرأ هشام عن ابن عامر وأهل الشام (ما كذّب) بالتشديد: أي ما كذب قلب محمد ما رأى بعينه تلك الليلة بل صدقه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (النجم: ۱۱): ۲۱/۲۷، ۲۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۵، قديمی)

"وأن الصحيح أنه رآه بقلبه و لم يره بعين رأسه". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۲۲۶، قديمی)=

معراج میں اہل جنت ودوزخ کودیکھنا جب کہ ابھی قیامت قائم نہیں ہوئی

سوال[۱۹۰]: دخولِ جنت ودوزخ میدان حشر میں حساب وکتاب کے بعد ہوگا لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں میدانِ حشر سے پہلے جنتی کو جنت میں اور دوزخی کو دوزخ میں کس طرح دیکھا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جوصورتِ حال اس وقت پیش آئے گی اس کا نقشہ اور خاکہ دکھلایا گیا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۲/۲۳ھ۔

مقام محمود

سوال[۱۹۱]: مقام محمود کے بارے میں مختصر تشریح فرمادیں کیا وہ جنت میں ہے یا میدان حشر میں؟ اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیا خصوصیت ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

میدان حشر میں پیشی کے لئے شفاعت کی اجازت خاص طور پر دی جائے گی، وہ مقام محمود ہے(۲)۔

= "قال ابن عباس رأى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ربه مرةً أخرى بقلبه، روى مسلم عن أبي العالية عنه قال: (ما كذب الفؤاد ما رأى) (ولقد رآه نزلةً أخرى) قال:" رآه بفؤاده مرتين ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (النجم: ۱۳): ۲۲/۲۷، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱) "فمضيت هنيهةً فإذا أنا بأخونة عليها لحم مشرح ليس يقربها أحد، و إذا أنا بأخونة أخرى عليها لحم قد أروح وأنتن، عندها أناس يأكلون منها، قلت: يا جبريل! من هؤلاء؟ قال: هؤلاء من أمتك يأتون الحرام ويتركون الحلال، قال: ثم مضيت هنيهةً فإذا أنا بأقوام مشافرهم كمشافر الإبل قال: فتفتح أفواهم فيلقمون من ذلك الجمر، ثم يخرج من أن أسافلهم فسمعتهم يضجون إلى الله تعالىٰ، فقلت: من هؤلاء يا جبريل؟ قال: هؤلاء من أمتك ﴿الذين يأكلون أموال اليتامىٰ ظلماً إنما يأكلون في بطونهم ناراً و سيصلون سعيراً﴾ (تفسير ابن كثير: ۳/۱۹، (سورة الإسراء)

(۲) "قال ابن جرير: قال أكثر أهل التأويل: ذلك هو المقام الذي يقوم محمد صلى الله تعالىٰ عليه =

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۸۸ھ۔

مسئلہ شفاعت

سوال[۱۹۲]: مولانا صاحب بی اے منشی فاضل فرماتے ہیں کہ شفاعت کوئی نہیں کرائے گا، کیا قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ یہ نہیں ہے: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ (۱) اس سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شفاعت فرمانا ثابت نہیں ہوتا؟ بخاری شریف پارہ اٹھارہ کتاب التفسیر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ”فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: قیامت کے دن ایماندار لوگ جمع ہوکر حضرت آدم علیہ السلام سے سفارش کرنے کی آرزو کریں گے، حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام انکار کریں گے، بعد اس کے یکے بعد دیگرے پیغمبروں سے عرض کریں گے سب انکار کریں گے، تب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ

= وسلم يوم القيامة للشفاعة للناس ليريحهم ربهم من عظيم ما هم فيه من شدة ذلك اليوم". (تفسير ابن كثير، (الإسراء: ۷۹): ۳/۵۰، دار القلم)

"وروى الترمذي عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في قوله: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ سئل عنها قال: (هي الشفاعة) قال: هذا حديث حسن صحيح".

"الرابعة: إذا ثبت أن المقام المحمود هو أمر الشفاعة الذي يتدافعه الأنبياء عليهم السلام حتى ينتهي الأمر إلى نبينا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فيشفع هذه الشفاعة لأهل الموقف ليعجل حسابهم ويراحوا من هول موقفهم، و هي الخاصة به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (الإسراء: ۷۹): ۱۰/۲۰۱، دار الكتب العلميه، بيروت)

"و من الناس من فسره بمقام الشفاعة في موقف الحشر حيث يعترف الجميع بالعجز، أعم من أن تكون عامةً كالشفاعة لفصل القضاء أو خاصةً كالشفاعة لبعض عصاة أمته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في العفو عنهم". (روح المعاني، (الإسراء: ۷۹): ۱۵/۲۰۳، دار الفكر)

(۱) (الإسراء: ۷۹)

علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں جاکر عرض کریں گے، آپ قبول فرما کر شفاعت کرادیں گے"(۱)۔

کیا قرآن مجید اور حدیث رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا مسلمانوں پر فرض نہیں ہے؟

کیا قرآن مجید اور حدیث شریف رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت کرانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ثابت نہیں ہے؟ کیا شفاعت سے انکار قرآن مجید سے اور حدیث شریف سے انکار نہیں ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شفاعت فرمانا اہل حق کا مذہب ہے اور احادیث مشہورہ سے صراحۃً ثابت ہے: "والشفاعة ثابتة للرسل والأخيار في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار (إلى أن قال) لنا قوله تعالى: ﴿واستغفر لذنبك و للمؤمنين و المؤمنات﴾ و قوله تعالىٰ: ﴿فما تنفعهم شفاعة الشافعين﴾ إلى أن قال: و قوله عليه الصلاة والسلام: "شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي" و هو مشهور بل الأحاديث في باب الشفاعة متواترة المعنى اهـ". شرح عقائد نسفی، ص: ۸۸ (۲)۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يجتمع المؤمنون يوم القيامة فيقولون: لو استشفعنا إلى ربنا، فيأتون آدم فيقولون: أنت أبو الناس، خلقك الله بيده، وأسجد لك ملائكته، و علمك أسماء كل شيء، فاشفع لنا عند ربك حتى يريحنا من مكاننا هذا، فيقول: لست هناكم، و يذكر ذنبه فيستحي، إيتوا نوحاً .... فيأتوني فأنطلق حتى استاذن على ربي فيؤذن، فإذا رأيت ربي، وقعت ساجداً فيدعني ما شآء، ثم يقال: ارفع رأسك، وسل تعطه، وقل تسمع، واشفع تشفع ..... الخ". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب وعلم آدم الأسمآء كلها: ۲/۲۴۲، قديمي)

(۲) (شرح العقائد النسفيه للتفتازاني، ص: ۱۱۵، ۱۱۶، قديمي كراچي)

"(و شفاعة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام حق): أي عموماً في المقصود (و شفاعة نبينا صلى الله عليه و سلم): أي خصوصاً في المقام المحمود واللواء الممدود والحوض المورود (للمؤمنين المذنبين): أي من أهل الصغائر المستحقين للعقاب (ولأهل الكبائر منهم): أي من المؤمنين (المستوجبين للعقاب حق ثابت) فقد ورد: (شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي) رواه أحمد و أبو داؤد والترمذي وابن حبان والحاكم عن أنس، والترمذي وابن ماجه وابن حبان والحاكم عن جابر، والطبراني عن ابن عباس، والخطيب عن ابن عمر و عن كعب بن عجرة رضي الله تعالىٰ عنه، فهو حديث مشهور في المبنى، بل الأحاديث في باب الشفاعة متواترة المعنى". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۹۴، قديمي) =

نیز بہت سی آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں اور آیت: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ کے متعلق بھی جمہور قائل ہیں کہ مقام محمود، مقام شفاعت ہے۔ تفسیر مدارک التنزیل میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

"نُصب على الظرف: أي عسى أن يبعثك يوم القيامة فيقيمك مقاماً محموداً، أوضمن "يبعثك" معنى "يقيمك" و هو مقام الشفاعة عند الجمهور، و يدل عليه الأخبار الخ" (۱) شفاعت کا انکار درحقیقت نصوص قطعیہ اور احادیث صریحہ کا انکار ہے، معتزلہ شفاعت کے منکر ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ نے کتب عقائد وتفسیر میں ان کی تردید کی ہے اور ان کے قول کو باطل قرار دیا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/محرم/ ۵۶ھ۔

شفاعت وافضلیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال [۱۹۳]: ۱...... عمر وبکر مثلاً جن کے عقائد مذکور درج کئے جاتے ہیں اور بکر کی حد سے زیادہ تعدی معلوم ہوتی ہے، بکر کے عقیدہ کا خیال کرتے ہوئے اس کے ساتھ برتاؤ دینی اور دنیاوی جائز ہے یا نہیں اور جماعت میں شامل ہو جائے تو نکال دینے کا حکم ہے یا نہیں اور جماعت میں بھی کچھ نقصان لازم آتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے آدمی کو باقی دوسرے امام کے ہوتے ہوئے امام بننا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے ایمان میں خلل آتا ہے یا نہیں اور ایسا ایمان ہونے میں نکاح وغیرہ میں بھی کچھ نقص ہے یا نہیں؟ حد کا حکم ہے یا نہیں؟ سو یہ کہ عمر اور بکر آپس میں جھگڑا کرتے ہیں عمر کہتا ہے کہ شفاعتِ رسول کریم برحق ہے اور بکر کہتا ہے کہ برحق نہیں ہے۔

۲...... عمر کہتا ہے کہ مقام المحمود شفاعت کا مقام ہے اور بخاری شریف میں بھی موجود ہے اور بکر کہتا ہے کہ شفاعت خاص کر رسول کریم کے واسطے معین نہیں ہے۔

۳...... اور عمر کہتا ہے کہ یا رسول اللہ کہنا جائز ہے اور بکر یہ کہتا ہے کہ ہرگز جائز نہیں۔

۴...... عمر کہتا ہے رسول کریم سب پیغمبروں سے افضل ہیں اور بکر کہتا ہے کہ سب برابر ہیں، سب

= (وكذا في شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۲۳۳، قديمي)

(۱) (تفسير المدارك، (الإسراء: ۷۹): ۱/ ۷۲۵، قديمي)

(۲) (راجع، ص: ۴۰۰، الحاشيه رقمها: ۲)

پیغمبروں سے افضل نہیں؟ صفحہ کتاب لکھ کر جواب تحریر فرماویں۔ حوالے جتنے زیادہ ہوں بہتر ہے اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھ کر اعادہ واجب ہے یا نہیں اور اس کے جنازہ کا کیا کیا جاوے؟ ان مسائل کی بابت زیادہ تنازع ہو رہا ہے اس لئے جواب پوری تکمیل سے تحریر فرماویں، تاکہ فریقین کو تسلی ہو جائے۔ فقط

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......شفاعت کے متعلق عمر کا قول حق ہے، بکر کا قول غلط ہے: ''والشفاعة ثابتة للرسل والأخيار في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار خلافاً للمعتزلة اهـ''. شرح عقائد نسفی، ص: ۸۷ (۱)۔

۲......اس میں بھی عمر کا قول حق ہے: ''قال أكثر أهل التاويل: ذلك (أي المقام المحمود) هو المقام الذي يقومه محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم القيامة للشفاعة للناس ليريحهم ربهم من عظيم ما هم فيه من شدة ذلك اليوم''۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۵ (۲)۔

''وشفاعة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام: أي عموماً في المقصود، و شفاعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خصوصاً في المقام المحمود واللواء الممدود والحوض المورود للمؤمنين المذنبين: أي من أهل الصغائر المستحقين للعقاب و لأهل الكبائر منهم حق، فقد ورد: "شفاعتي لاهل الكبائر من أمتي"۔ رواه أحمد و أبو داؤد والترمذي وابن حبان والحاكم عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه، والترمذي وابن ماجه و ابن حبان والحاكم عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه، والطبراني عن ابن عباس رضي الله

(۱) (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۱۵، قديمي)

''شفاعته في أهل الكبائر من أمته ممن دخل النار، فيخرجون منها، وقد تواترت بهذا النوع الأحاديث، وقد خفي علم ذلك على الخوارج والمعتزلة، فخالفوا في ذلك جهلاً منهم بصحة الأحاديث و عناداً ممن علم ذلك، واستمر على بدعته، و هذه الشفاعة تشاركه فيها الملائكة والنبيون والمؤمنون أيضاً''.

(شرح العقيدة الطحاويه لابن أبي العز، ص: ۲۳۳، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۹۴، قديمي)

(۲) (تفسير ابن كثير، (سورة الإسراء: ۷۹): ۳/۵۰، دار القلم)

تعالیٰ عنهما، والخطيب عن ابن عمر و كعب بن عجره رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم، فهو حديث مشهور فی المبنی بل الأحادیث فی باب الشفاعة متواترة المعنی اهـ". شرح فقه اکبر، ص: ۱۱۴(۱)۔

"قال ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما: هذا المقام المحمود مقام الشفاعة، وفی حديث طويل: "وإنی لأقوم المقام المحمود، قال: ذاك إذا جیء بكم حفاةً عراةً": أی قوله: "فأقوم عن يمينه مقاماً لا يقومه أحد، فيغبطنی فيه الأولون والآخرون". وفی حديث آخر: "ثم يقوم نبيكم صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم رابعاً فيشفع لا يشفع أحد بعده أكثر مما شفع". و هو المقام المحمود الذی قال اللّٰه عزوجل: ﴿عسی أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ وإلی غير ذلك من الأحاديث الكثيرة اهـ". فتح الباری شرح البخاری، کتاب التفسیر و کتاب الرقاق میں زیادہ تفصیل ہے(۲)۔

۳......"یا رسول اللہ" اس خیال اور عقیدہ سے کہنا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ پاک کی طرح حاضر و ناظر ہیں اور ہر جگہ سے اس آواز کو خود سنتے ہیں ناجائز بلکہ شرک ہے۔ اور اس عقیدہ سے کہنا کہ ملائکہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ میری اس آواز کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہونچا دیتے ہیں جائز ہے، عوام چونکہ اس عقیدہ کو نہ جانتے ہیں نہ سمجھتے ہیں، بلکہ وہ پہلا ہی عقیدہ رکھتے ہیں، اس لئے ان کو منع کیا جاتا ہے، کسی صحیح عقیدہ والے کو بھی عوام کے سامنے اس طرح پکارنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

۴......اس مسئلہ میں بھی عمر کا عقیدہ صحیح اور اہل حق کے موافق ہے: "أفضل الأنبياء محمد صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم"۔ شرح عقائد نسفی، ص: ۱۰۲(۳)۔

---

(۱)(شرح الفقه الأكبر للملا علی القاری، ص: ۹۴، قديمی)

(۲) (فتح الباری، كتاب التفسير باب (عسی أن يبعثک ربک مقاما محموداً): ۵۰۹/۸، (وكتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار: ۵۲۰/۱۱، قديمی)

(۳)(شرح العقائد النسفية للتفتازانی، ص: ۱۴۱، قديمی)

"ان أفضل المخلوقات فی الدنيا والآخرة هو سيدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم الذی جمع كل خلال الخير ونعوت الكمال، و بعثته صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم عامة لجميع المكلفين، و أفضليته صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم علی جميع المخلوقات مما أجمع عليه المسلمون لقوله صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم: "أنا أكرم الأولين والآخرين علی اللہ ولا فخر". (الكوكب الأزهر شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۲۲) =

جس شخص کے ایسے غلط اور خراب عقائد ہوں وہ ضال ومضل ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں، تاہم اگر اسکے پیچھے کوئی نماز پڑھی ہے تو فریضہ ساقط ہوگیا اور نماز جنازہ بھی ایسے شخص پر پڑھی جائے گی: ''و یصلی علی کل فاجر اهـ'' شرح عقائد نسفی ص: ۱۱۵(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۴/ ربیع الاول/ ۵۸ھ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا ایمان لانا

سوال[۱۹۴]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایماندار ہونے کی روایت کتب سیر میں یا احادیث میں آئی ہے یا نہیں؟ اگر آئی ہے تو کیسی ہے اور ان کے ایماندار ہونے پر اعتقاد ویقین رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایماندار ہونے میں اکابر کے مختلف اقوال ہیں، بعض فرماتے ہیں کہ " ماتا علی الکفر "(۲)۔

= "وأنه أفضل الأنبياء وأمته خير الأمم". (شرح المقاصد، المقصد السادس في السمعيات، فصل في النبوة: ۳/۳۰۵، دار الكتب العلميه)

(شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۱، قديمي)

(۱)(والصلاة خلف كل بر و فاجر): أي صالح و طالح (من المؤمنين جائزة: أي لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعلى آله و سلم: "صلوا خلف كل بر و فاجر". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۷۶، قديمي)

(كذا في شرح العقيد الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۳۷۳، قديمي)

(۲) "قال القاري: ثم الجمهور على أن والديه صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم ماتا كافرين. وهذا الحديث أصح ما روى في حقهما". (بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور: ۵/۲۱۴، امداديه ملتان)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز: ۴/۲۵۱، رشيديه)

ایک روایت میں ہے: "استاذنت ربی أن أستغفر لأمی، فلم یأذن لی" (۱)۔ مسلم کی ایک اور روایت میں ہے: "ان رجلاً قال: یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وآله وسلم! أین أبی؟ قال: "فی النار" فلماقفا دعاه فقال: "إن أبی وأباك فی النار". مسلم، شامی: ۲/۶۳۳ (۲)۔

آیت: ﴿ولا تسئل عن أصحاب الجحیم﴾ بصیغۂ نہی حضورِ اکرم کے سوال: "لیت شعری ما فعل أبوای" کے جواب میں نازل ہوئی۔

تفسیر مظہری، ص: ۶۷ میں لکھا ہے کہ یہ قوی نہیں (۳) بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ پر ایمان لائے (۴)۔ "بیہقی دلائل النبوۃ" میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابن نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی ہے: "و قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وآله وسلم: "و ما افترق الناس فرقتین إلا جعلنی اللّٰہ فی

---

(۱) (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل فی الذهاب إلی زیارة القبور: ۱/۳۱۴، قدیمی)

(۲) (الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب بیان أن من مات علی الکفر فهو فی النار الخ: ۱/۱۱۴، قدیمی)

(ورد المحتار، باب نکاح الکافر، مطلب فی الکلام علی أبوي النبي صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم وأهل الفترة: ۳/۱۸۴، ۱۸۵، سعید)

(۳) "و ما ذکر البغوي أنه قال عطاء عن ابن عباس: أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم قال ذات یوم: (لیت شعری ما فعل أبواي) فنزلت هذه الآیة. و قال عبد الرزاق: أخبرني الثوري عن موسی بن عبیدة، عن محمد بن کعب القرظي عنه. وأخرج ابن جریر من طریق ابن جریج: أخبرني داؤد بن عاصم عنه، فذکرا نحوه، فلیس بمرضيّ عنده و لیس بقوي". (التفسیر المظهری، (البقرة: ۱۱۹): ۱/۱۲۰، حافظ کتب خانه کوئٹه)

(۴) " وأورد السهیلی فی الروض الأنف بسند قال: "إن فیه مجهولین عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم سأل ربه أن یحیی أبویه، فأحیاهما له، فآمنا به، ثم أماتهما. و قال السهیلی بعد إیراده: الله قادر علی کل شیء، و لیس تعجز رحمته و قدرته عن شیء، و نبیه صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم أهل أن یختص بما شاء من فضله و ینعم علیه بما شاء من کرامته". (الحاوی للفتاویٰ، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی: ۲/۲۷۸، دار الفکر بیروت)

خيرهما، فأخرجت من بين أبوين فلم يصبني شيء من عهد الجاهلية، و خرجت من نكاح و لم أخرج من سفاح من لدن آدم عليه الصلاة والسلام حتى انتهيت إلى أبي و أمي، فأنا خيركم نفساً و خيركم أباً "(۱)۔ تفسیر مظہری:۱/ ۶۷۔

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ......، ملا علی القاری، قاضی عیاض، قاضی ثناء اللہ وغیرہم نے مستقل تصانیف اس بارے میں کی ہیں اور روایات جمع کی ہیں۔

حق مذہب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نیز اس قسم کے دوسرے مسائل میں کنج وکاؤ کرنا مفید نہیں، بلکہ کسی حد تک مضر ہے لہذا توقف وسکوت بہتر ہے (۲) البتہ عمل سے شب وروز پیش آنے والے مسائل صوم وصلوۃ وغیرہ کی تحقیق مفید بلکہ ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱/ ۵۸ھ۔

ہذا صحیح: عبد اللطیف، بندہ: عبد الرحمن عفی عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱/ ۵۸ھ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد کی نجات

سوال[۱۹۵]: کتاب ''شریعت کہ جہالت'' میں مسلم شریف کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا باپ کہاں ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

---

(۱) (دلائل النبوة، باب ذكر شرف أصل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و نسبه: ۱/۱۷۴، دار الكتب العلمية)

(۲) "قال السهيلي في الروض الأنف بعد إيراده حديث مسلم : و ليس لنا نحن أن نقول ذلك في أبويه صلى الله تعالىٰ عليه و آله وسلم لقوله: "(لا تؤذوا الأحياء بسب الأموات)" وقال تعالىٰ :﴿إن الذين يؤذون الله و رسوله﴾. الاية. وسئل القاضي أبوبكر بن العربي أحد أئمة المالكية عن رجل قال: إن أبا النبي صلى الله تعالىٰ عليه و آله وسلم في النار، فأجاب بأن من قال ذلك ، فهو ملعون لقوله تعالىٰ :﴿إن الذين يؤذون الله و رسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة﴾ قال: و لا أذى أعظم من أن يقال عن أبيه أنه في النار،و من العلماء من ذهب إلى قول خامس ، وهو الوقف، قال الشيخ تاج الدين الفاكهاني في كتابه"الفجر المنير": الله أعلم بحال أبويه". (الحاوي للفتاوى، مسالك الحنفاء في والدي المصطفى : ۲/ ۲۷۹،دار الفكر)

فرمایا کہ دوزخ میں، راوی کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جواب سن کر وہ شخص واپس ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو واپس بلا کر فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں دوزخ میں ہیں (۱) کچھ لوگ اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باپ کس طرح دوزخ میں ہونگے؟ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ امید ہے کہ اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ حدیث معتبر ہے، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مسئلہ پر متعدد رسائل تصنیف کئے ہیں اور بتایا ہے کہ اس گفتگو کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد کے نجات پانے کی اطلاع آپ کو کی گئی ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد ماجد کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ پر ایمان لائے (۲)۔ سیوطیؒ کے خلاف بھی بعض علماء کے رسائل ہیں، احتیاط اور سلامتی کا راستہ ہمارے اور آپ کے لئے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کریں، آپ خود غور کریں کہ آپ کے والد کے متعلق بحث کی جائے کہ دوزخ میں ہیں یا نجات پا گئے تو آپ کو کس قدر یہ بحث گراں گزرے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً قال لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أين أبي؟ قال: "في النار". قال فلما قفى، دعاه فقال: "إن أبي و أباك في النار". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أن من مات على الكفر فهو في النار: ۱/۱۱۴، قديمي)

(۲) "المسلك الثالث: أن الله أحيا له أبويه حتى آمنا به، و هذا المسلك مال إليه طائفة كثيرة من حفاظ المحدثين وغيرهم .... وأورد السهيلي في الروض الأنف بسند قال: "إن فيه مجهولين عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم سأل ربه أن يحيي أبويه، فأحياهما له، فآمنا به ثم أماتهما. وقال السهيلي بعد إيراده: الله قادر على كل شيء، وليس تعجز رحمته و قدرته عن شيء، و نبيه صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أهل أن يختص بما شاء من فضله و ينعم عليه بما شاء من كرامته". (الحاوي للفتاوىٰ، مسالك الحنفاء في والدي المصطفى: ۲/۲۷۷، ۲۷۸، دار الفكر بيروت)

حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا بعد وفات زندہ ہونا اور کلمہ پڑھنا

سوال[۱۹۲]: ایک شخص کہتا ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قبرستان جا کرا پنے والدین کو زندہ کیا اور ان کو مسلمان کیا، یہ کونسی حدیث کا مضمون ہے؟ اگر یہ بات غلط ہے تو کہنے والا حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان رکھتا ہے یا نہیں؟ اور پھر آپ کا ہی کلمہ پڑھتا ہے یہ کیسا مسلمان ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا اللہ کے حکم سے زندہ ہونا اور کلمہ پڑھ کر انتقال کر جانا صحاح میں تو موجود نہیں، البتہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بھی روایت نقل کی ہے(۱) اس لئے اس پر تشدد نہ کیا جائے بلکہ خاموشی اختیار کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۰ھ۔

---

(۱) "وأورد السهيلي في الروض الأنف بسند قال: "إن فيه مجهولين عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها" أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم سأل ربه أن يحيي أبويه، فأحياهما له، فآمنا به ثم أماتهما. و قال السهيلي بعد إيراده: الله قادر على كل شيء، و ليس تعجز رحمته و قدرته عن شيء، و نبيه صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أهل أن يختص بما شاء من فضله و ينعم عليه بما شاء من كرامته". (الحاوی للفتاویٰ، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ: ۲/۲۷۸، دار الفکر بیروت)

(۲) "قال السهيلي في الروض بعد إيراده حديث مسلم: "وليس لنا نحن أن نقول ذلك في أبويه صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم لقوله: "لا تؤذوا الأحياء بسب الأموات" وقال تعالىٰ: ﴿إن الذين يؤذون الله و رسوله﴾ الآية. وسئل القاضي أبوبكر بن العربي أحد أئمة المالكية عن رجل قال: إن أبا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم في النار، فأجاب بأن من قال ذلك فهو ملعون، لقوله تعالىٰ: ﴿إن الذين يؤذون الله و رسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة﴾، قال: و لا أذى أعظم من أن يقال عن أبيه أنه في النار، و من العلماء من ذهب إلى قول خامس، وهو الوقف، قال الشيخ تاج الدين الفاكهاني في كتابه "الفجر المنير": الله أعلم بحال أبويه". (الحاوی للفتاوی، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ: ۲/۲۷۹، دار الفکر)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین محترمین کا ایمان

سوال[۱۹۷]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی روح پاک کو ایصالِ ثواب، صدقہ وختم قرآن کا ثواب پہونچانا چاہئے یا نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین نے کس دین پر انتقال فرمایا؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین قبر میں دوبارہ زندہ ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے، جیسا کہ مولانا عبدالحق صاحب نے ''راحۃ القلوب'' میں لکھا ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۶/ رسائل مستقل حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے متعلق تحریر کئے ہیں جن میں ایمان کو ثابت کیا ہے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تردید کی ہے، اس مسئلہ پر گفتگو مناسب نہیں، خلافِ ادب ہے(۱) جن اکابر نے گفتگو کی ہے وہ روایاتِ حدیث کی تحقیق کے سلسلہ میں کی ہے، اب کیا ضرورت باقی رہی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ۶/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ ۱۳ھ۔

عصمت انبیاء علیہم السلام

سوال[۱۹۸]: ایک عالم یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت

---

(۱) "و روى بأسانيد ضعيفة أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم دعا ربه فأحياه و آمنة أمّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، فآمَنا به. و اختار الإمام الرازى أنهما ماتا على ملة إبراهيم عليه الصلاة والسلام، والجمع أن الإحياء كرامة لهما ليضاعف ثوابهما، و قد ألف الحافظ المحقق جلال الدين السيوطى رسائل ستاً فى إثبات إيمانهما و إيمان جميع اٰباء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم إلى آدم، و تبعه محققوا المتأخرين، وعارضه علي بن سلطان القاري برسالته في إثبات كفرهما، فرأى استاذه ابن حجر مكي في منامه أن القاري سقط من سقف فانكسرت رجلاه، فقيل: هذا جزاء إهانة والدي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، فوقع كما رأى، و من أراد كشف مشكلات هذه المسئلة فلينظر في رسائل السيوطى". (النبراس، ص: ۳۱۶، امداديه ملتان)

اٹھا کر لغزشیں ہو جانے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بھی بشر ہیں، کیا یہ فرمانا اصولاً صحیح ہے؟ اب تک انبیاء کے متعلق علماء سے یہی سنا ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں، کیا اس طرح ان کی عصمت پر دھبہ نہیں آتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

انبیاء علیہم السلام کو بشر ہی سمجھا جائے (۱) خدا نہ سمجھا جائے، اس مقصد کیلئے ان سے لغزشوں کا صادر کرانا اور اپنی حفاظت کا اٹھالینا یہ ایک ایسی بات ہے کہ ان عالم صاحب سے پہلے شاید کسی نے نہ کہی ہو، نہ لکھی ہو، نہ کسی کے خیال میں آئی ہو، نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہ وجہ بیان کی گئی۔

خدا اور بشر میں فرق کرنے کیلئے عوارض بشریت اتنے ہیں کہ ان کو دیکھ کر کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ اس کیلئے لغزشوں کا صدور ضروری ہے، کھانا پینا (۲)، اونٹ پر سوار ہونا (۳)، بکری کا دودھ دوہنا، عمامہ باندھنا، سر پر تیل لگانا، عمرہ سے حلال ہوتے وقت سر منڈانا، تلوار لے کر میدان جہاد میں جانا، پتھر لگنے سے

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم يوحى إلي أنما إلهكم إله واحد﴾ (الآية: ۱۱۰، الكهف)

"عن رافع بن خديج رضي الله تعالى عنه قال: قدم نبي الله صلى الله عليه وسلم وهم يأبرون النخل، فقال: "ما تصنعون؟" قالوا: كنا نصنعه قال: "لعلكم لو لم تفعلوا كان خيراً"، فتركوه فنقصت قال: فذكروا ذلك له فقال: "إنما أنا بشر، إذا أمرتكم بشيء من رأيي فإنما أنا بشر". رواه مسلم. (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ۲۷، قديمي)

(۲) "فأما المطعم والمشرب، فلم يكن من عادته صلى الله عليه وسلم حبس النفس على نوع واحد من الأغذية لا يتعداه إلى ما سواه، فإن ذلك يضر بالطبيعة ...... جداً، بل كان يأكل ما جرت عادة أهل بلده بأكله من اللحم والفاكهة والخبز والتمر وغيرها مما ذكرناه في هديه في المأكول، فعليك بمراجعة هناك". (زاد المعاد، فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في الماكول والشرب، ص: ۸۲۱، دار الفكر بيروت)

(۳) "ومن الإبل القصواء قيل: وهي التي هاجر عليها، والعضباء، والجدعاء، ولم يكن بهما عضب ولا جدع، وإنما سميتا بذلك". (زاد المعاد، فصل في دوابه صلى الله عليه وسلم، ص: ۵۲، دار الفكر، بيروت)

مجروح ہونا، دندان مبارک شہید ہونا، بخار آنا، غسل فرمانا، نکاح کرنا، وفات پانا وغیرہ وغیرہ، یہ سب بہت کافی وافی ہیں فرق کیلئے، اس فرق کے واسطے لغزش کو تجویز کرنا بے نظیر لغزش ہے جس کی ذمہ داری خود لکھنے والے پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۲۵ھ۔

معصوم کون لوگ ہیں؟

سوال[۱۹۹]: ا......معصوم کی تعریف میں کون کون آتے ہیں، ان سے بُرے فعل کا ہونا ممکن ہے یا محال؟

۲......بے گناہ کس کس کو سمجھا جائے، ان سے برے کام کا ہونا ممکن ہے یا غیر ممکن؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور معصوم بچے سب معصوم میں داخل ہیں، ان سے بُرے فعل کا صدور جو موجب عذاب ہو ممتنع بالغیر ہے(۱)۔

۲......بے گناہ معصوم کو سمجھا جائے اس کی تشریح نمبر: ا میں آ گئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۲/۲۱ھ۔

---

(۱) "والأنبياء عليهم السلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر والكفر والقبائح يعنى قبل النبوة و بعدها". (شرح الفقه الأكبر للإمام السمرقندى، ص: ۱۳۲، ۱۳۳، قطر)

"والأنبياء عليهم السلام كلهم منزهون: أى معصومون عن الصغائر والكبائر". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۵۶، قديمى)

"(وملائكته) بأنهم عباد مكرمون لا يسبقونه بالقول و هم بأمره يعملون، وأنهم معصومون و لا يعصون الله". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۱۲، قديمى)

"عن الحسن البصرى عن على رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبى حتى يشبّ، وعن المعتوه حتى يعقل".

(جامع الترمذى: ۱/۲۶۳، أبواب الحدود، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، سعيد)

(والصحيح للبخارى: ۲/۷۹۴، باب الطلاق فى الاغلاق والكره، قديمى)

(۲) (راجع الحاشية السابقة: ۱)

کوئی غیر نبی بھی معصوم ہے؟

سوال [۲۰۰]: معصوم کا لفظ سوائے انبیاء علیہم السلام کی ذاتِ پاک کے اور کسی کے لئے بولنا و کہنا جائز ہے یا نہیں؟ یا معصوم کا لفظ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے؟ عام طور پر لوگ چھوٹے بچوں کو معصوم کہتے ہیں، کتنی عمر تک کے بچے معصوم کہلانے کے مستحق ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بچوں کو بھی معصوم کہنا درست ہے، جب تک وہ بالغ نہ ہوں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

کیا انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو نبوت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے ملی؟

سوال [۲۰۱]: انبیاء کرام علیہم علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت بالذات ہے یا بالعرض؟ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو نبوت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے عطا فرمائی ہے یا بغیر واسطے کے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حدیث "إنما أنا قاسم واللہ یعطی" (۲) نیز دیگر نصوص سے بعض عرفاء نے استدلال کرتے ہوئے

---

(۱) جب تک وہ بالغ نہ ہو تو اس کے گناہوں پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه، قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول:" رفع القلم عن ثلاثة: عن الصغير حتى يبلغ، و عن النائم حتى يستيقظ، وعن المصاب حتى يكشف عنه".

(مسند الإمام احمد بن حنبل: ۱/۱۸۷، رقم الحديث: ۹۴۳، بيروت)

"عن الحسن البصري عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، و عن الصبي حتى يشب، و عن المعتوة حتى يعقل".

(جامع الترمذي: ۱/۲۶۳، أبواب الحدود، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، سعيد)

(والصحيح للبخاري: ۲/۷۹۴، باب الطلاق في الاغلاق والكره، قديمي)

(۲) (صحيح البخاري: كتاب العلم، باب من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين: ۱/۱۶، قديمي) =

اس بات کی تصریح کی ہے کہ جملہ معارف ونعماء الٰہیہ نبوت وغیرہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کواللہ پاک نے ابتداءً عطا فرمائی ہیں، پھر آپ کے ذریعہ حسب ہدایت دوسروں کو تقسیم کی گئی ہیں (۱) اصل مہبط ومخزن ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

کیا ساتوں زمینوں میں انبیاء ہیں؟

سوال[۲۰۲]: رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''مجھ جیسا زمین کے سات طبقوں میں موجود ہے''۔روایت کیسی ہے،اگر صحیح ہے تو کیا مطلب ہے؟

= (والصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب النهي عن المسألة : ۱/۳۳۳،قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذ أخذ الله ميثاق النبيين لماآتيتكم من كتاب و حكمة، ثم جاء كم رسول مصدق لمامعكم لتؤمنن به و لتنصرنه، قال أأقررتم و أخذتم على ذلكم إصري، قالوا أقررنا، قال فاشهدوا وأنا معكم من الشاهدين﴾ (آل عمران : ۸۱)

''عن العرباض بن ساريه''عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أنه قال:'' إني عند الله مكتوب خاتم النبيين، وإن آدم لمنجدل في طينة''.(مشكوة المصابيح، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله و سلامه عليه : ۲/۵۱۳، الفصل الثاني، قديمي)

''یعنی آپ (جناب حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض، اَوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے، پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں، آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہوجاتا ہے،غرض آپ جیسے نبی الامت ہیں ویسے ہی نبی الأنبیاء بھی ہیں''۔(تحذیر الناس:ص:۴)

''اس عبارت میں مولانا موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالذات نبی کہا ہے اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو نبی بالعرض کہا ہے،اس مقام پر بالذات کا یہ معنیٰ نہیں کہ معاذ اللہ آپ کی نبوت خانہ زاد ہے اور کسی کی محتاج نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات ذاتی ہیں، کسی کی رہین منت نہیں ہیں، بلکہ حضرت مولانا موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمالاتِ نبوت براہ راست بغیر کسی کے واسطہ کے مرحمت فرمائے ہیں اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو کمالات نبوت آپ کے واسطے اور طفیل سے عنایت فرمائے ہیں''۔

''تحذیر الناس'' کی اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے، پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں''۔(عبارات اکابر،ص:۱۲۶،مکتبہ صفدریہ)

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے، البتہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر موقوف ہے(۱)، اس پر حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ''تحذیر الناس'' میں اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے ''مجموعہ فتاویٰ'' کے شروع میں تفصیل سے کلام کیا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

انبیاء علیہم السلام کے دین کا نام

سوال[۲۰۳]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء علیہم السلام گذر گئے ان کے دینوں کا نام کیا تھا؟ یعنی جس طرح ہمارے دین کا نام اسلام ہے اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے جتنے نبی اور رسل گذر گئے ان کے دین کا نام کیا تھا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے دین کا نام بھی اسلام ہے ﴿هو سمّاكم المسلمين من قبل﴾ الآية (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۶ھ۔

---

(۱) "و أخرج ابن جرير، و ابن أبي حاتم، والحاكم و صححه، والبيهقي في الشعب، وفي الأسماء والصفات عن أبي الضحى عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في قوله: (و من الأرض مثلهن) قال: سبع أرضين، في كل أرض نبي كنبيكم، و آدم كآدم، ونوح كنوح، و إبراهيم كإبراهيم، و عيسى كعيسى. قال البيهقي: إسناده صحيح، و لكنه شاذ، لا أعلم لأبي الضحى عليه متابعاً". (الدر المنثور، (الطلاق : ۱۲) : ۶/۲۳۸، مؤسسة الرسالة)

(۲) عبارت طویل ہونے کی بناء پر نقل نہیں کی گئی، لہٰذا دیکھئے: (مجموعة الفتاویٰ (اردو)، کتاب العقائد، بموجب حدیث: "إن الله خلق سبع أرضين اهـ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مماثل اور چھ پیغمبروں کے قائل کا حکم، سعید)

(۳) (الحج: ۷۸) =

انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا طریقہ

سوال[۲۰۴] : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب مفتی صاحب! نیچے لکھے ہوئے مسئلہ کا جواب باً دلہ تحریر فرمائیں۔

کہ سب آدمی جس جگہ سے پیدا ہوتے ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس جگہ سے پیدا ہوئے یا کہ ناف مبارک سے؟ ہمارے اس دیار میں اس مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے، چند عالم کہتے ہیں کہ جمیع انسان جس جگہ سے پیدا ہوتے ہیں، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اسی جگہ سے پیدا ہوئے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ ناف مبارک سے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"عن همام ابن يحيى عن إسحق بن عبد الله أن أم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قالت: لما ولدته، خرج من فرجي نور أضاء له قصور الشام، فولدته نظيفاً ما به قذر"۔ رواه ابن سعد" خميس :۱/۲۰۳(۱)۔

اس روایت کو نقل کرکے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:"**این صریح است در آنکہ ولادت از طریقِ معتاد بود کہ سائر زنان راباشد، و حدیث دیگر نیز کہ درو ے آمدہ :** "فأخذني المخاض "**کہ بمعنی دردزہ است، نیز ظاہر در آنست** ". مدارج النبوۃ:۲/ ۱۹۔اس سے معلوم ہوا کہ ولادت اس جگہ سے ہوئی جس جگہ سے سب کی ہوتی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق نہایۃ الامل،ص:۵۹ میں دو قول اَور بھی لکھے ہیں:اول یہ کہ ناف سے کچھ نیچے ایک سوراخ پیدا ہوا جس سے ولادت ہوئی، پھر وہ فوراً بند ہو گیا، دوم یہ کہ بائیں پسلی کے

= وقال الله تعالىٰ: ﴿و وصى بها إبراهيم بنيه و يعقوب يبنيّ إن الله اصطفى لكم الدين فلا تموتن إلا و أنتم مسلمون﴾. (البقرة: ۱۳۲) حضرت ابراهیم علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام کے ادیان کا نام چونکہ قرآن و حدیث میں نہیں تھا،اس لئے حضرت مفتی صاحب نے جواب میں ان کے متعلق کچھ نہیں فرمایا۔

(۱) (تاريخ الخميس في أحوال أنفس نفيس، ذكر بعض ما وقع حين الولادة: ۱/۲۰۳،مؤسسة شعبان)

نیچے (خاصرہ) سے ولادت ہوئی۔قول اول جمیع انبیاء میں مشترک ہے،قولِ ثانی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے،مگر دلیل میں کوئی روایت پیش نہیں کی۔

بطریقِ ولادت معتاد کا سختی سے انکار کیا ہے،لیکن اس نوع کی بحث کرنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ رفیع کے خلاف اور اساءتِ ادب ہے،لہذا اس سے سکوت چاہئے۔فقط۔

محمود گنگوہی عفی عنہ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف،مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نبیوں کی تعداد کتنی ہے؟

سوال[۲۰۵]: دنیا میں حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں؟ان کا شمار قرآن وحدیث میں ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چند انبیاء کے نام قرآن وحدیث میں آئے ہیں،بعض روایات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا عدد بتلایا گیا ہے،جیسا کہ ملا علی القاری وغیرہ نے تحریر فرمایا ہے،بغیر گنتی کی تعیین کے جس کو بھی اللہ پاک نے نبی بنا کر بھیجا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۴/۷/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "و قد ورد في مسند أحمد رحمه الله تعالیٰ (أنه علیه السلام سئل عن عدد الأنبیاء علیه الصلاة والسلام، فقال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً، والرسل منهم ثلاث مائة و ثلاثة عشر، أولهم آدم علیه الصلاة والسلام، و آخرهم محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم)" و هو لا ینافي قوله تعالیٰ: ﴿و لقد أرسلنا رسلاً من قبلك منهم من قصصنا علیك و منهم من لم نقصص علیك﴾ فإن ثبوت الإجمال لا ینافي تفصیل الأحوال، نعم الأولی أن لا یقتصر علی الأعداد، فإن الآحاد لا تفید الاعتماد في الإعتقاد، بل یجب کما قال الله تعالیٰ: ﴿کل آمن بالله و ملائکته و کتبه و رسله﴾ أن یؤمن إیماناً إجمالیاً من غیر تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائکة والکتب والأنبیاء وأرباب الرسالة من الأصفیاء". (شرح الفقه الأکبر للملا علی القاري، ص: ۵۷، قدیمی) .... =

تعداد انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام

سوال[۲۰۲]: کل کتنے انبیاء اس دنیا میں آئے؟ صحیح تعداد معلوم نہ ہوسکی، اگر صحیح تعداد کی تصدیق کسی کتاب سے ثابت ہے تو اس کتاب کا نام وحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی آیت قرآنیہ میں تعداد مذکور نہیں، بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سوا لاکھ کے قریب آئے، قطعیت کے ساتھ عدد کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔ شرح فقہ اکبر (۱) شرح مقاصد (۲) شرح عقائد (۳)

= "وقد روى بيان عددهم في بعض الأحاديث على ما روي أن النبي عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبياء فقال" مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً" و في رواية: "مائتاألف وأربع و عشرون ألفاً". والأولى أن لا يقتصر على عدد في التسمية، فقد قال الله تعالىٰ: ﴿ منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك﴾ و لا يؤمن في ذكر العدد أن يدخل فيهم من ليس منهم إن ذكر عدد أكثر من عددهم، أو يخرج منهم من هو فيهم إن ذكر أقل من عددهم: يعنى أن خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط المذكورة في أصول الفقه لا يفيد إلا الظن، و لا عبرة بالظن في باب الاعتقاد يات خصوصاً إذا اشتمل على اختلاف رواية، و كان القول بموجبه بما يفضي إلى مخالفة ظاهر الكتاب، وهو أن بعض الأنبياء لم يذكر للنبي عليه الصلاة والسلام، و يحتمل مخالفة الواقع وهو عد النبي من غير الأنبياء بناءً على أن إسم العدد اسم خاص في مدلوله لا يحتمل الزيادة والنقصان ". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۰۱ المطبع اليوسفي)

(وكذا في النبراس : ۲۸۱، امدايه ملتان)

(۱) "و قد ورد: أنه عليه السلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم السلام فقال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً) و في رواية: "مائتا ألف و أربعة و عشرون الفاً". إلا أن الأولى أن لا يقتصر على عدد فيهم". (شرح الفقه الاكبر للملا على القاري : ص: ۵۶. ۵۷، قديمى)

(۲) "يعنى قد ذكر في بعض الأحاديث بيان عدد الأنبياء والرسل على ما روى عن أبي ذر الغفاري رضى الله تعالىٰ عنه أنه قال: قلت لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : كم الأنبياء ؟ فقال : "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً". فقلت: كم الرسل ؟ فقال: "ثلاثمائة وثلاثة عشر جماً غفيراً" ،لكن ذكر بعض =

مرقاۃ شرح مشکوۃ وغیرہ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۲/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/ ۸۹ھ۔

تعدّد آدم علیہ السلام

سوال[۲۰۷]: میں نے بچشم خود کئی تواریخ میں دیکھا ہے اب وہ تاریخ یاد نہیں، بہت غور وخوض کرتا ہوں مگر حافظہ کام نہیں کرتا، اس میں یہ حدیث لکھی تھی: "عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "إن اللّٰہ تعالیٰ خلق مائتی ألف ادم"۔ راوی سابق اور کتاب کا حوالہ یاد نہیں، یہاں تک لکھا تھا کہ آدم کی اولاد ۴۵/ اور ۵۰/ ہزار سال اس زمین پر حکمراں رہی، اس کے بعد بوجہ معصیت نیست ونابود ہوتی رہی، کیا یہ حدیث صحیح ہے یا میں بھولتا ہوں؟

= العلماء أن الأولی أن لا یقتصر عددهم، لأن خبر الواحد علی تقدیر اشتماله علی جمیع الشرائط لا یفید إلا الظن، ولا یعتبر إلا فی العملیات دون الاعتقادات، و ههنا حصر عددهم یخالف ظاهر قوله تعالیٰ: ﴿منهم من قصصنا علیک و منهم من لم نقصص﴾ (غافر: ۷۸) (شرح المقاصد، المقصد السادس فی السمعیات، فصل فی النبوة: ۳/۳۱۷، دارالکتب العلمیه)

(۳) "(و قد روی بیان عددهم فی بعض الأحادیث) علی ما روی أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم سئل عن عدد الأنبیاء فقال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً" و فی روایة: "مائتا ألف وأربع وعشرون ألفاً" والأولی أن لا یقتصر علی عدد فی التسمیة، فقد قال اللہ تعالیٰ: ﴿منهم من قصصنا علیک و منهم من لم نقصص علیک﴾. (شرح العقائد النسفیة للتفتازانی، ص: ۱۳۹، قدیمی)

(۱) "قال: أبو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنه قلت: یا رسول اللہ! کم وفاء عدة الأنبیاء؟: أی کم کمال عددهم قال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفا، والرسل من ذلک ثلاث مائة و خمسة عشر جماً غفیراً". العدد فی هذا الحدیث وإن کان مجزوماً به، لکنه لیس بمقطوع، فیجب الإیمان بالأنبیاء والرسل مجملاً من غیر حصر فی عدد، لئلا یخرج أحد منهم و لا یدخل أحد من غیرهم فیهم". (مرقاة المفاتیح، کتاب الفتن، الفصل الثالث: ۹/۱۳۷، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، آداب الصلاة، مطلب فی عدد الأنبیاء والرسل علیهم السلام: ۱/۵۲۷، سعید)

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ حدیث کتب صحاح میں موجود نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

سیدنا آدم علیہ السلام کی سب اولاد سید کیوں نہیں؟

سوال [۲۰۸]: میری نظر سے ایک رسالہ میں مندرجہ ذیل سوال گزرا، اس میں جواب بھی ہے، مگر جواب سوال سے موافقت نہیں کر رہا ہے، سوال کا جواب عام مسلمانوں کے لئے سمجھنا نہایت ضروری ہے، لہذا میں جناب سے مخلصانہ گذارش کروں گا کہ سوال مندرجہ ذیل کا مکمل جواب بالکل سادہ اور سلیس زبان میں مدلل واضح اور صاف طور پر تحریر فرمائیں تا کہ عام مسلمان بخوبی سمجھ سکیں۔

سوال یہ ہے کہ اس بات کو دنیا بخوبی جانتی ہے کہ سب کے باپ یعنی ساری دنیا کے باپ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام ہیں، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے والد ماجد یعنی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام ہیں، ہمارے باپ سید ہیں تو اولاد بھی سید ہونا چاہئے، لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ باپ سید ہوں تو اولاد کوئی سید ہے، کوئی موچی ہے، کوئی قریشی ہے، کوئی راجپوت ہے، کوئی خان صاحب ہے وغیرہ۔ یہ کیوں، کوئی کچھ کوئی کچھ؟ اگر ہمارے باپ سیدنا آدم علیہ السلام ہیں تو ساری کی ساری اولاد بھی سید ہونی چاہئے مگر ایسا نہیں ہے یہ کیوں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

لفظ ''سید'' کے دو معنیٰ ہیں: ایک معنیٰ ہیں آقا، سردار، واجب الاطاعت، اس اعتبار سے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو ''سیدنا'' کہا جاتا ہے اور ان کی اولاد میں سے جو بھی پیغمبر اور واجب الاطاعت ہوئے سب کو ہی سیدنا کہتے ہیں جیسے سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام وغیرہ اور جو واجب الاطاعت نہیں ہوئے ان کو سیدنا نہیں کہا جاتا ہے۔ جن صفات و کمالات کی وجہ سے باپ واجب الاطاعت ہے اور سیدنا کہلانے کا مستحق ہے اس کی جس اولاد میں وہ صفات و کمالات ہوں وہ اولاد بھی واجب الاطاعت ہوگی اور سیدنا کہلانے کی مستحق ہوگی، اور جس اولاد میں وہ صفات و کمالات نہ ہوں وہ نہ تو واجب الاطاعت ہوگی اور نہ سیدنا کہلانے کی مستحق ہوگی (۱) (ہوسکتا ہے کہ جرائم کی وجہ سے وہ مستحق سزا ہوجائے)۔ بادشاہ کی تمام اولاد بادشاہ

(۱) ''(السید): المالک، والملک، والمولی، ذو العبید والخدم، والمتولی للجماعة الکثیرة و کل من =

نہیں ہوا کرتی۔

دوسرے معنی سید کے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئی، وہ اور ان کی اولاد باعتبار نسب کے سید ہیں، وہ جو بھی پیشہ اختیار کرلیں گے اس کی وجہ سے ان کا نسب نہیں بدلے گا سید ہی رہیں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

تخلیق بنی آدم پر اشکالات

سوال [۲۰۹]: کٹنگ اخبار منسلک ہے، مجھے اتنی قرآن پاک کی معلومات نہیں، اس لئے آپ کی

= افترضت طاعته". (المعجم الوسيط: ۱/۴۶۱، الطبعة الثانية خسرو مهران، ايران)

(۱) "السيد: ذوالسيادة، قد يخفف فيقال: سيد، والعامة تكسر العين فيه، وعند النصارى لقب المسيح، وعند المسلمين: من كان من السلالة النبوية السيدان: الحسن والحسين ابنا علي". (المنجد، ص: ۳۶۱، المطبعة الكاتوليكية)

(وكذا في المنجد من العربية إلى الاردية: ص: ۵۰۰، دار الاشاعت)

"السيد: لقب تشريف يخاطب به الأشراف من نسل الرسول". (المعجم الوسيط: ۱/۴۶۱، الطبعة الثانية، خسرو مهران، ايران)

"فإن العلماء ذكروا أن من خصائصه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ينسب إليه أولاد بناته، فالخصوصية للطبقة العليا، فأولاد فاطمة الأربعة: الحسن والحسين و أم كلثوم و زينب ينسبون إليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و أولاد الحسين ينسبون إليهما، فينسبون إليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأولاد زينب و أم كلثوم ينسبون إلى أبيهم لا إلى أمهم، فلا ينسبون إلى فاطمة و لا إلى أبيها صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؛ لأنهم أولاد بنت بنته لا أولاد بنته، فيجرى فيهم الأمر على قاعدة الشرع الشريف في أن الولد يتبع أباه في النسب لا أمه، وإنما خرج أولاد فاطمة وحدها للخصوصية التي ورد بها الحديث .... والمراد بالحديث ما أخرجه أبو نعيم وغيره: "كل ولد آدم فإن عصبتهم لأبيهم ما خلا ولد فاطمة، فإني انا أبوهم و عصبتهم". (رد المحتار، كتاب الفرائض، باب الوصية للأقارب وغيرهم: ۶/۶۸۵، سعيد)

عنایت کی ضرورت ہے، پورے اسلام کے علماء کو چیلنج کیا ہے صرف ایک انسان نے اور ہر عالم اور مفتی اور مولانا مولوی جو بھی ہوں سب کو اس پرچہ کا جواب دینا بہت ضروری ہے۔

مذہب کو اگر موجودہ زمانہ کی روشنی میں پیش نہیں کیا گیا تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ ایک صاحب نے کہا کہ ''مذہب کی بنیاد ہی خوف پر ہے، ساری چیزیں اس خوف کے گرد گھومتی رہتی ہیں، اللہ بھی اپنی توحید کا اقرار خوف ہی کے ذریعہ کراتا ہے یعنی اگر تم مجھے نہیں مانو گے تو دوزخ میں ڈال دوں گا، اللہ نے قیامت کا دن رکھا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس دن سب اعمال تولے جائیں گے لیکن اس دن کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ نہایت خوفناک ہے، اللہ کہتا ہے کہ میں تمہاری عبادتوں کا محتاج نہیں ہوں، اگر وہ انسانوں سے بے نیاز ہے تو پھر انسانوں کو بنایا کیوں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کو چاہتا ہوں ہدایت دیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں گمراہ کرتا ہوں، اگر اللہ کو ان کی ضرورت نہیں تو پھر لاکھوں رسولوں کو بھیجا کیوں؟ انھیں بار بار کیوں ڈرایا؟ فرشتوں کی طرح ان کو غلام بنالیتا تو اس قسم کے ڈروں کی کیا ضرورت تھی؟

سزا کے لیے دوزخ کیوں بنائی؟ اللہ میاں کہتے ہیں کہ میں بڑا رحیم و کریم ہوں پھر لاکھوں انسانوں کو دوزخ میں ڈالنا کیا رحیمی اور کریمی ہے'' (نعوذ باللہ) اور اس قسم کے سینکڑوں اعتراضات ہیں مثلاً انسان کو پیدا کیوں کیا؟ فرشتوں کو کیسے معلوم ہوا کہ انسان پیدا ہوگا، اللہ اس کو جنت میں رکھے گا، وہاں شیطان بہکائے گا، پھر اللہ سزا کے طور پر آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام کو زمین پر پھینک دیگا، آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد ہوگی، یہ قتل وخونریزی کرے گی، کیا یہ انصاف ہے کہ شیطان کے دام میں پھنسادے اور قیامت کے دن دوزخ میں ڈال دے! غرض ایسے ہی سوالات کئے گئے ہیں میں سنتا رہا اور آپ کو سنا رہا ہوں، کیا ان سوالات کا مولوی صاحب کے پاس جواب ہے جس کو نوجوان قبول کرسکیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ سوالات آج ان نوجوانوں کے دماغ میں نئے پیدا نہیں ہوئے، بلکہ بہت پرانے ہیں اور ان پر صدیاں گزر چکی ہیں، تفسیر کبیر، بیضاوی (۱) وغیرہ میں موجود ہیں۔ علماء اسلام نے اردو میں بھی ان کو تفصیل سے

---

(۱) ''ويدل على ذلك وجوه: أحدها: أن قولهم (أتجعل فيها)، هذا اعتراض على الله تعالىٰ، وذلك من أعظم الذنوب، وثانيها: أنهم طعنوا في بني آدم بالفساد والقتل، وذلك غيبة، والغيبة من كبائر الذنوب =

لکھ کر جوابات دیئے ہیں، تفسیر حقانی (۱)، تفسیر بیان القرآن وغیرہ میں مذکور ہیں (۲)۔ ''اکسیر فی اثبات التقدیر، شفاء المرتاب، اشرف الجواب، اسلام اور سائنس'' وغیرہ مستقل کتابیں بھی اس قسم کے شبہات واعتراضات کے لئے عرصہ ہوا شائع ہوچکی ہیں، اگر یہ نوجوان طبقہ نہ ان کتابوں کو دیکھے، نہ علماء محققین کے پاس جاکر جوابات حاصل کرے، نہ علومِ اسلامیہ کو پڑھے، نہ اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھے، نہ اہلِ تحقیق کے وعظ سنے، نہ ان کے جلسوں میں جائے، بلکہ ان اعتراضات کو اپنی زندگی کا مشغلہ بنالے اور ان سے تفریح لیتا رہے، تو پھر وہ خود ہی ذمہ دار ہے، آپ نے چونکہ پہلے کبھی یہ سوالات نہیں سنے تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ گہرا تعلق عطا فرمایا ہے، اس لئے آپ کو یہ سوالات اجنبی معلوم ہوئے اور قلب میں کلفت محسوس ہوئی۔ اللہ پاک آپ کے تعلق اسلام اور جذبۂ خیر میں ترقی وپختگی عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

= الخ...... وثانيها لو كان الفساد والقتل فعلاً لله تعالىٰ لكان يجب أن يكون الجواب أن يقول: إني مالك أفعل ماأشاء الخ". (التفسير الكبير، (البقرة: ۳۰): ۲/۱۶۶-۱۶۷، دارالكتب العلمية طهران)

"(قالوا أتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء) تعجب في أن يستخلف لعمارة الأرض وإصلاحها من يفسد فيها ...... والمعنى أتستخلف عصاة ونحن معصومون أحقاء بذلك، والمقصود منه الاستفسار عما رجحهم مع ماهو متوقع منهم على الملائكة المعصومين في الإستخلاف لا العجب والتفاخر". (التفسير للبيضاوي، (البقرة: ۳۰): ۶۳، ۶۴، سعيد)

(۱) ''مگر اس کے ساتھ جب ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا خمیر اور مادہ ایسے اجسام مختلف الطبائع سے ہوگا کہ جن کو قوت شہویہ اور غضبیہ لازم ہے کہ جس سے خواہ مخواہ زنا وغیرہ فساد ظہور میں آتا ہے تو بڑا تعجب ہوا کہ جس میں دو بڑی قوتیں اور ایک قوت عقلیہ عمدہ ہو، اسکا تو پیدا کرنا بھی مقتضی حکمت نہیں چہ جائیکہ اس کو خلیفہ بنادیا جائے پس اس لئے (نہ اعتراض ومباحثہ اور حسد کے طور پر بلکہ) نہایت عجز وانکسار سے یہ سوال کیا کہ یاالٰہی! جب اس کا یہ حال ہے تو پھر اس کو خلیفہ بنانا اس میں کیا حکمت ہے''؟ (تفسير حقانى (البقرة: ۳۰): ۱/۱۵۴، مير محمد)

(۲) ''خلاصہ یہ ہے کہ جب کام کرنیوالوں کا ایک گروہ موجود ہے تو ایک نئی مخلوق کو جن میں کوئی کام کا ہوگا کوئی نہ ہوگا، اس خدمت کے لئے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بطور اعتراض کے نہیں کہا نہ اپنا استحقاق جتلایا جوان مقدس خدمت گزاروں پر شبہات پیدا ہوں''۔ (تفسير بيان القرآن، (البقرة: ۳۰): ۱/۱۷، ۱۸، تاج پبلشرز دهلى)

شیطان نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو کس طرح بہکایا؟

سوال[۲۱۰]: حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو بہکانے کے لئے شیطان جنت میں کیسے داخل ہوا، جبکہ شیطان کا داخلہ جنت میں ناممکن ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس میں ایک قول یہ ہے کہ شیطان کے لئے جنت سے نکل جانے کا فیصلہ تو ہو چکا تھا، مگر اس کا نفاذ نہیں ہوا تھا اس لئے اس کو موقع مل گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے وسوسہ ڈالا، اس کے لئے وہاں موجود ہونا ضروری نہیں تھا، دور سے بھی وسوسہ ڈال سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام سے متعلق ایک عقیدہ

سوال[۲۱۱]: ایک شخص حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کا امتحان دراصل اس بات میں تھا کہ ایک دن عبادت کے لئے انہوں نے اس طرح خاص کرلیا تھا کہ اس دن وہ مخلوق سے بے تعلق ہوجاتے تھے، ایک صوفی مرتاض کی ایسی گوشہ نشینی اور ترک علائق کو تو پسندیدہ کہا جاسکتا ہے لیکن ایک خلیفۂ وقت اور مسلمانوں کے سیاسی امیر کے لئے گوشہ نشینی اور وہ پورے ایک دن کے لئے کسی طرح موزوں نہیں کہی جاسکتی تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس شخص کا یہ عقیدہ ہے، اگر وہ زندہ ہے تو خود اس سے دریافت کیا جائے، اگر زندہ نہیں ہے تو اس نے جس کتاب میں اپنا یہ عقیدہ لکھا ہے، وہ کتاب یہاں بھیج دی جائے یا اس کتاب کا نام مطبع صفحہ لکھ دیں تا کہ اس کو دیکھ کر جواب لکھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

(۱) "وأنه كيف توصل إلى إزلا لهما بعدماقيل له: (أخرج منها،فإنك رجيم) فقيل: إنه منع من الدخول =

کیا حضرت عیسی علیہ السلام وفات پاگئے ہیں؟

سوال[۲۱۲]: ۱.....کیا قرآن کریم سے حضرت عیسی علیہ السلام کا چوتھے آسمان پر مجسم اٹھایا جانا ثابت ہے اور پھر زمین پر اترنا؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر وہ آیت نقل فرمادیں۔

۲.....ہمارے یہاں مسلمانوں میں یہ جھگڑا چل رہا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام وفات شدہ ہیں یا حیات، از روئے قرآن درست کیا ہے؟

۳.....زید کہتا ہے کہ توفی باب تفعل سے ہے اور اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور حضرت عیسی ذی روح ہیں اور مفعول ہیں، ایسی صورت میں توفی کے معنی سوائے قبض روح کے اور کچھ نہیں ہوتے، اس کے خلاف قرآن سے کوئی مثال دیجئے۔

۴.....زید کہتا ہے کہ قرآن مجید، احادیث، تفاسیر اور محاورۂ عرب کی رو سے لفظ ''رفع'' جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف یا کسی انسان کی نسبت بولا جائے گا، تو اس کے معنی ہمیشہ بلندئ درجات اور قرب روحانی کے ہوتے ہیں۔

گذارش ہے کہ کلام عرب سے کوئی ایسی مثال دیں کہ لفظ رفع کا فاعل اللہ تعالیٰ مذکور ہو اور کوئی ذی روح اس کا مفعول ہو اور رفع کے معنی جسم سمیت آسمان پر اٹھالینے کے ہیں۔

المستفتی:.....ضلع سنگھ محلّہ بڑا کنواں قصبہ بگھیرہ، ضلع مظفر نگر۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جواب سے پہلے اولاً بطور تمہید ایک بات ذہن نشین کرلیں، اس کے بعد جواب سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

اصالۃً ہدایت کا سرچشمہ قرآن پاک ہے: ﴿هدیً للناس﴾ (۱) لیکن اس میں عموماً بنیادی اصول دینی امور کو بطور ضابطہ کلیہ مختصراً بیان کیا گیا ہے، تفصیلات وتشریحات کا بیان کرنا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد ہے: ﴿لتبين للناس ما نزل إليهم﴾ (۲)۔

= علی جهة التكرمة كما كان يدخل الملائكة، ولم يمنع أن يدخل للوسوسة ابتلاءً لآدم وحواء، وقيل: قام عند الباب فناداهما.". (تفسير البيضاوي، (البقرة: ۳۶) ، ص: ۲۹، سعيد)

(۱) (البقرة: ۱۸۵)

(۲) ﴿ وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم﴾. (سورة النحل: ۴۴)

مثال:۱ قرآن پاک میں ہے﴿أقیموا الصلوة﴾(۱) نماز قائم کرو،اس کی پوری تفصیل کہ کس نماز میں کتنی رکعات ہیں یا کس رکعت کے بعد قعدہ ہے یا کس رکعت میں صرف ''الحمد'' پڑھی جاتی ہے،کس میں آہستہ سے قرأت کی جاتی ہے اور کس میں آواز سے اور کس میں سورۃ ملائی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ،حتی کہ کس نماز کے وقت کی ابتدا کب سے ہے،انتہا کہاں پر ہے،اس سب کا براہ راست قرآن کریم سے بغیر حدیث کی مدد کے سمجھنا دشوار ہے،اس کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

مثال:۲ ﴿وآتوا الزکوة﴾(۲) اور زکوۃ ادا کرو۔اس کی تفصیل کہ چاندی کی کتنی مقدار میں زکوۃ لازم ہے،سونے کی کتنی مقدار میں،بکری،گائے،اونٹ وغیرہ کی کس حساب سے زمین کی پیداوار میں کس حساب سے،یہ سب احادیث سے معلوم ہوئی،قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں۔

مثال:۳ ﴿ولله علی الناس حج البیت﴾(۳) اور لوگوں کے ذمہ اللہ کے گھر کا حج کرنا لازم ہے۔اس کی تفصیل کہ طواف کا کیا طریقہ ہے،کتنے چکر ہیں،عرفات،مزدلفہ،منیٰ،رمی جمار وغیرہ کے مسائل کو حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے حدیث شریف کی روشنی حاصل کرنا ضروری ہے،حدیث سے بے نیاز ہوکر قرآن شریف کو صحیح طور پر سمجھنا ناممکن ہے،امت کو حکم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تفصیلات کے تحت قرآن شریف سے ہدایت حاصل کریں،اسی سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہی اطاعت ہے:﴿و من یطع الرسول فقد أطاع الله﴾(۴) جس نے رسول

---

(۱) (سورة البقرة:۴۳)

(۲) (سورة البقرة: ۴۳)

(۳) (سورة آل عمران :۹۷)

(۴) (سورة النسآء :۸۰)

"قال العلامة علی القاری فی تشریح قوله علیه السلام : "لا ألفین أحدکم متکئاً علی أریکته، یأتیه الأمر من أمری مما أمرت به أو نهیت عنه، فیقول: لا أدری ما وجدنا فی کتاب الله اتبعناه": والمعنی لا یجوز الإعراض عن حدیثه علیه السلام؛ لأن المعرض عنه معرض عن القرآن". (مرقاة المفاتیح: ۱/۴۰۰،۴۰۱،رشیدیه)

کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔اس لئے کہ یہ تفصیل وتشریح بھی وحی ہی کے ذریعہ ہے: ﴿و ما ینطق عن الهویٰ إن هو إلا وحی یوحیٰ﴾(۱)۔

قرآن پاک عربی میں نازل ہوا،صحابہ کرام عربی زبان اور محاورات کو خوب سمجھتے تھے،ان کی مادری زبان تھی مگر یہ نہیں فرمایا گیا کہ جس طرح تمہاری سمجھ میں قرآن سے آئے اس طرح نماز پڑھا کرو بلکہ ارشاد ہے "صلوا کما رأیتمونی أصلی" (بخاری شریف:۱۰۷۲)(۲) یعنی جس طرح تم مجھ کو (حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو) نماز پڑھتا دیکھو اسی طرح نماز پڑھو۔

الحاصل یہ سمجھنا غلط ہے کہ ہر چیز کی پوری تفصیل وتشریح قرآن پاک میں ہے،حدیث کی ضرورت نہیں،اور یہ مطالبہ قابل تسلیم نہیں کہ ہر چیز کو صرف قرآن سے ثابت کیا جائے اور حدیث کی طرف التفات نہ کیا جائے اور یہ بات کہ جو چیز پوری تفصیل کے ساتھ قرآن پاک میں مذکور نہ ہو اور احادیث سے ثابت ہو،وہ قابل تسلیم نہیں،صحیح نہیں بالکل غلط ہے،ورنہ صلوۃ،زکوۃ،حج اور اس طرح بے شمار دینی امور کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔
اس بنیادی تمہید کے بعد آپ کے سوالات کا جواب عرض ہے۔

۱.....قرآن کریم میں رفع عیسی کا مختصراً تذکرہ ہے(۳) جیسے کہ ﴿آتوا الزکوۃ﴾ میں زکوۃ کا تذکرہ ہے،باقی تفصیلات احادیث کے سپرد ہیں،اسی طرح پر زمین پر اترنا بڑی تفصیل کے ساتھ احادیث میں مذکور ہے اور یہ احادیث درجۂ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں،جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس کی تصریح فرمائی ہے(۴)۔نیز حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں تصریح کی ہے(۵) نیز حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر

---

(۱)(النجم :۳،۴)

(۲)(صحیح البخاری، کتاب الآذان، باب الآذان للمسافر إذا کانوا جماعةً: ۱/۸۸، قدیمی)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ماقتلوہ یقیناً بل رفعه اللہ﴾(النساء :۱۵۷)

(۴)(فتح الباری :۶/۴۹۰،کتاب الأنبیاء، باب نزول عیسی، بیروت)

(۵) "فهذه أحادیث متواترة عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم من روایة أبی هریرة و ابن مسعود وعثمان بن أبی العاص و أبی أمامة والنواس بن سمعان و عبد اللہ بن عمرو بن العاص ومجمّع بن حارثة وأبی شریحة و حذیفة بن أسید رضی اللہ تعالیٰ عنهم، و فیها دلالة علی صفة نزوله و مکانه أنه بالشام بل بدمشق عند المنارة الشرقیة .... الخ". (تفسیر ابن کثیر، (النساء): ۱/۵۰۰،دارالقلم)

میں لکھا ہے: "أما رفع عیسی فاتفق أصحاب الأخبار والتفسیر علی أنه رفع ببدنه" (۱)۔ حافظ ابن کثیر نے دس صفحات میں وہ احادیث جمع کی ہیں جس میں حضرت عیسی علیہ السلام کا زندہ مع جسم عنصری کے آسمان پر موجود ہونا، قرب قیامت میں ان کا اترنا مذکور ہے (۲)۔

دونوں چیزیں: حضرت عیسی علیہ السلام کا مع جسم عنصری کے زندہ اٹھایا جانا اور قرب قیامت کے زمین پر اترنا، اجماعی، اتفاقی، قطعی ہیں، ان میں اختلاف نہیں۔ گذشتہ صدی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اس اجماعی عقیدہ کی مخالفت کی ہے اور تیرہ سو سال کے اجماعی عقیدہ کو غلط کہا ہے جس کی تردید میں مستقل کتابیں تصنیف کر کے دلائل جمع کر دیئے گئے۔

۲......ان کا اٹھایا جانا قرآن پاک میں ہے (۳) تشریح احادیث میں ہے (۴) جیسا کہ جواب نمبر: ۱ میں گزرا، اس کے خلاف کا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔

۳......زید کا لفظ "توفی" کے متعلق یہ دعوی کہاں سے ماخوذ ہے؟ اس کے بالمقابل یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں لفظ توفی باب تفعل سے آئے اور اللہ تعالی فاعل ہے اور معین شخص (عیسی) مفعول ہیں تو اس کے معنی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لینے کے ہوں گے، اس کے خلاف کوئی ثابت ہی نہیں کر سکتا تو کیا زید کے پاس اس کے خلاف کا ثبوت ہے۔

علاوہ ازیں جب کہ زندہ جسم عنصری کے ساتھ خاص طریقہ سے آسمان پر اٹھا لینے کا واقعہ بطور معجزہ وخرق

(۱) (التلخیص الحبیر، کتاب الطلاق، رقم: ۱۶۰۷، ۱۲۵۶/۴، مکتبہ نزار مصطفی الباز)

(۲) دیکھئے: (تفسیر ابن کثیر (النساء): ۶۹۶/۱، دار القلم)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إذ قال الله یاعیسی إني متوفیک و رافعک إليّ﴾ (آل عمران: ۵۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿و ماقتلوه یقیناً بل رفعه الله﴾ (النسآء: ۱۵۷)

(۴) "ان سعید ابن المسیب سمع أباهریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "والذی نفسی بیده لیوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم مقسطاً، فیکسر الصلیب، و یقتل الخنزیر، ویضع الجزیة". (صحیح البخاری: ۲۹۶/۱، کتاب البیوع، باب قتل الخنزیر، قدیمی)

(وسنن ابن ماجه، ص: ۳۰۸، قدیمی)

(ومسند احمد بن حنبل: ۴۰۶/۲، رقم الحدیث: ۹۰۱۷، بیروت)

عادت صرف ایک دفعہ ایک شخص کے ساتھ پیش آیا ہے تو پھر اس کی نظیریں تلاش کرنا یا نظیروں کا مطالبہ کرنا بے محل ہے۔ (حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو معراج جسمانی ہوئی، اس کی شان جداگانہ ہے)۔

قرآن پاک میں ہے: ﴿الله يتوفى الأنفس حين موتها والتي لم تمت في منامها﴾ (۱) آیت پاک میں اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور ذی روح مفعول ہے، کیا یہاں بھی "يتوفى" موت کے معنی میں ہے اور نوم کی حالت میں روح قبض ہو جاتی ہے، اور کیا سونے والے پر میت کے احکام: نماز جنازہ، تدفین، عدتِ زوجہ، تقسیم میراث وغیرہ سب جاری ہوں گے؟

یہاں تک لفظ "توفی" کے متعلق زید کے مخصوص نظریہ کا جواب تھا۔

اصل وضع محاوراتِ عرب استعمال کی روشنی میں اس کی حقیقت عرض ہے (و، ف، ی) وفی یفی وفا ثلاثی مجرد، أوفى يوفي إيفاءً باب افعال سے، توفى يتوفى توفياً تفعل سے، استوفى يستوفي استيفاءً استفعال سے، وفى يوفي توفيةً تفعیل سے، سب طرح یہ لفظ مستعمل ہے، اس کے معنی ہیں پورا کرنا (۲) پورا لینا، پورا وصول کرنا، پورا دینا اسی سے ہے وفاءٌ (عہد) وفا وعدہ عرب بولتے ہیں۔ جیسے کیل واف (پورا پیمانہ) أوفيت الكيل والوزن، میں نے ناپ تول پورا کر دیا۔ یعنی کچھ کمی نہیں کی، قرآن پاک میں ہے: ﴿وأوفوا الكيل إذا كلتم﴾ (۳) یعنی جب تم کسی کے لئے تول کرو تو پورا پورا کیل کر کے دو۔ ﴿أوفوا بعهدي أوف بعهدكم﴾ (۴) تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ ﴿يوفون بالنذر﴾ (۵) نذر پوری کرتے ہیں ﴿ووفيت كل نفس ما كسبت﴾ (۶) ہر ایک نے جو کچھ (دنیا میں) کیا یا عمل کیا اس کو پورا دے دیا جائے گا۔

---

(۱) (سورة الزمر: ۴۲)

(۲) "ان التوفي أخذ الشيء وافياً، ولما علم أن من الناس من يخطر بباله أن الذي رفعه الله هو روحه لا جسده". (التفسير الكبير: ۶۸/۸، تفسير سورة آل عمران، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (سورة الإسراء: ۳۵)

(۴) (سورة البقرة: ۴۰)

(۵) (سورة الدهر: ۷)

(۶) (سورة آل عمران: ۲۵)

﴿إنما توفون أجورکم﴾ (۱) تم کو بلاشبہ تمہارا اجر پورا کردیا جائے گا۔ ﴿و ما تنفقوا من شيء في سبیل الله یوف إلیکم﴾ (۲) جو کچھ تم خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہو تم کو اس کا پورا اجر دیدیا جائے گا۔ ﴿فوفاہ حسابه﴾ (۳) اس کا حساب پورا پورا کیا ﴿إني متوفيك﴾ (۴) میں تجھ کو پورا پورا لےلوں گا۔

حضرت عیسی علیہ السلام کے دشمن قتل کے درپے تھے اور منصوبہ بنارہے تھے تو اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا کہ میں تجھ کو پورا پورا لےلوں گا، ان دشمنوں کو تجھ پر قتل کے لئے قابو نہیں دونگا۔ یہ چیز بطور تسلی کے فرمائی گئی ہے اور تسلی کی صورت یہی ہے کہ دشمن قتل کرنے یا سولی دینے میں ناکام رہے، چنانچہ اللہ تعالی نے ان کو اٹھالیا اور دشمن اشتباہ میں رہے، اس کو فرمایا ہے: ﴿و ما قتلوہ یقیناً بل رفعه الله إلیه﴾ (۵) حضرت عیسی علیہ السلام کو دشمنوں نے بالیقین قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالی نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اگر "توفی" سے مراد یہاں موت لی جائے تو اس میں تسلی کی کونسی بات ہے، اس وقت تو مطلب یہ ہوجائے گا کہ یہ لوگ آپ کو قتل نہیں کریں گے بلکہ میں آپ کو موت دوں گا، موت سے تسلی کیا ہوسکتی ہے، علاوہ ازیں اگر وہ دشمنی میں قتل کردیتے تو یہ چیز باعث

(۱) (سورۃ آل عمران :۱۸۵)

(۲) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۲)

(۳) (سورۃ النور : ۳۹)

(۴) (سورۃ آل عمران :۵۵)

(۵) (سورۃ النسآء :۱۵۷)

"معنی قوله ﴿إني متوفیک﴾: أي متمم عمرک، فحینئذ أتوفاک، فلا أترکھم حتی یقتلوک، بل أنا رافعک إلی سمائي، ومقربک بملائکتي، و أصونک عن أن یتمکنوا من قتلک، و ھذا تأویل حسن". (التفسیر الکبیر، (آل عمران): ۶۸/۸، دار الکتب العلمیة بیروت)

"ان المراد إني مستوفي أجلک و ممیتک حتف أنفک، لا أسلط علیک من یقتلک، فالکلام کنایة عن عصمته من الأعداء و ما ھم بصدده من الفتک به علیه السلام؛ لأنه یلزم من استیفاء الله تعالیٰ أجله و موته [illegible] أنفه ذلک". (ر[illegible] المعاني، (آل عمران): ۲۸۶/۳، دار الفکر)

"أي مستوفي أجلک، و معناہ أني عاصمک من أن یقتلک الکفار و ممیتک حتف أنفک لا قتلاً بأیدیھم (ورافعک إلي) إلی سمائي و مقر ملائکتي". (تفسیر المدارک، (آل عمران): ۱۷۸/۱، قدیمی)

ترقی درجات ہوتی، شہید کا درجہ بہت بلند ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہادت کی تمنا کا ذکر خاص انداز میں فرمایا ہے، درجۂ بلند سے بچا کر عام موت کا وعدہ خاص اہمیت نہیں رکھتا، پھر یہ کہ لفظ ''موت'' یا ''اماتت'' سے کیوں تعبیر نہیں کیا، ''توفی'' میں کیا نکتہ ہے ہاں توفی کے اصل معنی موت کے نہیں، کبھی موت کا مفہوم اس میں پیدا ہوجاتا ہے وہ اس طرح بولتے ہیں (فلان توفی عمره) فلاں شخص نے اپنی عمر پوری کرلی، جب عمر پوری کرلی تو موت آ ہی جائے گی، آیت ﴿إنی متوفیك﴾ کا مفہوم یہ بھی ہے کہ تیری عمر پوری کروں گا اوران کی اسکیم فیل ہوجائے گی (۱)۔

اس کی صورت یہ ہے کہ جتنی عمر یہاں ہوئی اس کے بعد اٹھالیا گیا پھر زمین پر نزول ہوگا، اس وقت بقیہ عمر پوری ہوگی، جیسا کہ احادیث میں تفصیل مذکور ہے، یہاں تک کہ جب اس وقت انتقال ہوگا تو قبر کی جگہ بھی بتادی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب ایک قبر کی جگہ باقی ہے وہاں دفن ہوں گے (۲)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجموعی حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ نزول کے بعد شادی کریں گے۔

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت طاری ہوچکی ہے وہ آسمان پر زندہ موجود نہیں اور قریب قیامت زمین پر نہیں اتریں گے تو وہ اجماعی عقیدہ کا منکر ہے، قرآن پاک کی آیات کا منکر ہے اور احادیث متواترہ کا منکر ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

رفع عیسیٰ علیہ السلام

سوال [۲۱۳]: حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق ایک مسلمان کا عقیدہ کیا یہ ہونا چاہئے کہ

---

(۱) راجع، ص: ۴۲۹، الحاشیه رقم: ۵)

(۲) "عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ینزل عیسی بن مریم إلی الأرض، فیتزوج، و یولد له، و یمکث خمساً و أربعین سنةً، ثم یموت، فیدفن معي في قبري، فأقوم أنا و عیسی ابن مریم في قبر واحد بین أبي بکر و عمر". رواه ابن الجوزي في کتاب الوفاء". (المشکوة، کتاب الفتن، باب نزول عیسی علیه السلام، الفصل الثالث، ص: ۴۸۰)

(۳) اوراس کا انکار کفر ہے (سیأتي تخریجه تحت عنوان: ''نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت تواتر سے'')

وہ زندہ مع جسم وروح آسمان پر اٹھا لئے گئے یا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ ان کی روح اٹھائی گئی؟ یا وہ مع جسم وروح اٹھا لئے گئے؟ ہم کہہ نہیں سکتے اس لئے کہ قرآن میں اس کی صراحت نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق یہود کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کو قتل کیا گیا ہے، سولی پر چڑھا دیا گیا ہے، ان کی صرف روح اٹھالی گئی، نصاریٰ کا بھی بڑا فرقہ یہی کہتا ہے، قرآن کریم نے اس کی تردید کی ہے: ﴿وما قتلوه يقيناً بل رفعه الله إليه﴾ الآیہ (۱)۔

روح مع جسم کے اٹھانے کے عقیدہ کو مودودی صاحب نے عقیدۂ باطل (الوہیت مسیح) کا موجب لکھا ہے (۲)، قادیانی نے بھی روح جسمانی کا انکار کیا ہے (۳)۔ علمائے حق نے قادیانی کی تردید میں کتابیں لکھی

---

(۱) (النساء: ۱۵۸)

قال الله تعالیٰ: ﴿وقولهم إنا قتلنا المسيح عيسى بن مريم رسول الله، وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم﴾. (النساء: ۱۵۷)

"فقال بعضهم: لما أحاطت اليهود به وبأصحابه، أحاطوا بهم، وهم لايثبتون معرفة عيسى بعينه، وذالک أنهم جميعاً حُوّلوا في صورة عيسى، فأشكل على الذين كانوا يريدون قتل عيسىٰ، عيسىٰ من غيره منهم، وخرج إليهم بعض من كان في البيت مع عيسىٰ فقتلوه وهم يحسبونه عيسىٰ عليه الصلاة والسلام". (جامع البيان للطبري، (النساء): ۶/۱۲، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر)

"واعلم أنه تعالى لما حكى عن اليهود أنهم زعموا أنهم قتلوا عيسىٰ عليه الصلاة والسلام، فالله تعالى كذبهم في هذه الدعوىٰ وقال: "(وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم)". (التفسير الكبير، النساء: ۱۱/۹۹، دار الكتب العلمية، طهران)

(۲) "یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن کی یہ پوری تقریر دراصل عیسائیوں کے عقیدۂ الوہیتِ مسیح کی تردید واصلاح کے لئے ہے......الخ"۔ (تفہیم القرآن، (آل عمران): ۱/۲۵۷، ۲۵۸، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

(۳) "وذالک الشقي المتنبئ (مرزا احمد القادياني) يقول: إن الفلسفة القديمة والجديدة تحيل عروج جسم إلى السماء." (مجموعة رسائل العلامة أنور شاه الكشميري، عقيدة الاسلام: ۲/۴۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

ہیں، چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "التصریح بماتواتر فی نزول المسیح" میں تفصیلی دلائل موجود ہیں۔

قرآن کریم میں اس کی بھی صراحت نہیں کہ نماز فجر کی دو رکعت ہیں، ظہر، عصر، عشاء کی چار رکعت ہیں، مغرب کی تین رکعت ہیں، ان رکعت کا انکار وہی کرسکتا ہے جو قرآن کریم کو بلا واسطۂ احادیث سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، مودودی صاحب کا رجحان یہی ہے، پھر جو کچھ سمجھتے ہیں اس کی تائید میں کبھی حدیث کو پیش کرتے ہیں اور کبھی حدیث کی تردید کرتے ہیں، غرض اپنا فہم ان کے نزدیک اصل ہے، اسی کی تلقین اپنی کتب میں متفرق جگہ کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ثبوت تواتر سے

سوال[۲۱۴]: نزولِ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بوقت قیامت کیا آیت قرآنیہ سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو کس آیت سے؟ اگر نہیں ثابت ہے اس پر تواتر ہے یا اجماع ہے یا نہیں؟ اس کا انکار باعثِ کفر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اکثر مفسرین نے آیت قرآنی: ﴿وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيداً﴾ (۱) میں ضمیر کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف راجع قرار دے کر اس سے نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مراد لیا ہے (۲) چنانچہ بخاری شریف کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے:

"عن ابن شهاب أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال

---

(۱) (النساء: ۱۵۹)

(۲) ﴿وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته﴾ والضمير في قوله: (قبل موته) عائد على عيسى عليه الصلاة والسلام: أي وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن بعيسى قبل موت عيسى عليه الصلاة والسلام، وذلك حين ينزل إلى الأرض قبل يوم القيامة على ما سيأتي بيانه". (تفسير ابن كثير، (آل عمران): ۱/۶۱۳، دار القلم) .... =

رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "والذی نفسی بیده لیوشکن أن ینزل بینکم ابن مریم حکماً عدلاً، فیکسر الصلیب، ویقتل الخنزیر، و یضع الحرب، و یفیض المال حتی لا یقبله أحد، حتی تکون السجدة الواحدة خیر من الدنیا و ما فیها". ثم یقول أبوهریرة: واقرأوا قرآناً إن شئتم ﴿وإن من أهل الکتاب إلا لیومنن به قبل موته ویوم القیامة یکون علیهم شهیداً﴾ بخاری: ۱/ ۴۹۰ (۱)۔

اورآیت قرآنی: ﴿ وإنه لعلم للساعة فلا تمترن بها واتبعون، هذا صراط مستقیم ﴾ (۲) ایک قرأت "لَعَلَم للساعة" (بفتح اللام) ہے، یعنی نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام علامات قیامت میں سے ہے۔

"قال مجاهد: وإنه لَعَلم للساعة: أی آیة للساعة خروج عیسی بن مریم علیهما السلام قبل یوم القیامة، و هکذا روی عن أبی هریرة وابن عباس و أبی العالیة و أبی مالک و عکرمة والحسن و قتادة و ضحاک وغیرهم"۔ (عقیدة الإسلام) (۳)۔

= "وقیل: الضمیران لعیسی علیه الصلاة والسلام، وروی ذلک عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أیضاً، وأبي مالک والحسن و قتادة وابن زید، واختاره الطبراني، والمعنی: أنه لا یبقی أحد من أهل الکتاب الموجودین عند نزول عیسی علیه الصلاة والسلام إلا لیؤمنن به قبل أن یموت، وتکون الأدیان کلها دیناً واحداً". (روح المعانی، (النساء): ۶/ ۲۰، دار الفکر)

"قال الطیبی رحمه الله تعالیٰ: استدل بالآیة علی نزول عیسی علیه الصلاة والسلام فی آخر الزمان مصداقاً للحدیث و تحریره: أن الضمیرین فی "به" و "قبل موته" لعیسی، والمعنی: وإن من أهل الکتاب إلا لیؤمنن بعیسی قبل موت عیسی". (المرقاة، کتاب الفتن، باب نزول عیسی علیه الصلاة والسلام: ۹/ ۴۳۹، رشیدیه)

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الأنبیاء، باب نزول عیسی بن مریم علیه الصلاة والسلام: ۱/ ۴۹۰، قدیمی)

(۲) (الزخرف: ۶۱)

(۳) (مجموعة رسائل الکشمیری، عقیدة الإسلام: ۲/ ۴۶، إدارة القرآن) .... =

نیز احادیث متواترہ سے بھی نزول مسیح علیہ الصلاۃ والسلام ثابت ہے، چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس کی صراحت کی ہے: "وانه سينزل قبل يوم القيامة كما دلت عليه الأحاديث المتواترة التي سنوردها إن شاء الله قريباً ۔ تفسير ابن كثير مع البغوی: ۱٤/۲ (۱) اس مسئلہ سے متعلق بہت سے رسائل چھپ چکے ہیں مثلاً: التصريح بما تواتر في نزول المسيح، عقيدة الاسلام في حيات عيسى عليه الصلاة والسلام وغیرہ کا مطالعہ کرلیا جائے۔

عقیدہ نزول عیسی علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لانا فرض ہے، اس کا انکار کفر ہے اور اس کی تاویل کرنا زیغ وضلال اور کفر والحاد ہے: " فالإيمان بها واجب، والإنكار عنها كفر، والتأويل فيها زيغ و ضلال وإلحاد، نزل أهل الإسلام في حياة عيسى عليه الصلاة والسلام" ۔ مقدمة عقيدة الاسلام: ص: ۳۱ (۲) ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام نزول کے بعد نبی ہونگے یا امتی؟

سوال [۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ استفتاء کے:

کیا حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھایا گیا ہے، اگر اٹھایا گیا ہے تو آپ قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے، اگر ہاں تو بحیثیت امتی کے یا نبی کے؟

نوٹ: جواب قرآنی دلائل سے دیئے جائیں۔

حکیم سید عبد المجید دہلوی مالک شاہی مطب منڈی پھدوان شاہ پور صوبہ پنجاب، پاکستان۔

= (تفسير ابن كثير، (الزخرف): ۶۱، ۱۶۹/۴، دار الفيحاء)

(۱) (تفسير ابن كثير، (النساء): ۷۶۸/۱، قبيل ذكر الأحاديث الواردة في نزول عيسىٰ بن مريم إلى الأرض في السماء في آخر الزمان، دار الفيحاء)

(۲) (مقدمه عقيدة الإسلام، ص: ۳۳، إدارة القرآن)

الجواب حامداً و مصلياً :

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے: ﴿ و ما قتلوه يقيناً بل رفعه الله إليه ﴾ الاية (۱) اور قربِ قیامت آپ نزول فرمائیں گے، احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے (۲) اور آپ اس وقت اپنی نبوت کی دعوت نہیں دینگے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ملت کی دعوت دیں گے اور خود ان کی نبوت بھی مسلوب نہیں ہوگی بلکہ وہ محفوظ رہے گی۔

"أخرج الطبراني في الكبير والبيهقي في البعث بسند جيد عن عبدالله بن مغفل رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم: "يلبث الدجال فيكم ما شآء الله، ثم ينزل عيسى بن مريم عليه الصلاة والسلام مصدقاً بمحمد و على ملته إماماً مهدياً وحكماً عدلاً، فيقتل الدجال اهـ"۔

"ان عيسى عليه الصلاة والسلام مع بقائه على نبوته معدود في أمة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم وداخل في زمرة الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، فإنه اجتمع بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم و هو حي مؤمناً به و مصدقاً، وكان اجتماعه به مرات في غير ليلة الإسراء

---

(۱) (النساء : ۱۵۷، ۱۵۸)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم :"والذى نفسى بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً عدلاً مقسطاً الخ ". (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليه السلام : ۱/ ۴۹۰، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسى عليه الصلاة والسلام حاكماً بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم الخ: ۱/ ۸۷، قديمي)

"لاتزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين إلى يوم القيامة" .... قال:" فينزل عيسى بن مريم عليه السلام الخ ".

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم : "والله لينزلن ابن مريم حكماً عادلاً" ...... الخ .(الصحيح لمسلم، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسى عليه الصلاة والسلام حاكماً بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم .... الخ: ۱/ ۸۷، قديمي)

من جملتها بمكة، روى ابن عدى في الكامل عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينا نحن مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم إذا رأينا برداً ويداً و قلنا يا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم! ما هذا البرد الذي رأينا واليد؟ قال: "قد رأيتموه؟" قلنا: نعم،قال:" ذلك عيسى ابن مريم سلّم عليّ".

إنما يحكم عيسى بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم بالقرآن والسنة،عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم:" ألا! إن ابن مريم ليس بيني و بينه نبي ولا رسول إلا أنه خليفتي في أمتي من بعدي"۔

قال الذهبي في تجريد الصحابة: عيسى بن مريم عليه الصلاة والسلام نبي و صحابي،فإنه رأى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم،فهو اخر الصحابة موتاً اهـ" الحاوي للفتاوى(١)۔

اس مسئلہ پر علماء حق کے مستقل رسائل شائع شدہ ہیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ ہے: "كتاب الاعلام بحكم عيسى عليه الصلاة والسلام" علامہ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ ہے، مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک رسالہ ہے عقيدة الاسلام في حيات عيسى عليه الصلاة والسلام۔ نیز شروح حدیث بذل المجهود (٢)، فتح الباري(٣)، عيني(٤) وغیرہ میں بھی

---

(١) (الحاوي للفتاوى، كتاب الإعلام بحكم عيسى عليه الصلاة والسلام: ١٨٨/٢، ١٩٥، دار الفكر)

(٢) "ان الأحاديث قد تثبت أنه يخرج بعد أمور ذكرت وأن عيسى عليه السلام يقتله (أي الدجال) بعد أن ينزل من السماء ويحكم بالشريعة المحمدية". (بذل المجهود: ١١١/٥، باب خروج الدجال، كتاب الملاحم، معهد الخليل الاسلامي)

(٣) "أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً". الحديث ...... قوله (حكماً) أي حاكماً، والمعنى أنه ينزل حاكماً بهذه الشريعة، فإن هذه الشريعة باقية لا تنسخ، بل يكون عيسى حاكماً من حكام هذه الأمة الخ ". (فتح الباري: ٤٩٠/٦، ٤٩١، باب نزول عيسى بن مريم عليها السلام، كتاب أحاديث الأنبياء، دار المعرفة)

(٤) "أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: =

اس کی تصریح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ گنگوہی معین مفتی مظاہر علوم سہار نپور، ۳/ جمادی الاولیٰ/ ۱۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہار نپور ۴/ جمادی الاولیٰ/ ۱۷ھ۔

نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت کی حیثیت

سوال[۲۱۶]: ۱...... حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو کیا وہ اس وقت بھی نبی رہیں گے اور ان پر وحی آئے گی یا وہ نبوت سے معزول ہو کر آئیں گے؟

ایضاً

سوال[۲۱۷]: ۲...... جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو وہ تابع شریعت محمدیہ ہوں گے یا صاحب شریعت نبی ہوں گے؟ اگر وہ تابع شریعت محمدیہ ہوں گے تو شرعی احکام یعنی قرآن کریم میں درج شدہ اوامر ونواہی اور سنت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا علم انہیں کیونکر حاصل ہوگا؟ اگر زبان عربی اور شریعت کے احکام کسی مولوی صاحب سے پڑھیں تو یہ امر ایک نبی کی شان کے خلاف نظر آتا ہے اور پڑھیں بھی تو کس فرقہ کے مولوی سے؟ تمام اسلامی فرقوں کا آپس میں اختلاف ہے حتی کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے سے دریغ نہیں کرتے، اگر اس دنیا میں وہ وحی کے ذریعہ شریعت اسلامی کے احکام حاصل کریں، جس طرح ہمارے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حاصل کیا کرتے تھے یعنی وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا فرشتہ کی وساطت سے جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے:

﴿وما كان لبشر أن يكلمه الله إلا وحياً أو من وراء حجاب أو يرسل رسولاً، فيوحي بإذنه ما يشاء، إنه عليّ حكيم، وكذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا﴾ (سورہ شوریٰ، پ:۲۵، ع:۵)(۱)۔

= "والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً". الحديث .... (قوله حكماً): أي حاكماً بهذه الشريعة، فإن شريعة النبي صلى الله عليه وسلم لا تنسخ الخ". (عمدة القاري: ۱۶/ ۵۳، ۵۴، كتاب أحاديث الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، باب نزول عيسى بن مريم عليهما السلام، رشيديه)

(۱) (الشورى: ۵۱، ۵۲)

تو اس صورت میں وہ بھی ایک صاحبِ شریعت نبی بن جائیں گے، یا اگر آسمان پر بھی شریعت کے احکام کا علم حاصل کریں تو بھی بشر ہونے کے لحاظ سے مندرجہ بالا انہیں تین صورتوں سے حاصل کریں گے، پس شریعت کے احکام یعنی اوامر ونواہی براہ راست بذریعۂ وحی حاصل کرنے کی وجہ سے صاحب شریعت نبی بن جائیں گے حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آخری شریعت والے نبی ہیں۔ اس اشکال کا تفصیلی جواب دیکر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ان کی نبوت سلب نہیں ہوگی، بلکہ وہ محفوظ رہے گی اور وہ احکام (کو) اپنی سابقہ محفوظ نبوت کے تحت جاری نہیں فرمائیں گے جو ان کی امت کے ساتھ مخصوص تھے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے موافق جاری فرمائیں گے(۱)۔

۲......ممکن ہے کہ عین وقت پر شریعت محمدیہ کے متعلق ان کو بذریعہ وحی علم ہو جائے، یہ بھی ممکن ہے حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے علم حاصل کریں کیونکہ قبر اطہر میں حی ہیں، یا روح عیسوی روح محمدی سے مستفیض ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خود انجیل میں اس شریعت کے احکام کا علم ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کی ملاقات جب ہوئی اس وقت علم حاصل کرلیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ براہِ راست قرآن کریم سے ان کو علم حاصل ہو جائے۔

"ثم علمه بأحكام شرعنا إما بعلمها من القرآن فقط إذ لم يفرط فيه من شيء إنما

---

(۱)" فإن قيل: قد ورد في الحديث نزول عيسى بعده، قلنا: نعم، لكنه يتابع محمداً عليه السلام ؛ لأن شريعته قد نسخت، فلا يكون إليه وحي ونصب الأحكام، بل يكون خليفة رسول الله عليه السلام".

(شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۰۱، طبع فرنگی محلی)

(وكذا في النبراس: ص: ۲۸۰، امدادیہ ملتان)

"(حَكَماً): أي حاكماً، والمعنى أنه ينزل حاكماً بهذه الشريعة، فإن هذه الشريعة باقية لا تنسخ، بل يكون عيسى حاكماً من حكام هذه الأمة.......... وللطبراني من حديث عبد الله بن مغفل: "ينزل عيسى بن مريم مصدقاً بمحمد على ملته". (فتح الباري، أحاديث الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليهما السلام: ۶/۲۰۸، قديمي)

احتجنا إلى غيره لقصورنا، وقد كانت أحكام نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم كلها مأخوذة من القرآن، و من ثم قال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: كل ما حكم به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم فهو ممافهمه من القرآن، فلا يبعد أن عيسى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم يكون كذالك، أو برواية السنة عن نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، فإنه اجتمع في حياته مرات، و من ثم عُدّ من الصحابة ـ أخرج ابن عدى عن أنس بينا نحن مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم إذ رأينا بُرداً ويداً فقلنا: يا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم! ما هذا البرد الذى رأينا واليد ؟ قال: "قد رأيتموه؟" قلنا: نعم، قال: "ذلك عيسى بن مريم سلم عليّ "ـ وفى رواية ابن عساكر عنه: كنت أطوف مع النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم حول الكعبة إذ رأيته صافح شيئًا و لم أره، قلنا: يا رسول الله! رأيناك صافحت شيئاً و لا نراه؟ قال: "ذلك أخى عيسى بن مريم، انتظرته حتى قضىٰ طوافه فسلمت عليه"ـ و حينئذ فلا مانع أنه حينئذ تلقى عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أحكام شريعته المخالفة لشريعة الإنجيل لعلمه أنه سينزل وأنه يحتاج لذلك، فأخذها منه بلا واسطة ـ وفى حديث ابن عساكر: "ألا !إن ابن مريم ليس بينى و بينه نبي و لا رسول، إلا أنه خليفة فى أمتي من بعدى"ـ

وقد صرّح السبكى بأنه يحكم بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم بالقرآن والسنة، إما بكونه يتلقها من نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم شفاهاً بعد نزوله من قبره، ويؤيده حديث أبى يعلى: "والذى نفسى بيده لينزلن عيسى بن مريم، ثم لئن قام على قبري وقال: يا محمد! لأجيبنّه". و إما بكونه تعالىٰ أوحاها إليه فى كتابه الإنجيل أو غيره(إلى قوله) يوحى إليه وحيٌ حقيقى كما فى حديث مسلم وغيره عن النواس بن سمعان، و فى رواية صحيحة :"فبينما هو كذلك إذ أوحى إليه ياعيسى! إنى قد أخرجت عباداً لى لا يد لأحد بقتالهم حول عبادى إلى الطور"، و ذلك الوحى على لسان جبريل (إلى قوله) وعيسى بن مريم باق على نبوته و رسالته"ـ إلى اخر ماقال اهـ"ـ فتاوىٰ

حدیثیۃ، ص:۲۸۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۹۳ھ۔

ایک شعر میں مسیح وخضر سے کیا مراد ہے؟

سوال[۲۱۸]: ذیل کا شعر جو حضرت معین الدین چشتی کی شان اقدس میں ہے یعنی شعر:

ترے لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی مسیح وخضر سے اونچا مقام ہے تیرا

(اقبال)

کہاں تک اس شعر کا منسوب کرنا صحیح ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شعراء کے کلام میں بکثرت استعارات وکنایات ہوتے ہیں، ہر لفظ حقیقی معنی میں مستعمل نہیں ہوتا، یہاں مسیح سے حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام مراد نہیں بلکہ ان کا وصفِ مشتہر مراد ہے، یعنی طبیبِ حاذق،

---

(۱) (الفتاوى الحديثية، مطلب في حكم عيسى بشرع نبينا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم إما بالاستنباط من الكتب أو لاجتماعه بنبينا مرات، ص: ۲۴۲، ۲۴۳، قديمي)

'إنه عليه الصلاة والسلام حين ينزل باق على نبوته السابقة، لم يعزل عنها بحال، لكنه لا يتعبدبها ...... نعم، لا يبعد أن يكون عليه الصلاة والسلام قد علم في السماء بعضاً، و وُكّل إلى الاجتهاد والأخذ من الكتاب والسنة في بعض آخر، وقيل: إنه عليه الصلاة والسلام يأخذ الأحكام من نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم شفاهاً بعد نزوله و هو في قبره الشريف عليه الصلاة والسلام، وأيد بحديث أبي يعلى: "والذي نفسي بيده لينزلن عيسى ابن مريم، ثم لئن قام على قبري، وقال يا محمد! لأجيبنّه".

وجوز أن يكون ذلك بالاجتماع معه عليه الصلاة والسلام روحانية و لا بدع في ذلك، فقد وقعت رؤيته صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم بعد وفاته لغير واحد من الكاملين من هذه الأمة والأخذ منه يقظةً، .... وقيل: يجوز أن يكون عيسى عليه الصلاة والسلام قد تلقّى من نبينا عليه الصلاة والسلام أحكام شريعته المخالفة لما كان عليه، وهو من الشريعة حال اجتماعه معه قبل وفاته في الأرض لعلمه أنه سينزل و يحتاج إلى ذلك، و اجتماعه معه كذلك جاء في الأخبار". (روح المعاني، (الأحزاب: ۴۱، ۴۳): ۲۲/ ۵۰، ۵۷، دار الفكر)

جیسے حاتم سے سخی اور رستم سے پہلوان بکثرت مرادلیا جاتا ہے، اسی طرح خضر سے راستہ بتانے والا مراد ہے، مقصد یہ ہے کہ امراض جسمانی میں مبتلا شخص کو اگر طبیب حاذق مل جائے تو بہت بڑی نعمت ہے جس سے اس کو بڑی مسرت ہوتی ہے، اگر راہ گم کردہ مسافر کو رہنما مل جائے تو بہت بڑی نعمت ہے، لیکن آپ کی لحد کی زیارت سے آپ کی متقیانہ ومجاہدانہ زندگی یاد آ کر کے دل زندہ ہوتا ہے جس سے انسان کی دنیوی واخروی زندگی درست ہوکر حیاتِ طیبہ نصیب ہوتی ہے، لہذا یہ نعمت نتائج وفوائد کے اعتبار سے ان دونوں نعمتوں سے بڑھ کر ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام

سوال[۹۱۲]: حضرت خواجہ خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات ہیں، یا وصال پا چکے ہیں اور آپ کس زمانہ میں ہوئے اور کس کی اولاد سے ہیں؟ اور کیا سکندر اعظم کے ہمراہ ظلمات میں آبِ حیات پی کر آئے تھے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

مفصل بیان کرنے کی تو آپ نے کاغذ ہی میں جگہ نہیں چھوڑی، مختصر یہ ہے کہ آپ کے آب حیات پینے کے دونوں قول ہیں، آپ کے نسب اور زمانہ میں اختلاف عظیم ہے، ایک قول لکھتا ہوں، خضر ابن ملکان بن قانع بن عامر بن شالخ بن ارفشخند بن سام بن نوح علیہ الصلاۃ والسلام (۲)۔

ظلمات میں جا کر آب حیات تک پہونچنے کا تذکرہ فتح الباری: ۶/۳۱۰ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) "إذا كانت الحقيقة متعذرةً أو مهجورةً صيّر إلى المجاز، والمهجور شرعاً كالمهجور عادةً، و في الحاشية رقم: ۱۳، إذ ظاهر حال المسلم الإمتناع عن المهجور الشرعي لدينه و عقله، فهو كالمهجور عادةً". (نور الأنوار، مبحث الحقيقة والمجاز، ص: ۱۰۷، سعيد)

(۲) فتح الباری کے نسخوں میں یہ عبارت بعینہ نہیں ملی، بلکہ کچھ یوں ہے:

"خضر بن ملكان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن أرفشخذ بن سام بن نوح" جب کہ علامہ نووی اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ابن عابر" کو "ابن عامر" نقل کیا ہے۔ (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث خضر مع موسى عليه الصلاة والسلام: ۶/۵۳۵، قديمي) .... =

نے کیا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حیات خضر علیہ الصلاۃ والسلام

سوال[۲۲۰]: حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام زندہ ہیں یا انتقال ہو چکا، ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کا انتقال ہو چکا، ان کی حیات کا قائل ہونا کفر ہے اور بعض لوگوں کے واقعات جو مشہور ہیں کہ ان کو حضرت نبی علیہ الصلاۃ والسلام ملے وہ خضر علیہ الصلاۃ والسلام نہیں ہوتے بلکہ شیطان ہوتا ہے، لہذا دریافت ہے کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں اور جو کچھ یہ شخص کہتا ہے صحیح ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ خضر علیہ الصلاۃ والسلام زندہ ہیں، ہاں بعض اس کے قائل ہیں کہ انتقال کر چکے:

" قال ابن الصلاح: هو حيٌ عند جمهور العلماء، والعامة معهم في ذلك، و إنما شذ بإنكاره بعض المحدثين و تبعه النووي. و زاد أن ذلك متفق عليه بين الصوفية وأهل الصلاح، وحكايا تهم في رؤيته والاجتماع به أكثر من أن تحصىٰ انتهى. و روى الدار قطني في الحديث المذكور قال: مُدّ للخضر في أجله حتى يكذب الدجال، و قال عبد الرزاق في مصنفه عن معمر في قصته الذي يقتله الدجال ثم يحييه: بلغني أنه الخضر، و كذا قال إبراهيم بن سفيان الراوي

= (وكذا في شرح مسلم للنووي، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/ ۲۶۹، قديمي)

(وكذا في تفسير ابن كثير، (الكهف): ۳/ ۱۳۶، مكتبه دار الفيحاء)

(۱) "و روى خيثمة بن سليمان من طريق جعفر الصادق عن أبيه أن ذا القرنين كان له صديق من الملائكة، فطلب منه أن يدله على شيء يطول به عمره، فدل على عين الحياة، وهي داخل الظلمة، فسار إليها والخضر على مقدمته، فظفر بها الخضر، ولم يظفر بها ذو القرنين". (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث خضر مع موسى عليهما الصلاة والسلام: ۶/ ۴۳۴، دار الفكر)

عن مسلم في صحيحه اهـ". فتح الباری بتغیر، ص: ۳۱۰ (۱)۔

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر تعزیت کے لئے تشریف لائے اور صحابہ کے مجمع میں تعزیت کی ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں کذا فی جمع الفوائد: ۱/۱۳۸ (۲) لہٰذا ان کی زندگی کے قائل ہونے کو کفر کہنا ناواقفیت پر مبنی ہے اور غلط ہے اس سے توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۶/۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (فتح الباری: كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليه الصلاة والسلام: ۵۳۶/۶، قديمی)

"جمهور العلماء على أنه حيّ موجود بين أظهرنا، وذلک متفق عليه عند الصوفية وأهل الصلاح والمعرفة، و حكاياتهم في رؤيته والاجتماع به والأخذ عنه و سواله و جوابه ووجوده في المواضع الشريفة و مواطن الخير أكثر من أن تحصر، وأشهر من أن تستر، و قال الشيخ أبو عمرو ابن الصلاح: هو حي عند جماهير العلماء والصالحين، والعامة معهم في ذلک،قال: و إنما شذ بإنكاره بعض المحدثين". (شرح مسلم للنووی، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر عليه السلام: ۲۶۹/۲، قديمی)

(وكذا في روح المعانی: (الكهف: ۶۵): ۳۲۱/۱۵، ۳۲۲، دار إحياء التراث العربی)

(۲) "(أنس) لماقبض النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وآله وسلم، و قعد أصحابه حزاناً يبكون حوله، فجاء رجل طويل صبيح فصيح في إزار و رداء، أشعر المنكبين والصدر، فتخطى الصحابة حتى أخذ بعضادتي الباب، فبكى ساعةً، ثم قال: إن في اللہ عزاءً من كل مصيبة، و خلفاً من كل هالک، و عوضاً من كل ما فات، فإلى اللہ فأنيبوا وإليه فارغبوا، فإنما المصاب من لم يجبره الثواب. فقال القوم: تعرفون الرجل؟ فنظروا يميناً و شمالاً فلم يروا أحداً، فقال أبو بكر: "هذا الخضر أخ النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وآله وسلم". للأوسط ضعيف". (جمع الفوائد، التعزية وأحوال القبور و زيارتها، رقم: ۲۶۳۷، ۲۴۱/۱، المكتبة الإسلاميه پاكستان)

"عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: لماقبض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ عليه وآله وسلم أحدق به أصحابه فبكوا حوله، و اجتمعوا، فدخل رجل أشهب اللحية، جسيم، صبيح، فتخطى رقابهم فبكى، ثم =

حیات خضر علیہ الصلاۃ والسلام کی تحقیق

سوال [۲۲۱]: حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے پہلی تقریر میں فرمایا ہے جو کتاب کی صورت میں ہے۔

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا
(میر)

مزے جو موت کے عاشق بیان کبھی کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
(ذوق)

تجھے کیا بتائیں اے ہم نشین مجھے موت میں جو مزہ ملا
نہ ملا مسیح و خضر کو وہ نشاط عمر دراز میں
(اقبال)

کلام شاعر تو کوئی سند نہیں، لیکن حضرت مولانا کا تمثیلاً پیش کرنا ہی قابل رد نہیں (مولانا کی نظر میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی مثل حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام بھی حیات ہیں) مگر پارہ نمبر: ۱۵

= التفت إلى أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم فقال: إن في الله عزاءً من كل مصيبة، وعوضاً من كل فائت، و خلفاً من كل هالك، فإلى الله فأنيبوا، وإليه فارغبوا، و نظره إليكم في البلاء، فانظروا فإن المصاب من لم يجبر، فانصرف وقال بعضهم لبعض: تعرفون الرجل؟ قال: أبو بكر و على –رضى الله تعالىٰ عنهما– : "نعم هذا أخو رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم الخضر عليه الصلاة والسلام". (دلائل النبوة للبيهقي، باب ما جاء في عظم المصيبة التي نزلت بالمسلمين بوفاة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم: ۷/۲۶۹، دار الكتب العلمية)

(وكذا في فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما الصلاة والسلام: ۶/۵۳۷، قديمي)

سورہ بنی اسرائیل کے رکوع نمبر:۲۰ کے بعد کی آیت کے حاشیہ نمبر:۴ پر حضرت خضر کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات نہیں اور اسی کو ترجیح وصحیح مذہب قرار دیا ہے، جس کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں کہ اصح مذہب اہل حدیث کا یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات نہیں، جو حیات بتاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور سبب اس غلطی کا یہ ہے کہ ان میں سے کوئی شخص کسی عابد کو دیکھ لیتا ہے اور وہ کہہ دیتا ہے کہ میں خضر ہوں، حالانکہ بشکل انسان شیطان ہوتا ہے جو اس شخص کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اور حافظ ابوالخطاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کے حیات ہونے کی ساری روایات غلط ہیں، مگر شاہ عبدالقادر صاحب شاید گیلان والے ہوں یا اور کوئی ہوں فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات ہیں اور عوام الناس کے مشاہدات بھی یہی گواہی دیتے ہیں کہ حیات ہیں اور وہ بھولے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ اور ایک جگہ قرآن شریف کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام پیغمبر تھے ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ بندے تھے۔ دونوں باتوں کا جواب تحریر فرمائیں، حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات ہیں یا نہیں؟

محمد فہیم الدین مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن متصل مسجد پوڑی گڑھوال۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

محدثین کرام عموماً حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات کے قائل نہیں، صوفیائے عظام قائل ہیں(۱)، ان کے حالات پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں مفصل کلام کیا

(۱) "وقال ابن الصلاح: هو حيّ عند جمهور العلماء، والعامة معهم في ذلك، وإنما شذ بإنكاره بعض المحدثين وتبعه النووي، وزاد أن ذلك متفق عليه بين الصوفية وأهل الصلاح، وحكاياتهم في رؤيته والاجتماع به أكثر من أن تحصر انتهى الخ". (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما الصلاة والسلام: ۶/۵۳۶، قديمي)

(وكذا في شرح مسلم للنووي، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۲۶۹، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، (الكهف: ۶۵): ۱۵/۳۲۱، ۳۲۲، دار إحياء التراث العربي)

ہے، اکابر کی اکثریت اس پر ہے کہ وہ پیغمبر نہیں تھے(۱) اب ان کے متعلق بحث علمی تحقیق کے درجہ میں ہے اور بس۔ شعراء بکثرت خضر بول کر طویل الحیات مراد لیتے ہیں جیسے حاتم بول کر سخی، رستم بول کر پہلوان مراد لیتے ہیں، خاص شخصیت مراد نہیں، نیز خضر سے رہنما برائے گم کردہ راہ بھی مراد لیتے ہیں، مسیح سے بھی عموماً دو وصف مراد ہوتے ہیں: ایک طویل الحیات، دوم معالج۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۶/۲/۹۴ھ

ہندوستان میں کون پیغمبر آئے؟ اور مُردوں کو جلانے کا کس نے حکم دیا؟

سوال[۲۲۲]: ہندوؤں میں مردہ جلانے کی رسم کب سے شروع ہوئی ہے؟ اللہ کے حکم کے مطابق اس قوم وملت میں پیغمبر آئے یا نہیں؟ کسی پیغمبر نے مردہ جلانے کی ہدایت انہیں دی ہوگی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہندوستان میں سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے "سبحۃ المرجان" میں اس کا ذکر موجود ہے(۲) انھوں نے مردہ جلانے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کے بیٹے کو دفن کرنے کا طریقہ بتایا گیا جیسا کہ قرآن پاک پارہ ۶ سورۂ مائدہ میں ہے(۳)۔ اور کسی پیغمبر نے جلانے کا حکم دیا ہو یہ بھی کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ احادیث میں ایک آدمی کا ذکر آتا ہے جس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ اس کی لاش کو جلا کر آدھی راکھ پانی میں بہا دیا جائے اور آدھی ہوا میں اڑا دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ عذاب نہ دے سکے، اس کی وصیت کو پورا کیا گیا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب راکھ جمع ہوگئی اور پھر وہ آدمی بنا کر سامنے لایا گیا اور اس سے باز پرس کی گئی کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ تیرے عذاب سے ڈر کر کیا(۴) تو ہوسکتا ہے کہ جو لوگ مردوں کو جلاتے ہیں وہ بھی اسی نظریہ سے جلاتے ہوں۔ حدیث پاک میں ہے کہ آگ کا عذاب دینا تو آگ کے خالق ہی کا حق ہے، اور کسی کا نہیں(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۸۸ھ

---

(۱) "وذھب کثیرون إلی أنہ لم یکن نبیاً بل کان ولیاً. فاللہ أعلم". (تفسیر ابن کثیر (الکھف ۸۲) ۳/۱۳۵، دار الفیحاء)

(۲) "ومنھا أول القصد إلی الحرم المکي شرفہ اللہ تعالی من الھند، لأن أول زائر آدم علیہ السلام. قال =

= السيوطي: أخرج البيهقي عن عطاء قال: هبط ادم بالهند، فقال: يا رب! ما لي لا أسمع أصوات الملائكة كما كنت أسمعها في الجنة؟ فقال له: "بخطيئتک يا ادم! فانطلق فابن لي بيتاً فتطوف به، كما رأيتهم يتطوفون". فانطلق حتى أتى مكة، فبنى البيت، فكان موضع قدمي ادم عليه السلام قرى وأنهاراً وعمارةً، و ما بين خطاه مفاوز، فحج ادم البيت من الهند أربعين سنة".

"وأخرج ابن جرير في تاريخه عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه ما قال: "إن الله أوحىٰ إلى ادم و هو ببلاد الهند أن حجّ هذا البيت فحج". الحديث.

و منها رجوع ادم عليه السلام من الحرم المكي - زاده الله شرفاً و مهابةً - إلى أرض الهند، واختياره وإياها للتوطن. قال الطبري في تاريخه: فلما أتم ادم الحج انصرف مع حواء إلى جبل الهند الذي كان نزل عليه من السماء، ثم حج بعد ذلک أربعين سنةً، كلما أتم حجةً في كل سنة انصرف إلى الهند. و قال أيضاً في تاريخه: ثم بنى لنفسه بيتاً بالهند .... الخ".

وقال الإمام الغزالي قدس سره: وانطلق ادم عليه الصلاة والسلام من أرض الهند إلى مكة ..... فلما وقف بعرفات وجد حواء ثمة، فسمي عرفات، فقبل الله توبتهما فانصرفا إلى الهند".

أقول: أخذ من ههنا أن ادم عليه الصلاة والسلام كانت له ألفة بأرض الهند حيث عاد إليها، واختارها للتوطن". (سبحة المرجان: تأليف حسان الهند المعروف بآزاد البلجرامي: ص: ٨، ٩)

"ثم إن الله عزوجل أهبط ادم قبل غروب الشمس من اليوم الذي خلقه فيه، وذلک يوم الجمعة من السماء مع زوجته، وأنزل آدم فيما قال علماء سلف أمة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالهند .... عن قتادة قال: أهبط الله عزوجل آدم إلى الأرض و كان مهبطه بأرض الهند .... عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما ما قال: إن أول ما أهبط الله تعالىٰ آدم، أهبطه بدهناء أرض الهند. عن أبي العالية قال: أهبط آدم إلى الهند". (تاريخ ابن جرير الطبري، القول في الموضع الذي أهبط آدم و حوا إليه من الأرض حين أهبطا إليها: ١/ ٨٠، ٨١، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات)

"وعن الحسن قال: أهبط آدم بالهند، و حواء بجدة، وإبليس بدستميان من البصرة على أميال، و أهبطت الحية بأصبهان.

وقال السدي: نزل آدم بالهند و نزل معه بالحجر الأسود و بقبضة من ورق الجنة، فبثه في الهند، فنبتت =

مہاتما بدھ، کرشن جی اور رام چندر جی کیا نبی تھے؟

سوال[۲۲۳]: خداتعالیٰ نے تمام روئے زمین کے لئے مختلف اوقات اور مختلف ازمنہ میں ہدایت کے لئے پیغمبر بھیج دیئے ہیں جو ﴿لكل قوم هادٍ﴾ سے ثابت ہے اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبر بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے آئے ہیں جو سب مسلمان اور اسلام کی تعلیم سے آراستہ تھے اور سبھوں نے خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی ہے، قرآن میں صرف عرب کی زمین پر کے چند پیغمبروں کے نام ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ السلام کی اولاد یا عبرانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، باقی ان عظیم ہستیوں کے نام نہیں ہیں۔

مہاتما گوتم بدھ کو ہندوستان، چین اور جاپان کے کروڑوں لوگ پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح کرشن

= شجرة الطيب هناك". (البداية والنهاية، باب ما ورد في خلق آدم عليه الصلاة والسلام: ۱/ ۱۳۱، دار الفكر)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿فبعث الله غراباً يبحث في الأرض ليريه كيف يواري سوأة أخيه قال: يٰويلتیٰ أعجزت أن أكون مثل هذا الغراب فأواري سوأة أخي، فأصبح من النادمين﴾. (المائدة: ۳۱)

(۴) " عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ذكر رجلاً فيمن سلف أو فيمن كان قبلكم قال كلمةً يعني أعطاه الله مالاً وولداً، فلما حضره الموت قال لبنيه: أيّ أب كنت لكم؟ قالوا: خير أب. قال: فإنه لم يبتئر أو لم يبتئز عند الله خيراً، وإن يقدر الله يعذبه، فانظروا إذا مت فأحرقوني حتى إذا صرت فحماً فاسحقوني، أو قال: فاسحكوني، فإذا كان يوم ريح عاصف، فأذروني فيها"، قال نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فأخذ مواثيقهم على ذلك، وربي! ففعلوا ثم أذروه في يوم عاصف. فقال الله تعالىٰ: (كن)، فإذا هو رجل قائم، قال الله: (أي عبدي! ما حملك على أن فعلت ما فعلت)؟ قال: مخافتك أو فرق منك" قال: "فما تلافاه أن رحمه"، وقال مرةً أخرى: "فما تلافاه غيرها". (صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: (أنزله بعلمه والملائكة يشهدون): ۲/ ۱۱۱۸، وباب الخوف من الله في كتاب الرقاق: ۲/ ۹۵۹، قديمي)

(۵) " عن أبي هريرة —رضي الله تعالىٰ عنه— أنه قال: بعثنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بعث فقال: "إن وجدتم فلاناً و فلانا فأحرقوهما بالنار". ثم قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين أردنا الخروج: "إني أمرتكم أن تحرقوا فلاناً و فلاناً وإن النار لا يعذب بها إلا الله، فإن وجدتموهما فاقتلوهما". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب لا يعذب بعذاب الله: ۱/ ۴۲۳، قديمي)

جی اور رام چندر جی کو بھی کروڑوں لوگ اپنی زندگی کے پیر و یا پیغمبر مانتے ہیں، کیا ایک مسلمان ﴿لكل قوم هاد﴾ کے فصیح و بلیغ اور معنی خیز جملے کے تحت شک کی بناء پر کرشن جی یا مہاتما گوتم بدھ کو پیغمبر کہہ سکتا ہے؟ اور ان کی تعظیم وتکریم کے لئے حضرت مہاتما بدھ یا حضرت کرشن جی کہتے ہیں؟ ایک مسلمان کے لئے کوئی قباحت تو نہیں ہے، جب کہ ایک دوسرے عالم نے ان دونوں ہستیوں کے ساتھ حضرت کا لفظ لگانا مکروہ اور خلافِ شریعت قرار دیا ہے، ہم آپ سے ملتجی ہیں کہ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

جن انبیاء علیہم السلام کے نام نصوص میں آگئے ہیں ان پر علی التعیین ایمان لانا لازم ہے (۱) اور کسی ایسے شخص کے متعلق نبوت کا اعتراف کرنا جس کا نام نصوص میں نہیں ہے نہ لازم ہے، نہ درست (۲) البتہ کسی کو برا کہنا بھی بغیر دلیل کے درست نہیں۔ ﴿لكل قوم هاد﴾ سے استدلال تام نہیں، کیونکہ اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ خبر ثانی ہے مبتدا کی، پوری آیت ہے ﴿إنما أنت منذر و لكل قوم هاد﴾ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں (۳)۔

علاوہ ازیں ''ہادی'' کا لفظ نبی کے ساتھ مخصوص نہیں، غیر نبی پر بھی اس کا اطلاق آیا ہے اور نبی سے بلکہ سیدالأنبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نفی بھی کی گئی ہے: ﴿إنك لا تهدي من أحببت﴾ (۴) انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو جو لوگ پہونچاتے ہیں وہ بھی ایک قسم کی ہدایت دیتے ہیں۔

کرشن اور گوتم بدھ اور رام چندر وغیرہ کے صحیح حالات ہمارے علم میں نہیں، تاریخ میں رطب و یابس سب کچھ ہے جو کہ مفید یقین نہیں، اس لئے کف اللسان چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفر لہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) ''یجب أن یقول: آمنت بالله و ملائکته و کتبه و رسله''. (شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۰۱، ۱۰۲، قدیمی)

(۲) ''و قدورد أنه علیه السلام سئل عن عدد الأنبیاء علیهم الصلاة والسلام فقال: ''مأة ألف و أربعة و عشرون ألفاً''. و فی روایة: ''مائتا ألف و أربعة و عشرون ألفاً'' إلا أن الأولیٰ أن لا یقتصر علی عدد فیهم''. (شرح الفقه الأکبر للملا علی القاری، ص: ۵۶، قدیمی)

''والأولی أن لا یقتصر علی عدد فی التسمیة فقد قال الله تعالیٰ ﴿ منهم من قصصنا علیک و =

کیا گرونانک کو کوئی کتاب ہے؟

سوال[۲۲۴]: پنڈت گرونانک کے بارے میں کیا رائے ہے؟ آیا اس کو کوئی مرتبہ اسلام کی رو سے حاصل ہے یا نہیں؟ اور اس کو کوئی کتاب بھی ملی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً :

خدائے پاک کی طرف سے کتاب رسول کو ملتی ہے، گورونانک کا وجود ایسے وقت میں ہے کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا تھا(۱) لہذا وہاں کتاب کا سوال بے محل ہے، سکھ لوگ اس کو اپنا مقتدی مانتے ہیں اور اس کی تعلیمات سے توحید کو بھی ثابت کرتے ہیں، اور بھی بعض ایسی چیزیں بتلاتے ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے، بعض کتابوں میں اس کا مسلمان ہونا بھی لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۱ھ۔

= منهم من لم نقصص عليک﴾ و لا يؤمن في ذكر العدد أن يدخل فيهم من ليس منهم إن ذكر أكثر من عددهم، أو يخرج منهم من هو فيهم إن ذكر أقل من عددهم .... و يحتمل مخالفة الواقع وهو عد النبي من غير الأنبياء أو غير النبي من الأنبياء". (شرح العقائد ، ص: ۱۰۱، دهلی)

(۳) "وأخرج ابن مردوی، عن ابن عباس، و ابن جرير عن عكرمة و أبي الضحى أن المنذر والهادی هو رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، وجه ذلک بأن (هاد) عطف على (منذر) و (لكل قوم هاد) متعلق به قدّم عليه للفاصلة". (روح المعانی: ۱۳/۱۰۸، تفسير سورة الرعد آيت: ۷)

(۴) (سورة القصص: ۵۶)

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين﴾. (الأحزاب: ۴۰)

"عن أبي هريرة -رضي الله تعالیٰ عنه- أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إن مثلی ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتاً فأحسنه و أجمله إلا موضع لبنة من زاوية، فجعل الناس يطوفون به و يتعجبون له و يقولون: هلا وضعت هذه اللبنة؟ قال: "(فأنا اللبنة و أنا خاتم النبيين". (صحيح البخاری، كتاب المناقب، باب خاتم النبيين: ۱/۵۰۱، قديمی) .... =

رام کرشن کے متعلق کیا عقیدہ رکھا جائے؟

سوال[۲۲۵]: رام کرشن اپنے وقت کے کیا تھے اور اب مسلمانوں کو ان پر کیسا عقیدہ رکھنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

کرشن جی کے متعلق عقیدہ

سوال[۲۲۶]: کرشن جی کو نبی بتلانا اور مسلمانوں کا ان پر ایمان سے لکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

جس طرح کسی نبی ثابت النبوۃ کی نبوت کا انکار جائز نہیں، اسی طرح کسی غیر ثابت النبوۃ کی نبوت کا اقرار بھی جائز نہیں، بعض انبیاء علیہم السلام کے نام قرآن کریم وحدیث شریف میں آئے ہیں (ان میں کرشن جی کا نام نہیں) ان کے علاوہ کسی معین شخص کی نبوت پر ایمان کی تعلیم اسلام نے نہیں دی، بلکہ اجمالی طور پر ایمان کا حکم ہے اس

= (والصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم خاتم النبیین: ۲/۲۴۸، قدیمی)

"کلما هلک نبي خلفه نبي، و أنه لا نبي بعدی". (الصحیح لمسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة الأول فالأول: ۲/۱۲۶، قدیمی)

"وأنه سیکون في أمتي کذابون ثلاثون، کلهم یزعم أنه نبي الله، و أنا خاتم النبیین لا نبي بعدی". (مشکوة المصابیح، کتاب الفتن: ۲/۴۶۵، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب الفتن، باب ما جاء لا تقوم الساعة حتی یخرج کذابون: ۲/۴۵، سعید)

"وقد أخبر الله تبارک و تعالیٰ في کتابه، و رسوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في السنة المتواترة عنه أنه لا نبي بعده". (تفسیر ابن کثیر، (الأحزاب): ۳/۲۵۲، مکتبه دار الفیحاء، ومکتبه دار السلام)

طرح کہ جس قدر انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ جمادی الاولی/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۶۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ منظور احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

سلف صالح کا اتباع اور پیروی بہر حال ضروری ہے اور اسی میں ہماری فلاح اور سعادت ہے۔ فقط زکریا قدوسی۔

الجواب صحیح: بندہ ظہور الحق عفی عنہ، مدرسہ ہذا۔

ہذا الجواب ہو الحق و بالاتباع احق: امیر احمد کاندھلوی کان اللہ لہ۔

الجواب صحیح: عبد الرحمن غفرلہ۔ احقر علیم اللہ مظاہری عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "وأما الأنبياء والمرسلون، فعلينا الإيمان بمن سمى الله تعالىٰ في كتابه من رسله، والإيمان بأن الله تعالىٰ أرسل رسلاً سواهم وأنبياء، لا يعلم أسماءهم و عددهم إلا الله تعالىٰ الذي أرسلهم، فعلينا الإيمان بهم جملةً، لأنه لم يأت في عددهم نص. وقد قال تعالىٰ: ﴿ورسلاً قد قصصنا هم عليك من قبل، و رسلاً لم نقصصهم عليك﴾ (النساء: ۱۶۴) وقال تعالىٰ: ﴿ولقد أرسلنا رسلاً من قبلك منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك﴾ (غافر: ۷۸). (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، وجوب الإيمان بالأنبياء والرسل، ص: ۴۲۷، مكتبه الغرباء الجامعة الستارية، كراتشي)

"وأما المبعوثون فالإيمان بهم واجب، و من ثبت شرعاً تعيينه منهم، وجب الإيمان بعينه، و من لم يثبت تعيينه كفى الإيمان به إجمالاً، (و لا ينبغي في الإيمان بالأنبياء القطع بحصرهم في عدد) فيؤدي: أي فقد يؤدي حصرهم في العدد الذي لاقطع به (إلى أن يعتبر فيهم من ليس منهم) بتقدير كون عددهم في نفس الأمر أقل من الوارد (أو يخرج) عنهم (من هو منهم) بتقدير كون عددهم في نفس الأمر أزيد من الوارد". (المسامرة شرح المسايرة، الإيمان بالمبعوثين واجب، ص: ۲۲۵، المكتبة التجاريه الكبرى مصر) .... =

رام پچھمن وغیرہ

سوال[۲۲۷] : زید کہتا ہے کہ رام پچھمن ہوسکتا ہے کہ اپنے زمانہ میں پیغمبر ہوں، لوگوں نے ان کی تعلیم کوخراب کر کے بدنام کردیا ہے، اس لئے ان کو برانہیں کہنا چاہئے، زید اپنے قول کی تصدیق اللہ کے فرمان سے پکڑتا ہے کہ (اللہ نے دنیا کے ہر گوشہ میں اپنا پیغمبر بھیجا ہے) ہوسکتا ہے کہ یہی رام پچھمن ہندوستان میں پیغمبر بن کر آئے ہوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے اور شخص مذکور پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہونا چاہئے؟

نیز زید یہ بھی کہتا ہے کہ کسی کافر کو کافر مت کہو، ہوسکتا ہے کہ وہ کسی وقت ایمان لے آئے۔ تو کیا تقوی اس میں ہے کہ جس کی زندگی کفر میں گزر رہی ہو اور تمام افعال کفریہ ہورہے ہوں تو ان کو کافر نہ کہا جائے، کیا یہ اللہ ورسول کی مخالفت ہوئی یا نہیں؟ جسے اللہ ورسول نے کافر کہہ دیا تو اسے کافر کہنے میں کیا حرج ہے؟

غلام مرتضی، کٹنی۔

الجواب حامداًومصلياً:

جب تک دلیل شرعی سے ثبوت نہ ہو، کسی کی پیغمبری کا یقین کرنا درست نہیں (۱) بلاوجہ کسی کو برا کہنا بھی

= "ذكر بعض العلماء أن الأولى أن لايقتصر عددهم؛ لأن خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط لا يفيد إلا الظن، ولا يعتبر إلا في العمليات دون الاعتقادات، وههنا حصر عددهم يخالف ظاهر قوله تعالىٰ: ﴿منهم من قصصنا عليک و منهم من لم نقصص﴾ (غافر : ۷۸) "و يحتمل أيضًا مخالفة الواقع، و إثبات نبوة من ليس بنبي إن كان عددهم في الواقع أقل مما ذكر، ونفي النبوة عمن هو نبي إن كان أكثر، فالأولى عدم التنصيص على عدد". (شرح المقاصد، فصل في النبوة، المبحث السادس: الأنبياء معصومون عما ينافي مقتضى المعجزة : ۳۱۷/۲، دارالكتب العلمية)

(۱) "والأولى أن لايقتصر على عدد التسمية في ذكر العدد أن يدخل فيهم من ليس منهم ...... ويحتمل مخالفة الواقع وهو عدد النبي من غير الأنبياء أو غير النبي من الأنبياء". (شرح العقائد النسفية، ص: ۱۰۱، بحث واول الأنبياء ...... دهلی)

(وكذا في كفاية المفتي: ۱۰۸/۱، كتاب العقائد، دارلاشاعت كراچی)

درست نہیں (۱) لہذا سکوت ہی احوط ہے۔

جس کا کفر دلیل شرعی سے ثابت ہو وہ کافر ہی ہے اس کو کافر ہی کہا جائے گا، مسلمان نہیں کہا جاسکتا، اگر حق تعالیٰ اسلام کی توفیق دے دے تو اس کو مسلمان کہا جائے گا (۲)۔ اس کی مثالیں دورِ اول میں بھی موجود ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دینِ اسلام ملائکہ کے ذریعہ کیوں نہیں پھیلایا جاتا؟

سوال [۲۲۸]: دنیا میں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ موجود ہیں اور ہر ایک اپنے مذہب کو صحیح قرار دیتا ہے اور اپنے ہی مذہب کے بتلائے گئے اصولوں پر رہتا ہے، مذہبِ اسلام کو تقریباً اسّی فیصد لوگ مذہبِ حق نہیں مانتے اور ایسی صورت میں خدا تعالیٰ کسی فرشتے کے ذریعہ یا کسی ولی اللہ کے ذریعہ مذہب اسلام کیوں نہیں، پھیلاتا اور شیطان کے دھوکہ سے معصوم لوگوں کو کیوں نہیں بچاتا؟ ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ وسلم تبلیغ صرف کفار میں فرمایا کرتے تھے مگر آج کل مسلمان ایسا نہیں کرتے، کیا ایسا کرنے کی ضرورت نہیں؟ براہ کرم

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۱۱، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، قديمي)

(وكذا في صحيح البخاري: ۱۲/۱، باب خوف المؤمن أن يحبط علمه من كتاب الإيمان، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الذين يكفرون بالله ورسوله، ويريدون أن يفرقوا بين الله ورسله، ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض، ويريدون أن يتخذوا بين ذلك سبيلاً، أولئك هم الكافرون حقاً﴾. الآيه، (سورة النساء: ۱۵۰، ۱۵۱)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "اللهم أعز الإسلام بأبي جهل بن هشام، أو بعمر بن الخطاب، فأصبح عمر، فغدا على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأسلم ثم صلى في المسجد ظاهراً". (مشكوة المصابيح، ص: ۵۵۷ مناقب عمر رضي الله عنه، قديمي)

بوضاحت جواب سے مطلع فرماویں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

دین اسلام کی تبلیغ مسلمانوں کے ذمہ میں ہے، فرشتوں کے ذمہ نہیں، اولیاء اللہ نے ہمیشہ دین اسلام کو پھیلایا ہے اور ایک ایک ولی اللہ کے ہاتھ پر ہزاروں آدمی مسلمان ہوئے اور اب بھی اولیاء اللہ ہمیشہ کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ شیطان کے دھوکہ سے بچانے کے لئے قرآن پاک اور حدیث شریف میں طریقے بتادیئے گئے، ان کے ترجمے ہر زبان میں کردیئے گئے، جگہ جگہ مدارس قائم کردیئے گئے کہ لوگ پڑھ کر شیطان کے دھوکہ سے بچنے کے طریقے معلوم کریں، چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کردی گئی ہیں، خانقاہیں قائم کردی گئی ہیں جن میں اولیاء اللہ بیٹھ کر یہ سب کچھ کرتے ہیں، اگر کوئی شخص ان سب سے نفع نہ اٹھائے، تو یہ خود انکا قصور ہے۔

دنیوی کاموں کے لئے محنت کرتے ہیں، مثلاً: ایک سیر غلہ پیدا کرنے کے لئے کھیتی کرتے ہیں، کتنی محنت کی جاتی ہے، وہاں یہ سوال نہیں ہوتا کہ فرشتے ہی آکر یہ سب کام کردیا کریں، اسی طرح زندگی کے ہر شعبہ کا حال ہے نہ کبھی مکان بنانے کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ کوئی فرشتہ آکر تعمیر کردیا کرے، پھر دین کی تبلیغ کے لئے یہ خیال کیوں ہوتا ہے۔ جس چیز کو آدمی پھیلانا چاہتا ہے اس کے لئے جماعت بناتا ہے، اس کا مرکز قائم کرتا ہے، اخبار نکالتا ہے، یا دوسرے اخبارات میں مضمون دیتا ہے، ہر جگہ اس کا پرچار کرتا ہے، اس پر محنت بھی کرتا ہے، روپیہ بھی خرچ کرتا ہے، اپنے دل و دماغ، زبان، عزت، اقتدار غرض ہر قوت کو خرچ کرتا ہے، یہ کبھی کوئی نہیں کہتا کہ فرشتہ آکر یہ کام کرجایا کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۱۸ھ۔

انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام کے اصحاب کا احترام

سوال [۲۲۹]: انبیاء سابقین کے اصحاب کا احترام و اکرام ہمارے فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کے احترام و اکرام کے مثل ہم پر ضروری ہے یا کوئی کمی وبیشی کا فرق ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

فرق ہے: "والحاصل أن أفضل الناس بعد الأنبیاء علیهم السلام أبو بکر الصدیق، ثم عمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان، ثم علي بن أبي طالب اهـ"۔ شرح فقه الأکبر: ص: ٦٤(١)۔

(**ترجمہ**) حاصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر بن الخطاب، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحابہ سب عادل اور واجب الاحترام ہیں

سوال[۲۳۰]: ایک شخص تاریخی واقعات پر نظر کرتے ہوئے صحابہ کے درمیان حق اور ناحق کا فیصلہ کرتا ہو تو یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں؟ اگر ایک کو حق دوسرے کو ناحق کہتا ہو تو ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناحق کہنے کا حق ہے تو پھر اس حدیث کا کیا جواب ہوگا: "فمن أحبهم فبحبي أحبهم و من أبغضهم فببغضي أبغضهم"(۲)۔

---

(۱) (شرح الفقه الأکبر ملا علی القاری، ص: ۶۱، ۶۲، قدیمی)

"وأفضل البشر بعد نبینا صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أبو بکر الصدیق، ثم الفاروق، ثم عثمان ذو النورین، ثم علي المرتضی من عباد الله، و خلص أصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی هذا وجدنا السلف". (شرح العقائد النسفیة للتفتازاني، ص: ۱۴۹، ۱۵۰، قدیمی)

"واتفق أهل السنة علی أن أفضلهم أبو بکر، ثم عمر، قال جمهورهم: ثم عثمان، ثم علي، و قال بعض أهل السنة: من أهل الکوفة بتقدیم عليّ علیٰ عثمان، والصحیح المشهور تقدیم عثمان". (شرح مسلم للنووي، کتاب فضائل الصحابة رضي الله تعالیٰ عنهم: ۲/۲۷۲، قدیمی)

(۲) (مشکوة المصابیح، باب مناقب الصحابة، ص: ۲/۵۵۴، قدیمی)

الجواب حامداً و مصلیاً :

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب واجب الاحترام ہیں، کسی کی شان میں گستاخی وتوہین جائز نہیں، ان کے مشاجرات میں کفِ لسان کا حکم ہے، گو اتنی بات صحیح ہے کہ ان میں بعض افضل ہیں بعض سے، لیکن کسی کے متعلق بھی یہ کہنا درست نہیں کہ وہ باطل وضلالت پر تھے،(۱) جو شخص صحابہ کرام کو سب وشتم کرے اس

(۱) "والصحابة كلهم عدول مطلقاً؛ لظواهر الكتاب والسنة وإجماع من يُعتد به. في شرح السنة: قال أبو منصور البغدادى: أصحابنا مجمعون على أن أفضلهم الخلفاء الأربعة على الترتيب المذكور، ثم تمام العشرة، ثم أهل بدر، ثم أحد، ثم بيعة الرضوان، و من له مزية من أهل العقبتين من الأنصار، وكذالك السابقون الأولون، وهم من صلى إلى القبلتين، و قيل: أهل بيعة الرضوان، و كذالك اختلفوا في عائشة و خديجة أيهما أفضل؟ وفي عائشة و فاطمة؟ و أما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة الأخيار. والحروب التي جرت بينهم كانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها بسببها، وكلهم متأولون في حروبها، ولم يخرج بذلك أحد منهم من العدالة؛ لأنهم مجتهدون اختلفوا في مسائل كما اختلف المجتهدون بعدهم في مسائل، و لا يلزم من ذلك نقص أحد منهم". (مرقاة المفاتيح للقارى، كتاب المناقب والفضائل، باب مناقب الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم: ۳۵۵/۱۰، رشيديه)

"ويكف عن ذكر الصحابة رضوان الله تعالىٰ عليهم أجمعين إلا بخير؛ لما ورد من الأحاديث الصحيحة فى مناقبهم، ووجوب الكف عن الطعن فيهم كقوله عليه الصلاة والسلام:" لا تسبوا أصحابى، فلو أن أحدكم إن أنفق مثل أحد ذهباً ما بلغ مد أحدهم و لا نصيفه". و كقوله عليه الصلاة والسلام:" الله الله فى أصحابى لا تتخذوهم غرضاً من بعدي، فمن أحبهم فبحبى أحبهم، و من أبغضهم فببغضى أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذانى، و من آذانى فقد آذى الله، و من آذى الله تعالىٰ فيوشك أن يأخذه". ثم في مناقب كل من أبى بكر و عمر وعثمان وعلي والحسن والحسين رضوان الله تعالىٰ عليهم وغيرهم من أكابر الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم أحاديث صحيحة، وما وقع بينهم من المنازعات والمحاربات فله محل و تأويلات، فسبهم والطعن فيهم إن كان مما يخالف الأدلة القطعية، فكفر كقذف عائشة رضى الله تعالىٰ عنها، وإلا فبدعة وفسق". (شرح العقائد النسفى للتفتازانى، ص: ۱۱۶، المطبع اليوسفى)

(وكذا فى النبراس، ص: ۳۲۷، ۳۲۸، امداديه ملتان)

پرلعنت وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۹۲ھ۔

اہلِ بیت اور صحابہ کرام سے محبت

سوال [۲۳۱]: ۱...... کیا محبت اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جزو ایمان ہے، اگر جزو ایمان ہے تو نص صریح تحریر فرمائیں اور اگر نہیں ہے تو آیت کریمہ ﴿ولا أسئلكم عليه أجراً إلا المودة في القربىٰ﴾ (۲) کے کیا معنیٰ اور محبت کا اظہار کس طرح سے کیا جاوے اور اہل بیت میں کون کون شامل ہیں؟

صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم

سوال [۲۳۲]: ۲...... جو لوگ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی کرتے ہیں وہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی تائید میں کوئی آیت کریمہ تحریر فرمایئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲...... نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لانے والے اور جان نثار متبع کی شان یہ ہے کہ آپ سے تعلق رکھنے والی ہر شیء کے ساتھ علیٰ حسب المراتب محبت رکھے: آپ کی مسجد، آپ کا مزار، آپ کا وطن، آپ کا لایا ہوا قرآن شریف اور اس کے احکام، آپ کی حدیث اور اس کے احکام، آپ کا کھانا، آپ کا پینا، آپ کا لباس، آپ کی سواری اونٹ وغیرہ، آپ کے ہتھیار، تلوار وغیرہ، آپ کا طرز زندگی، طرز عبادت، طرز معاملات، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن، عترت پاک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، غرض آپ سے تعلق رکھنے والی ہر شی محبوب ہونی چاہئے اور جو شی آپ کو مرغوب و پسندیدہ نہ تھی یا مبغوض تھی اس سے اسی قدر بعد ہونا چاہئے۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة الله على شركم". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، باب مناقب الصحابة: ۲/ ۵۵۴، قديمي)

(۲) (الشورىٰ: ۲۳)

حاصل یہ کہ اپنی محبت ونفرت کو من کل الوجوہ آپ کی محبت ونفرت کے تابع کردے، جو شخص اعتقاد وقول وفعل سے اس چیز میں جس قدر راسخ اور کامل ہوگا اسی قدر اس کا ایمان پختہ ہوگا، جس قدر کمی ہوگی اسی قدر ایمان میں ضعف ہوگا، اس کی دلیل وہ بے شمار آیتیں ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو فرض، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور باعثِ فلاح اور آپ کی نافرمانی کو حرام، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور باعث ہلاکت فرمایا گیا ہے، آپ کی محبت کا ہرشئی کی محبت سے زیادہ ہونا ضروری ہے:

" عن أنس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وآله وسلم: "لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده والناس أجمعین "۔ متفق علیه".

"وعنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وآله وسلم:" ثلث من کن فیه وجدبهن حلاوة الإیمان: من کان اللّٰه و رسوله أحب إلیه مما سواهما الخ"۔ مشکوة شریف: ص: ۱٤ (۱)۔

لیکن شریعتِ مطہرہ نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں صراحۃً مذکور ہے (۲) اور ایمان کا مدار توحید ورسالت وغیرہ عقائد کو قرار دیا ہے، پس اس بنیاد اور مدار کے عدم سے ایمان معدوم ہوگا جو کفر کو مستلزم ہے، باقی عقائدِ واجبہ کے عدم سے کفر نہیں لازم آتا، البتہ ضعف

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان: ۱/۱۲، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب حب الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم من الإیمان: ۱/۷، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب حلاوة الإیمان: ۱/۷، قدیمی)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "بنی الإسلام علی خمس: شهادة أن لا إله إلا اللہ و أن محمداً عبده و رسوله، و إقام الصلاة، و إیتاء الزکاة، والحج و صوم رمضان". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان: ۱/۱۲، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: (بنی الإسلام علی خمس): ۱/۶، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أرکان الإسلام و دعائمه العظام: ۱/۳۲، قدیمی)

ایمان کی دلیل ضرور ہے۔

اہل بیت اور صحابہ کرام کی محبت کا اظہار اس طرح کرنا چاہئے کہ ان حضرات کا نام عظمت واحترام سے لے اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہے، ان کے واقعات پڑھے دوسروں کو سنائے اور ان سے عبرت حاصل کرے کہ کس طرح سرفروشی سے دین کی تبلیغ واشاعت فرمائی ہے اور حسبِ مقدور اس امر میں خود بھی ان کا اتباع کرے، اہلِ بیتِ پاک: ازواج مطہرات، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بغض رکھنا اور یہ سخت حرام ہے، کیونکہ ان سے بغض رکھنا، درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنا ہے اور یہ فی الحقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ سے بغض رکھنا ہے جو شخص گستاخی کے کلمات ان کی شان میں کہتا ہے اس کے اوپر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے ایسے شخص کو کافر قرار دیا ہے:

"عن عبد اللّٰه بن مغفل رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وآله وسلم: "اللّٰه اللّٰه في أصحابي لا تتخذوهم غرضاً من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، و من اذاهم فقد اذاني، ومن اذاني فقد اذى اللّٰه، و من اذى اللّٰه فيوشك أن يأخذه"۔ رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب"۔

"عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وآله وسلم: "إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة اللّٰه على شركم"۔ رواه الترمذي اهـ" مشكوة شريف: ص: ٥٥٤ (١)۔

"لا أسئلك في القربىٰ" مجھے معلوم نہیں کہ کونسی آیت ہے، کس سورت میں آئی ہے، ممکن ہے کہ سائل کی مراد اس سے: ﴿قل لا أسئلكم عليه أجراً إلا المودة في القربىٰ﴾ (٢) ہو۔ اگر ایسا ہو تو اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے چند اقوال ہیں:

---

(١) (جامع الترمذي، أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب في من يسب أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ٢/ ٢٢٥، سعيد)

(مشكوة المصابيح، باب مناقب الصحابة: ٢/ ٥٥٤، قديمي)

(٢) (الشورىٰ: ٢٣)

ایک یہ کہ ''اے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! فرما دیجئے ان مشرکین کو کہ میں اپنی اس تبلیغ اور نصیحت پر تم سے کوئی اجر اور مال نہیں مانگتا، صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ مجھ سے شر کو روک لو اور مجھے رسالت کی تبلیغ کرنے دو اور تمہارے درمیان قرابت ہے اس کا خیال کرو اھ''۔ تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۱۱(۱)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قربیٰ سے مراد تقرب الی اللہ ہے یعنی ''صرف یہ چاہتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کر کے اطاعت اور عمل صالح کے ذریعہ سے تقرب الی اللہ حاصل کرو اھ''۔ تفسیر مدارک: ۴/۸۱(۲)۔

تیسرا قول یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو تنگی کا زمانہ تھا اور ضرورتیں درپیش تھیں تو انصار نے کہا آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت فرمائی ہے اور آپ ہمارے اس شہر میں ہمسایہ ہیں، لہذا آپ کے لئے کچھ مال جمع کرنا چاہئے سو جمع کر کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لائے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو واپس کر دیا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ''آپ کہہ دیجئے کہ

---

(۱) ﴿قل لا اسئلكم عليه أجراً إلا المودة في القربىٰ﴾: أي قل يا محمد لهؤلاء المشركين من كفار قريش: لا أسألكم على هذا البلاغ و النصح لكم مالا تعطونيه، و إنما أطلب منكم أن تكفوا شركم عني، و تذروني أبلغ رسالات ربي، إن لم تنصروني فلا تؤذوني بما بيني و بينكم من القرابة''. (تفسير ابن كثير (الشورىٰ: ۲۳): ۴/۱۰۰، دار القلم)

''(قل لا أسئلكم عليه أجرا)'' على ما أدعوكم عليه ''(إلا المودة في القربىٰ)'' تودوني لقرابتي منكم و تحفظوني بها''. (روح المعاني، (الشورىٰ: ۲۳): ۲۵/۴۸، دارالفكر)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (الشورىٰ: ۲۳): ۱۶/۱۵، دارالكتب العلمية)

(۲) '' وقيل: القربى التقرب إلى الله تعالىٰ: أي إلا أن تحبوا الله و رسوله في تقربكم إليه بالطاعة و العمل الصالح''. (تفسير المدارك، (الشورىٰ: ۲۳): ۱۰۲۵، قديمي)

''عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ''لا أسألكم على ما آتيتكم من البيّنات و الهدى أجراً إلا أن تـوادّوا الله تعالىٰ، و أن تقربوا إليه بطاعته ''. (تفسير ابن كثير، (الشورىٰ: ۲۳): ۴/۱۰۰، ۱۰۱، دار القلم)

و قال آخرون: بل معنى ذلك: قل: لا أسألكم أيها الناس على ما جئتكم به أجراً إلا أن تـوددوا إلى الله، و تتقربوا بالعمل الصالح و الطاعة''. (تفسير الطبري، (الشورىٰ: ۲۳): ۲۵/۲۵، شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابي الحلبي)

تم سے ہدایت اور ایمان کا عوض نہیں مانگتا، البتہ یہ چاہتا ہوں کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو" اھ۔ تفسیر کبیر: ۲۷۴۳/۷ (۱)۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ "اس آیت کریمہ میں قرابت سے مراد حضرت علی و فاطمہ وحسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں اھ" تفسیر ابوالسعود: ۳۵/۸ (۲)۔

محدثانہ حیثیت سے ان میں سے بعض روایات پر کلام بھی ہے جس کو ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۷/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/ رجب المرجب/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "روى الكلبي عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما قدم المدينة كانت تعروه نوائب و حقوق و ليس في يده سعة، فقال الأنصار: إن هذا الرجل قد هداكم الله على يده و هو ابن أختكم و جاركم في بلدكم، فاجمعوا له طائفةً من أموالكم، ففعلوا، ثم أتوه به فرده عليهم، فنزل قوله تعالىٰ: ﴿قل لا أسئلكم عليه أجراً﴾ ". (التفسير الكبير، (الشورىٰ: ۲۳): ۱۴۱/۲۷، دار الكتب العلمية)

"فقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: لما قدم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المدينة كانت تنوبه نوائب وحقوق لا يسعها ما في يديه، فقالت الأنصار: إن هذا الرجل هداكم الله به، وهو ابن أخيكم، و تنوبه نوائب و حقوق لا يسعها ما في يديه، فنجمع له، ففعلوا، ثم أتوه به فنزلت الخ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي (الشورىٰ: ۲۳): ۱۶/۱۷، دار الكتب العلمية)

(۲) "روي أنها لما نزلت، قيل: يا رسول الله! من قرابتك هؤلاء الذين وجبت علينا مودتهم؟ قال: "عليّ وفاطمة و ابناهما". (تفسير أبي السعود، (الشورىٰ: ۲۳): ۳۰/۸، دار إحياء التراث العربي)

"لما أنزل الله عزوجل: (قل لا أسئلكم عليه أجراً إلا المودة في القربىٰ) قالوا: يا رسول الله! من هؤلاء الذين نودّهم؟ قال: "علي و فاطمة و ابناهما". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي (الشورىٰ): ۱۶/۱۶، دار الكتب العلمية)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قيل: يا رسول الله! من قرابتك هؤلاء؟ قال: "علي و فاطمة وابناهما". (التفسير المظهري، (الشورىٰ: ۲۳): ۳۱۸/۸، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۳) (تفسير ابن كثير، (الشورىٰ: ۲۳): ۱۲۳/۴، مكتبه دار الفيحاء)

آل رسول کا مصداق

سوال[۲۳۴]: ''آل'' کا لفظ صرف اہل بیت کے لئے خاص ہے یا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور جملہ امتیوں کو بھی شامل ہے؟ اگر تمام صحابہ اور تمام متبعین کو شامل ہے تو پھر درود شریف میں: ''و أصحابه'' بڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

''آل رسول'' کا لفظ اہل بیت کے لئے خاص ہے اس لئے صحابہ کرام کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص میرے طریق پر چلے وہ میری آل ہے، اس لئے جہاں اصحاب کا تذکرہ نہیں وہاں اس روایت کے تحت اصحاب کو ''آل'' میں داخل قرار دے لیا جاوے گا(۱) اس روایت پر ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح حصن حصین میں کلام کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) ''و اختلف في الآل المصلي عليهم فقيل: بنو هاشم، و قيل: أولاده، و قيل: الفقهاء المجتهدون، وقيل: أتباعه و هو المختار''. ''و عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه سئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن آل محمد، قال: ''كل تقي'' و في رواية: ''كل مؤمن'' و في سندهما ضعف''.

و في الحاشية رقم: ۳: ''(قوله: هو المختار) والحق أنه ليس بصحيح عند الأبرار لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''لا يصح الصدقة لمحمد و لا لآل محمد'' و لو كان الآل جميع الأتباع حرمت عليهم الصدقة، و لم يقل به أحد''. (النبراس شرح شرح العقائد (تحت قوله: و على آله)، ص: ۱۰)

''(وعلى آله) .... فبالاشتراك اللفظي على ثلثة معان .... الثالث: بمعنى أهل البيت خاصةً: نحو آل محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم''. (امداد الفتاح شرح نور الايضاح و نجاة الأرواح، ص: ۲۷، دار إحياء التراث العربي)

''(و على آله) ...... فالأكثرون أنهم قرابته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذين حرّمت عليهم الصدقة .... و قيل: جميع أمة الإجابة''. (مقدمة رد المحتار: ۱/ ۱۳، سعيد)

''و اختلف العلماء في آل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على أقوال: أظهرها وهو اختيار الأزهري وغيره من المحققين أنهم جميع الأمة''. (شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۷۵، باب =

مدح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

سوال [۲۳۵]: مدح صحابہ شرعی حیثیت سے فرض ہے، واجب ہے، یا سنت ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مدح صحابہ قرآن وحدیث میں کثرت سے موجود ہے اور ہر جمعہ کو ممبر پر چڑھ کر خطیب مدح صحابہ کرتا ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ یہ شعار اہلسنت والجماعت میں سے ہے، اگر اس کی رکاوٹ کی جاوے گی تو اس کا کرنا ضروری ہوگا (۱) لیکن موقعہ اور محل اور نوعیت کی رعایت بہر حال ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

صحابہ کرامؓ سب سنی تھے

سوال [۲۳۶]: مولانا صاحب بی اے منشی فاضل فرماتے ہیں "نہ میں حنفی ہوں، نہ مالکی، نہ شافعی، نہ حنبلی، نہ شیعہ، نہ قادیانی، نہ سنی، میں مسلم ہوں" اور ان کے شاگرد چاروں طرف کہتے پھرتے ہیں کہ سنی ہونا قرآن مجید سے ثابت نہیں، سنی تو حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوڈیڑھ سو سال بعد ہوئے جو سن کر مسلمان ہوئے۔

= الصلوة على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد التشهد، قديمى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان، رضي الله عنهم و رضوا عنه، و أعد لهم جنات تجرى تحتها الأنهر، خالدين فيها أبداً، ذلك الفوز العظيم﴾ (التوبة: ۱۰۰)

و قال تعالىٰ: ﴿لقد رضي الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة، فعلم ما في قلوبهم، فأنزل السكينة عليهم، و أثابهم فتحاً قريباً﴾ (الفتح: ۱۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿محمد رسول الله والذين معه أشدآء على الكفار رحمآء بينهم تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله و رضواناً، سيماهم في وجوههم من أثر السجود، ذلك مثلهم في التوراة و مثلهم في الإنجيل، كزرع أخرج شطأه فازره فاستغلظ، فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار، وعد الله الذين امنوا و عملوا الصالحات مغفرةً و أجراً عظيماً﴾. (الفتح: ۲۹)

مشکوۃ شریف، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''البتہ آوے گا امت میری پر یعنی زمانہ جیسا کہ آیا اوپر بنی اسرائیل کے مانند پاپوش کے ساتھ پاپوش کے یعنی بہتر گروہ کے، اور ہوگی امت میری تہتر گروہ پر، سب وہ بیچ دوزخ کے مگر ایک گروہ''، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کون ہوگا وہ گروہ؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب'' (۱) اور اس ہی باب میں ارشاد فرمایا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "فعلیکم بسنتي و سنة الخلفاء" (۲) پس لازم پکڑو طریقہ میرا اور طریقہ خلفائے راشدین کا۔ کیا اس سے سنت والجماعت ہونا ثابت نہیں ہوتا؟ اس کو سنی ہونا نہیں کہتے کیا سنت والجماعت یا سنی ہونا کفر ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

سنی وہ جماعت ہے جو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریق کے موافق عمل کرتے ہیں جیسا کہ بہت سی احادیث میں سنت اور جماعت صحابہ کے طریق کو اختیار کرنے اور اس پر چلنے کا حکم ثابت ہے اور اس سے علیحدہ ہونے کی برائی اور مذمت صراحۃً موجود ہے۔ لفظ ''سنی'' اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں موجود نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سنت پر عمل کرنے والے بھی اس زمانہ میں موجود نہیں تھے، بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سنی تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنی ہونے یعنی سنت پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" من تمسك بسنتي عند فساد أمتي، فله أجر مائة شهيد"۔ رواه البيهقي".

"عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" من

---

(۱) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليأتين على أمتي كما أتى على بني اسرائيل حذو النعل بالنعل، حتى إن كان منهم من أتى أمه علانيةً لكان في أمتي من يصنع ذلك، وإن بني اسرائيل تفرقت ثنتين و سبعين ملةً، و تفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملةً، كلهم في النار إلا ملةً واحدةً". قالوا: من هي يا رسول الله؟ قال: "ما أنا عليه و أصحابي". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني: ۱/۳۰، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح المصدر السابق)

خالف الجماعة شبراً، فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه"۔رواه احمد و أبوداؤد" (۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/محرم/۵۶ھ۔

کیا صحابی کی نعش کو دیکھنے والا بھی تابعی ہے؟

سوال[۲۳۶]: تابعی کی کیا تعریف ہے؟ کیا اگر آج کسی صحابی کی نعش برآمد ہو تو اس کا دیکھنے والا تابعی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

محض نعش برآمدہ کو دیکھ کر آج چودھویں صدی میں کوئی تابعی نہیں کہلائے گا (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

امام مہدی

سوال[۲۳۷]: کیا امام مہدی کے ظہور کا عقیدہ از روئے قرآن وحدیث ضروریاتِ دین میں سے ہے؟ اگر کوئی امام مہدی کے ظہور کا قائل نہ ہو تو اس کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ رئیس احمد دیوریا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خلیفۃ اللہ المہدی کے متعلق ابوداؤد شریف میں تفصیل مذکور ہے (۳) ان کی علامات، ان کے ہاتھ پر

---

(۱) (مشكوة المصابيح ، باب الاعتصام بالكتاب والسنة ، الفصل الثاني : ۱/۳۰، ۳۱، قديمی)

(۲) "قيل : هو من صحب الصحابی، وقيل: من لقيه،و هو الأظهر". (تقريب النووی : ۲/۲۰۶،قديمی)

"وهو من لقى الصحابی كذلك". (نخبة الفكر، ص: ۱۰۲ ،فاروقی كتب خانه،ملتان)

"هو من لقي صحابياً مسلماً و مات على الإسلام،و قيل: هو من صحب الصحابي". (تيسير مصطلح الحديث، معرفة التابعين، ص: ۲۰۲ ،دار التراث الكويت)

(۳) "و لو لم يبق من الدنيا إلا يوم"، قال زائدة : "لطوّل الله ذلك اليوم حتى يبعث رجلاً منی أو من أهل =

بیعت، ان کے کارنامے ذکر کئے ہیں۔ جو شخص ان "امام مہدی" کے ظہور کا قائل نہیں وہ ان احادیث کا قائل نہیں، اس کی اصلاح کی جائے تاکہ وہ صراط مستقیم پر آجائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= بيتي، يواطيء اسمه اسمي، واسم أبيه اسم أبي". زاد في حديث فطرٍ: "يملأ الأرض قسطاً وعدلاً كما ملئت ظلماً و جوراً". و قال في حديث سفيان: "لا تذهب أو لا تنقضي الدنيا حتى يملك العرب رجل من أهل بيتي يواطيء اسمه اسمي". قال أبو داؤد: لفظ عمرو أبي بكر بمعنى سفيان".

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لو لم يبق من الدهر إلا يوم، لبعث الله رجلاً من أهل بيتي يملأها عدلاً كما ملئت جوراً".

"عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "المهدي من عترتي من ولد فاطمة".

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المهدي مني، أجلى الجبهة، أقنى الأنف، يملأ الأرض قسطاً و عدلاً كما ملئت ظلماً و جوراً، ويملك سبع سنين".

"عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يكون اختلاف عند موت خليفة، فيخرج رجل من أهل المدينة هارباً إلى مكة، فيأتيه ناس من أهل مكة، فيخرجونه و هو كاره، فيبايعونه بين الركن والمقام، و يبعث إليه بعث من الشام، فيخسف بهم بالبيداء بين مكة والمدينة، فإذا رأى الناس ذلك أتاه أبدال الشام وعصائب أهل العراق فيبايعونه، ثم ينشأ رجل من قريش أخواله كلب، فيبعث إليهم بعثاً، فيظهرون عليهم، و ذلك بعث كلب، والخيبة لمن لم يشهد غنيمة كلب، فيقسم المال، و يعمل في الناس بسنة نبيهم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و يلقي الإسلام بجرانه إلى الأرض، فيلبث سبع سنين، ثم يتوفى، و يصلي عليه المسلمون" قال أبوداؤد: وقال بعضهم عن هشام: تسع سنين، وقال بعضهم: سبع سنين".

"قال علي رضي الله تعالىٰ عنه و نظر إلى ابنه الحسن فقال: إن ابني هذا سيد كماسماه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و سيخرج من صلبه رجل يسمى باسم نبيكم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ويشبهه في الخُلق ولا يشبهه في الخَلق، ثم ذكر قصة "يملأ الأرض عدلاً". (سنن ابي داؤد، باب ذكر المهدي: ۲/۲۳۹، بعد أخر كتاب الفتن، امداديه، ملتان) .... =

ایک جنین (غیر مولود) باتیں کرتا ہے کیا وہ مہدی ہے؟

سوال[۲۳۸] :ا...... انڈونیشیا میں ایک عورت حاملہ ہے اس کے دن پورے ہو چکے ہیں، لیکن ابھی تک ولادت نہیں ہوئی، بلکہ جنین نے یہ خبر دی ہے کہ آنے والے سال میں حج کے دن عرفات کے میدان میں پیدا ہوں گے، دوسرے یہ کہ اندر سے جنین گفتگو کرتا ہے جس کی باتیں صرف اس کی ماں سمجھتی ہے، اور کوئی نہیں سمجھتا، تیسرے یہ کہ کہنے والے کا بیان ہے کہ آئندہ چل کر اس کی باتیں ماں کے علاوہ اور اشخاص بھی سمجھ سکتے ہیں، چوتھے یہ کہ بچہ حکم کرتا ہے کہ فلاں جگہ چلو، ماں اس کے حکم کے مطابق دورہ کرتی ہے، پانچویں یہ کہ بچہ مادر کے رحم ہی میں نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے۔

۲...... بندہ کے پاس اس کا استفتاء آیا ہے، اس خبر کی تصدیق کرنا چاہئے یا نہیں؟

۳...... بعض کا خیال ہے کہ امام مہدی یہی ہیں اور قربِ قیامت کی علامات شروع ہوگئی ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ا...... یہ کوئی شرعی چیز نہیں جس کی تصدیق لازم ہو، اگر مخبرہ ثقہ ہو اور ظن غالب اس کی تصدیق پر آمادہ کرے تو تصدیق میں اشکال نہیں (۱)۔ لیکن وہ ملک در ملک دورہ کرتی ہے اور بظاہر بغیر محرم کے سفر کرتی ہے تو وہ ثقہ اور قابلِ تصدیق نہیں (۲)۔ قربِ قیامت کا ظن غالب ہے، دماغی مرض کا بھی شبہ ہے، شیطانی اثر بھی ہوسکتا

= (وكذا في الحاوى للفتاوى، العرف الوردي في اخبار المهدى : ۲/ ۶۹، دار الفكر)

(۱) "شهادة النساء بانفرادهن فيما لايطلع عليه الرجال حجة". (رد المحتار، كتاب الشهادات ۵/ ۴۶۵ ط:سعيد)

"وشرطت الولادة، والبكارة، وعيوب النساء مما لايطلع عليه الرجال امرأة حرة مسلمة".

(مجمع الأنهر، كتاب الشهادات: ۳/ ۲۶۰ ط:غفاريه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الشهادات: ۷/ ۳۷۲، مصطفى البابى مصر)

(۲) "اتفقوا على أن الإعلان بكبيرة تمنع الشهادة، وفي الصغائر إن كان معلناً بنوع فسق مستشنع يسميه الناس بذلك فاسقاً مطلقاً، لا تقبل شهادته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الرابع فيمن تقبل شهادته ومن لا تقبل، الفصل الثاني فيمن لا تقبل شهادته لفسقه: ۳/ ۴۶۶، رشيديه) =

ہے، غرض اس کا قول حجت شرعیہ نہیں۔

۲...... اس کی تصدیق یا تکذیب سے نہ ایمان قوی ہوتا ہے نہ ضعیف ہوتا ہے، اس کی باتوں کی طرف توجہ لایعنی ہے۔

۳...... یہ خیال بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے، حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق حدیث شریف میں موجود ہے کہ ان کا نام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا موافق ہوگا اور ان کے والد کا نام حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے نام کے موافق ہوگا (۱)، اور وہ حضرت فاطمہؓ کی ذریت سے ہوں گے (۲) اور لوگ ان کو نہیں پہچانیں گے، بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کی حالت میں ان کو پہچان لیں گے (۳)، ان کا حلیہ بھی بتلایا گیا ہے، "أجلى الجبهة أقنى الأنف الخ" (٤) أبو داؤد شریف میں تفصیل موجود ہے، (۵) مشکوۃ شریف أشراط الساعة میں بھی یہ روایت موجود ہے (٦)، اب تو اس عورت کے متعلق

= تفصیل کے لئے دیکھئے: (ردالمحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ٥/٤٧٣، سعيد)

(وخلاصة الفتاوىٰ، كتاب الشهادات، الفصل الثاني في الشهادات ما يقبل منها وما لا يقبل: ٤/٦٠، رشيديه)

(١) "لاتذهب أو لا تنقضى الدنيا حتى يملك العرب رجل من أهل بيتى يواطئ اسمه اسمى". (سنن أبى داؤد، كتاب المهدى، قبيل كتاب الملاحم: ٢/٢٣٩، ٢٤٠، امداديه)

(وكذا فى مشكوٰة المصابيح، كتاب الرؤيا، باب أشراط الساعة، ص: ٤٧٠، قديمى)

(٢) "عن أم سلمة رضى الله عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "المهدى من عترتى من ولد فاطمة". (مشكوٰة المصابيح المصدر السابق)

(٣) "عن أم سلمة رضى الله عنها زوج النبى صلى الله عليه وسلم قال: "يكون اختلاف عند موت خليفة، فيخرج رجل من أهل المدينة هارباً إلى مكة، فيأتيه ناس من أهل مكة، فيخرجونه وهو كاره، فيبايعونه بين الركن والمقام". الحديث. (سنن أبى داؤد، آخر كتاب الفتن، باب ذكر المهدى: ٢/٢٣٩، ٢٤٠، امداديه، ملتان)

(٤) "عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "المهدى منى، أجل الجبهة، أقنى الأنف، يملأ الأرض قسطاً وعدلاً كما ملئت ظلماً وجوراً، ويملك سبع سنين" (سنن أبى داؤد، آخر كتاب الفتن، باب ذكر المهدى: ٢/٢٣٩، ٢٤٠) .... =

اخبارات میں کچھ اور بھی آ گیا ہے کہ جب اس کی تفتیش کی گئی تو جنین کیا بولتا وہ خود بھی جنین کی طرح کہیں غائب ہو گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۳/۳/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (۵) (سنن أبي داؤد، كتاب الفتن، باب ذكر المهدي: ۲/ ۲۳۹، ۲۴۰، امداديه، ملتان)

(۶) (سنن أبي داؤد، المصدر السابق)

ما يتعلق بعلم الغيب

(علم غیب کا بیان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علم غیب جاننا

سوال[۲۳۹]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطائی حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

غیب کی بہت سی چیزوں کا علم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، مثلاً: احوال قبر، احوال حشر، جنت، دوزخ وغیرہ، لیکن ان چیزوں کے علم کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں کہا جائے گا، یہ شان صرف حق تعالیٰ کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً، إلا من ارتضى من رسول، فإنه يسلک من بين يديه و من خلفه رصداً﴾. (الجن: ۲۶، ۲۷)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وما كان الله ليطلعكم على الغيب و لكن الله يجتبي من رسله من يشاء﴾(آل عمران: ۱۷۹)

قال العلامة الآلوسي: "فالله سبحانه و تعالیٰ عالم كل غيب وحده، فلا يطلع على ذلک المختص علمه به تعالیٰ إطلاعاً كاملاً أحداً من خلقه، ليكون أليق بالتفرد و أبعد عن توهم مساواة علم خلقه لعلمه سبحانه، و إنما يطلع جل و علا إذا اطلع من شاء على بعضه مما تقتضيه الحكمة التي هي مدار سائر أفعاله عزو جل .... أي لكن الرسول المرتضى يُظهره جل و علا على بعض الغيوب المتعلقة برسالته". (روح المعاني، (الجن: ۲۶، ۲۷): ۲۹/۹۶، دار إحياء التراث العربي)

"(و لا أعلم الغيب): أي و لا أقول لكم إني أعلم الغيب، إنما ذاک من علم الله عزوجل، و لا أطلع منه إلا على ما اطلعني عليه". (تفسير ابن كثير، (الانعام): ۵۰، ۲/۱۸۱، مكتبه دار الفيحاء)

"ثم إن الأنبياء يعلمون كثيراً من الغيب بتعريف الله تعالیٰ إياهم". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (لقمان: ۳۴): ۲۱/۱۶۹، دار الفكر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے سلسلہ میں دیوبندی بریلوی اختلاف

سوال[۲۴۰]: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب عطا کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب کو جانتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ذاتی ہے یا عطائی؟ بریلوی اور دیوبندی میں اس کے متعلق کیا اختلاف ہے اور کیوں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سید الاولین والآخرین امام الأنبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خالق کائنات جل شانہ نے شان نبوت کے لائق اپنی ذات وصفات اور امورِ اخرویہ سے متعلق اتنے علوم عطا فرمائے کہ دیگر تمام انبیاء وملائکہ اور تمام جن وبشر کے علوم کی حیثیت ان کے سامنے ایسی ہے جیسے بحرِ ناپیدا کنار کے سامنے ایک قطرہ کی ہوتی ہے (۱) اور یہ حق تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ہے۔ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور اس کے علم کے سامنے تمام مخلوقات کے علوم ایک قطرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے (۲)، کیونکہ حق تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے، اور سب کے علوم کثرت کے باوجود متناہی ہیں۔ حضراتِ اکابرِ دیوبند کا یہی مسلک ہے، بریلی کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات علمائے دیوبند بھی عالم الغیب کہنے سے روکتے ہیں، مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی لکھا ہے کہ کسی مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ ہے، کیونکہ کتبِ شرعیہ میں عالم الغیب اس کو کہتے ہیں جس کا علم ذاتی ہو اور وہ صرف اللہ پاک ہے، اور کوئی نہیں۔

---

(۱) "قال علیہ السلام: "أنا مدینة العلم و عليّ بابها". (فیض القدیر: ۵/۲۳۰۰، رقم الحدیث: ۲۸۰۵ بیروت)

"و إن سیدنا و شفیعنا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم أعلم الخلق وأفضلهم جمیعاً". (امداد الفتاویٰ: ۶/۳۲۷، دار العلوم کراچی)

"عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا أمرهم أمرهم من الأعمال بما یطیقون .... ثم یقول: "إن أتقاکم وأعلمکم باللہ أنا". (صحیح البخاری: ۱/۷، کتاب الإیمان، قدیمی)

(۲) "فجاء عصفور فوقع علی حرف السفینة، فنقر نقرةً أو نقرتین فی البحر، فقال الخضر: یا موسیٰ! ما نقص علمی و علمک من علم اللہ تعالیٰ کنقرة هذه العصفور". (صحیح البخاری: ۱/۲۳، کتاب العلم، قدیمی)

عالم الغیب اور افضل البشر کی تشریح

سوال[۱۴۱]: موریش کے بدعتی ماحول سے تو آپ واقف ہیں، دیوبندیت کے خلاف بدعتی عالم ہمیشہ ابھارتے رہتے ہیں، ہم ناچیز اس کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کے خلاف زبان نہ کھولیں، اس میں کسی حد تک کامیابی ہے اور انشاء اللہ زیادہ کی امید بھی ہے، دعائے مدد فرمائیں۔

۱۹۶۸ء میں نصاریٰ اور مسلمانوں میں فساد ہوا تھا، حالات نازک تھے، ہم سب مولوی جمع ہوئے تھے کہ ہم اپنے اختلاف کو ایک طرف رکھیں اور اتفاق کے ساتھ رہیں، جو اختلافی مسائل ہیں ان پر دستخط کر کے لوگوں کو خبردار کیا جائے کہ آپ لوگ بھی اتفاق کر لیں اور اتحاد سے رہیں تاکہ دوسری قوموں پر اچھا اثر ہو اور ایسا ہوا بھی، اس میں عجلت میں ایک مبہم عبارت پر ہم نے دستخط کر دیئے اور اس پر اتفاق کیا کہ جب تک اس مبہم عبارت کو صاف نہ کیا جائے عوام کے قابل نہ بنایا جائے اور شائع نہ کیا جائے، اختلافی مسائل میں تین مسائل سامنے تھے:

۱......حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں یا نہیں؟ تو سب نے اس پر اتفاق کیا تھا کہ عالم الغیب تو اللہ پاک ہی ہے، ہاں بذریعہ وحی بہت سی غیب کی باتوں کا علم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے دیا تھا۔

۲......اسی طرح حاضر و ناظر تو اللہ پاک ہی ہے، ہاں اللہ پاک اپنے حکم اور قدرت سے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اور جہاں پہونچانا چاہے اور جو دکھلانا چاہے اپنی قدرت سے پہونچا اور دکھلا سکتا ہے۔

۳......اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سید البشر ہمارے جیسے نہیں یعنی شرفِ کمالات میں ہمارے جیسے نہیں، آپ نبی اور رسول خاتم النبیین ہیں۔

اس روز بدعتی عالم گفتگو میں بہت نیچے اترا تھا، اس نے موقعہ دیکھ کر کہا ہم ایک مختصر عبارت لکھ کر دستخط کر لیں، چنانچہ اس نے جو عبارت لکھی وہ پرچہ بھی ساتھ ہے: ''عالم الغیب باعلام اللہ، حاضر و ناظر بقدرۃ اللہ، سید البشر افضل البشر ہمارے جیسے نہیں'' پھر جو عبارت لکھی وہ مبہم تھی تو میں نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا کہ جب تک جو زبانی تشریحات ہوئی ہیں وہ عوام کے سمجھنے کے قابل چونکہ نہیں ہیں اس لئے میں دستخط بھی نہیں کرتا ہوں،

تو سب نے کہا اسے شائع نہیں کیا جائے گا، جب مبہم عبارت کی تشریح ہو جائے گی تب شائع کریں گے، میں نے اپنے دستخط معلق......... ابھی بھی جو وہاں موجود تھے وہ قبول کرتے ہیں، گواس پرچہ میں یہ تحریر نہیں ہے، اس کے بعد ہم لوگ تشریح پر متفق نہ ہو سکے اس لئے بات آگے نہ بڑھی۔

پھر ۲۷ء میں بدعتی جامع مسجد میں امام کو مستعفی کر دیا، وہ پاکستان چلا گیا۔ ۱۹۶۸ء کی یہ عبارت جسے شائع نہ کرنے پر اتفاق تھا، چند دن ہوئے کسی غیر ذمہ دار نے بدعتی عالم کا مقتدا تھا اس کے پاس یہ پرچہ تھا، شائع کر دیا، جس سے یہ مصیبت ہوئی ہے کہ ہمارے دیوبندی خیالات کے دوست احباب ہمیں بدنام کر رہے ہیں، بلکہ ذاتی دشمنی کی وجہ سے پرچہ شائع کرنے والے بدعتی کے ساتھ مل گئے ہیں کہ خوب شائع کرو تاکہ بدنام ہو، سب ان کو کافر کہیں، ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں وغیرہ۔

سنا ہے کہ اس پرچہ کو آپ کی خدمت میں ارسال کر کے فتویٰ طلب کیا ہے، اگر یہ پرچہ پہونچا ہے تو جواب مرحمت فرماتے وقت جو مبہم عبارتیں ہیں انہیں صاف کر کے، موقعہ ہے کہ دیوبندی مسلک کو صاف کیا جائے تاکہ شر میں خیر نکل آئے، جواب مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں تو بہتر ہے کہ حضرت والا ان کو حالات سے مطلع فرمائیں، جو پرچہ دستخط شدہ ہے اس کی کاپی اور جو اس کے جواب میں صرف اظہارِ حقیقت کے طور پر ہم نے جمعہ میں سنایا، اس کی نقل بھی حاضر خدمت ہے۔

حضرت والا کو یاد ہوگا جب آپ حاجی یوسف راوت کے یہاں شادی میں تشریف لائے تھے تو موریشش میں حاجی داؤد ملاں کے وہاں کھانے پر مختلف خیالات کے اشخاص کو جمع کیا تھا اور جو سپاسنامہ والا قدر کو پیش کیا تھا اس میں دیوبندی بزرگوں کی خدمات کا ذکر اور والا قدر کی شخصیت کا تعارف تھا، کوشش یہ ہوتی رہی کہ کم از کم ذہنی انقلاب تو ہو، اس لئے گذارش ہے کہ کوئی ایسی تشریح ہو جو دونوں جماعتوں میں اتحاد و اتفاق کر سکے، دعا فرمائیں یہ فتنہ دفن ہو اور حق روشن ہو، اللہ پاک مدد فرمائے۔ آمین۔ اسماعیل بڑا بھائی (موریشش)۔

دستخط شدہ دستاویز کا انکشاف اور سبب

''موریشش کی امتِ مسلمہ پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آج سے چند سال پیشتر رسول کریم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق عالم الغیب، حاضر و ناظر اور بشر کی شہادت اور انکار کا تنازعہ مسلمانوں کے درمیان زور و شور سے تھا، یہاں تک کہ اعلانیہ طور پر وہابی و بدعتی سے ملقب کر کے سلام و کلام بھی ترک کر دیا تھا،

لہذا اسی عرصہ میں ہم نے بھی مختلف جگہوں پر مذکورہ صفات وموضوعات پر قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں تفصیلاً تقاریر کیں، اللہ جل شانہ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین صفات ودرجات کے امتیازات کو نہایت ہی صاف اور غیر مبہم طریقہ پر امت مسلمہ کو سمجھایا اور ایمان وعقائد کی صحت اور مضبوطی کا درس دیا، الحمد للہ ہمارا آج بھی وہی ایمان اور عقیدہ ہے، جس کا ثبوت مدلل طریقہ پر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہم مسلمانوں کو دے چکے ہیں اور اس وقت بھی ہم اپنے گذشتہ فیصلہ پر ٹھوس ومستحکم ہیں۔

واضح ہو کہ ۱۹۶۸ء میں عیسائی اور مسلم قوم کے درمیان فساد بپا ہوا اور بدقسمتی سے مسلمانوں کے حالات بہت ہی قابل رحم تھے، اس نازک موقع پر جامع مسجد میں علماء کی ایک کمیٹی بیٹھی، جہاں مصلحتاً ہم سے کہا گیا کہ موریشش میں امن وامان کرانا ضروری ہے، لہذا ہمارے درمیان جو اختلافی مسائل ہیں ان پر دستخط کر کے عوام الناس کو خبردار کیا جائے کہ ہم تمام علماء میں اتفاق واتحاد ہے اور اس اتحادی خبر کی نشر سے تمام مسلمانوں میں بھی اختلافی مسائل سے ہٹ کر آپس میں اتحاد وہمدردی اور اخوت کا رشتہ مضبوطی کے ساتھ قائم کریں گے، دوسری قوموں پر اس کا اچھا اثر ہوگا۔ تقاضائے وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے بالاتفاق مذکورہ دستاویز کو مبہم اور قابلِ تشریح، نامکمل ٹھہراتے اور تسلیم کرتے ہوئے آئندہ علماء کی نشست میں مفصل طور پر مذکورہ دستاویز کے موضوعات وصفات پر گفت وشنید کر کے مبہم عبارتوں کی تشریح جب تک نہ ہو جائے، وہاں تک اشتہاری شکل میں برسرِ عام نہ لانے پر اتفاق کرتے ہوئے ہم نے تقاضائے وقت کے لحاظ سے مصلحتاً عارضی طور پر دستخط کئے۔

معلوم ہو کہ حقیقتاً یہی وجہ ہے کہ چار سال تک یہ دستاویز امتِ مسلمہ پر مخفی رہا اور اس میں افسوس ہے کہ اس سلسلہ میں علماء کی زیادہ نشستیں نہ ہو سکیں، قابلِ قبول تشریح پر متفق نہ ہو سکے، آج قوم کے کسی ایک غیر ذمہ دار نے اسے شائع کر دیا، اس پر حیرت ہو رہی ہے جو اس نامکمل وعارضی دستاویز کو شائع کر کے ہمیں بدنام اور مسلمانوں کے درمیان بغض وعداوت کی آگ بھڑکا رہا ہے اور جرم عظیم کا مرتکب ہو رہا ہے، اس لئے گذارش ہے کہ ایسے پر دھیان نہ دیں اور حسد، بغض، عداوت، نفسانیت وغیبت جیسے کبیرہ گناہوں سے دور رہیں۔

عالم الغیب تو ذات باری تعالیٰ ہی ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، ہر جگہ حاضر وناظر اللہ پاک ہی ہے، بنصِ قرآن وحدیث حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر ہیں، مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی اور رسول اللہ وخاتم النبیین ہیں، کمالات میں آپ جیسا کوئی بشر نہیں، عالم الغیب، حاضر وناظر اور رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بشر ہونے کے متعلق یہی ہمارے عقیدے ہیں۔ ہم نے اس پرچہ میں عالم الغیب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں کہا ہے، بلکہ ''عالم الغیب باعلام اللہ کہا ہے'' اور ہمارا مطلب اس وقت یہی تھا کہ بذریعہ وحی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے بہت سی غیب کی باتوں کا علم دیا، حاضر و ناظر نہیں کہا بلکہ حاضر و ناظر بقدرۃ اللہ، ہمارا مطلب یہ تھا کہ ''اللہ پاک اپنی قدرت کاملہ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جہاں پہونچانا چاہے وہاں پہونچادے اور جو دکھلانا چاہے دکھلادے، اللہ پاک اس پر قادر ہے''۔ اس پرچہ میں ہے کہ ''سید البشر افضل البشر ہمارے جیسے نہیں''۔ اس کا مطلب یہ کہ ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی اور خاتم النبیین کمالات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا کوئی بشر نہیں''۔ ہم پرچہ بازی سے دور رہنا چاہتے ہیں اور اس وقت تک نہیں نکالیں گے جب تک ہمیں مجبور نہ کیا جائے''۔

(یہ مضمون جمعہ کو چند مساجد میں سنایا گیا تھا)

دستخط شدہ جو پرچہ شائع ہوا ہے اور اس میں جو شرارتیں حسد، بغض، عداوت کی وجہ سے کر رہے ہیں، وہ پرچہ اس وقت میرے پاس نہیں ہے اس پرچہ کی عبارت نقل کرتا ہوں۔

''عالم باعلام اللہ، سید البشر افضل البشر، ہمارے جیسے نہیں، حاضر ناظر بقدرت اللہ''

آج مندرجہ ذیل علمائے سنت کا اجتماع جامع مسجد پورٹ لوئس میں ہوا جس میں مندرجہ ذیل مسائل پر اتفاق ہوگیا، لہذا ہم لوگ اپنے دستخط کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ کے آخری نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ کے بتانے سے عالم الغیب اور اللہ کی قدرت سے حاضر و ناظر ہیں اور سید البشر افضل البشر ہمارے جیسے نہیں۔

دستخط علمائے کرام

ائمہ ومولوی حضرات کے دستخط ہیں جس میں مولانا امام بخاری صاحب لیملیا، اسماعیل بڑا باٹ ورہ پٹیل جامع مسجد کا امام خوشتر، جواب پاکستان میں ہے، محبوب خدا بخش، بشیر الدین۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ روحی وروح أبی و أمی) تمام عالم سے افضل

ہیں (۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے جتنے کمالات تمام انبیاعلیہم الصلاۃ والسلام میں تقسیم فرمائے ہیں، وہ تمام حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جمع ہیں (۲) اپنی ذات اور صفات کا علم جو کہ شان نبوت کے لائق ہے جتنا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا کسی کو نہیں دیا (۳) غیب کی بہت چیزیں جنت، دوزخ، عرش، کرسی، لوح محفوظ، میزان، صراط، حشر، نشر، برزخ وغیرہ آپ نے امت کے سامنے بیان فرمائی ہیں اس کے باوجود اللہ پاک کا علم اس سے بھی زیادہ ہے کہ کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں ﴿و لا یعزب عنه مثقال ذرة﴾ الاية (۴) پس کلی علم تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس اعتبار سے اسی کو عالم الغیب فرمایا گیا اور حاضر وناظر بھی اسی کی شان ہے، اس کے علاوہ نہ کسی کو کلی علم غیب ہے نہ کوئی حاضر وناظر ہے، اس لئے کسی کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔

قرآن کریم میں ہے: ﴿و عنده مفاتح الغیب لا یعلمها إلا هو﴾ الاية (۵) نیز ارشاد ہے: ﴿قل لا أقول لکم عندی خزائن الله و لا أعلم الغیب﴾ (۶) نیز ارشاد ہے: ﴿قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا الله﴾ (۷) نیز ارشاد ہے: ﴿لو کنت أعلم الغیب لاستکثرت من

---

(۱) "أفضل الأنبیاء محمد علیه الصلاة والسلام". (شرح العقائد النسفیة للتفتازانی، ص: ۱۴۱، قدیمی)

(۲) "ان أفضل المخلوقات فی الدنیا والآخرة هو سیدنا محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الذی جمع کل خلال الخیر و نعوت الکمال، و بعثته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عامة لجمیع المکلفین، و أفضلیته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی جمیع المخلوقات مما أجمع علیه المسلمون لقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أنا أکرم الأولین والآخرین علی الله و لا فخر". (الکوکب الأزهر شرح الفقه الاکبر، ص: ۱۲۲)

(۳) "إن أتقاکم وأعلمکم بالله أنا". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب قول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أنا أعلمکم بالله و أن المعرفة فعل القلب": ۱/۷، قدیمی)

(۴) (السبأ: ۳)

(۵) (الأنعام: ۵۹)

(۶) (الأنعام: ۵۰)

(۷) (النمل: ۶۵)

الخیر وما مسنی السوء﴾"(۱)۔

ان آیات میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص فرمایا گیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کہ آپ فرمادیں کہ مجھے علم غیب حاصل نہیں، مطلب یہ ہے کہ جس طرح دیکھنے کی قوت دی گئی ہے کہ جب چاہا اس سے کام لے لیا اور بولنے چلنے کی قوت دی گئی ہے، اس طرح کوئی قوت غیب پر مطلع ہونے کی نہیں دی گئی کہ جب اور جس چیز کو دل چاہے معلوم کرلیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اجازت پر موقوف ہے کہ اس نے جب چاہا اور جس چیز کے متعلق چاہا علم عطاء فرمادیا، نہ چاہا نہ عطا فرمایا، چنانچہ بہت واقعات احادیث میں موجود ہیں، مثلاً: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی گئی جس کی وجہ سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت اذیت اور پریشانی ہوئی، اس سلسلہ میں آپ دوسروں سے مشورہ بھی فرماتے رہے اور بہت رنجیدہ اور غمگین رہے، اس میں کافی عرصہ گزر گیا مگر آپ کو کسی طرح اطمینان نہ ہوا حتی کہ جب وحی نازل ہوئی تب اصل حقیقت کھلی اور اطمینان ہوا (۲)۔ اگر کلی علم غیب حاصل تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو اتنی پریشانی کیوں ہوئی، شروع ہی میں فرمادیتے یہ سب غلط ہے۔

اور مثلاً سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک ہار تھا وہ گم ہوگیا، اس کو تلاش کیا گیا، سب قافلہ اس کی وجہ سے پریشان ہوا، پھر دیر بعد جب اونٹ کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ملا، اگر علم غیب کلی تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو شروع میں کیوں نہ فرمادیا کہ وہ اونٹ کے نیچے ہے (۳)۔

---

(۱) (الأعراف : ۱۸۸)

(۲) "عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت: كان رسول الله ﷺ إذا أرد أن يخرج، أقرع بين أزواجه ...... فخرج سهمي .... قلت: و ما قال؟ قالت: كذا و كذا، فأخبرتني بقول أهل الإفك ...... فدعا رسول الله ﷺ علي بن أبي طالب و أسامة بن زيد حين استلبث الوحي يستأمرهما ...... فقال رسول الله ﷺ و هو على المنبر: "يا معشر المسلمين! من يعذرني من رجل قد بلغني أذاه في أهل بيتي "...... قالت: فلما سُرّي عن رسول الله ﷺ، سرّي عنه و هو يضحك، فكانت أول كلمة تكلم بها: "يا عائشة! أما الله فقد برّاك ...... و أنزل الله: ﴿إن الذين جاء وا بالإفك عصبة منكم﴾ الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿إن الذين جآء وا بالإفك عصبة منكم ...... الخ﴾: ۲/۲۹۶ – ۲۹۸، قديمي)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قالت: خرجنا مع رسول =

اور مثلاً کسی نے آ کر کہا کہ تبلیغ کے لئے کچھ آدمی ہمارے یہاں بھیج دیجئے، ان کی ذمہ داری بھی لی گئی اور ستر صحابہ کو آپ نے بھیج دیا، ان کو وہاں لے جا کر شہید کرا دیا گیا کیونکہ ان کو تبلیغ کے نام پر قتل کے لیے بلایا گیا تھا، جس کا آپ کو صدمہ ہوا تھا (۱)۔ اگر علم غیب کلی تھا تو آپ نے ان کے ساتھ کیوں بھیجا تھا جس پر بعد میں صدمہ ہوا۔

اور مثلاً اخیر مرض الوفات میں دریافت فرمایا کہ ''کیا لوگوں نے مسجد میں نماز پڑھ لی'' عرض کیا گیا آپ کا انتظار کر رہے ہیں، ابھی جماعت نہیں ہوئی، ارشاد فرمایا مجھے وضو کراؤ'' اس سے کمزوری ہو کر غشی طاری ہوگئی، پھر افاقہ پانے پر دریافت فرمایا کہ ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی''، عرض کیا گیا انتظار کر رہے ہیں، دو تین دفعہ ایسا ہی ہوا، پھر فرمایا کہ ''اچھا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھا دیں'' (۲) اگر علم غیب کلی تھا تو بار بار

= الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بعض أسفاره حتى إذا كنا بالبيداء أو بذات الجيش انقطع عقد لي، فأقام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على التماسه و أقام الناس معه الخ". (صحيح البخاري، كتاب التيمم : ۱/۴۸، قديمي)

(۱) "عن أنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه أن رعلاً و ذكوان و عصية و بني لحيان استمدوا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على عدوّ، فأمدهم بسبعين من الأنصار، كنا نسميهم القراء في زمانهم، كانوا يحتطبون بالنهار و يصلون بالليل، حتى كانوا ببئر معونة قتلوهم و غدروا بهم، فبلغ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقنت شهراً يدعوفى الصبح على أحياء من أحياء العرب: على رعل و ذكوان و عصية وبني لحيان". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع و رعل و ذكوان الخ : ۲/۵۸۵، قديمي كتب خانه)

(۲) "عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة قال: دخلت على عائشة رضى الله تعالىٰ عنها فقلت : ألا تحدثيني عن مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قالت : بلى، ثقل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "أصلى الناس"؟ قلنا : لا، هم ينتظرونك، قال: "ضعوا لي ماءً في المخضب" قالت : ففعلنا، فاغتسل، فذهب لينوء، فأغمي عليه، ثم أفاق، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "أصلى الناس"؟ قلنا: لا،هم ينتظرونك يا رسول الله، قال: "ضعوا لي ماءً في المخضب" قالت: فقعد فاغتسل، ثم ذهب لينوء، فأغمى عليه، ثم أفاق فقال: "أصلى الناس"؟ قلنا: لا، هم ينتظرونك يا رسول الله، فقال: "ضعوا لي ماءً في المخضب" فقعد فاغتسل، ثم ذهب لينوء، فأغمى عليه، ثم أفاق فقال:"أصلى الناس"؟ فقلنا: لا، ...... =

کیوں دریافت فرمایا۔

اور مثلاً حدیث پاک میں ہے کہ آپ ﷺ حوض کوثر پر ہوں گے، کچھ لوگ اس طرف آئیں گے مگر پھر ان کا رخ دوزخ کی طرف کرایا جائے گا، ان کو دیکھ کر آپ ارشاد فرمائیں گے کہ ''یہ تو میرے آدمی ہیں انہیں کہاں لیجاتے ہو''؟ جواب دیا جائے گا کہ آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے کیا بدعتیں ایجاد کی ہیں آپ کے بعد تب ارشاد فرمائیں گے کہ ''لے جاؤ انہیں ذلیل کر کے'' پھر ان کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا (۱)۔ اگر آپ کو علم غیب کلی تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو آپ کو کیوں خبر نہ ہوئی؟ غرض بے شمار واقعات ہیں۔

الحاصل نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کلی علم غیب مان کر ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا اور آپ کو عالم الغیب کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے (۲) حدیث شریف کے بھی خلاف ہے (۳) اجماع سلف

= هم ينتظرونك يا رسول الله، والناس عكوف في المسجد، ينتظرون النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لصلاة العشاء الآخرة، فأرسل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى أبي بكر، بأن يصلي بالناس، فأتاه الرسول، فقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يأمرك أن تصلي بالناس الخ ". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به : ۱/۹۵، قديمي)

(۱) "حدثنا يحيى بن بكير قال: حدثنا يعقوب بن عبد الرحمن عن أبي حازم قال: سمعت سهل بن سعد يقول: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "أنا فرطكم على الحوض، من ورده شرب منه، ومن شرب منه لم يظمأ أبداً، ليردنّ عليّ أقوام أعرفهم ويعرفونني، ثم يحال بيني وبينهم". قال أبو حازم: فسمعني النعمان بن أبي عياش و أنا أحدثهم هذا، فقال: هكذا سمعت سهلاً؟ فقلت: نعم، قال: و أنا أشهد على أبي سعيد الخدري لسمعته يزيد فيه، قال: "إنهم مني فيقال: إنك لا تدري ما بدلوا بعدك؟ فأقول: سحقاً سحقاً لمن بدّل بعدي". (صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب ما جاء في قول الله: ﴿واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة﴾: ۲/۱۰۴۵، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ (النمل: ۶۵)

(۳) "و من حدثك أنه يعلم الغيب، فقد كذب، و هو يقول: "لا يعلم الغيب إلا الله". (صحيح البخاري، كتاب الرد على الجهمية وغيرهم التوحيد، باب قول الله ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً﴾: ۲/۱۰۹۸، قديمي)

صالحین کے بھی خلاف ہے (۱)۔ اس لئے اس عقیدہ سے توبہ کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

تنبیہ: مندرجہ بالا جواب لکھا جا چکا تھا اس کے بعد دار العلوم میں بعض ان حضرات کا خط پہونچا، جنہوں نے اس معاہدہ پر دستخط کئے ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ ”ہمارا ایمان اور عقیدہ ہے کہ علم غیب کلی اور ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی مخلوق کو نہ عالم الغیب کہا جا سکتا ہے نہ حاضر و ناظر۔ معاہدہ پر دستخط کر کے ہم نے صرف اتنی بات سے اتفاق کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مغیباتِ کثیرہ پر مطلع فرمایا ہے اور اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ آپ کی روح پاک کو جہاں اور جس وقت چاہے پہونچادے اور جو بھی دکھانا چاہے دکھادے، اور یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفات و کمالات کے لحاظ سے ہم جیسے بشر نہیں ہیں، بلکہ سید البشر اور افضل البشر ہیں اور ہم نے معاہدہ کی مجلس میں بھی یہ وضاحت کر دی تھی اور اس کے بعد بھی ہماری طرف سے بار بار یہ وضاحت کی جا چکی ہے“۔

ان دستخط کرنے والے حضرات کی اس وضاحت کے بعد یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ فاسد نہیں ہے، بلکہ وہی عقیدہ ہے جو جماعت حقہ اہل سنت والجماعت کا ہے، لیکن ان حضرات نے ایسی مبہم تحریر پر دستخط کرنے میں غلطی کی ہے۔ اللہ پاک معاف فرمائے اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ اس وقت مسلمانوں پر جو یورش تھی اس سے تحفظ اس میں ملحوظ تھا، جس کا وہاں کے سب حضرات کو علم ہے۔

احقر محمود غفرلہ۔

علم غیب کلی عطائی

سوال [۲۴۲]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاں کہیں قرآن شریف یا حدیث شریف میں نفی علم الغیب

(۱) ”و ذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاد أن النبي علیه الصلاة والسلام یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ: ﴿قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا الله﴾ کذا فی المسایرة“. (شرح الفقه الأکبر للملا علي القاري، ص: ۱۵۱، قدیمی)

کی ہے وہ ذاتی کی ہے عطائی کی نہیں، خدا تعالیٰ کا علم غیب ذاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم الغیب ہے اور عطاء بھی تمام ذرۃ خدا کا ہے جو آپ ہماری حرکات وسکنات کو دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں ایسے معتقد کا کیا حکم ہے، اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قول بلا سند ہے نصوص میں کہیں اسکی تصریح نہیں (۱) "من ادعیٰ فعلیه البیان"۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۵/۴/۲۶ھ۔

عقیدۂ علم غیب

سوال [۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومحققینِ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ مسئلہ ہذا میں کہ: زید کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کل علم غیب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا تھا اور اب بھی آپ مخلوق کے ہر حال (ظاہر وباطن) خیر وشر سے بخوبی واقف ہیں، یہاں تک کہ مچھر کے پر ہلانے تک کا بھی آپ کو علم ہو جاتا ہے اور تیز بارش کے قطرے اور ریت کے دانے، درختوں کے پتے وغیرہ کا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالتفصیل عطا ہوا ہے، قیامت تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہے فلاں فلاں چیزیں پیدا ہوں گی، اور ہر ایک کی آواز خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں خود سن لیتے ہیں۔

پس یہ عقیدہ کیسا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والا مذہبِ احناف اور کتبِ معتبرہ حنفیہ کی رو سے مسلمان رہا یا کافر ومشرک ہو گیا؟ اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں اور اگر کافر ہو گیا تو اس کے نکاح کی تجدید کی جائے یا وہی نکاح بحال رہے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ مشرکانہ ہے، جمیع جزئیات کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں:

---

(۱) "و أما من قال: إن نبینا أو غیره أحاط بالمغیبات علماً کما أحاط علم الله بها، فقد کفر". (حاشیة الصاوی علی الجلالین: ۱۸۸/۲، (الأنعام: ۵) مکتبه دار الباز)

"و بالجملة علم الغیب بلا واسطة کلاً أو بعضاً مخصوص بالله جل و علا، لا یعلمه أحد من الخلق أصلاً". (روح المعانی: ۱۲/۲۰ (النمل: ۲۵)، دار إحیاء التراث العربی)

"وبالجملة فالعلم بالغیب أمر تفرد به سبحانه، و تعالیٰ و لهذا ذکر فی الفتاویٰ: أن قول القائل عند رویته هالة القمر: أی دائرته: یکون مطراً، فادعیٰ علم الغیب لا بعلامته کفر. و ذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاد أن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ: ﴿قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا اللّٰه﴾۔ کذا فی المسایرة انتهیٰ ملخصاً"۔ شرح فقه اکبر (۱)۔

"من تزوج بشهادة اللّٰه و رسوله یکفر؛ لأنه یظن أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یعلم الغیب انتهی"(۲)۔

لہٰذا ایسا عقیدہ رکھنے والے کو تجدیدِ ایمان اور تجدید نکاح لازم ہے (۳) اور اس سے قبل اس کی امامت

(۱) (شرح الفقه الأکبر للملا علی القاري، ص: ۱۵۱، قدیمی)

"و أما من قال: إن نبینا أو غیره أحاط بالمغیبات علماً کما أحاط علم الله بها، فقد کفر". (حاشیة الصاوی علی الجلالین، (الأنعام: ۵۰): ۱۸۸/۲، دارالباز)

"وبالجملة علم الغیب بلا واسطة کلاً أو بعضاً مخصوص بالله جل و علا، لا یعلمه أحد من الخلق أصلاً". (روح المعانی، (النمل: ۶۵): ۱۲/۲۰، دار إحیاء التراث العربی)

(۲) "لو تزوج بشهادة الله ورسوله، لا ینعقد، و یکفر لاعتقاده أن النبی یعلم الغیب". (البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۵۵/۳، رشیدیه)

"رجل تزوج امرأةً ولم یحضر الشهود، قال: خدائے را ورسول را گواہ کردم، أو قال: خدائے را و فرشتگان را گواہ کردم، کفر". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین: ۲۶۶/۲، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب النکاح: ۳۲۰/۱، دار إحیاء التراث العربی)

(۳) "و یؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلک، و بتجدید النکاح بینه و بین امرأته". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲۸۳/۲، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، باب المرتدین: ۲۳۰/۴، سعید)

(والتاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، إجراء کلمة الکفر و حدیث النفس والرضاء بالکفر: ۴۶۱/۵، إدارة القرآن کراچی)

درست نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۴/۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

علم غیب

سوال[۲۴۴]: ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل علم غیب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطاء فرمادیا تھا اور اب بھی آپ حاضر و ناظر و عالم بجمیع الاشیاء ہیں اور وہ برسر اجلاس اپنے خطبہ جمعہ و وعظ وتقریر میں بیان کرتا ہے کہ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے، اس کے خلاف جس کا عقیدہ ہے وہ گمراہ ہے، اس کے پیچھے نماز درست نہیں اور کہتا ہے کہ جن آیاتِ قرآن مجید سے علم غیب کی نفی ہے وہ منسوخ ہیں اور جو آیت سورة "قل أوحی" میں ہے: ﴿عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه أحداً، إلا من ارتضی من رسول﴾ الایة (۲) یہ سب کے لئے ناسخ ہیں۔

اب عرض یہ ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب دان نہ جانے، ہر وقت حاضر و عالم بجمیع الاشیاء نہ مانے کیونکہ یہ مخصوص ہے رب العزت کے ساتھ اس کو وہ شخص وہابی کہتا ہو اور نماز اس کے پیچھے ناجائز کہتا ہو اور جن آیات قرآن مجید سے علم غیب لغیر اللہ کی نفی کی گئی ہے ان سب کو منسوخ کہتا ہو، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ ایسے عقائد رکھنے والا مذہبِ احناف اور کتبِ معتبرہ حنفیہ کی رو سے مسلمان ہے یا کافر و مشرک ہوگیا؟

المستفتی: فیض اللہ خان معرفت مولانا محمد الحسن صاحب۔

---

(۱) "و شروط صحة الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام و هو شرط عام، فلا تصح إمامة منكر البعث ..... الخ". (نور الإيضاح مع شرحه مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمى)

(وكذا فى رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۵۰، سعيد)

"أما إذا أدى إليه (أى إلى الكفر)، فلا كلام فى عدم جواز الصلاة خلفه". (شرح العقائد النسفية للتفتازانى، ص: ۱۲۱، قديمى)

(۲) (الجن: ۲۶، ۲۷)

الجواب حامداًومصلیاً:

علم غیب کلی طریق پر کہ کوئی ذرہ مخفی نہ رہے، بلکہ ہر شئے ہر وقت سامنے ہو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے(۱) ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہر شئے سے باخبر ہونا اسی کی صفت خاصہ ہے، کوئی ولی یا نبی یا فرشتہ اس صفت میں شریک نہیں لہذا کسی اور کو اس صفت میں شریک ہونے کا اعتقاد رکھنا شرک ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ذات وصفات باری تعالیٰ کا علم تمام مخلوقات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ عطا ہوا ہے(۲) انبیاء کرام کو اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی کبھی بعض اشیاء مغیبہ کا علم وحی کے ذریعہ سے عطاء فرمادیتے ہیں، مگر وہ جزئی ہے، کلی نہیں، حنفیہ کی معتبر ومشہور کتاب شرح فقہ اکبر میں ملاعلی قاری تحریر فرماتے ہیں:

"ثم اعلم أن الأنبياء عليهم السلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما علمهم الله تعالىٰ أحياناً، وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ ـ كذا في المسايرة اهـ". شرح فقه اكبر، ص: ۱۸۵ (۳)۔

یہ استدلال کہ سورہ جن کی آیت ناسخ ہے تو یہ بات ایسا شخص کہہ سکتا ہے جس کو فہم قرآن شریف اور علم ناسخ ومنسوخ سے کوئی دور کا بھی تعلق نہ ہو، اس وجہ سے کہ سورۃ جن مکی ہے اور بعض مدنی سورتوں میں حضور سے علم

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿عالم الغيب والشهادة﴾. (الحشر)

وقال الله تعالىٰ: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحدا﴾. (الجن: ۲۶)

(۲) "إن أتقاكم وأعلمكم بالله أنا". (صحيح البخاري، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنا أعلمكم بالله و أن المعرفة فعل القلب: ۱/۷، قديمي)

(۳) (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۱۵۱، قديمي)

" العلم بالغيب أمر تفرد به الله تعالىٰ لا سبيل إليه للعباد إلا بإعلام منه أو إلهام بطريق المعجزة أو الكرامة أو إرشاد إلى الاستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك، و لهذا ذكر في الفتاوىٰ: أن قول القائل عند رؤية هالة القمر: يكون مطر مدعيًا علم الغيب لا بعلامته، كفر". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۲، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في النبراس، ص: ۳۴۳، مكتبه حقانيه ملتان)

غیب کی نفی کی گئی ہے، مثلاً سورہ احزاب مدنی ہے اس میں ارشاد ہے: ﴿یسئلك الناس عن الساعة قل إنما علمها عند الله، و ما یدریك لعل الساعة تکون قریباً﴾ (۱) مستدل کے نزدیک آیت ناسخہ تو پہلے نازل ہوئی اور منسوخہ بعد میں۔

دوسرے یہ کہ نسخ عقائد میں نہیں ہوتا، احکام میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ باب عقائد سے ہے پھر یہاں نسخ کا کیا محل ہے؟ نیز علم بجمیع الاشیاء کے متعلق مستدل تاریخ اور وقت کی تعیین کرے کہ کب عطاء ہوا ہے، جو بھی تاریخ بتائے گا ہم اس کے بعد کے واقعات بتلائیں گے جن میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے، یہاں تک کہ مرضِ وفات بلکہ میدانِ حشر، حوضِ کوثر، شفاعت کے واقعات میں بھی علم بجمیع الاشیاء کی نفی ہے۔

جب عقیدہ مسئولہ کا حال معلوم ہوگیا کہ یہ شرک ہے تو اس کا بطلان خود بخود واضح ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۰/۶۱ھ۔

جواب صحیح ہے: ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (۲)، سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/شوال/۶۱ھ۔

علم الغیب

سوال [۲۴۵]: علم الغیب صفة مختصة بالله تعالیٰ، لیس لأحد من المخلوق نبیاً کان أو ولیاً أو ملکاً مقرباً، ذاتیاً کان ذلك العلم أو عطائیاً، کلیاً کان أو جزئیاً، فالقائل به لغیره تعالیٰ

---

(۱) (الاحزاب: ۶۳)

(۲) "فإن کانت (أی البدعة) تکفره فالصلاة خلفه لا تجوز". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشیدیه)

"والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئاً علی خلاف ما یعتقده أهل السنة والجماعة، و إنما یجوز الاقتداء به مع الکراهة إذا لم یکن ما یعتقده یؤدی إلی الکفر عند أهل السنة والجماعة، أما لو کان مؤدیاً إلی الکفر فلا یجوز أصلاً". (الحلبي الکبیر، فصل فی الإمامة، ص: ۵۱۴، سهیل اکیڈمی)

"أما إذا أدی إلیه (أی إلی الکفر) فلا کلام فی عدم جواز الصلاة خلفه". (شرح العقائد النسفیة للتفتازانی، ص: ۱۶۱، قدیمی)

مشرك بالله تعالىٰ فى صفة العلم خارج عن دائرة الإسلام أم لا؟

الجواب حامداً و مصلياً :

"العلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه تعالىٰ و لا سبيل إليه للعباد إلا بإعلام منه و إلهام بطريق المعجزة أوالكرامة أو إرشاد إلى الإستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك"(١)۔

" والأنبياء عليهم السلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله تعالىٰ أحياناً، وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفيرباعتقاد أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ : ﴿قل لا يعلم من فى السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ "(٢) وقوله تعالىٰ : ﴿قل لا أقول لكم عندى خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (٣) كذا فى المسايرة "۔ شرح الفقه الأكبر (٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

علم غیب

سوال[۲۴۲] : نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کائنات کے عالم الغیب کے قائل ہونے یا مولوی احمد رضا خان کا یہ اعتقاد رکھنا کیسا ہے؟

---

(١) (شرح العقائد النسفية للتفتازانى، ص: ١٦١، قديمى)

(٢) (النمل: ٦٥)

(٣) (الأنعام: ٥٠)

(۴) (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى رحمه الله تعالىٰ، ص : ١٥١، قديمى)

"و حاصله أن دعوى علم الغيب معارضة لنص القرآن، فيكفربها". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب فى دعوى علم الغيب : ۴/۲۴۳، سعيد)

"ثم اعلم أن الأنبياء عليهم الصلاة السلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله تعالىٰ أحياناً، و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي عليه الصلاة و السلام يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ :﴿قل لا يعلم من فى السموات و الأرض الغيب إلا الله﴾. (المسايرة مع المسامرة : ٢/٨٨، مصر)

الجواب حامداًومصلیاً:

جوشخص علم غیب کلی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے مانتا ہے وہ شخص مشرک ہے، فقہاء اور علماء عقائد نے اس کی تکفیر کی ہے، اس کا ایسا کہنا نصوصِ صریحہ کے معارض ہے:

"وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾۔ كذا في المسايرة"۔ شرح فقه اكبر، ص: ۱۸۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۷/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ رجب/ ۶۴ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ رجب/ ۶۴ھ۔

علم غیب

سوال[۷۴۲]: بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مفاتیح غیبیہ کا جو سورۂ لقمان کے آخر میں ہیں علم دیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام دنیا کے حمل جانتے ہیں نر ہے یا مادہ یا کیا، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ قول بالکل غلط ہے، بہت سی روایات اور آیات اسکی تکذیب کرتی ہیں:

"وعن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مفاتيح الغيب خمس و تلا هذه الاية"۔

---

(۱) "(شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۵۱، قديمي)

"و بالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به الله تعالىٰ، لا سبيل للعباد إليه، إلا بإعلام منه بالوحي أوإلهام بطريق المعجزة أو الكرامة أو إرشاد، عطف على إعلام إلى الاستدلال بالأمارات ...... و لهذا ذكر في الفتاوى: أي فتاوى علماء ماوراء النهر أن قول القائل عند رؤية هالة القمر: يكون مطر مدعياً علم الغيب لا بعلامته، كفر". (النبراس شرح شرح العقائد، ص: ۳۴۳، مكتبه حقانيه ملتان)

(و كذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۲، مير محمد كتب خانه)

"وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: من ادعیٰ علم هذه الخمسة، فقد کذب (إلی قوله) : فإن هذه العلوم الخمسة لا یعلمها إلا اللّٰه". تفسیر مدارك (۱)۔ وقال فی تفسیر تلك الآیة : "فأراد أنه هو المتوصل إلی المغیبات و حده لا یتوصل إلیها غیره" (۲)۔ وقال تعالیٰ : ﴿قل لا أقول لکم عندی خزائن اللّٰه و لا أعلم الغیب﴾ الایة (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

علمِ غیب

سوال [۲۴۸] : زید کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم، علمِ الٰہی کے سامنے جو نسبت ذرہ کو آفتاب سے، قطرہ کو دریا سے ہے وہ بھی یہاں تصور نہیں کی جاسکتی، مگر بایں ہمہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باعطائے الٰہی ما کان وما یکون کے عالم ہیں اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھتا ہے ؎

فإن من جودك الدنیا وضرتها
و من علومك علم اللوح والقلم (۴)

یعنی دنیا اور آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کا بعض ہے۔ اور کہتے ہیں کہ لوح وقلم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعض ہے تو دوسرے علوم کون سے ہیں؟ تو جواب

---

(۱) (تفسیر المدارك، (لقمان : ۳۴) : ۲/۳۲۴، قدیمی)

"وقال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما : هذه الخمسة لا یعلمها إلا اللہ تعالیٰ، و لا یعلمها ملك مقرب و لا نبي مرسل، فمن ادعی أنه یعلم شیئاً من هذه، فقد کفر بالقرآن، لأنه خالفه". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، (لقمان : ۳۴) : ۱۴/۵۵، دار الکتب العلمیة)

"عن قتادة أنه قال فی الآیة : خمس من الغیب استأثره اللہ تعالیٰ بهن، فلم یطلع علیهن ملکاً مقرباً، و لا نبیاً مرسلاً: إن اللہ عنده علم الساعة اهـ". (روح المعانی، (لقمان، ۳۴) ، ۲۱/۱۶۹، دار الفکر)

(۲) "(المدارك، (الانعام : ۵۹) : ۱/۳۶۸، قدیمی)

(۳) (الأنعام : ۵۰)

(۴) (قصیده برده، ص: ۳۴، الفصل العاشر فی المناجاة و عرض الحاجات، قدیمی)

میں کہتا ہے۔

وسع العالمین علماً و حکماً

فهو بحر لم تعيها الأعياء

و كلهم من رسول الله ملتمس

غرفاً من البحر أو رشفاً من الأيم(۱)

نیز کہتا ہے کہ علوم اولین مثلاً اَور ہیں اور علوم آخرین اَور، لیکن وہ سب علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں۔

۲..... حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت شریف میں کہتا ہے ۔

وإذا سمعت فعنک قولاً طيباً

وإذا لحظت فلا أرى سواک

جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں اور جب دیکھتا ہوں تو آپ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

۳.....

يا أكرم الخلق مالي من ألوذ به

سواک عند حلول الحادث العمم(۲)

یعنی اے بہترین مخلوق! آپ کے سوا میرا کوئی نہیں کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں۔ اگر کہتا ہوں کہ بھائی خدا کو پکارنا چاہئے خدا کے سوا دوسرے کو اس طرح نہیں پکارنا چاہئے تو کہتا ہے کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تو یوں پکارتے تھے کہ: "رحمة للعالمين أدرك زين العابدين محبوس أيد الظالمين"۔

اے رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زین العابدین کی مدد کو پہونچو، وہ اژدہام میں ظالموں کے ہاتھ قید میں ہے اور کہتا ہے ۔

يا سيد السادات جئتک قاصداً

أرجو رجاک واحتمي بحماک

(۱) (قصیدہ بردہ، ص: ۹، الفصل الثالث فی مدح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قدیمی)

(۲) (قصیدہ بردہ، ص: ۳۳، الفصل العاشر فی المناجاۃ و عرض الحاجات، قدیمی)

یا رسول اللہ انظر حالنا

یا رسول اللہ اسمع قالنا

انني في بحر همّ لمغرق

خذ یدی سهل لنا أشكالنا

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوانہیں ہے عاجز بیکس کا کوئی حامی۔

اس قسم کے اَور بھی اشعار پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے منتقل نہیں ہوئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام غائب چیزیں بتادیں جو دنیا وآخرت میں ہوں گی جس طرح کہ ہیں بہ عین الیقین، حدیث شریف میں ہے کہ "دنیا ہمارے سامنے پیش کی گئی پس ہم اس میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے ہاتھ میں" اور یہ بھی آیا ہے کہ "ہم کو جنت اور وہاں کی نعمتوں نیز دوزخ اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی"، علاوہ ازیں اور متواتر خبریں، لیکن بعض کو چھپانے کا حکم دیا گیا، اگر اسے نفی کی کوئی آیت یا حدیث دکھاتے ہیں تو اسے علم عطاء ہونے سے پہلے کی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مفسرین نے اس کے بارے میں کیا فرمایا ہے، بعض کے جواب میں آیت ﴿إلا من ارتضیٰ من رسول﴾ اور ﴿علمك مالم تكن تعلم﴾ پیش کرتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا اور اس قسم کے اشعار کہنا کیسا ہے اور زید کے لئے کیا حکم ہے؟ جواب نمبروار قرآن وحدیث کی روشنی میں مستحکم ومدلل عنایت فرمائیں۔

محمد شفاعت علی گڈیا، ضلع گنگانگر، راجستھان۔

الجواب حامداً و مصلياً :

حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وأصحابہ وسلم (فداه روحي و روح أبي وأمي) کا مقام اس قدر بلند ہے کہ اس کا ادراک دشوار ہے، جس قدر کمالات اور صفات عالیہ متفرق طور پر دوسروں کے پاس ہیں ان سب کا مجموعہ بلکہ ان سے زائد تنہا ذات مقدسہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہیں، علوم نبوت جو (کہ) مدار قرب و رفعت ہیں وہ بدرجۂ اتم سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں، کوئی اور آپ کا ہم پایہ وہمسر نہیں (۱) اور یہ

---

(۱) "(و أنا حبيب الله) : أي محبه و محبوبه" (و لا فخر) قال الطيبي: قرّر أولاً ما ذكر من فضائلهم =

سب کچھ عطاء خداوندی سے ہے، لیکن خدائے پاک کا علم اس سے بھی زائد ہے، خالق ومخلوق کے علم میں غیر متناہی و متناہی کی نسبت ہے، مساوات نہیں، مساوات کا شائبہ تک نہیں (۱)۔

برزخ، حشر، صراط، جنت، لوح وقلم وغیرہ کے اتنے علوم عطاء ہوئے کہ حساب لگانا اور شمار کرنا قابو سے باہر ہے (۲) ذات وصفات خداوندی کی جو معرفت عطاء ہوئی وہ کسی کو عطاء نہیں ہوئی، قاضی عیاض (۳)،

= بقوله، وهو كذلك ، ثم نبه على أنه أفضلهم و أكملهم ، و جامع لما كان متفرقاً فيهم ، فالحبيب خليل و مكلم و مشرف اهـ". (مرقاة المفاتيح : ۱۰/۳۳، كتاب الفضائل ، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله و سلامه عليه، الفصل الثاني ، تحت رقم الحديث : ۵۷۶۲، رشيديه)

(۱) "إن الله جعل للعقول في إدراكها حداً تنتهي إليه، لا تتعداه، و لم يجعل لها سبيلاً إلى الإدراك في كل مطلوب، و لو كانت كذلك لاستوت مع الباري تعالىٰ في إدراك جميع ما كان و ما يكون و ما لا يكون، إذ لو كان كيف كان يكون؟ فمعلومات الله لا تتناهى، و معلومات العبد متناهية، والمتناهي لا يساوي ما لا يتناهى". (الإعتصام للشاطبي، الباب العاشر في معنى الصراط المستقيم الخ، فصل النوع الثالث، ص: ۵۲۲، دار المعرفة بيروت)

(۲) "عن قتادة عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه، عن مالك بن صعصعة أن نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حدثهم عن ليلة أسرى به .... "ثم رفعت إلى سدرة المنتهى، فإذا أنبقها مثل قلال هجر، وإذا ورقها مثل آذان الفيلة ، قال: هذه سدرة المنتهى، فإذا أربعة أنهار: نهران باطنان .... قلت: ما هذان يا جبرئيل؟ قال: أما الباطنان ، فنهران في الجنة ...... ثم رفع إلى البيت المعمور". الحديث

"وعن ثابت البناني عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أتيت بالبراق" .... قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "ثم عُرج بي، حتى ظهرت لمستوى أسمع فيه صريف الأقلام". الحديث. (مشكوة المصابيح ، باب في المعراج ، الفصل الأول، ص: ۵۲۶ - ۵۲۹، قديمي)

(۳) قال قاضي عياض رحمه الله تعالىٰ: "و من جملة معجزاته المعلومة على القطع الواصل إلينا خبرها على التواتر لكثرة رواتها واتفاق معانيها الإطلاع على الغيب .... عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قام فينا مقاماً فما ترك شيئاًيكون في مقامه ذلك إلى قيام الساعة إلا حدّثه .... و قد خرّج أهل الصحيح والأئمة ما أعلم به أصحابه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مما وعدهم به من الظهور على أعدائه و فتح مكة و بيت المقدس .... و قبض العلم و ظهور الفتن ...... و أنه زويت له الأرض...... =

زرقانی (۱) قسطلانی (۲) ملا علی قاری رحمہم اللہ (۳) وغیرہ کی کتب ان مضامین سے پُر ہیں، اوران پر دلائل بھی موجود ہیں، اس سب کے باوجود ذات اقدس فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق نہیں کیا جاتا (۴)، عالم الغیب، اطلاقاتِ شرعیہ میں اس پر کیا جاتا ہے جس کی یہ صفت (عالم الغیب) ذاتی ہو، عطائی نہ ہو، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿قل لا أقول لكم عندى خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (۵) ﴿قل لا

= مشارقها و مغاربها الخ".

"و قال الملا على القارى فى شرحه: (الاطلاع على الغيب): أى على اطلاعه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على بعض المغيبات عنا". (شرح الشفاء: ۱/۶۷۹، ۶۸۳، فيما أظهره الله تعالىٰ من المعجزات، فصل: و من ذلك ما اطلع عليه من الغيوب، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱، ۲) قال القسطلانى "و إذا أتى بجميع ما أتوا به من الخصال الحميدة، فقد اجتمع فيه ما كان متفرقاً فيهم، فيكون أفضل منه".

"فظهر أن انتفاع أهل الدنيا بدعوته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أكمل من انتفاع سائر الأمم بدعوة سائر الأنبياء، فوجب أن يكون أفضل من سائر الأنبياء".

و قال الزرقانى فى شرحه: "فينبغى أن يقال: إنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ساواهم فى العمل و زاد عليهم بأنه أعلم منهم بالله الخ". (شرح الزرقانى على المواهب اللدنية للقسطلانى: ۸/۲۸۱، المقصد السادس، النوع الأول، عباس احمد الباز مكة المكرمة)

(۳) "(أسمع فيه): أى فى ذلك المكان، أو ذلك المقام (صريف الأقلام): أى صوتها عند الكتابة، قيل: هو ههنا عبارة عن الإطلاع على جريانها بالمقادير .... و المعنى أنى أقمت مقاماً بلغت فيه من رفعة المحل إلى حيث اطلعت على الكوائن، و ظهر لى ما يراد من أمر الله و تدبيره فى خلقه، و هذا والله هو المنتهى الذى لا تقدم فيه لأحد عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الفضائل، رقم الحديث: ۵۸۶۴، باب المعراج، الفصل الأول: ۱۰/۱۷۴، رشيديه)

(۴) "فإن قلت: قد أخبر الأنبياء والأولياء بشىء كثير من ذلك، فكيف الحصر؟ قلت: الحصر باعتبار كلياتها دون جزئياتها، قال تعالىٰ: ﴿فلا يظهر على غيبه أحداً إلا من ارتضى من رسول﴾ الخ (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول: ۱/۱۳۳، رقم الحديث: ۳، رشيديه)

(۵) (الأنعام: ۵۰)

یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا اللّٰہ﴾(۱) ﴿و عندہ مفاتح الغیب لا یعلمها إلا هو﴾(۲) ۔ اَور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدائے پاک نے ہی علم عطا فرمایا ہے اور جس جس چیز کا جتنا جتنا علم جب جب دیا مل گیا جس چیز کا علم نہیں دیا جب تک نہیں دیا، نہیں ملا، یہ بات بھی نہیں تھی کہ جس وقت خواہش کسی علم کی فرمائی فوراً اس کا علم مل گیا ہو۔ تابیر نخل (۳) بیر معونہ (۴) افک (۵) وغیرہ کے واقعات اس کے شواہد ہیں۔

---

(۱) (النمل: ۶۵)

(۲) (الأنعام: ۵۹)

(۳) "عن سماک أنه سمع موسی بن طلحة بن عبید اللّٰہ یحدث عن أبیه، قال: مررت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فی نخل، فرأی قوماً یلقّحون النخل، فقال: "ما یصنع هؤلاء"؟ قال: یأخذون من الذکر، فیجعلونه فی الأنثیٰ، قال: "ما أظن ذلک یغنی شیئاً"، فبلغهم، فترکوه، فنزلوا عنها، فبلغ النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، فقال: "إنما هو الظن، إن کان یغنی شیئاً فاصنعوه، فإنما أنا بشر مثلکم، وإن الظن یخطیء و یصیب، ولکن ما قلت لکم قال اللّٰہ، فلن أکذب علی اللّٰہ".

"عن عائشة (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها) أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم سمع أصواتاً، فقال: "ما هذا الصوت"؟ قالوا: النخل یؤبّرونه، فقال: "لو لم یفعلوا، لصلح"، فلم یؤبروا عامئذٍ، فصار شیصاً، فذکروا ذلک للنبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فقال: "إن کان شیئاً من أمر دنیاکم فشانکم به، وإن کان من أمور دینکم فإلیّ". (ابن ماجة، ص: ۱۸۰، أبواب الرهن، باب تلقیح النخل، مطبع مجتبائی لاهور)

(۴) "عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت: استأذن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم أبو بکر فی الخروج حین اشتد علیه الأذی .... فقتل عامر بن فهیرة یوم بئر معونة .... فقال: "إن أصحابکم قد أصیبوا، وإنهم قد سألوا ربهم، فقالوا: ربنا! أخبرعنا إخواننابما رضینا و رضیت عنا، فأخبرهم عنهم" الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع و رعل و ذکوان و بئر معونة الخ: ۲/۵۸۷، قدیمی)

(۵) "إن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها زوج النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم حین قال لها أهل الإفک .... فدعا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم علیّ بن أبی طالب و أسامة بن زید حین استلبث الوحی یستأمرهما فی فراق أهله، قالت: فأما أسامة بن زید فأشار علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه =

دور سے خطاب کرنا جذبہ شوق ومحبت میں ہو یا اس تصور کے تحت ہو کہ بذریعۂ ملائکہ خدمت اقدس میں پیش کیا جائے گا درست ہے، یا ذہن میں تصور کرکے ہو تب بھی درست ہے(۱)، خدائے پاک کی طرح ہر جگہ حاضر وناظر سمجھ کر ہو تو درست نہیں، غلط ہے، اس سے باز آنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۵ھ۔

علم غیب

سوال[۲۴۹]: ۱......ایک شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم کلی عطاء کیا تھا، حتی کہ اس کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام امور جو کہ دنیا میں ہیں اور جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے حتی کہ دوزخی جو دوزخ میں داخل ہوں گے، بہشتی جو بہشت میں داخل ہوں گے اور یہ بھی کہتا ہے کہ حضور درختوں کے پتے اور ریت کے ذرے ان تمام کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح کہ اپنی کف مبارک کو دیکھتے ہیں، ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

۲......ایک اور شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نعوذ باللہ کچھ نہیں جانتے تھے اور

= وسلم بالذی یعلم من برآءۃ أهله .... ثم قال: "أما بعد، یا عائشة! فإنه قد بلغنی عنک کذا و کذا، فإن کنت بریئةً فسیبرئک الله، و إن کنت ألممت بالذنب فاستغفری الله و توبی إلیه" .... قالت: فلما سری عنه، و هو یضحک، فکانت أول کلمة تکلم بها: "یا عائشة! أما الله فقد برّأک". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، (سورة النور)، باب قوله عزوجل: ﴿إن الذین جآء وا بالإفک﴾ الأیة الخ: ۲/۶۹۶، ۶۹۸، قدیمی)

(۱) "وعنه (أی عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه) قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن لله ملائکةً سیاحین فی الأرض یبلغونی من أمتی السلام". رواه النسائی والدارمی". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب الصلوة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و فضلها، ص: ۸۶، قدیمی)

(سنن النسائی، کتاب السهو، باب التسلیم علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۱/۱۸۹، قدیمی)

(وسنن الدارمی، کتاب الرقائق، باب فی فضل الصلاة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۲/۴۰۹، قدیمی)

بکمال درشتی دعویٰ کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہیں تھی، اس کا کیا حکم ہے؟

۳......اگر یہ دونوں ایک دوسرے کو کافر کہیں تو کیا حکم ہے، آیا ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

۴......صاف عقیدہ جو کہ افراط وتفریط سے مبرا ہو تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......ایجابِ کلی کا دعویٰ "یعنی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع مغیبات کا علم تھا، باری تعالیٰ کے اور آپ کے علوم کماً مساوی تھے، فرق صرف ذاتی اور عطائی کا تھا" غلط اور خلاف نصوص ہے، سلبِ کلی کا دعویٰ "یعنی یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی غیب کا علم عطاء نہیں ہوا"، یہ بھی غلط ہے اور خلاف نصوص ہے، اول کی تردید کے لئے سلب جزئی کافی ہے، ثانی کی تردید کے لئے ایجاب جزئی کافی ہے۔

چنانچہ دونوں سلب جزئی وایجاب جزئی کے شواہدِ کثیرہ نصوص قرآنیہ وروایات حدیثیہ میں موجود ہیں، کتب عقائد میں بھی ہردو کی تصریح کی گئی ہے: ﴿و عنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾ (۱) ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ (۲) ﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (۳) ﴿ولو كنت أعلم الغيب لاستكثرت من الخير﴾ (۴)۔

ان آیات میں علم غیب کی صراحۃً وقصداً نفی کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی الاطلاق (بلا تصریح جزئی) علم غیب کو ثابت کرنا شرک یا موہم شرک ہے اور علم غیب کلی ثابت کرنا تو صریح شرک وکفر ہے۔ واقعہ افک، بیرمعونہ، عقد، تابیر نخل سے بھی علم غیب کی نفی ہوتی ہے۔

"و فينا نبي يعلم ما في غد" کو منع فرمانا (۵) حدیث جبرئیل (۶) اور حوض کوثر پر جب آپ بعض

---

(۱) (الأنعام : ۵۹) (۲) (النمل : ۶۵)

(۳) (الأنعام : ۵۰) (۴) (الأعراف : ۱۸۸)

(۵) "فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف و يندبن من قتل من آبائي يوم بدر، إذ قالت إحداهن : و فينا نبي يعلم ما في غد، فقال: "دعي هذه و قولي بالذي كنت تقولين". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ضرب الدف في النكاح والوليمة : ۲/۷۷۳، قديمي)

(۶) (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الإيمان والإسلام والإحسان وعلم الساعة الخ : ۱/۱۲، قديمي)

کی سفارش فرمائیں گے اور جواب ملے گا "إنك لا تدری ما أحدثوا بعدك "(۱) اور سجدۂ شفاعت میں ایسی حمد فرمائیں گے جس کا علم ابھی عطاء نہیں ہوا (۲) وغیرہ وغیرہ سب شواہد ہیں۔ اور جزئی علم غیب کا ثبوت (جو کہ نقیض ہے سلب کلی کی) اتنا کثرت سے ہے کہ شاید کوئی علم حدیث اور آپ کی سیرت سے ادنیٰ سی مناسبت رکھنے والا بھی انکار نہیں کرے گا حتی کہ انہیں جزئیات کثیرہ کی وجہ سے ایک فریق کو ایجاب کلی کے دعویٰ کا سہارا مل گیا۔

"اعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله أحياناً، و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالیٰ: ﴿قل لا يعلم من فی السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ " شرح فقه اکبر، ص :۱۸۵ (۳)۔

صحیح عقیدہ اہل سنت والجماعت کا یہ ہے کہ خدائے قدوس کی ذات وصفات ومرضیات کا علم جس قدر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہوا اس قدر کسی مخلوق کو عطاء نہیں ہوا اور یہی علم موجب قرب وکمال ہے، تاہم باری تعالیٰ کا علم آپ کے علم سے بہت زیادہ اور غیر متناہی ہے۔

رہا درختوں کے پتوں اور ریت کے ذروں اور پانی کے قطروں کا علم، نہ آپ کو عطاء ہوا نہ یہ موجب کمال وقرب ہے کہ جس سے آپ کے کمال میں کوئی نقص پیدا ہو، ابتداءً آپ کو اپنے خاتمہ کا علم نہیں تھا: ﴿و ما أدری ما يفعل بی و لا بكم﴾ (۴) فرمایا گیا اور پھر ﴿ليغفر لك الله ما تقدم من

---

(۱) "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "أنا فرطكم على الحوض ليرفعن إلى رجال منكم، حتى إذا أهويت لأناولهم اختلجوا دوني، فأقول : أي رب! أصحابي، يقول : لا تدري ما أحدثوا بعدك ". (صحيح البخاری، كتاب الفتن، باب ما جاء في قول الله تعالىٰ : (واتقوا فتنةً لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة) الخ : ۲/۱۰۴۵، قديمی)

(۲) "فأنطلق، فآتي تحت العرش، فأقع ساجداً لربي، ثم يفتح الله عليّ من محامده و حسن الثناء عليه شيئاً لم يفتحه على أحد قبلي الخ ".(صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ : (ذرية من حملنا مع نوح إنه كان عبدا شكورا) : ۲/۶۸۵، قديمی)

(۳) (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري ، ص: ۱۵۱، قديمی)

(۴) (الأحقاف : ۹)

ذنبك و ما تأخر﴾ (۱) کے ذریعہ اس کا آپ کو علم عطاء کر دیا گیا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عدم علم دنیا کے اعتبار سے ہے کہ کس شی کا حکم ہو، کس شی سے ممانعت ہو اور وفات کس صورت سے ہو بطور شہادت ہو یا اَور طرح، اور لوگ اتباع کریں یا نہ کریں وغیرہ وغیرہ، باقی آخرت کے متعلق آپ کو جنتی ہونے کا علم قطعی حاصل تھا، اسی کو ابن جریر وغیرہ نے قابل اعتماد قرار دیا ہے (۲)۔ اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی تصنیف ہوئے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۴/ رمضان المبارک/ ۶۶ھ۔

حضرت پیرانِ پیر کے متعلق عقیدۂ علم غیب

سوال [۱۲۵۱]: حضرت پیران پیر شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منہ کرکے ہاتھ باندھنا اور چند قدم پیر صاحب کی طرف چلنا اور اعتقاد رکھنا کہ پیر صاحب دیکھ رہے ہیں، ایسے اعتقاد والے کے لئے کیا حکم ہے؟

---

(۱) (الفتح: ۲)

(۲) "عن الحسن في قوله: "و ما أدري ما يفعل بي و لا بكم" فقال: أما في الآخرة فمعاذ الله! قد علم أنه في الجنة حين أخذ ميثاقه في الرسل، و لكن قال: "وما أدري ما يفعل بي و لا بكم في الدنيا". (تفسير الطبرى، (الأحقاف: ۹): ۲۶/۷، مصطفى البابى الحلبى)

"و أخرج ابن جرير "عن الحسن أنه قال في الآية: أما في الآخرة فمعاذ الله تعالىٰ! قد علم صلى الله عليه وسلم أنه في الجنة حين أخذ ميثاقه في الرسل، "ولكن ما أدري ما يفعل بي في الدنيا". (روح المعاني، (الاحقاف: ۹): ۲۶/ ۱۵، دار الفكر)

"واختار الطبري أن يكون المعنى: ما أدري ما يصير إليه أمري و أمركم في الدنيا، أتومنون أم تكفرون، أم تعاجلون بالعذاب أم تؤخرون، قلت: و هو معنى قول الحسن والسدي وغيرهما، قال الحسن: ما أدري ما يفعل بي و لا بكم في الدنيا، أما في الآخرة فمعاذ الله! قد علم أنه في الجنة حين أخذ ميثاقه في الرسل و لكن قال: "ما أدري ما يفعل بي في الدنيا". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (الأحقاف: ۹): ۱۶/ ۱۲۵، دار الكتب العلمية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ کفر وشرک ہے:"ویکفر بقوله: أرواح المشائخ حاضره تعلم"(مجمع الأنهر)(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۵/۴/۲۶ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ

ایک شخص کا بعض مغیبات کی خبر دینا

سوال[۱۲۵۱]: ایک شخص نے ایک بچہ کے متعلق کہا کہ صرف دو ماہ زندہ رہے گا اور وہ واقعی دو ماہ کے بعد ختم ہوگیا، ایک لڑکی کے متعلق کہا کہ تو اپنے بیٹے کا آرام نہیں دیکھ سکتی اور پانچ ماہ کے بعد تم ختم ہوجاؤ گی، وہ بھی پانچ ماہ کے بعد ختم ہوگئی، میری عورت کے بارے میں کہا کہ تمہارے اوپر سات جھٹکے آئیں گے یا تم پہلے جھٹکے میں ختم ہوجاؤ گی یا پانچویں میں، اب میری عورت کے اوپر پانچ جھٹکے آچکے ہیں، ہم پریشان ہیں، شریعتِ مطہرہ اس مسئلے میں کیا فرماتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس قسم کی باتیں بتا کر مخلوق کو پریشانی میں ڈالنا بہت ہی غلط طریقہ ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے متعلق ایسا نہیں فرمایا، کسی کی موت کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں (۲) قرائن یا کسی کشف

---

(۱) (مجمع الأنهر، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: ۶۹۱/۱، دار إحياء التراث العربی)

(وكذا فی الفتاویٰ البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أوخطأً: ۳۲۲/۶، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۹/۵، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله عنده علم الساعة، و ينزل الغيث، ويعلم ما فی الأرحام، وما تدری نفس ما ذا تكسب غداً، وما تدری نفس بأي أرض تموت، إن الله عليم خبير﴾ (لقمان: ۳۴)

"عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "مفتاح" و فی رواية: "مفاتيح الغيب خمسة لا يعلمها إلا الله تعالیٰ: لا يعلم أحد ما يكون فی غد، و لا يعلم أحد مايكون فی الأرحام، و لا تعلم نفس ما ذا تكسب غداً، و ما تدری نفس بأیّ أرض تموت، و ما يدری أحد..... =

سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ شرعی حجت نہیں، آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہئے، یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ کوجھٹکا ہی نہ آئے، یہ بھی ممکن ہے کہ مدتِ دراز کے بعد بالکل اخیر میں آئے، جتنی عمر اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمادی ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی (۱)، بس یہی ایمان اطمینان بخش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۴ھ۔

تاریخی جنتریوں کی پیشن گوئیاں

سوال [۲۵۲]: یہ تاریخوں کی چھوٹی چھوٹی جنتریاں جن میں پیشنگوئیاں لکھی رہتی ہیں، ان کو دیکھنا اعتقاد رکھنا کیسا ہے اور بنانے والا کیسا ہے؟ اور یہ کس بزرگ نے کہا ہے اور جو کرتے رہتے ہیں ان پر یہ حکم عائد نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان میں بعض چیزیں حساب سے متعلق ہیں (شرعی نہیں) جیسے ریلوے کے ٹائم ٹیبل کو دیکھ کر کوئی بتائے کہ فلاں گاڑی فلاں اسٹیشن پر اتنے بجے پہونچے گی (۲) بعض جنتریاں صرف عوام کو مائل کرنے کے لئے ہیں، غرض شرعی طریقہ سے ان پر اعتماد ویقین نہیں کیا جاسکتا، نہ اس مقصد کیلئے ان کو دیکھا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= متی یجیئ المطر". (روح المعانی: ۲۱/۱۱۰، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۵۴، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۱) "عن عبد اللہ ...... قال: فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "قد سألت اللہ لآجال مضروبة و أیام معدودة وأرزاق مقسومة، لن یعجل شیئاً قبل حله أو یؤخر شیئاً عن حله، و لو کنت سألت اللہ أن یعیذک من عذاب فی النار أوعذاب فی القبر، کان خیراً و أفضل"..(الصحیح لمسلم: ۲/۳۳۸، کتاب القدر، باب بیان أن الأجال والأرزاق وغیرها لا تزید و لا تنقص، قدیمی)

"و حاصله أن القضاء المبرم الذی هو عبارة عن علم اللہ تعالیٰ بما سیکون لا یزاد فیه شیء و لا ینقص". (تکملة فتح الملهم: ۵/۵۰۷، کتاب القدر، باب بیان الآجال والأرزاق وغیرها لا تزید و لا تنقص، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۲) "وأما ما علم بحاسة أوضرورة أو دلیل فلیس بغیب، و لا کفر فی دعواه، و لا فی تصدیقه علی الجزم فی الیقینی، والظن فی الظنی عند المحققین". (النبراس شرح شرح العقائد، ص: ۳۵۳، مکتبه حقانیه ملتان) =

ہاتھ دکھلا کر مستقبل معلوم کرنا ناجائز ہے

سوال[۲۵۳]: کیا مستقبل کا حال جاننے کے لئے اس فن کے کسی ماہر کو ہاتھ دکھلانا جائز ہے؟ اگر ہاتھ دکھلانے والا شوقیہ طور پر ہاتھ دکھلا رہا ہو اور ماہرِ فن کی باتوں پر یقین نہ کرے تو کیا اس سے شرعی پوزیشن میں کوئی فرق ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ناجائز ہے(۱) جس کا عقیدہ پہلے سے خراب ہو، اس کو عقیدہ صحیح کر کے توبہ کرنا لازم ہے، جس کا عقیدہ پہلے سے خراب نہ ہو، بلکہ تجربہ کے لئے دکھلاتا ہو اس کے لئے بھی اجازت نہیں، کیونکہ خود اس کے عقیدہ کے خراب ہونے کا خطرہ ہے اور فاسد العقیدہ لوگوں کے لئے فسادِ عقیدہ کی اس سے تائید ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

= "واستدلالي بسير النجوم و حركة الأفلاك على الحوادث بقضاء الله تعالیٰ و قدره، و هو جائز كاستدلال الطبيب بالنبض على الصحة والمرض". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب في دعوى علم الغيب: ۲۴۳/۴، سعيد)

(۱) "من أتى كاهناً أو عرافاً فصدقه بما يقول، فقد كفر بما أنزل على محمد"، أخرجه أصحاب السنن الأربعة، و صححه الحاكم عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب في الكاهن والعراف: ۲۴۲/۴، سعيد)

"عن بعض أزواج النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال:" من أتىٰ عرافاً فسأله عن شيء لم تقبل له صلوة أربعين ليلةً". (الصحيح لمسلم، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان: ۲۳۲/۲، قديمي)

قال النووي: "العراف من جملة الكهان، و قال الخطابي وغيره: العراف هو الذي يتعاطى معرفة مكان المسروق و مكان الضالة ونحوهما". (شرح النووي على مسلم، باب تحريم الكهانة و إتيان الكهان: ۲۳۲/۲، قديمي)

ما یتعلق بالحاضر والناظر، والنور والبشر

(حاضر وناظر اورنور وبشر کا بیان)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ

سوال[۲۵۴]: زید کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تصرف عطاء فرمایا ہے کہ عالم میں جہاں چاہیں اور جس وقت چاہیں باذن اللہ تشریف فرما ہو جائیں، اس بنیاد پر زید نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر مانتا ہوں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ زید کے پیچھے نماز جائز نہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید مسلمان ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب پاک حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مقام عطاء فرمایا ہے جو کسی کو نہیں ملا(۱) اللہ پاک جہاں چاہے اور جب چاہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچادے اور جس چیز پر چاہے مطلع فرمادے(۲)، اس اعتبار سے حاضر وناظر آپ کے صفت نہیں بنے گی، حاضر وناظر وہ ہے جو ہر جگہ،

(۱) ﴿عسیٰ أن یبعثک ربک مقاماً محموداً﴾. قلت: لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریفات یوم القیامة لا یشرکه فیها أحد، و تشریفات لا یساویه فیها أحد، فهو أول من تنشق عنه الأرض، و یبعث راکباً إلی المحشر، و له اللواء الذی آدم فمن دونه تحت لوائه، و له الحوض الذی فی الموقف أکثر وارداً منه، و له الشفاعة العظمی عند اللہ". (تفسیر ابن کثیر، (الإسراء: ۷۹): ۳/۷۷، دار الفیحاء)

"قال علیه السلام: "أعطیت مالم یعط أحد من الأنبیاء قبلي: نصرت بالرعب، و أعطیت مفاتیح الأرض، و سمیت أحمد، و جعل لی التراب طهوراً، و جعلت أمتي خیر الأمم". (فیض القدیر: ۲/۱۱۵۱، رقم الحدیث: ۱۱۲۹)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب، و لکن اللہ یجتبي من رسله من یشآء﴾ (آل عمران: ۱۷۹)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه أحداً، إلا من ارتضی من رسول﴾. (الجن: ۲۶، ۲۷)

ہروقت، ہر شے کے حق میں حاضر وناظر ہو، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے(۱)۔ زید نے جو تاویل کی ہے اس تاویل کے اعتبار سے خدائے پاک کی دوسری صفات بھی دوسروں کے لئے ثابت کی جاسکتی ہیں، جس میں عقائد کے فساد کا قوی خدشہ ہے، تاویلِ مذکور کے اعتبار سے زید پر کفر وارتداد کا حکم نہ لگایا جائے (۲) مگر اس اطلاق کو موجبِ ضلال کہا جائے گا، زید کو اس سے باز آنا لازم ہے، جب تک وہ باز نہ آئے اس کو امام نہ بنایا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

عقیدۂ حاضر وناظر

سوال[۲۵۵]: زید کہتا ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر نہ جانے اس کو قتل کردو، اس کے گھر میں آگ لگا دو اور اس کے بال بچوں کو بھی قتل کردو، اگر تم مارے گئے تو شہید ہوگے۔ کیا ایسا کہنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دریافت کرنے کی ضرورت ہے کہ اتنا بڑا دعویٰ کس دلیل پر مبنی ہے، حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر"(٤)۔

---

(۱) ''اعتقاد اینکہ کسے غیرِ حق سبحانہ حاضر وناظر، وعالمِ خفی وجلی در ہر وقت وہر آن است، اعتقاد شرک است''۔ (مجموعة الفتاویٰ علی هامش خلاصة الفتاوی: ۴/ ۳۳۱، امجد اکیڈمی)

(۲) "ان المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع و تسعون احتمالاً للكفر، و احتمال و احد فی نفيه، فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي؛ لأن الخطاء في إبقاء ألف كافر أهون من الخطاء في إفناء مسلم واحد. وفي المسئلة المذكورة تصريح بأنه يقبل من صاحبها التأويل". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۶۲، قديمی)

(۳) "و يكره إمامة عبد و أعرابي و فاسق و مبتدع الخ". (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، سعيد)

(۴) (مسند الإمام أحمد: ۲/ ۱۲، رقم الحديث: ۴۱۶۷، ۲/ ۳۸، ورقم الحديث: ۴۳۳۲، دار إحياء التراث العربي) .... =

اور قرآن پاک میں ہے:﴿ومن یقتل مومنا متعمداً، افجزائه جهنم﴾(۱)۔
قتل مومن کی سزا جہنم ہے اور بچوں کا قتل تو جہاد میں بھی منع کیا گیا ہے اگر چہ وہ بڑے سے بڑے کافر کا بچہ ہو۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حاضر وناظر کا عقیدہ رکھنا

سوال[۲۵۶]: سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب سکھایا ہے کہ دیوار کے باہر سے مت پکارو، نہ ان سے سلام وکلام میں آواز بلند کرو، جب باہر تشریف لائیں، تب سلام وکلام کرو وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب دنیا کی زندگی کے واسطے بتایا اور اب بھی وہی حکم ہے کیونکہ میلاد میں زور سے سلام پڑھتے ہیں اور سینکڑوں کوس سے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سب ادب ہمیشہ کے لئے ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس آ کر صلوۃ وسلام مجھ پر بھیجتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے وہ ملائکہ کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے(۲) آواز بلند کر کے پڑھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ خود حضور صلی اللہ

= "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "سباب المسلم فسوق و قتاله كفر ".(جامع الترمذى، أبواب الإيمان، باب ما جاء سباب المسلم فسوق : ۲/۹۲، سعيد)

(والصحيح لمسلم، كتاب الايمان، باب بيان قول النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "سباب المسلم فسوق و قتاله كفر ". ۱/۵۸، قديمى)

(وصحيح البخارى، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن : ۲/۸۹۳، قديمى)

(۱) (النساء:۹۳)

(۲) "عن أبى هريرة -رضى الله تعالىٰ عنه- قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من صلى عليّ عند قبرى سمعته، و من صلى عليّ نائياً أبلغته " رواه البيهقى فى شعب الإيمان".(مشكوة المصابيح، باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم و فضلها : ۱/۸۷،قديمى)

تعالیٰ علیہ وسلم یہاں حاضر و ناظر ہیں اور بلا واسطہ سنتے ہیں یہ عقیدہ غلط ہے اور اس سے توبہ لازم ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حاضر و ناظر کا عقیدہ

سوال[۲۵۷]: ''بہارِ شریعت'' مصنفہ احمد رضا خان صاحب میں لکھا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے کل کائنات بنائی گئی ہے، اس معنی کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں''، کیا واقعی یہ سچ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے یہ کتاب نہیں دیکھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ غلط ہے(۲)، یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے: ﴿هو عالم الغيب والشهادة﴾ ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حاضر و ناظر اور مقلب القلوب وغیرہ

سوال[۲۵۸]: ا......زید کہتا ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور مقلب القلوب ہیں اور ملک اور ملکوت کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور امت کے احوال و افعال، حرکات و سکنات، دلوں کے خطرات سے آگاہ ہیں، اپنی امت کو دیکھتے ہیں، ان کی نیت، ارادے اور دل کی باتوں سے واقف

---

(۱) "وفي البزازية قال علماؤنا: من قال أرواح المشايخ حاضرة تعلم، يكفر". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً: ۳۲۶/۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: ۶۹۱/۱، دار احياء التراث العربي، بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وما كنت لديهم إذ يلقون أقلامهم أيهم يكفل مريم، وما كنت لديهم إذ يختصمون﴾. (آل عمران: ۴۴)

(۳)(الحشر: ۲۲)

قال الله تعالىٰ: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً﴾. (الجن: ۲۶)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾. (النمل: ۶۵)

ہیں، دین پر چلنے والے کے رتبہ سے، اچھے برے کاموں، اخلاص ونفاق سے واقف ہیں۔ اس کا دین اور ایمان کس درجہ کا ہے؟ کیا یہ قول صحیح ہے؟

۲......زید اپنے قول کی تائید میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ، نیز معتبر علماء ومشاہیر کے اقوال معہ حوالہ کتب ذیل پیش کرتا ہے:

(الف) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی از کتاب ''اقرب السبل'' عبارت فارسی: ''**با چندیں اختلاف و کثرتِ مذاهب که در علمائے امت هست یک کس را درین مسئله خلافے نیست که آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بحقیقتِ حیات بے شائبه مجاز و توهمِ تاویل دائم و باقی است، و بر اعمالِ امت حاضر و ناظر است، ومطالبانِ حقیقت را و متوجهاں آنحضرت را مستفیض و مربی**''۔

(ب) آیت شریف: ﴿یا أیها النبی إنا أرسلناك شاهداً و مبشراً و نذیراً﴾ (۱) ترجمہ: ''اے غیب کی خبر دینے والے نبی! ہم نے تم کو حاضر ناظر خوشخبری دینے والا، ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا، شاہد کے تین معنی: حاضر ناظر وگواہ اور یہ کہ ہر تقدیر پر حضور حاضر وناظر ہیں۔

(ج) آیت کریمہ قرآنیہ: ﴿و جئنابك علی هؤلاء شهیداً﴾ (۲) ﴿ویكون الرسول علیكم شهیداً﴾ (۳) اس سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی ہیں۔

(د) تفسیر روح البیان مصری، جلد دوم، ص: ۲۴۸ میں اسی آیت کریمہ کے تحت درج ہے کہ: ''شهادة الرسول علیكم اطلاع علی وقتیه كل متدین بدینه، و حقیقته التی هو علیها من دینه، وحجابه الذی هو محجوب عن كمال دینه، فهو یعرف ذنوبهم و حقیقة إیمانهم وأعمالهم و حسناتهم و سیئآتهم و إخلاصهم و نفاقهم و غیر ذلك بنور الحق'' (٤)۔

---

(۱) (ألاحزاب: ۴۵)

(۲) (النساء: ۴۱)

(۳) (البقرة: ۱۴۳)

(۴) (روح البیان: ۱/۲۵۰، البقرة: ۱۴۳، دارالکتب العلمیة)

(ہ) تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کریمہ کے تحت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بالکل یہی تفسیر کی ہے: ﴿ویکون الرسول علیکم شهیداً﴾ "و باشد رسولِ شما گواہ، زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بر مرتبۂ متدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ از دینِ من رسیدہ است، و حقیقتِ ایمانِ او چیست، و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کہ مدام است، پس رومی شناسد گناہانِ شما را و درجاتِ ایمانِ شمارا، و اعمالِ نیک و بد شمارا، و اخلاص و نفاقِ شمارا، و لهذا شہادتِ او در دنیا و آخرت بحکمِ شرع در حقِ امت مقبول و واجب العمل است".

(و) امام ابن الحاج مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب لدنیہ جلد دوم ص: ۳۸۷، میں فرماتے ہیں:

"و قد قال علمائنا: لا فرق بين موته و حياته عليه السلام، و في مشاهدته لأمته، و معرفته بأحوالهم و نياتهم و عزائمهم و خواطرهم، و ذلك جلي لاخفاء"(۱)، یعنی ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات اور وفات میں کوئی فرق نہیں، اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات و نیات اور ارادے اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے۔

ان تصریحات اور ان کے علاوہ بہت سی کتابوں کی تصریحات سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا واضح روشن ہے اور مقلب القلوب ہونے کی قدرت اللہ عزوجل نے بخشی ہے۔

(ز) جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہیں جانتا اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، ایسا امام ضرور امامت سے معزول کرنے کے قابل ہے۔

(ح) صحیح عقائد کے لئے بہار شریعت جلد اول، یا کتاب العقائد مصنفہ مولانا نعیم الدین صدر الافاضلؒ کی ملاحظہ کی جائے۔

کیا زید کا پیش کردہ ثبوت مندرجہ بالا اس کے قول کی تائید اور تصدیق کے لئے کافی ہے اور قابلِ تسلیم و صحیح ہے؟ اور آخری اٹم میں جو کتاب بہار شریعت وغیرہ کا ذکر کیا گیا وہ حنفی عقیدہ کے مطابق صحیح ہے یا نہیں؟

۳...... بکر ایک مسجد میں امام ہے اور حنفی المسلک ہے، وہ زید کے قول اور پیش کردہ ثبوت کو صحیح تسلیم نہیں

(۱) (المواهب اللدنية مع شرحه للزرقاني: ۱۹۵/۱۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

کرتا اور کہتا ہے کہ جو صفات باری تعالیٰ عز اسمہ وجل جلالہ کی ذات کے لئے خاص ہیں، مثلاً ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہونا، حاضر وناظر اور مقلب القلوب ہونا، ارادے اور نیتوں کا جاننا وغیرہ اگر بعینہ یہی صفات نبی علیہ الصلاۃ و السلام کے لئے مانی جائیں، پھر معبود اور عبد، وخالق ومخلوق میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اگر پیغمبر علیہ السلام کو مقلب القلوب یعنی قلب بدلنے کی قدرت ثابت کی جاتی ہے تو کفار ومشرکین مکہ مثلاً: ابوجہل، ابولہب، ابی بن خلف وغیرہ دشمنانِ اسلام اور خصوصاً خواجہ ابوطالب جیسے شفیق ومہربان چچا کے دل کو پھیرنے میں کیا امر مانع رہا ہے؟

بہر حال اس عقیدہ کی بناء پر امام صاحب کو زید کے ہم خیال لوگوں نے امامت سے الگ کردیا کہ وہ حضور کو حاضر وناظر مقلب القلوب نہیں جانتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱،۲...... حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے خود ہی دعاء کیا کرتے تھے: "یا مقلب القلوب! ثبت قلبی علی دینك" الحدیث (۱)۔

امت کے جو احوال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتادیئے وہ معلوم ہوگئے، جو نہیں بتائے وہ نہیں معلوم ہوئے۔ قرآن کریم میں بہت سی چیزیں ایسی مذکور ہیں جن کے متعلق بتایا گیا کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ان کا علم نہیں تھا اور بھی کسی کو علم نہیں:

﴿یسئلونك عن الساعة أیان مرساها، قل إنما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها إلا هو﴾ (۲) ﴿وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها إلا هو﴾ الآیة (۳) ﴿قل لا أقول لکم عندی خزائن اللّٰه و لا أعلم الغیب﴾ (٤) ﴿ولو کنت أعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر﴾ (٥) ﴿و ما کنت بدعاً من الرسل و ما أدری ما یفعل بی و لا بکم﴾ (٦)۔

---

(۱) (مشکوٰة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر، ص: ۲۲، قدیمی)

(۲) (الأعراف: ۱۸۷)

(۳) (الأنعام: ۵۹)

(۴) (الأنعام: ۵۰)

(۵) (الأعراف: ۱۸۸)

(٦) (الأحقاف: ۹)

صحاح کی حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ: ''تم لوگ اپنا مقدمہ میرے پاس لاتے ہو، بعض لوگ اپنا دعویٰ ثابت کرنے میں بہت ماہر ولستان ہوتے ہیں، یاد رکھو کہ اگر اس کی باتوں سے متاثر ہو کر اس کے دعوی کو سچا سمجھ کر میں نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا اور واقعۃً اس کا حق نہیں تھا تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے جو اس کو دے رہا ہوں'' (۱)۔ غرض بے شمار احادیث واقعات سے علم کلی کی نفی ہوتی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے :''من اعتقد تسوية علم الله تعالىٰ و رسوله يكفر إجماعاً اهـ''. موضوعات کبیر ص: ۹۹ (۲)۔

صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن سنانے کے لئے ارشاد فرمایا انہوں نے سورہ نساء شروع کی، جب اس آیت پر پہونچے: ﴿فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد، و جئنابك على هؤلاء شهيداً﴾ تو ارشاد فرمایا: ''بس کرو'' اور مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے (۳) اس پر شروحِ حدیث میں لکھا ہے کہ جس چیز کو نہیں دیکھا اس پر شہادت دینے کی دشواری کی بنا پر آنسو جاری ہو گئے (۴) تابیر نخل کی حدیث میں صاف صاف مذکور ہے :''أنتم

(۱) ''عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه سمع خصومةً بباب حجرته، فخرج إليهم، فقال: ''إنما أنا بشر، وإنه يأتيني الخصم، فلعل بعضكم أن يكون أبلغ من بعض، فأحسب أنه قد صدق، وأقضي له بذلك، فمن قضيت له بحق مسلم، فإنما هي قطعة من النار، فليأخذها أو ليتركها''. (صحيح البخاري ، كتاب المظالم والقصاص، باب إثم من خاصم في باطل و هو يعلمه : ۱/۳۳۲، قديمی)

(۲) (الموضوعات الكبير ،لملا علي القاري، ص: ۱۶۲ ،نور محمد)

(۳) ''عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :''اقرأ عليّ'' قلت: أقرأ عليك و عليك أنزل؟ قال: ''فإني أحب أن أسمعه من غيري'' فقرأت عليه سورة النسآء حتى بلغت: ﴿فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد و جئنا بك على هؤلاء شهيداً﴾ (النساء: ۴۱) قال: ''امسك'' فإذا عيناه تذرفان''. (صحيح البخاري، كتاب التفسير ،باب قوله: ﴿فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد و جئنا بك على هؤلاء شهيدا﴾ : ۲/۶۵۹ ،قديمی)

(۴) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ :''فبكى حتى ضرب لحياه و جنتاه ،فقال: ''يارب! هذا على من أنا بين ظهريه، فكيف بمن لم أره''. (فتح الباري ،كتاب فضائل القرآن ،باب البكآء عند فضائل القرآن : ۹/۱۲۲ ،قديمی) .... =

أعلم بأمور دنیاکم" (۱) واقعۂ افک،(۲) بیر معونہ(۳)،فقدِ عقد(۴)،حدیثِ حوض:"لا تدری ما أحدثوا بعدك"(۵)۔حدیثِ شفاعت وغیرہ وغیرہ صحاح میں مذکور ہیں(۶) شرح فقہ اکبر ص:۱۸۵، میں: "و بالجملة فالعلم بالغیب أمر تفرد به سبحانه تعالیٰ، و لا سبیل إلیه للعباد، إلا بإعلام منه وإلهام بطریق المعجزة، أو الکرامة، أو الإرشاد إلی الاستدلال بالأمارات فیما یمکن فیه ذلك، ثم اعلم أن الأنبیاء علیهم الصلاة والسلام لم یعلموا المغیبات من الأشیاء إلا ما أعلمهم الله تعالیٰ أحیاناً. وذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاد أن النبی علیه السلام یعلم الغیب لمعارضته قوله تعالیٰ: ﴿قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا الله﴾ کذا فی المسایرة"(۷).

= (وکذا فی عمدة القاری، کتاب التفسیر ،باب: (فکیف إذا جئنا من کل أمة بشهید، و جئنابک علی هؤلاء شهیداً): ۱۸/۲۷۱،محمد أمین دمج بیروت)

(۱) "عن أنس أن النبی ﷺ مرّ بقوم یلقّحون ، فقال: "لو لم تفعلوا ،لصلح" قال: فخرج شیصاً،فمرّ بهم، فقال: "مالنخلکم"؟ قالوا: قلت کذا و کذا، قال: "أنتم أعلم بأمر دنیاکم". (الصحیح لمسلم،کتاب الفضائل ، باب وجوب امتثال ماقاله شرعاً دون ما ذکره اهـ : ۲/۲۶۴، قدیمی)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: " علم غیب")

(۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان: " علم غیب")

(۴) "عن عائشة رضی الله عنها زوج النبی صلی الله علیه وسلم قالت: خرجنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم بعض أسفاره، حتی إذا کنا بالبیداء أو بذات الجیش، انقطع عقد لی، فأقام رسول الله صلی الله علیه وسلم علی التماسه، وأقام الناس معه". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب التیمم: ۱/۴۸، قدیمی)

(۵) (صحیح البخاری ، کتاب التفسیر ، باب قوله:(کما بدأنا أول خلق) : ۲/۶۹۳، قدیمی)

(۶) "عن أبی هریرة رضی الله عنه، قال: أتی رسول الله صلی الله علیه وسلم بلحم .... فأقع ساجداً لربی، ثم یفتح الله علی من محامده وحسن الثناء علیه شیأً لم یفتحه علی أحد قبلی، ثم یقال: یا محمد! إرفع رأسک سل تعطه، واشفع تشفع". الحدیث . (صحیح البخاری: ۲/۶۸۴، ۶۸۵، کتاب التفسیر، (سورة بنی اسرائیل)، باب قوله: (ذریة من حملنا مع نوح) الخ قدیمی)

(وسنن الترمذی: ۲/۷۰، ابواب صفة القیامة، باب ماجاء فی الشفاعة، سعید)

(۷) (شرح الفقه الأکبر ،للقاری، ص: ۱۵۱، قدیمی)

جو چیز قرآن کریم ،صحیح احادیث ،اجماع ،علم الکلام والعقائد سے صاف صاف ثابت ہو وہ اصل ہے، پھر اگر کسی مسلمہ بزرگ کے کلام میں کوئی چیز اس کے خلاف منقول ہو اور نقل کی سند بھی معتبر نہ ہو تو اس میں تاویل کر کے اس کے لئے ایسا محمل تجویز کیا جائے گا جو قرآن کریم ،حدیث شریف ،اجماع ،تصریحاتِ متکلمین کے خلاف نہیں، نہ یہ کہ اس کی وجہ سے قرآن کریم وحدیث شریف میں تاویل کی جائے یا ترک کیا جائے۔ اگر کسی مسلمہ بزرگ کا کلام نہ ہو یا نقل کی سند ہی معتبر نہ ہو تو تاویل کی بھی حاجت نہیں ،ویسے ہی وہ ناقابل التفات ہے۔

از (الف) تا (ح) میں کوئی ایسی شئی نہیں جو قطعیات کے معارض ہو سکے ،جس کی وجہ سے قطعیات میں تاویل کی جائے بلکہ ان (الف) تا (ح) میں سے بعض چیزیں غلط ہیں ،بعض چیزیں بالکل ہی پایۂ اعتبار سے ساقط وناقابل التفات ہیں ،بعض محلِ تاویل ہیں۔

۳...... بکر کا عقیدہ صحیح ہے، قرآن کریم ،حدیث شریف ،اجماع ،تصریحاتِ متکلمین کے موافق ہے، اس کو امامت سے علیحدہ کرنا ظلم اور ناجائز ہے، اس کے بالمقابل زید کا عقیدہ غلط ہے، اس کو خود اپنی ہی فکر لازم ہے، چاہئے کہ اپنا عقیدہ صحیح کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

أصاب من أجاب ہذا الجواب: بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

کیا شاہد کا ترجمہ ’’حاضر وناظر‘‘ ہے؟

سوال [۲۵۹]: زید کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں، اور دلیل میں آیت: ﴿إنا أرسلنك شاهداً ومبشراً ونذيراً﴾ (۱) پیش کرتے ہوئے شاہد کا ترجمہ ’’حاضر وناظر بنا کر بھیجا‘‘ کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس لفظ کا اطلاق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درست ہے؟ حاضر وناظر اگر باری تعالیٰ کی صفتِ مختصہ ہو تو براہ کرم کتب حدیث وفقہ وعقائد میں صفحہ کے حوالہ سے اس کی نشان دہی فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاضر کا ترجمہ ’’ہر جگہ موجود‘‘ اور ناظر کا ترجمہ ’’ہر ایک کو دیکھنے والا‘‘ اس معنی کے اعتبار سے یہ اللہ تعالیٰ

(۱) (الأحزاب: ۴۵)

کی صفتِ مختصہ ہے یعنی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں وہ سب کو دیکھتا اور جانتا ہے:

﴿لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السمٰوٰت ولا فی الأرض﴾ (۱) ﴿یعلم السر وأخفی﴾ (۲) ﴿علیم بذات الصدور﴾ (۳) ﴿بکل شیء علیم﴾ (٤) ﴿بکل شیء محیط﴾ (٥) وغیرہ، بکثرت نصوصِ قرآنیہ موجود ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق بعض آیات میں صاف حکم ہے کہ آپ اپنے متعلق علم غیب کی نفی کا اعلان کردیں: ﴿قل لا أقول لکم عندی خزائن اللّٰه ولا أعلم الغیب﴾ (٦)۔

بعض آیات میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے بطریق حصر: ﴿و عنده مفاتح الغیب لا یعلمها إلا هو﴾ (۷) بعض آیات میں بعض چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص قرار دیا گیا ہے: ﴿لا یجلیها لوقتها إلا هو﴾ (۸)۔

بعض آیات میں بعض خاص چیزوں کے علم کی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی گئی ہے: ﴿و ما علمناه الشعر﴾ (۹) ﴿و من أهل المدینة مردوا علی النفاق، لا تعلمهم نحن نعلمهم﴾ (۱۰) ﴿ورسلاً قد قصصنا هم علیك من قبل و رسلاً لم نقصصهم علیك﴾ (۱۱) ﴿قل ما کنت بدعاً من

(۱) (السبأ: ۳)
(۲) (طٰهٰ: ۷)
(۳) (الملک: ۱۳)
(۴) (التوبة: ۱۱۵)
(۵) (حم السجدة: ۵۴)
(۶) (الأنعام: ۵۰)
(۷) (الأنعام: ۵۹)
(۸) (الأعراف: ۱۸۷)
(۹) (یٰس: ۶۹)
(۱۰) (التوبة: ۱۰۱)
(۱۱) (النسآء: ۱۶۴)

الرسل و ما أدری ما یفعل بی و لا بکم﴾ (۱) بعض آیات میں علم غیب سے ناواقف ہونے پر بعض امور بطور شرط وجزاء مذکور ہیں: ﴿لو کنت أعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر و ما مسنی السوء﴾ (۲)۔

پھر بطورِ ایجاب جمیع علومِ غیبیہ کا حاوی تسلیم کرنا ان نصوص کے خلاف ہے، احادیث تو بے شمار ہیں جن سے اس ایجاب کلی کی نفی ہوتی ہے، بلکہ حدیث میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں حوض کوثر پر ہوں گا اور کچھ لوگوں کو لایا جائیگا مگر پھر وہ میری نظر سے اوجھل ہو جائیں گے، میں کہوں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں، جواب ملے گا: "لا تدری ما أحدثوا بعدك" کہ آپ کو معلوم نہیں یہ کن بدعات میں مبتلا ہو گئے تھے؟ تو میں کہوں گا کہ ایسے لوگوں کو آگ میں دھکیل دو کہ جنھوں نے دین میں تبدیلی کر دی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر بھی ہیں نور بھی ہیں

سوال[۲۶۰]: کلام پاک کے اندر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بشر کا لفظ بھی آیا ہے اور نور کا لفظ بھی آیا ہے: ﴿قل إنما أنا بشر مثلکم﴾ (٤) الآیة، ﴿قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین﴾ (۵)، ان دونوں آیتوں کا مطلب کیا ہے؟ واضح طور پر لکھیں۔ اگر ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف نور مان لیں اور بشر نہ مانیں یا بشر مانیں، نور نہ مانیں اور خدا کو ہر جگہ حاضر وناظر نہ سمجھنا اور حضور کو...... سمجھنا کیسا ہے اور نور سے کیا مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے بشر قرار دیا اور بشریت کے اعلان کا

---

(۱) (الأحقاف: ۹)

(۲) (الأعراف: ۱۸۸)

(۳)(صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب ما جاء فی قول اللہ: (واتقوا فتنةً لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصةً): ۲/۱۰۴۵، قدیمی)

(۴)(الکهف: ۱۱۰)

(۵) (المائدة: ۱۵)

حکم فرمایا (۱) تو پھر آپ کو بشر نہ ماننا خدائے قہار کا مقابلہ کرنا ہے؟ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا ہے جب کہ قرآن کریم کو بھی نور فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب خود قرآن شریف میں موجود ہے:

﴿قد جاء كم من الله نور و كتاب مبين، يهدى الله به من اتبع رضوانه سبل السلام، و يخرجهم من الظلمات إلى النور بإذنه، و يهديهم إلى صراط مستقيم﴾: أي ينجيهم من المهالك، ويوضح لهم المسالك، فيصرف عنهم المعذور، و يحصل لهم أحب الأمور، و ينفي عنهم الضلالة، ويرشدهم إلى أقوم حاله اهـ". تفسير ابن كثير ٢/٣٤(٢)۔

یعنی آپ کی ہدایت پر عمل کرنے سے آدمی بادیۂ ضلالت کی تاریکیوں سے نکل کر سبیل الرشاد اور صراط مستقیم کی روشنی میں آجاتا ہے، پھر نافرمانی کی مہلکات سے بچ کر اطاعت کے جادہ مستقیم پر گامزن ہو کر سخط و غضب کے مظہر جہنم سے نجات پاتا اور رحمت و رضوان کے مظہر جنت میں دخول کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ صفات بشری: کھانے، پینے، سونے، جاگنے، بیٹھنے، لیٹنے، خرید و فروخت، جنگ و صلح، نکاح و طلاق، بیماری و صحت وغیرہ امور سے بے نیاز اور بری تھے۔

کفار کہا کرتے تھے: ﴿مال هذا الرسول يأكل الطعام و يمشي في الأسواق﴾ الآية (۳)۔

---

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم، يوحىٰ إليّ أنما إلٰهكم إلٰه واحد﴾". (الكهف: ١١٠)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم، يوحىٰ إلي أنما إلٰهكم إله واحد، فاستقيموا إليه واستغفروه، وويل للمشركين﴾". (حم السجدة: ٦)

(٢) (تفسير ابن كثير، (المائدة: ١٦): ٢/٣٢، دار القلم)

"﴿قد جاء كم من الله نور و كتاب مبين﴾ يريد القرآن لكشفه ظلمات الشرك و الشك، و لإبانته ما كان خافياً على الناس من الحق، أو لأنه ظاهر الإعجاز، أو النور محمد عليه الصلاة والسلام؛ لأنه يهتدى به كما سمي سراجاً". (المدارك، (المائدة: ١٥)، ١/٣١٣، قديمي)

"﴿قد جاء كم من الله نور﴾ عظيم، و هو نور الأنوار والنبي المختار صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وإلى هذا ذهب قتادة، واختاره الزجاج، وقال أبو علي الجبائي: عنى بالنور القرآن، لكشفه وإظهاره طرق الهدى و اليقين". (روح المعاني، (المائدة: ١٥): ٦/١٤٣، دار الفكر)

(٣) (الفرقان: ٧)

یہ کیسے رسول ہیں کہ کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں؟

البتہ بشر ہونے کے باوجود اللہ پاک نے آپ کو بہت سی خصوصیات سے نوازا، اپنا حبیب وخلیل بنایا، تمام پیغمبروں کا سید بنایا، قرآن کریم آپ پر نازل فرمایا، ہر قسم کے گناہوں سے آپ کو معصوم رکھا، آپ کے صحابہ اور اہل بیت کو وہ درجہ دیا کہ پیغمبروں کے بعد کسی کو نہیں ملا، اپنی رضا اور نجات کو آپ کی اتباع میں منحصر کردیا(۱) حتیٰ کہ:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہر جگہ حاضر وناظر ہونا خداوندتعالیٰ کی صفت خاصہ ہے: ﴿عالم الغیب و الشهادة﴾ (۲)، صرف وہی ایک ذات ہے اور یہ صفت اس کی ذاتی صفت ہے، جس کو کوئی چھین نہیں سکتا، جو شخص اس کی اس صفت کی نفی کرتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر وناظر سمجھتا ہے وہ غلطی پر ہے اور اس کا یہ عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہے:

﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله ولا أعلم الغيب﴾ الاية (۳)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزائن اللہ ہیں اور نہ میں عالم الغیب ہوں۔ صحیح بخاری شریف میں بھی اس پر انکار فرمایا گیا ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

بشریت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال [۲۶۱]: حسب ذیل آیت کا شان نزول کیا ہے: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم يوحىٰ إليّ﴾ (۵)۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾. (النسآء: ۸۰)

و قال تعالىٰ: ﴿قل إن كنتم تحبون الله، فاتبعوني يحببكم الله و يغفر لكم ذنوبكم﴾. (آل عمران: ۳۱)

(۲) (الحشر: ۲۲) (۳) (الانعام: ۵۰)

(۴) "و من حدثک أنه يعلم ما في غد، فقد كذب، ثم قرأت: ﴿و ما تدري نفس ما ذا تكسب غداً﴾". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، (سورة النجم): ۲/۷۲۰، قديمي)

"و من زعم أنه يخبر بما يكون في غد، فقد أعظم على الله الفرية، والله يقول: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب معنى قول الله عزوجل: ﴿ولقد راه نزلةً أخرى﴾: ۱/۹۸، قديمي)

(۵) (الكهف: ۱۱۰)

الجواب حامداًومصلیاً:

منکرین کہتے تھے کہ جوشخص بشر ہو وہ رسول کیسے ہوسکتا ہے؟ کیونکہ بشر تو حوائجِ ضروریہ میں مبتلا رہتا ہے، رسول کو ان سے پاک ہونا چاہئے، اس کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی: ﴿قل إنما أنا بشر مثلکم یوحیٰ إليّ﴾ (۱) کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں بشر ہوں، میرے ساتھ بھی حوائج ہیں، کسی اَور نوع کا فرد نہیں ہوں (نہ جن ہوں، نہ فرشتہ) بات اتنی ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا صرف ایک ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الکهف: ۱۱۰)

(۲) "قال المشرکون: لامیزة لهذا النبی الذی یدّعی الرسالة، فهو یأکل کما نأکل، ویشرب کما نشرب، ویحتاج إلی ذلک کما نحتاج إلیه، یعنون أنه کان یجب أن یکون ملکاً مستغنیاً عن الأکل والتعیش. ﴿ویمشی فی الأسواق﴾: أی یترددفیها وإلیها، طلباً للتکسب والتجارة، وابتغاءً للرزق والمعیشة، فمن أین له الفضل علینا، وهو مثلنا فی هذه الأمور؟ وهذا منهم تصور مادی محض وموازنة ساذجة، فإن الرسل لم یمتازوا بصفات حسیة مادیة، فهم فی هذا کغیرهم من البشر، وإنما امتازوا بقیم معنویة ومکاسب أدبیة وطهارة نفسیة، لذاقال تعالی: ﴿قل إنما أنا بشرمثلکم، یوحیٰ إليّ أنما إلهکم إله واحد﴾". (التفسیر المنیر: (الفرقان: ۷): ۱۹/ ۲۲، دارالفکر)

"ومرادهم استبعاد الرسالة المنافیة لأکل الطعام وطلب المعاش علی زعمهم، فکأنهم قالوا: إن صح مایدّعیه، فما باله لم یخالف حاله حالنا؟ ولیس هذا إلا لعمههم، ورکاکة عقولهم، وقصور أبصارهم علی المحسوسات، فإن تمیز الرسل علیهم الصلاة والسلام عما عداهم لیس بأمور جسمانیة، وإنما هو بأمور نفسانیة: أعنی ماجبلهم الله تعالی علیه من الکمال کما یشیر إلیه قوله تعالی: ﴿قل إنما أنا بشرمثلکم، یوحیٰ إليّ أنما إلهکم إله واحد﴾". (روح المعانی، (الفرقان: ۷): ۱۸/ ۳۴۸، دارالفکر)

"قال البغوی: کانوا یقولون: لست أنت بملک؛ لأنک تأکل والملک لا یأکل، ولست أنت بملک؛ لأن الملک لایتسوق وأنت تتسوق وتتبذل، قلت: کلا مهم هذا فاسد؛ لأنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم یدّع الملکة ولا السلطان، بل قال: ﴿إنما أنا بشر مثلکم یوحی إليّ﴾ وادّعاؤه النبوة غیرمناف لأکل الطعام والمشی فی الأسواق الذی هو مقتضی البشریة التی هی من لوازم النبوة؛ لأن النبی لایکون إلا بشراً؛ لأن المجانسة شرط الإفاضة والإستفاضة." (التفسیر المظهری، (الفرقان: ۷): ۷/ ۱۲، حافظ کتب خانه کوئٹه)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور بھی دیا گیا

سوال[۲۶۲]: ﴿قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین﴾(۱) کا شان نزول کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہودی لوگ اپنی کتاب کی کچھ باتیں چھپاتے تھے اور کچھ ظاہر کرتے تھے، اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور نبوت کے ذریعہ وہ چیز خوب ظاہر ہوگئی، اسی کو اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی طرف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کتاب (قرآن مجید) عطا ہوئی، اور نورِ نبوت بھی عطا ہوا جس سے یہود کی دسیسہ کاریاں آپ پر ظاہر ہوگئیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (المائدة: ۱۵)

(۲) "(یاأهل الكتاب ......)أخرج ابن جرير الطبرى عن عكرمة قال : إن نبى الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتاه اليهود: يسألونه عن الرجم، فقال : "أيكم أعلم"؟ فأشاروا إلى ابن صوريا،فناشده بالذى أنزل التوراة على موسى،والذى رفع الطور،والمواثيق التى أخذت عليهم، حتى أخذه أفكل: رعدة من الخوف،فقال: لما كثر فينا جلدنا مائةً، وحلقنا الرؤوس،فحكم عليهم بالرجم،فأنزل الله:"(يأأهل الكتاب)" إلى قوله "(صراط مستقيم)". (التفسير المنير،(المائده : ۱۵): ۱۳۲/۶ ،دارالفكر)

"(يـاأهل الكتاب)خطاب للفريقين جميعاً،بعد أن ذكر كل فرقة على حدة .قوله : (كآية الرجم وصفته): أى فقد أخفوهما، وأطلع الله نبيه على أنهما فى التوراة،فبين ذلك وأظهره، وهومعجزة لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ؛ لأنه لم يقرأ كتابهم، ولم يجلس بين يدى معلم ."(حاشية الصاوى على الجلالين،(المائده : ۱۵): ۱۰۵/۲ ،دارالباز)

"(قدجاء كم رسولنا)" محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (يبين لكم كثيراً مماكنتم تخفون من الكتاب): أى من كتبكم من الإيمان به،ومن آية الرجم، ومن قصة أصحاب السبت الذين مسخوا قردةً،فإنهم كانوا يخفونها."(الجامع لأحكام القرآن للقرطبى،(المائده : ۱۵): ۷۸/۶،دارالكتب العلمية)

ما يتعلق بالمعجزة والكرامة والإلهام

(معجزہ، کرامت اور الہام کا بیان)

معجزہ وکرامت

سوال[۲۶۳]: كرامة الولي، و معجزة النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم من أفعال الله التكوينة المختصة به الخارق للعادة، ليست من أفعال الولي و النبي، و مقدوراتها وإن كان قد يكون المظهر لهما: الولي والنبي۔ وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد واله و أصحابه أجمعين۔

الجواب حامداً و مصلياً :

الأمر الخارق للعادة إن صدر من الولي فهو الكرامة، وإن صدر من النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم علامةً و تصديقاً للنبوة فهو المعجزة (١)۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلوة على سيد المرسلين وعلى اله وأصحابه أجمعين۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۱۱/ ۸۸ھ۔

---

(١) "فالحاصل أن الأمر الخارق للعادة بالنسبة إلى النبي معجزة، سواء ظهر من قِبَله أو من قِبل آحاد أمته، و بالنسبة إلى الولي كرامة لخلوه عن دعوى النبوة". (رد المحتار ، باب العدة ، فصل في ثبوت النسب ، مطلب في ثبوت كرامات الأولياء والاستخدامات : ٣/ ٥٥١، سعيد)

"والحاصل أن الأمر الخارق للعادة هو بالنسبة إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم معجزة، سواء ظهر من قِبَله أو قِبل أمته، لدلالته على صدق نبوته و حقية رسالته، فبهذا الاعتبار جعل معجزةً له، و إلا فحقيقة المعجزة أن تكون مقارنةً للتحدى على يد المدعى، و بالنسبة إلى الولي كرامة". (شرح الفقه الأكبر للملاعلي القاري ، ص: ٨٠، قديمي)

"ثم ذكر بعدُ أن الكرامة والمعجزة ليس بينهما فرق إلا وقوع المعجزة على حسب دعوى النبوة ، والكرامة دون إدعائه النبوة". (الفتاوى الحديثية، مطلب في الكلام على كرامات الأولياء على أكمل وجه ، ص: ٣٩٦، قديمي)

شعبدہ بازی، کرامت اور معجزہ میں فرق

سوال[۲۶۴]: ایک شخص شعبدہ بازیاں کرتا ہے، اس کو کرامات اور معجزات کہتا ہے اور تمام شعبدوں کو شریعتِ اسلامیہ سے منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جو حالات رات کو ہوتے ہیں وہ تمام اور آئندہ ہونے والے تمام واقعات مجھ پر ظاہر اور روشن ہیں، میرے قبضہ میں جن یا مؤکل ہیں، یہ مجھے سب خبریں پہونچا دیتے ہیں اور جس کو ٹخنوں یا گھٹنوں میں درد ہو وہ اس کے پاس جاتے ہیں۔ اور وہ شخص کہتا ہے کہ تم کو گنڈے ہیں میں ابھی نکالتا ہوں، چنانچہ سوا گیارہ روپے فیس لیکر تختہ دیوار کو لیکر یا صحن کو کھدوا کر ایک ٹکڑا ٹین کا نکالتا اور کہتا ہے کہ اس میں جو بت کاغذ میں لپٹا ہوا ہے اس کو دریا میں پھینک دو اور تم اچھے ہو جاؤ گے۔ اور بعض پوچھتے ہیں کہ میرا لڑکا بیمار ہے، سر کو نہیں اٹھاتا، آنکھیں نہیں کھولتا اس کی نسبت پختہ خبر دے دو کہ اس کو کیا ہو گیا ہے تو ان کو یا تو کتاب کھول کر اس کی بیماری کی وجہ بتائی جاتی ہے اور اس کے صحت پانے کا دن بتایا جاتا ہے یا ایک سفید کاغذ کا ٹکڑا دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کو آگ کے اوپر رکھدیں جو واقعات ہوں گے جنات اس پر لکھ جائیں گے، جس کو آگ پر رکھنے سے مضمون واضح ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں دن مرجائے گا یا اچھا ہو جائے گا۔

وہ چوتھے حصہ سر کا مسح بھی اس وجہ سے کہ اس کے سر پر بال نہیں گنجا ہے چھوڑ دے اور نماز خود بھی پڑھے اور امامت بھی کرے اور اپنے اردگرد لکیر کھینچ کر کچھ افسوں پڑھتے پڑھتے خود کو مانند بے ہوش کے کر دیتا ہے اور مخاطب کو کہتا ہے کہ دیکھ اور پوچھ کیا پوچھتا ہے۔ اور اس حالت میں بے تیل چراغ جلانا اور کچھ چیزوں کا چھت سے گرانا اور گم شدہ چیزوں اور پیٹ کے حمل سے مطلع کرنا اور خلاف مرضی حاکم کے فیصلہ کرانے کا مدعی ہونا۔ اور کیا ان لوگوں کے حق میں جو اس کے بھائی ہوں ان باتوں پر یقین و عمل کریں اور اس کو اولیاء اللہ سمجھیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

غیب کا تمام علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، جو اس کا مدعی ہے وہ نص قطعی کا منکر ہے (۱) نہ ایسا دعوی کرنا جائز ہے، نہ خدا کے سوا کسی کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا جائز (۲)۔ سوال میں جو مذکور ہے وہ بہت معمولی بات

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾. (النمل: ۶۵)

(۲) "و حاصله أن دعوى علم الغيب معارضة لنص القرآن، فيكفر بها". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب في دعوى علم الغيب: ۴/۲۴۳، سعيد)

ہے، بہت چھوٹے چھوٹے آدمی بلکہ غیر مسلم ایسا کر لیتے ہیں، ان چیزوں کو کرامات یا معجزات سے کوئی تعلق نہیں (۱) کرامات اولیاء اللہ سے صادر ہوتی ہیں اور معجزہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے (۲)، نبوت ختم ہو چکی ہے اب قیامت تک کوئی بھی نبی نہیں آئے گا (۳) اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر

---

(۱) "قال علماؤنا: من أظهر الله على يديه ممن ليس بنبي كرامات و خوارق للعادات، فليس ذلك دالاً على ولايته، خلافاً لبعض الصوفية والرافضة. هذا لفظه، ثم استدل على ما قال: بأنا لا نقطع بهذا الذى جرى الخارق على يديه أن يوافي الله بالإيمان، و هو لا يقطع لنفسه لذلك: يعني والولي الذى يقطع له بذلك في نفس الأمر، قلت: و قد استدل بعضهم على أن الخارق قد يكون على يدى غير الولي، بل قد يكون على يد الفاجر والكافر أيضاً بما ثبت عن ابن صياد أنه قال: هو الدخ حين خبأ له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: ﴿فارتقب يوم تأت السماء بدخان مبين﴾ الخ". (تفسير ابن كثير، (البقرہ: ۳۴): ۱/۱۰۲، دار الفيحاء)

"و مما يجب أن يعلم أن من واظب على الرياضات الشاقة ظهرت عنه الخوارق ولو كان كافراً، وهذا امتحان شديد لضعفاء المسلمين، و سبب لضلالهم و سوء اعتقادهم بالشرائع، فليحفظ المؤمن إيمانه عن هذه الآفة، وسمي استدراجاً؛ لأنه سبب الوصول إلى النار بالتدريج". (النبراس، ص: ۲۹۵، ۲۹۲، امدادیہ ملتان)

"و فراسة رياضية، و هي التي تحصل بالجوع والسهر والتخلي، فإن النفس إذا تجردت عن العوائق، صار لها من الفراسة والكشف بحسب تجردها، و هذه فراسة مشتركة بين المؤمن والكافر، و لا تدل على إيمان و لا على ولاية، ولا تكشف عن حق نافع، و لا عن طريق مستقيم، بل كشفها من جنس فراسة الولاة وأصحاب عبادة الرؤساء والأطباء و نحوهم". (شرح العقيدة الطحاوية لابن ابی العز، ص: ۴۹۹، قديمی)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، ص: ۸۰، قديمی)

(۲) "فالحاصل أن الأمر الخارق للعادة بالنسبة إلى النبي معجزة، سواء ظهر من قِبله أو من قِبل آحاد أمته، وبالنسبة إلى الولي كرامة لخلوه عن دعوى النبوة". (رد المحتار، فصل في ثبوت النسب، مطلب في ثبوت كرامات الأولياء والاستخدامات: ۳/۵۵۱، سعيد)

(۳) قال الله تبارك و تعالىٰ: ﴿ما كان محمدٌ أبا أحد من رجالكم، و لكن رسول الله وخاتم النبيين﴾ (الأحزاب: ۴۰)

"و أنا العاقب، والعاقب الذى ليس بعده نبي". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب أسماء النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم و صفاته: ۲/۵۱۵، قديمی)

ہوگا (۱) کرامت اولیاء اللہ سے صادر ہوتی ہے اور کوئی شخص بلا اتباع شریعت ولی نہیں بن سکتا (۲)۔

لہذا شخص مذکور کے افعال نہ معجزہ ہیں نہ کرامت، ممکن ہے محنت ومشقت کے بعد بعض جنات کو تابع کرلیا ہو، سو یہ کوئی مقبولیت کی علامت نہیں ہے، بسا اوقات جنات تابع کرنے کے لئے ناجائز افعال کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اگر کوئی ناجائز فعل نہ بھی کیا ہو تب بھی خود جنات کا تابع کرنا محل کلام ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شخص شعبدات کرتا ہو جیسا کہ عام بازاری آدمی تماشہ دکھانے کے لئے شعبدات کرتے اور اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے (۳) خواہ بال ہوں یا نہ ہوں، جو شخص مسح نہیں کرتا وہ بلا وضو نماز پڑھتا ہے، لہذا ایسے شخص کی امامت قطعاً ناجائز ہے (۴) جو شخص اس کے پیچھے نماز پڑھے گا اس کی نماز نہیں ہوگی۔

الحاصل: احوال مذکورہ نہ نبی کے احوال ہیں کہ ان کو معجزہ کہا جائے، نہ ولی کے احوال ہیں کہ ان کو کرامت کہا جائے، بلکہ ایک بازاری شعبدہ باز کے احوال ہیں جو شرعاً بالکل ناقابل اعتبار ہیں، اس شخص کو عالمِ غیب جان کر اس سے علاج کرانا ہرگز درست نہیں، البتہ جیسا کہ دوسرے اطباء یا ڈاکٹروں سے علاج کرایا جاتا ہے اس طرح علاج وغیرہ کرانا درست ہے بشرطیکہ اس علاج میں کوئی خلاف شرع فعل نہ کرنا پڑے

---

(۱) "و قد أخبر الله تبارك و تعالىٰ في كتابه و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم في السنة المتواترة أنه لا نبي بعده، ليعلموا أن كل من ادعى هذا المقام بعده، فهو كذاب و أفاك دجال ضال مضل". (تفسير ابن كثير، (الاحزاب: ۴۰): ۳/۲۵۲، مكتبه دار الفيحاء)

(۲) "والولي هو العارف بالله و صفاته بقدر ما يمكن له، المواظب على الطاعات، المجتنب عن السيئات، المعرض عن الإنهماك في اللذات والشهوات والغفلات و اللهوات". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۷۹، قديمي)

(۳) "والمفروض في مسح الرأس مقدار الناصية: وهو ربع الرأس، لما روى المغيرة بن شعبة أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم أتى سباطة قوم، فبال، و توضأ، و مسح على ناصيته و خفيه". (الهداية، كتاب الطهارات: ۱/۱۷، مكتبه شركت علميه)

(۴) "وأما إذا علم قبل الإقتداء أن الإمام جنب أو محدث، فلا يجوز الإقتداء بالإجماع". (الفتاوىٰ التاتار خانيه: ۱/۴۳۸، الفصل السادس، أما الكلام في بيان من هو أحق بالإمامة، كتاب الصلوٰة، قديمي)

اور کوئی عقیدہ بھی خلاف شرع نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۲/۱۳۵۴ھ
صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/صفر/۵۴ھ۔

کرامت

سوال[۲۶۵]: کرامت کسے کہتے ہیں؟ کیا ہر ولی کامل سے کرامت کا ظاہر ہونا ضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو امر خارق عادت کسی صالح متبع سنت امتی سے صادر ہو وہ کرامت ہے، ہر ولی کامل سے حسی کرامت کا صادر ہونا ضروری نہیں، البتہ اس میں استقامت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے جس کو عرفاء نے فوق الکرامۃ فرمایا ہے، بعض اولیائے کاملین سے یہ تمنا منقول ہے کہ کاش ان سے کوئی کرامت صادر نہ ہوتی، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کسی بلند مقام صوفی سے کرامت ظاہر نہیں ہوتی اور ایسے شخص سے کرامت ظاہر ہوتی ہے جس کا مقام فروتر ہوتا ہے۔ ارشاد الطالبین، ص:۱۲ پر یہ بحث تفصیل سے مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غیر پابند شریعت سے خرق عادت کا صدور اور اس سے اجتناب

سوال[۲۶۶]: کیا اس طریقہ پر مجمع لگانا کہ جو نہ تو کبھی ہوا ہو اور نہ اس کا ثبوت قرون اولیٰ سے ملتا ہو اور ایسا آدمی جو کہ شریعت کا پابند بھی نہ ہو، وضع قطع بھی اس کی خلافِ سنت ہو، اور دین کی اس کو کوئی معلومات بھی نہیں ہے، مگر اس نے ایسے طریقہ پر لوگوں کو جمع کرنا اور پھونکنا شروع کر دیا ہے جس سے بہت سے مسلمانوں کے عقائد بھی خراب ہو رہے ہیں اور پھر اس بات کی بھی تعیین نہیں ہے کہ وہ کیا پڑھتا ہے؟ اب رہا ایسی صورت میں ایسے لوگوں کے پاس جانا یا ان سے عقائد سیکھنا کیسا ہے؟ کیا ایسے لوگوں سے احتراز کرنا چاہئے یا ان سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اگر ایسا موقع ہو تو ہم مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئیے؟ اور مسلمانوں کا کیا عقیدہ ہونا چاہئیے؟ کیا کسی فاسق کو دینی چیز میں بڑھنا یا اس کی کسی طرح تائید کرنا ٹھیک ہے؟ اس کا کوئی ایسا معقول جواب دیں تاکہ ہم مسلمانوں کو سکون ہو۔

---

(۱) (ارشاد الطالبین (اردو) فصل: کرامت ولایت کا لازمہ نہیں، ص: ۳۸، مکتبۃ اسحاقیہ، جونا مارکیٹ کراچی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

کلام اللہ شریف اور حدیث پاک کی دعاء پڑھ کر دم کرنا دفع مرض اور حفاظت کے لئے شرعاً درست اور قرون اولی سے ثابت ہے(۱)، اللہ تعالیٰ نے اس میں تاثیر بھی رکھی ہے، لیکن خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبولیت کا یہاں تیقن کے ساتھ کچھ پتہ نہیں، ہاں جو شخص جس قدر زیادہ عقائدِ حقہ، اخلاقِ فاضلہ، اعمال صالحہ اور اخلاص واتباع سنت کے ساتھ متصف ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ اس قدر عظیم المرتبت ہوگا (۲)، اس لحاظ سے آدمی کو دیکھنے کی ضرورت ہے، جو شخص متبع سنت اور پابند شریعت نہ ہو اگر خرق عادت چیز ظاہر بھی ہو جائے تب بھی اس سے دور رہنے کی ضرورت ہے (۳)، خاص کر جب عقائد خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو بہت احتیاط لازم ہے، خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و ننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمؤمنين﴾ و عن القشيری أنه مرض له ولد أيس من حياته، فرأى الله تعالیٰ فی منامه، فشكی له سبحانه ذلك، فقال له: اجمع آيات الشفاء و اقرأ ها عليه، أو اكتبها فی إناء واسقه فيه ما محيت به، ففعل فشفا الله تعالیٰ". (روح المعانی: ۱۴۵/۱۵، (سورة الإسراء)، دار إحياء التراث العربی، بيروت)

"عن عبدالملك بن عمير مرسلاً قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه و سلم: "فی فاتحة الكتاب شفاء من كل داء". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۸۹، كتاب فضائل القرآن، قديمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و من يأته مؤمناً قد عمل الصالحات، فأولئك لهم الدرجات العلی﴾ (سورة طه: ۷۵)

(۳) اس سے خرق عادت جو چیز ظاہر ہوئی ہے وہ استدراج ہے، کرامت نہیں ہے:

"فما لا يكون مقروناً بالإيمان والعمل الصالح، يكون استدراجاً". (شرح العقائد، ص: ۱۰۵، دهلی)

"و أما التی تكون لأعدائه مثل إبليس و فرعون و دجال مما روی فی الأخبار أنه كان لهم، فلا نسمّيها آيات و لا كرامات، و لكن نسميها قضاء حاجات لهم، و ذلك لأن الله تعالیٰ يقضی حاجات أعدائه استدراجاً وعقوبةً لهم، و يزدادون عصياناً (أی إن كانو فجاراً) أو كفراً، و ذلك كله جائز و ممكن". (شرح الفقه الأكبر، للملا علی القاری، ص: ۸۱، قديمی)

معارف قرآنیہ کا الہام

سوال[۲۶۷]: کسی مسلمان بزرگ پر قرآن کریم میں بیان شدہ کسی امر و نہی کا بذریعہ الہام یا کشف اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکیداً دوبارہ ظاہر فرمانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا(۱)، اس کے معارف کا کسی بزرگ کے قلب پر بغیر استاذ سے پڑھے منکشف ہو جانا آج بھی ممکن بلکہ واقع ہے(۲)۔ لیکن قرآن پاک کی کسی آیت کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ یہ وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے، اس کا حق حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو نہیں پہنچتا(۳)۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے وہ غلط دعویٰ کرتا ہے، اس کے لئے شریعت میں بہت سخت حکم ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۷/۸/۹۳ھ۔

---

(۱) "فالقرآن كلام الله تعالى في المصاحف مكتوب وفي القلوب محفوظ .... وعلى النبي (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) منزل". (شرح الفقه الأكبر لأبي المنتهى، ص: ۱۱۳، بيروت)

(۲) "قال عليه الصلوٰة والسلام: "اتقوا فراسة المؤمن، فإنه ينظر بنور الله عزوجل .... ونظر رجل إلى امرأة، ثم دخل على عثمان رضي الله تعالىٰ عنه فقال: "يدخل أحدكم عليّ وفي عينه أثر الزنا" ...... وقال أبو عثمان المغربي: والعارف تضيء له أنوار العلم، فيبصر بها عجائب الغيب". (فيض القدير: ۱/۲۶۸، رقم الحديث: ۱۵۱)

"والإلهام المفسر بإلقاء معنى في القلب بطريق الفيض". (شرح العقائد، ص: ۱۸ دهلي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن افترى على الله كذباً، أو قال أوحي إليّ ولم يوح إليه شيء، ومن قال سأنزل مثل ما أنزل الله﴾. (سورة الأنعام: ۹۳)

و قال تعالىٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم، ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾. (سورة الأحزاب: ۴۰)

(۴) "دعوى النبوة بعد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كفر بالإجماع". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۰۳، فصل والكفر صريحاً وكناية، قديمي)

"ومن ادعى النبوة فصدقه قومه، صاروا بذلك مرتدين". (إعلاء السنن: ۱۲/۵۹۸، من ادعى النبوة أو صدق من ادعاها، إدارة القرآن)

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کچھ مخصوص کرامات بیان کرنا

سوال[۲۶۸]: ا...... ہمارے یہاں پر یہ بات عام بحث بنی ہوئی ہے کہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت میں ایک بارات جس کو دریا میں ڈوبے ہوئے بارہ سال گزر چکے تھے، ایک بڈھی روزانہ روتی تھی، عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ترس آ گیا اور انہوں نے بارہ برس پرانی ڈوبی ہوئی بارات دریا سے زندہ نکال دی اور سب زندہ ہو کر اپنے گھر چلے گئے۔

۲...... عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبر میں منکر نکیر کے بال پکڑ لئے اور منکر نکیر نے معافی مانگی۔

۳...... عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ دوڑتے ہوئے قبرستان سے گزر رہے تھے تو مردوں کو حکم دیا وہ بھی انہیں کے ساتھ دوڑنے لگے۔ یہ کرامات بتلاتے ہیں ان کا تعلق کتابوں سے ہے یا غپ ہے؟ فقط

الجواب حامداً و مصلیاً :

ا...... یہ روایت غلط ہے اور حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے۔

۲...... یہ روایت بھی بہتان ہے اور اللہ کے فرشتوں کی توہین ہے، ان کی قبر کا واقعہ کس نے دیکھا اور بیان کیا؟

۳...... یہ بھی بالکل غلط اور مہمل افسانہ ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز، اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں اور حضرت رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے انتہائی متبع اور پابند تھے، ان کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ انہوں نے نفس کی خواہشوں کو حدودِ شرع میں رکھا اور ساری زندگی اس کی کوشش کی کہ کوئی کام خلاف سنت نہ ہونے پائے، ان کو بدعات سے سخت نفرت تھی۔ اللہ پاک ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور اس پر رحمت کی بارش کرے اور ان کے درجات کو زیادہ سے زیادہ بلند فرمائے اور ان کے طریقے پر چلنے کی توفیق دے۔

لغو اور بیہودہ حکایات گھڑ کر ان کی طرف منسوب کرنے سے ان کے کمال میں ترقی نہیں ہوتی، نہ اسلام نے یہ طریقہ سکھایا ہے بلکہ اس کی ممانعت ہے، یہ طریقہ تو غیروں کا ہے کہ وہ اپنے بڑوں کی طرف ایسی باتیں گھڑ گھڑ کر منسوب کیا کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۵/ ۹۰ھ۔

حضرت خواجہ اجمیری کا تالاب خشک کرادینا

سوال [۲۶۹] : ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے چند مریدوں کے ساتھ ایک بڑے تالاب ''انا ساگر'' کے کنارے تشریف فرما تھے، وہاں کے مسلمان اپنے جانوروں اور حوائج ضروریہ میں اس تالاب کا پانی استعمال کرتے تھے، مسلمانوں کا یہ فعل مشرکانِ اجمیر کو ناپسندیدہ تھا، انہوں نے مسلمانوں کو اس پانی کے استعمال سے روکا اور ان پر سختیاں شروع کی۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو ایک لوٹا دیا اور حکم دیا کہ جاؤ اور ''انا ساگر'' میں سے بسم اللہ پڑھ کر اس لوٹے میں پانی بھرو، مرید نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لوٹے کو پانی سے بھرلیا، تالاب کا تمام پانی لوٹے میں آ گیا اور تالاب خشک ہوگیا۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

میں نے یہ واقعہ کسی کتاب میں نہیں پڑھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

الجواب صحیح : بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

ما یتعلق بحیاۃ الأنبیاء و سماع الموتیٰ

(حیاۃ انبیاء اور سماع موتیٰ کا بیان)

حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال[۲۷۰]: حیاۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا مطلب ہے؟ کیا قرآن کریم یا حدیثِ نبوی سے اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ مع ادلہ تحریر فرمایا جائے۔ اگر اس مسئلہ میں کوئی کتاب مؤلّف ہو تو اس کا نام مع پتہ خریداری تحریر فرمایا جائے جس میں احقر کو یہ عقیدہ پوری تشریح کے ساتھ مل جائے۔

فقط والسلام مع غایۃ العز والاکرام، احقر محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نور پور ریاست بھاولپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی متعدد تصانیف میں موجود ہے، ایک کتاب ''آبِ حیات'' مستقلاً اسی موضوع پر تصنیف فرمائی ہے، ''جمالِ قاسمی'' میں بھی ایک مکتوب میں نہایت واضح طور پر مثال دیگر ادلۂ نقلیہ وعقلیہ سے اس کو ثابت فرمایا ہے: "المھند علی المفند" میں مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھا ہے۔ یہ کتابیں دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور میں موجود ہیں اور دونوں جگہوں کے تاجروں سے بھی مل سکتی ہیں، فتاویٰ کبریٰ، ص:۱۲۵(۱) اور ج:۲، ص:۱۳۵ میں علامہ

---

(۱) "(سئل) رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رجل صلی فی مقابر الأنبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم أجمعین، فھل تصح صلاتہ بلا کراھۃ؛ لأنھم أحیاء؟ فإن کانوا أحیاءً فھل حیاتھم کحیاتنا، فیأکلون ویشربون ویلبسون؟ وھل ھم مکلفون بالعبادۃ کالصلاۃ والصیام والحج، أو بعبادۃ أخری؟ (فأجاب) نفع اللہ بعلومہ وبرکتہ: تصح صلاتہ بلا کراھۃ، ولیس المراد بحیاۃ الأنبیاء علیھم أفضل الصلاۃ والسلام حیاۃً کحیاتنا من کل وجہ، حتی یقتضی الاحتیاج إلی نحو أکل وشرب والتکلیف بنحو الصلاۃ والصوم، وإنما المراد بھا أنھا کحیاۃ الملائکۃ فی عدم احتیاجھا إلی ذلک، أوفی أن العبادات التی تقع منھم إنماھی علی وجہ التلذذ بخطاب الحق وشھودہ فی تعاطی صور ماعظم شأنہ؛ لأن الشھود فی ذلک أجل وأکمل، فمن =

ابن حجر مکی نے اس پر کلام کیا ہے(۱)۔علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ "أنباء الأذکیاء بحیاۃ الأنبیاء علیہم الصلاۃ والسلام" اس مسئلہ میں نہایت مفصل ہے، یہ رسالہ مجموعہ فتاویٰ سیوطی (الحاوی للفتاوی، ج:۲) میں موجود ہے، دمشق میں طبع ہوا ہے۔

"حیوۃ النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وسائر الأنبیاء علیہ الصلاۃ والسلام معلومۃ عندنا علماً قطعیاً، لماقام عندنا من الأدلۃ فی ذلک، وتواترت بہ الأخبار، وقد ألّف البیہقی جزءً فی حیاۃ الأنبیاء فی قبورہم، قال المتکلمون المحققون فی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: حیّ بعدوفاتہ، وإنہ یسرّ بطاعات أمتہ، ویحزن بمعاصی العصاۃ منہم، وإنہ تبلغہ صلوۃ من یصلی علیہ من أنہ وأن الأنبیاء لایبلّون، ولاتأکل الأرض منہم شیئاً، وقدمات موسیٰ فی زمانہ وأخبر نبیناصلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم أنہ راٰہ فی قبرہ مصلیاً، وذکرفی حدیث المعراج أنہ راٰہ فی السماء الرابعۃ، وأنہ رأی اٰدم فی سماء الدنیا، ورأی إبراھیم علیہ الصلاۃ والسلام وقال لہ: مرحباً بالابن الصالح وأخی الصالح، وإذاصح لنا ھذا الأصل، قلنا: نبیناصلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قدصار حیاًبعدوفاتہ، وھو علی نبوتہ اھ". الحاوی للفتوی"(۲)۔

مختصر تذکرۃ القرطبی میں علامہ شعرانی نے اس کو بیان کیا ہے(۳) سیوطی کے رسالہ

= ثمّ خصّوا بجریان أفضل العبادات علی أجسامھم وأرواحھم الباقیۃ الأبدیۃ تخصیصاًلھم باتساع مواطن القرب، واتحافاًلھم بإسباغ سوابق الرضاء والمحبۃ، وإعلاماًلغیرھم بأن موائد الإنعام ومزیدالإکرام لم تزل متنزلۃ علیھم من غیر انقطاع لھاعنھم صلی اللہ تعالیٰ علیھم وسلم، وشرف وکرم واللہ سبحانہ وتعالی أعلم بالصواب". (الفتاویٰ الکبری الفقھیۃ لابن حجر الھیثمی، کتاب الصلاۃ، باب المواقیت: ۱/۱۲۵، المکتبۃ الإسلامیۃ، ترکیا)

(۱)(الفتاوی الحدیثیۃ لابن حجر المکی رحمہ اللہ تعالیٰ، مطلب فی حکایۃ غریبۃ، وأن الأنبیاء أذن لھم فی الخروج من قبورھم والتصرف فی الملکوت، ص: ۲۹۳، قدیمی)

(۲)(الحاوی للفتاوی، أنباء الأذکیا بحیاۃ الأنبیاء، ص: ۲/۱۷۸، ۱۸۱، دارالفکر)

(۳)(التذکرۃ فی أحوال الموتی وأمورالاٰخرۃ للقرطبی، باب لاتأکل الأرض أجساد الأنبیاء ولاالشھداء وأنھم أحیاء، ص: ۱۸۴ مکتبۃ أسامۃ الإسلامیۃ مصر)

شرح الصدور(۱)،اور ابن قیم کی کتاب الروح(۲)،اور تفسیر ابن کثیر(۳) وتفسیر مظہری(۴) میں بھی وہ احادیث جمع کی گئیں ہیں جن سے اس مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۳۰/۱/۶۶ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفی عنہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،یکم/صفر/۶۶ھ۔

صحیح:عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،یکم/صفر/۶۶ھ۔

حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال[۱۷۲]: ''بہار شریعت''،ص:۱۶۷،حصۂ ششم میں ہے:''امام محمد بن حاج مکی مدخل میں اور امام احمد قسطلانی مواہب لدنیا اور ائمہ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ اجمعین فرماتے ہیں:"لافرق بين موته وحياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشاهدته؛ لأمته ومعرفته بأحوالهم ونياتهم وعزائمهم وخواطرهم، وذلك عنده جلي لا خفاء به"(٤)۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ووفات میں اس بات کی کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں،ان کی نیتوں،دلوں کے ارادوں اور دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور پر ایسا روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔امام (محمد بن حاج) رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ امام محقق ابن ہمام''مسلک متوسط''اور علی قاری اس کی شرح''متقسط''میں فرماتے ہیں:''إنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عالم بحضورك، وقيامك، وسلامك: أي بل بجميع أفعالك، وأحوالك،

---

(۱)(شرح الصدور بأحوال الموتى والقبور، باب زيارة القبور،وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، ص:۲۰۱،۲۰۳،دارالمعرفة)

(۲) (كتاب الروح،المسئلة السادسة: هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السؤال أم لا؟،ص: ۶۲، مكتبه فاروقية پشاور)

(۳) (تفسير ابن كثير،(سورة آل عمران : ۱۶۹): ۱/۵۲۵،دارالفيحاء)

(۴) (تفسير مظهرى،(سورة البقرة :۱۵۴): ۱/۱۵۳،حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۵) (المواهب اللدنية مع شرحه للزرقاني: ۱۲/۱۹۵، دارالكتب العلميه، بيروت)

وارتحالك، ومقامك"(۱)۔

ترجمہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیری حاضری اور تیرے کھڑے ہونے اور تیرے سلام بلکہ تیرے تمام افعال واحوال وکوچ ومقام سے آگاہ ہیں۔فقط۔اصل عبارت مع ترجمہ ختم ہوئی۔

ملتمس: شاہ ثناء اللہ، از خانقاہ مانک پور، ضلع پرتاب گڑھ (اودھ)، ۲۲/ربیع الثانی/۵۵۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں شک نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حیاتِ برزخی ثابت ہے(۲)۔شہداء کے متعلق بھی قرآن کریم میں وارد ہے: ﴿ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ أمواتاً،بل أحیاء عند ربهم﴾ الآیة (۳) اور انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے اقوی ہے(۴) مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عام امت کے جمیع احوال کا آپ کو بطور مشاہدہ علم ہوتا ہے، ایسا علم تو آپ کو حیات دنیوی میں بھی نہیں تھا، ایسا عقیدہ رکھنا درست نہیں (۵)۔

---

(۱) (مناسک الملاعلی القاری المسمی (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط)،باب زیارة سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم،ص: ۵۰۸،إدارة القرآن)

(۲) قال العلامة السیوطی رحمه اللہ تعالیٰ: "فأقول: حیاة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی قبره هو وسائر الأنبیاء معلومة قطعاً ......فمن الأخبار الدالة فی ذلک ما أخرجه مسلم عن أنس أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لیلة أسری به مرّ بموسی علیه الصلاة والسلام وهو یصلی فی قبره اهـ". (الحاوی للفتاوی،أنباء الأذکیاء بحیاة الأنبیاء: ۲/۱۷۸، دار الفکر)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر، (سورہ آل عمران: ۱۶۹): ۱/۵۲۵، دار الفیحاء)

(وکذا فی التفسیر المظهری، (البقرة: ۱۵۴): ۱/۱۵۲، حافظ کتب خانه، کوئٹه)

(۳)(سورة آل عمران: ۱۶۹)

(۴) "والحق عندی عدم اختصاصها بهم،بل حیاة الأنبیاء أقوی منهم وأشد ظهوراً آثارها فی الخارج، حتی لایجوز النکاح بأزواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بعد وفاته بخلاف شهید...... اهـ". (التفسیر المظهری،(سورة البقرة ۱۵۴): ۱/۱۵۲،۱۵۳)

(۵) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قل لاأقول لکم عندی خزائن اللہ ولا أعلم الغیب﴾. (سورة الأنعام: ۵۰)

وقال تعالیٰ: ﴿قل لایعلم من فی السموٰت والأرض الغیب إلا اللہ﴾. (سورة النمل: ۶۵)

روایات سے اس قدر ثابت ہے کہ جو شخص مزار مبارک کے پاس کھڑا ہوکر درود وسلام پڑھتا ہے وہ آپ خود سنتے ہیں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ خدمت اقدس میں بواسطہ ملائکہ پہنچایا جاتا ہے(۱)، چنانچہ اس کی تفصیل علامہ زرقانی نے ''شرح مواہب لدنیہ'' جلد خامس میں کی ہے(۲)، ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح شفا میں اس پر کلام کیا ہے(۳)، مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب ''آبِ حیات'' اس مضمون پر تحریر فرمائی ہے۔ ''متقسط ومسلک متوسط'' کی پوری عبارت نقل نہیں کی گئی اور نہ اس سے مسئلہ مسئولہ کی تائید ہوتی ہے۔

آدابِ زیارت کوذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "محترزاً عن اشتغال النظر بما هناك من الزينة: أي الظاهرة المانعة من شهود الزينة الباطنة، الباهرة التي ظهورها في الآخرة، متمثلاً صورته الكريمة في خيالك (بفتح الخاء): أي في تخيلات بالك لتحسين حالك، مستشعراً بأنه عليه الصلوة والسلام عالم بحضورك و قيامك و سلامك: أي بل بجميع أفعالك و أحوالك و ارتحالك و مقامك، وكأنه حاضر جالس بإزائك، مستحضراً عظمته و جلالته: أي هيبته و شرفه و قدره: أي رفعةً لرتبته صلى الله تعالىٰ عليه و سلم"۔ مسلك متقسط، ص: ٢٨٦ (٤) یہی مضمون غنية المناسك، ص: ٢٠٢ میں بھی ہے(۵)۔

---

(١) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ نائياً أبلغته". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وفضلها، الفصل الثالث، ص: ٨٧، قديمي)

(٢) (شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية، الفصل الثاني في حكم الصلوة عليه والتسليم فريضة سَنية: ٩/٢٢٥، ٢٢٩، عباس أحمد الباز، مكة المكرمة)

(٣) (شرح الشفاء للملا علي القاري، الباب الرابع في حكم الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم والتسليم: ١٤٢/٢، دار الكتب العلمية)

(٤) (مناسك الملاعلي القاري المسمى (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط)، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ٥٠٨، إدارة القرآن)

(٥) "وإذا وصل إلى المدينة المنورة اغتسل بظاهرها قبل الدخول ...... فإذا دخل باب البلدة، قال: بسم الله ما شاء الله، لا قوة إلا بالله ...... و ليكن متواضعاً متخشعاً معظّماً لحركتها ممتلئاً من هيبة الحال =

مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر اس طرح حاضر ہونا چاہئے کہ گویا اس مجلس میں تشریف فرما ہیں اور ہر حرکت وسکون کو ملاحظہ فرما رہے ہیں "متمثلاً فی خیالك، مستشعراً کأنه حاضر" وغیرہ الفاظ کو حذف کر دیا گیا، اگر پورے الفاظ ذکر کئے جاتے تو یہ شبہ ہی نہیں ہوتا، کیونکہ اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات پر یا آپ کے علم کے متعلق بحث نہیں ہے کہ جس میں عقیدۂ مسئولہ مذکورہ ہو، بلکہ آداب زیارت کا ذکر ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۴/ ۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، خادم دار الافتاء، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ربیع الثانی ۵۵ھ۔

حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر میں

سوال [۲۷۲]: ہمارے یہاں ایک عالم دین نے تقریر میں فرمایا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گئے تو انہوں نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ زندہ ہیں مگر میں اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں، قبر شریف سے جواب آیا کہ زندہ ہوں، انہوں نے پھر کہا کہ میں نہیں مانوں گا، آپ میرے سامنے آیئے تو مانوں گا، چنانچہ پھر قبر شریف شق ہوئی اور اس میں سے آپ نے اپنا دست مبارک نکالا، مصافحہ کیا اور فرمایا کہ میں زندہ ہوں۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ یہ روایت کسی مستند حدیث یا کتبِ فقہ میں منقول ہے اور اس کی سند کیسی ہے، یا من گھڑت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ روایت حدیث یا فقہ کی کسی کتاب میں نہیں دیکھی، قبر اطہر میں زندہ تشریف فرما ہونے کی بحث مستقل

= بها، مستشعراً لعظمته صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم، کأنه یراه .... اهـ". (غنیة المناسک فی بغیة المناسک، خاتمة في زیارة قبر سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم، ص: ۳۷۶، إدارة القرآن، والعلوم الإسلامیة، کراچی)

(و کذا فی فتح القدیر، کتاب الحج، المقاصد الثلاثه، المقصد الثالث: ۲/۸۳، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

ہے، علماءِ حق کی تحقیق یہی ہے کہ زندہ تشریف فرما ہیں، اس پر دلائل بھی موجود ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

حیاتِ انبیاء علیہم السلام

سوال[۲۷۳]: ۱...... حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں احادیثِ صحیحہ نے کیا فرمایا ہے؟ کیا اسی قبر میں جہاں انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ مبارکہ دفن کئے گئے ہیں اسی دنیوی جسدِ مبارکہ کے ساتھ اسی قبر میں زندہ ہیں؟ روحِ مبارک رفیقِ اعلیٰ کے مقام میں ہے یا اسی جسدِ مبارک میں؟ احادیث میں انبیاء علیہم السلام کا قبور میں نماز پڑھنے کا ذکر آیا، کیا وہ نماز اسی جسدِ اطہر مبارک کے ساتھ پڑھتے ہیں یا کسی اَور صورت میں تمثیلی اَرواح سے؟ نیز انبیاء علیہم السلام کی حیات روح مع الجسد کہنے والے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ میں سے ہے؟

۲...... شبِ معراج میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے تخفیف نماز کے بارے میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے جسد مع الروح سے ہوئی یا صرف روحِ مبارک سے؟

۳...... شبِ معراج میں مسجدِ اقصیٰ میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جملہ انبیاء علیہم السلام کی

---

(۱) "عن أنس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم قال: "الأنبیاء أحیاء في قبورهم یصلون". (شرح الصدور، باب أحوال الموتی في قبورهم، ص: ۱۸۷، دار المعرفة)

" ثم قال البیهقی: و لحیاة الأنبیاء بعد موتهم شواهد، فذکر قصة الإسراء في لقیه جماعةً من الأنبیاء، و کلمهم، و کلّموه". (الحاوی للفتاویٰ، کتاب البعث، أنباء الأذکیاء بحیاة الأنبیاء: ۲/۱۷۹، دار الفکر بیروت)

"عن أوس بن أوس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم: "إن من أفضل أیامکم یوم الجمعة، فیه خلق آدم"...... فقال: "إن اللہ عزوجل حرّم علی الأرض أجساد الأنبیاء". (سنن أبی داؤد، کتاب الجمعة، تفریع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۰، سعید)

(وسنن النسائی، کتاب الجمعة، باب إکثار الصلوة علی النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم: ۱/۲۰۳، قدیمی)

امامت کا ذکر آیا ہے، آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ مبارکہ مقتدی ہوئے یا صرف روح انبیاء علیہم السلام کے؟

۴...... حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جو بقید حیات ہیں، اس وقت مسجد اقصیٰ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مع الجسد مقتدی ہوئے یا صرف ان کی ارواح مبارکہ؟

۵...... عام مسلمان مرنے کے بعد جو کہ اپنی قبر میں دفن کئے جاتے ہیں بعد از تدفین فاتحہ خوانی کے لئے جو کلام اللہ پڑھا جائے، کیا وہ سنتے ہیں؟ نفی کی صورت میں حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کہ ’’مردے جوتیوں کی آواز سنتے ہیں‘‘ کیا مطلب ہے؟

۶...... قبر سے مراد یہ قبر ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے یا کوئی اَور، عذاب قبر اسی زمینی قبر میں ہوتا ہے یا کسی اور جگہ؟ سوالات کے وقت منکر نکیر فرشتوں کا جو ذکر احادیث میں آیا ہے، اسی قبر میں سوالات اسی جسد عنصری متعلق روح سے کئے جاتے ہیں یا صرف روح سے؟

۷...... سماع موتیٰ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے، کیا جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے اثبات یا نفی میں ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے سماع موتیٰ کے حق میں ہے یا نفی میں؟

۸...... عام مسلمان مرنے کے بعد اس کی قبر پر قرآن خوانی فاتحہ خوانی، بلا معاوضہ جائز ہے یا نہیں؟ جائز کی صورت میں حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل کا جن احادیث میں ذکر آیا ہے وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ طیبہ کو مٹی نہیں کھا سکتی، وہ محفوظ ہیں (۱) اور بیہقی میں ہے:

’’و عن أنس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و سلم: ’’إن الأنبياء لا

---

(۱) ’’عن أوس بن أوس قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: ’’إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم‘‘ .... فقال: ’’إن الله عزوجل حرّم على الأرض أجساد الأنبياء‘‘. (سنن أبی داؤد، كتاب الجمعة، تفريع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۰، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب الجمعة، باب إكثار الصلوة على النبي: ۱/۲۰۳، قديمی)

یتر کون فی قبورهم بعد أربعین لیلةً، و لکنهم یصلون بین یدی اللّٰه تعالیٰ حتی ینفخ فی الصور"۔ إن قوله: قال البیهقی، فعلی هذا یصیرون کسائر الأحیاء، یکونون حیث ینزلهم اللّٰه تعالیٰ". (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا جسم بھی ان کی قبر میں چالیس روز سے زائد نہیں رکھا جاتا بلکہ ان کو اٹھالیا جاتا ہے، خدائے پاک جہاں چاہتے ہیں ان کو رکھتے ہیں (۲)، جب ان کا اصلی جسم موجود ہے تو جسمِ مثالی کی ضرورت نہیں بلکہ یہی جسم ان کے ساتھ رہتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر خصوصیات بھی حاصل ہیں۔

۲......روح مع الجسد سے ملاقات وگفتگو ہوئی (۳)۔

۳......روح مع الجسد سب نے اقتدا کیا (۴)۔

۴......روح مع الجسد۔ الحاوی للفتاویٰ جلد ثانی میں مستقل ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے "أنباء الأذکیاء بحیات الأنبیاء" اس میں تفصیلی دلائل مذکور ہیں۔

۵......اس حدیث سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سنتے ہیں (۵)۔

---

(۱) (حیاة الأنبیاء للبیهقی، مترجم، ص: ۳۱، إدارہ اسلامیات، لاهور)

(وکذا فی الحاوی للفتاوی، کتاب البعث، أنباء الأذکیاء بحیاة الأنبیاء: ۲/۱۷۹، دار الفکر)

(۲) حضرت نے یہ بات روایتِ مذکورہ کی طرف منسوب کرکے کہی ہے، علمائے دیوبند کا عقیدہ دوسری روایاتِ کثیرہ کی بناء پر جسم مبارک کا قبر میں موجود ہونے کا ہے، خود حضرت کا بھی وہی مسلک ہے جیسے ان کے دوسرے فتاویٰ سے ظاہر ہے، جیسے آئندہ مسئلہ میں صراحت کی ہے۔

(۳) "و قد ذکره جماعة من العلماء، و تشهد له صلاة موسی علیه السلام فی قبره، فإن الصلاة تستدعی جسداً حیاً، وکذلک الصفات المذکورة في الأنبیاء لیلة الإسراء کلها صفات الأجسام". (شرح الصدور، باب زیارة القبور: ۲۰۲، دار المعرفة)

(وکذا فی الحاوی للفتاوی، کتاب البعث، أنباء الأذکیاء بحیاة الأنبیاء: ۲/۱۸۴، دار الفکر)

(۴) (راجع الحاشیه رقم: ۳)

(۵) "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره، وتولی و ذهب أصحابه، حتی أنه لیسمع قرع نعالهم". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قدیمی)

" وفی حدیث الصحیحین من سماع العبد قرع نعال أصحابه إذا دفنوه وانصرفوا عنه، إذ ذاک تعود إلیه روحه للسؤال فیسمع وهو حيٌّ، والجمهور علی عود الروح إلی الجسد ...... والحق أن الموتی یسمعون فی الجملة". (روح المعانی، (سورة الروم: ۵۲): ۲۱/۵۷، دار إحیاء التراث العربی)

۶......قبر میں فرشتے آ کر روح کو جسم میں داخل کرتے ہیں تب سوال و جواب کیا جاتا ہے، عامۃً یہ اسی قبر میں ہوتا ہے (۱)۔

۷......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی قول اس مسئلے میں مستقلاً کتبِ فقہ میں نہیں ملا (۲)، صحابہ کرام میں اختلاف ہے (۳) پھر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے کا سوال بے محل ہے۔

۸......بلا کسی غیر ثابت پابندی کے جائز ہے: "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلی الله تبارك وتعالیٰ عليه و سلم قال: "من مر المقابر، فقرأ "قل هو الله أحد" إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات"۔ رواه الدار قطني (رحمه الله

---

(۱) "عن البراء بن عازب رضي الله تعالیٰ عنه قال: خرجنا مع النبي صلی الله تعالیٰ عليه و سلم في جنازة رجل من الأنصار ...... قال: "فتعاد روحه في جسده، فيأتيه ملكان، فيجلسانه فيقولان له: من ربك؟ فيقول ربي الله". الخ. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث البراء بن عازب: ۵/۳۶۴، دار إحياء التراث العربي)

"وأخرج البخاري عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره، و تولیٰ و ذهب أصحابه، حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان، فأقعداه فيقولان له: ما كنت تقول في هذا الرجل محمد"؟ ...... الخ. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب المسألة في القبر و عذاب القبر: ۲/ ۲۹۸، سعيد)

(۲) "واشتهر على ألسنة الناس أن الموتى ليس لهم سماع عند أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ ...... وصنف الملاعلي القاري رسالةً و ذكر فيها أن المشهور ليس له أصل من الأئمة أصلاً، بل أخذ هذا في مسئلة في باب الأيمان أنه إذا حلف أنه لا يتكلم فلاناً اهـ". (العرف الشذى على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۲، سعيد)

(۳) قال المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالیٰ: "فاعلم أن مسألة سماع الموتیٰ و عدمه من المسائل التي وقع الخلاف فيه بين الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين". (أحكام القرآن للمفتي محمد شفيع، (سورة الروم: ۵۲)

(وتكميل الحبور بسماع أهل القبور: ۳/۱۶۳، إدارة القرآن، كراچی)

تعالیٰ)۔ (مراقی الفلاح ، ص:۳۷۷) (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند ۱۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۸ھ۔

کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹی میں مل گئے؟ (استغفر اللہ)

سوال[۲۷۴]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر مٹی ہی میں مل گئے تو قرآن سے ثابت کیجئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات کے بعد قبر شریف میں دفن کیا گیا ہے اور جو مٹی جسم اطہر کے ساتھ متصل ہے اس کا مرتبہ خانہ کعبہ اور عرشِ اعظم سے بھی زیادہ ہے، جیسا کہ براہین قاطعہ میں بصراحت مذکور ہے(۲) حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم مبارک قبر شریف میں بالکل محفوظ ہے، مٹی اس میں کوئی تغیر نہیں کرسکتی جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۸ھ۔

مٹی کس کے جسم کو نہیں کھاتی؟

سوال[۲۷۵]: انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام وعلماء دین شہداء وحفاظ قرآن، عامل بالقرآن اور جو منصب محبت پر فائق ہیں اور وہ جسم جس نے کبھی (اللہ) عزوجل کی معصیت نہ کی اور وہ جو اپنے اوقات درود شریف میں مستغرق رکھتے ہیں، ان کے بدن کو مٹی نہیں کھا سکتی۔ (سائل محمد قاسم عرف میاں)

---

(۱) (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۲، قديمي)

(۲) ''تتبع وتلاش کے بعد براھین قاطعہ میں مذکورہ عبارت نہیں ملی، البتہ شرح الشفاء میں یہ بحث موجود ہے:''فلا شک أن مكة لكونها من الحرم المحترم إجماعاً أفضل من نفس المدينة ماعدا التربد السكينة الملا على القاري''.

(۱۶۳/۲، القسم الثاني، الباب الرابع، فصل في حكم الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم''. (وكذا في ردالمحتار: ۶۲۶/۲، مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله عليه وسلم، باب الهدى، سعيد)

(۳) (فتاوى رشيديه، كتاب العقائد، ص:۲۰۷، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الصدور، ص:۱۳۲(۱)اور شیخ عبدالوہاب شعرانی نے مختصر تذکرہ قرطبی، ص:۳۸(۲)میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کچھ اور بھی حضرات کو شمار کیا ہے جن کے اجسام قبر میں محفوظ رہتے ہیں اور مٹی ان کو نہیں کھاتی، مختصراً چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

"إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء". "إنما لم تأكل الأرض أجساد الشهداء لكونهم أحياءً عند ربهم يرزقون". "المؤذن المحتسب لا تأكله الأرض". أيضاً "إذا مات حامل القرآن أوحى الله إلى الأرض أن لا تأكل لحمه، فتقول الأرض: أى رب كيف اكل لحمه و كلامك في جوفه. الأرض لا تسلط على جسد الذى لم يعمل خطيئةً"(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ رجب/۶۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف،

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

حیاتِ برزخیہ کی نوعیت

سوال[۲۷۶]: یہاں ایک ہفتہ واری پرچہ نکلتا ہے جس کے ایڈیٹر صدیق علی قادری ہیں، ان کا مضمون شائع ہوا ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں اور حسب ذیل آیت کا حوالہ دیا ہے: ﴿ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله أموات بل أحياء ولكن لا تشعرون﴾(۴) یہ آیت ان لوگوں سے متعلق ہے جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے، کیا اولیاء کرام کا تعلق بھی اس آیت سے ہے؟

ڈاکٹر حاجی محمد عزیز الرحمٰن صاحب (بریلی) فرماتے ہیں، اسی لئے تمام عالم اپنی حسن عقیدت لے

---

(۱) (شرح الصدور، باب نتن الميت و بلاء جسده إلا الأنبياء و من ألحق بهم، ص:۳۰۸، ۳۰۹، دار المعرفة، بيروت)

(۲) (التذكرة للقرطبي، باب لا تأكل الأرض أجسادا لأنبياء...... الخ، ص:۱۸۵، أساسة الإسلامية)

(۳) (التذكرة للقرطبي، المصدر السابق آنفاً)

(۴) (سورة البقرة: ۱۶۹)

کر اس بارگاہ سے فیض حاصل کرنے کے لئے حاضر بارگاہ ہوکر اس آستانہ سے اپنا دامنِ گوہر مراد سے بھر لے جاتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک نے صاف اعلان کر دیا ہے کہ زندہ ہیں ان کو مردہ مت کہو، چنانچہ زندوں سے مراد مانگنا جائز ہے۔ ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ اس لئے عوام الناس ان کے مزار اقدس کو مرجع خلائق سمجھتے ہوئے ان سے طالب امداد ہوتے ہیں اور یہ اپنی منگتا کی حاجت روائی فرماتے ہیں، اس لئے ان کے آستانہ پر سرنیاز جھکانے والوں کی تمنا بر آئی ہے اور انشاء اللہ ہر نیاز مند کی تمنا ان کے در سے پوری ہوتی رہے گی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اولیاء کرام زندہ ہیں اور ان سے مدد طلب کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حضرات اللہ کی راہ میں شہید ہوں ان کے متعلق قرآن کریم میں مذکور ہے: ''ان کو مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کا شعور نہیں'' (۱) لیکن ان کی اس زندگی کو بالکل دنیا والی زندگی سمجھنا غلط ہے، کیونکہ اس کا شعور تو سب کو ہے، اگر ان کی زندگی بھی ایسی ہی ہوتی تو اس کا بھی شعور ہوتا۔ نیز ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی، ان کو دفن نہ کیا جاتا، ان کی میراث تقسیم نہ ہوتی، ان کی عورتوں پر عدت واجب نہ ہوتی (۲) اور دوسرے لوگوں سے ان کا نکاح جائز نہ ہوتا، ان کی زندگی شعور سے بالاتر ہے۔

اولیاء اللہ کو بھی جو تو شہید نہیں ہوئے ایک قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے وہ بھی شعور سے بالاتر ہے، ان کی

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ أموات، بل أحیاء ولکن لاتشعرون﴾ (سورة البقرة: ۱۶۹، پ: ۲)

(۲) ''فأما فی حق أحکام الدنیا، فالشهید میت یقسم ماله، وتنکح امرأته بعد انقضاء العدة، ووجوب الصلوة علیه من أحکام الدنیا، فکان میتاً فیه، فیصلی علیه''. (بدائع الصنائع، باب الشهید: ۱/۳۲۵)

''والشهید حیّ فی أحکام الآخرة کما قال تعالی: ﴿بل أحیاء عند ربهم﴾ فأما فی أحکام الدنیا، فهو میت یقسم میراثه، وتتزوج امرأته بعد انقضاء العدة، وفریضة الصلوة علیه من أحکام الدنیا، فکان فیه میتاً یصلی علیه''. (المبسوط للسرخسی: ۲/۵۰، باب الشهید، بیروت)

حیات کوتسلیم کرنا بھی لازم ہے(۱)اوران کی وفات کوتسلیم کرنا بھی لازم ہے(۲)وفات کے بعد جوحیات ہے اس کے متعلق جتنی بات شرعی دلائل سے ثابت ہے اس کوتسلیم کیا جائے گا اور جو بات شرعی دلائل سے ثابت نہیں اس کو قیاس سے ثابت نہیں کیا جائے گا(۳)۔

زیارت قبور کی ترغیب حدیث پاک میں آئی ہے(۴)،ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کی ترغیب بھی آئی ہے،وہاں جاکرسلام کی ترغیب بھی موجود ہے(۵)،بعض روایات میں ان کے توسل سے دعاء بھی منقول ہے اس طرح کہ ''اے اللہ! اپنے پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے میری دعاء قبول فرما،میری فلاں حاجت پوری فرما(۶)۔بزرگان دین کے مزارات مقدسہ پر حاضر ہوکرخودان سے اپنی مرادیں مانگنا کہ آپ مجھے

(۱)''وعندی أن الحیاة فی البرزخ ثابتة لکل من یموت من شهید وغیره، فذهب جماعة من العلماء إلی أن هذه الحیاة مختصة بالشهداء، والحق عندی عدم اختصاصها، بل حیاة الأنبیاء أقوی منهم ...... والصدیقون أیضاً أعلی درجة من الشهداء، والصٰلحون یعنی الأولیاء ملحقون بهم''.(التفسیر المظهری: ۱/۱۵۲،حافظ کتب خانه)

(۲)قال الله تعالیٰ: ﴿إنک میت وإنهم میتون﴾.(الزمر،۳۰)

(۳) ''(فیما یحل الاستفتاء فیه)الأحکام(الظنیة لا العقلیة المتعلقة بالاعتقاد، فإن المطلوب فیها العلم علی المذهب الصحیح، فلا یجوز التقلید فیها، بل یجب تحصیلها بالنظر الصحیح''.(تیسیر التحریر: ۲۴۳/۴)

''لأن القیاس مظهر لامثبت''. (نورالأنوار،ص: ۲۴۴)

(۴) ''عن محمد بن النعمان رضی الله تعالیٰ عنه یرفع الحدیث إلی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: ''من زار قبر أبویه أو أحدهما فی کل جمعة ، غفرله و کتب برّاً''.(مشکوة المصابیح ، ص: ۱۵۴،باب زیارة القبور،قدیمی)

(۵)''عن بریدة رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یعلمهم إذاخرجوا إلی المقابر قال:''السلام علیکم أهل الدیار من المؤمنین، والمسلمین، وإنا إنشاء الله بکم للاحقون، نسأل الله لنا ولکم العافیة''.(مشکوة المصابیح، باب زیارة القبور،ص:۱۵۴، قدیمی)

(۶)''عن أمیة بن خالد بن عبدالله بن أسید رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه کان یستفتح بصعالیک المهاجرین''.(مشکوة المصابیح، ص:۴۴۷، باب فضل الفقراء اهـ قدیمی) =

بیٹا دے دیجئے، میرے مقدمہ میں کامیاب کردیجئے، میں بیمار ہوں مجھے صحت دے دیجئے وغیرہ وغیرہ (۱) اور یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ حضرات یہ سب کام کردیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تصرفات کے اختیارات دے رکھے ہیں شرعی دلائل (قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع، قیاس ائمہ مجتہدین) سے ثابت نہیں۔

اس واسطے بزرگان دین کے لئے نذر ماننے اور ان کے مزارات پر چڑھاوا چڑھانے کی اجازت نہیں۔ البحر الرائق (۲)، درمختار، شامی (۳)، طحطاوی (۴) اور دیگر کتب فقہ (۵) میں ایسی نذر کو ناجائز اور حرام لکھا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فتح العزیز میں حرام تحریر فرمایا ہے، مدارک التنزیل کی شرح "الإکلیل" میں بہت سی کتب سے اس کے لئے عبارات نقل کی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

جسم شہید کی حرمت علی الارض کی تشریح، بیان القرآن کی ایک عبارت

سوال [۲۷۷]: بیان القرآن میں ایک جگہ یہ عبارت ہے:

= "عن أنس أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب فقال: أللهم إنا كنانتوسل إليک بنبيناصلى الله تعالىٰ عليه وسلم فتسقينا،وإنا نتوسل إليک بعمّ نبينا فاسقنا، فيسقوا". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۳۲، باب الاستسقاء)

(۱) "ومنهاأنه إن ظن أنّ الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ، واعتقاده ذلک كفر". (البحر الرائق: ۲/۵۲۰، كتاب الصوم فصل في النذر، رشيديه)

(۲) "وأما النذر الذي ينذره أكثر العوام على ماهو مشاهد، كأن يكون لإنسان غائب أو مريض أوله حاجة ضرورية، فيأتي بعض الصلحاء، فيجعل ستره على رأسه، فيقول: يا سيدى فلان! إن رد غائبي، أو عوفي مريضي، أو قُضيت حاجتي، فلک من الذهب كذا، أومن الفضة كذا، أو من الزيت كذا، فهذا نذر باطل بالإجماع". (البحر الرائق: ۲/۵۲۰ كتاب الصوم فصل في النذر، رشيديه)

(۳) (رد المحتار: ۲/۴۳۹، مطلب في النذر الذي يقع للاموات، سعيد)

(۴) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۹۳، كتاب الصوم، باب مايلزم به الوفاء به،قديمى)

(۵) (النهر الفائق: ۲/۴۲، كتاب الصوم، فصل في النذر،مكتبه امداديه ملتان)

''حدیث میں :''حرمت جسم شهيد على الأرض'' وارد ہے(۱) غیرارض سے غیر متأثر ہونا وارد نہیں، چنانچہ دوسرے اجسام مرکبہ مثل اسلحہ، ادویہ، اغذیہ وخلاطہ واجسام بسیطہ: مثل آب وآتش و باد کی تاثیر انبیاء علیہم السلام کی حیات قبل الممات سے اقوی نہیں اور بعض حصۂ ارض میں بعض حصہ غیر ارضیہ بھی شامل ہوجاتی ہے، جس طرح دوسرے عناصر میں بھی مخالف عناصر شامل ہوجاتے ہیں، سو اگر ان اجزائے غیر ارضیہ سے ان کے اجسام متأثر ہوجائیں تو اس سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا جن میں حرمتِ اجسام علی الارض وارد ہے اور ایک جواب یہ ہے کہ امتیاز اجسادِ شہداء کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ دوسرے اموات سے زیادہ مدت تک ان کے اجساد خاک سے متأثر نہ ہوں، گو کسی وقت میں ہوجائے اور احادیث سے بھی امر مقصود کہا جائے کہ ان محفوظیت اجساد کی خارق عادت ہے اور خرقِ عادت کی دونوں صورتیں ہیں: حفظ مؤبد اور حفظ طویل، اور چونکہ برزخ حواس سے مدرک نہیں ہوتا اس لئے ''لا تشعرون ''فرمایا گیا (ص:۸۸، جلد:۱، پارہ:۲)(۲)۔

امید ہے کہ آپ اپنی زبان میں وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں گے مولانا کے الفاظ بہت ہی دقیق ہیں۔

الجواب حامداً و مصلياً :

بعض روایات میں آیا ہے کہ شہید کا جسم محفوظ رہتا ہے، مٹی اس کو متأثر نہیں کرتی، گلتا سڑتا نہیں، شہید کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے(۳)، اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ تلوار سے اگر اس کے ٹکڑے کردیئے

---

(۱) لم أطلع على هذا الحديث ، وقد استدل لحرمة جسم الشهيد على الأرض في ''التفسير المظهری'' بحديث حرمة جسم الأنبياء على الأرض حيث قال: ''و أخرج الطبرانی عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :''المؤذن المحتسب كالشهيد المتشخط بدمه، إذا مات لم يدود في قبره''. ...... (بل أحياء) يعنى إن الله تعالىٰ يعطى لأرواحهم قوة الأجساد ...... و من أجل ذلك الحيوٰة لا تأكل الأرض أجسادهم، ولا أكفانهم .... و يدل على أن أجساد الأنبياء والشهداء و بعض الصلحاء لا يأكلها الأرض ما أخرجه الحاكم و أبو داؤد عن أوس بن أوس قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :''إن الله حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء''. (التفسير المظهری : ۱/۱۵۲، ۱۵۳ ، حافظ کتب خانه کوئٹه)

(۲) (بيان القرآن : ۱/۸۸، سعيد)

(۳) (تقدم البحث على الحديث تحت رقم الحاشية : ۱)

جائیں تو وہ کٹ جاتا ہے(۱) آگ اور پانی سے بھی متأثر ہوتا ہے، جس چیز میں مٹی اور دوسری چیز مخلوط ہو اس سے متأثر ہوتا ہے، یہ متأثر ہونا حدیث کے خلاف ہے جس میں اس کے محفوظ رہنے کو فرمایا گیا ہے، کیونکہ ان چیزوں سے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے اجسام بھی متأثر ہوتے ہیں اور شہید کی حیات انبیاء علیہم السلام کی حیات سے قوی نہیں، اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں: اول یہ کہ برزخ کے حالات حواس سے مدرک نہیں ہوتے (۲) اور قیاس سے ان کو ثابت نہیں کیا جاسکتا، پس اگر دفن سے پہلے شہید کا جسم تلوار وغیرہ سے کٹ جائے، آگ سے جل جائے تو اس پر قیاس کر کے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ دفن کے بعد وہ مٹی سے بھی متأثر ہو کر گل سڑ جائے، محفوظ نہیں رہے گا۔

دوسرا یہ کہ اگر وہ گل سڑ بھی جائے تو ہوسکتا ہے کہ مٹی کے ساتھ وہاں دوسرے اجزاء مثلاً پانی مخلوط ہو اس پانی سے گل سڑ گیا ہو، نہ کہ محض مٹی سے، حدیث شریف میں اتنا ہی ہے: ''ارض اس کے جسم کو نہیں کھاتی''، یہ نہیں کہ پانی بھی اس کو نہیں گلاتا۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ مقصود یہ ہو (کہ) مٹی دیر تک نہیں کھاتی، نہ یہ کہ کبھی نہیں کھاتی، بس عام موتی کے اعتبار سے اگر شہید کا جسم کچھ دیر تک بطور خرقِ عادت محفوظ رہا تب بھی حدیث شریف کا مضمون صادق آ گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) ''و روی نقلة الأخبار: أن معاوية رحمه الله تعالیٰ (كذا في الأصل بلفظ: ''رحمه الله'') لما أجرى العين التي استنبطها بالمدينة في وسط المقبرة، و أمر الناس بتحويل موتاهم، و ذلک في أيام خلافته، و بعد الجماعة بأعوام، و ذلک بعد أحد بنحو من خمسين سنةً، فوجدوا على حالهم حتى أن الكل رأوا المسحاة، و قد أصابت قدم حمزة بن عبدالمطلب (رضي الله تعالیٰ عنه) فسال منه الدم، و أن جابر بن عبد الله أخرج أباه عبد الله بن حرام كأنما دفن بالأمس''. (التذكرة في أحوال الموتى و أمور الآخرة، باب لا تأكل الأرض أجساد الأنبياء ولا الشهداء، و أنهم أحياء، ص: ۱۸۵، مكتبه أسامة الإسلامية)

(۲) ﴿ولكن لا تشعرون﴾ أي: لا تحسون و لا تدركون ماحالهم بالمشاعر؛ لأنها من أحوال البرزخ التي لا يطلع عليها، و لا طريق للعلم بها إلا بالوحي''. (روح المعاني: ۲/۳۰، (سورة البقرة)، تفسير الآيات: ۱۵۳ - ۱۵۵، دار الفكر بيروت)

حیاتِ شہداء اور وفات

سوال[۲۷۸]: میرے ایک دوست ہیں جو مولانا خوشحال صاحب کے پکے مرید ہیں، ان کے ساتھ اکثر مختلف مسائل پر باہمی گفتگو ہوتی رہتی ہے، میرا اور ان کا معمول یہ ہے کہ ہم عشاء کی نماز پڑھ کر ایک بزرگ ابراہیم علی شاہ پیر کچہری بھوپا اسٹینڈ پر مزار شریف پر فاتحہ پڑھنے کے لئے جاتے ہیں، ان کا معمول ہے کہ وہ اگربتی جلاتے ہیں اور ان کی قبر پر جو گولک لگی ہوئی ہے اس میں پیسے ڈالتے ہیں اور مزار پر جو شیرینی اکثر لوگ چڑھاتے ہیں اس کو کھالیتے ہیں۔

ہمارا اور اس کا اس مسئلہ پر اختلاف ہے، میں کہتا ہوں جو شیرینی چڑھاوے کی ہے اس کا کھانا حرام ہے اس لئے آپ نہ کھائیں، وہ کہتے ہیں ہم تو ان کو زندہ مانتے ہیں یہ مردہ نہیں ہیں، میں کہتا ہوں کہ قرآن میں ہے کہ سوائے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اَور سب مردہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں آیا ہے کہ اولیاء اللہ اور شہید سب زندہ ہیں اور تم نے قرآن پاک سے اعراض کیا ہے تم کو سخت سزا ملنی چاہئے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ:

۱......نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور بزرگ ولی اپنی قبر میں زندہ ہے یا نہیں؟

۲......ایک صاحب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی زندہ نہیں کہتے، وہ بھی انتقال کر گئے: ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾(۱)۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......زندگی تو اَوروں کے لئے بھی ثابت ہے مگر سب کی زندگی یکساں نہیں، بڑا فرق ہے(۲)، نبی کے

---

(۱) (آل عمران: ۱۸۵)

(۲) قال القاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ: "فذهب جماعة من العلماء إلى أن هذه الحياة مختصة بالشهداء، والحق عندی عدم اختصاصها بهم، بل حياة الأنبياء أقوى منهم و أشد ظهوراً آثارها فی الخارج، حتى لا يجوز النكاح بأزواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بعد وفاته، بخلاف الشهيد، والصديقون أيضاً أعلى درجةً من الشهداء اهـ". (التفسیر المظهری، سورة البقرة: ۱۵۴، ۱/۱۵۲)

بعد ان کی بیوی سے نکاح جائز نہیں (۱) نیز نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی (۲) اولیاء اللہ اور شہداء کا یہ حال نہیں۔

۲......ایک قسم کی وفات جو کہ شان اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناسب واقع ہوئی ہے: ﴿إنك ميت و إنهم ميتون﴾ الاية (۳) اس کے باوجود حیات نہایت اعلیٰ قسم کی حاصل ہے، ''آب حیات'' اور

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و ما كان لكم أن تؤذوا رسول الله، و لا أن تنكحوا أزواجه من بعده أبداً﴾ (سورة الاحزاب: ۵۳)

''عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما في قوله تعالیٰ: ﴿و ما كان لكم أن تؤذوا رسول الله﴾ قال: نزلت في رجل همّ أن يتزوج بعض نساء النبي صلى الله تعالیٰ عليه و سلم بعده، قال: رجل لسفيان: أهي عائشة؟ قال: قد ذكروا ذلك ..... (قال الحافظ ابن كثير) و لهذا اجتمع العلماء قاطبةً على أن من توفي عنها رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه و سلم من أزواجه أنه يحرم على غيره تزوجها من بعده؛ لأنهن أزواجه في الدنيا والآخرة، وأمهات المؤمنين''. (تفسير ابن كثير، (سورة الأحزاب: ۵۳): ۳/ ۲۲۸، مكتبه دار الفيحاء)

و قال الله تعالیٰ: ﴿و أزواجه أمهاتهم﴾: أي منزلات منزلة أمهاتهم في تحريم النكاح واستحقاق التعظيم''. (روح المعاني، (سورة الأحزاب: ۶): ۲۱/ ۱۵۱، دار إحياء التراث العربي)

(۲) ''عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أن فاطمة بنت النبي صلى الله تعالیٰ عليه و سلم أرسلت إلى أبي بكر تسئله ميراثها من رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه و سلم مما أفاء الله عليه بالمدينة، و فدك، و ما بقي من خمس خيبر، فقال أبو بكر: إن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه و سلم قال: ''لا نورث، ما تركنا صدقة''. (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر: ۲/ ۶۰۹، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء: ۲/ ۹۱، قديمي)

قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ: ''و قد وقع في حديث أبي سلمة عن أبي هريرة عند الترمذي: جاء ت فاطمة إلى أبي بكر، فقالت: من يرثك؟ قال: أهلي وولدي، قالت: فما لي لا أرث أبي؟ قال أبو بكر: سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه و سلم يقول: ''لا نورث''، ولكني أعول من كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يعوله''. (فتح الباري، كتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس: ۶/ ۲۴۹، قديمي)

(۳) (سورة الزمر: ۳۰)

''و قال الشيخ تقي الدين السبكي: حياة الأنبياء والشهداء في القبر كحياتهم في الدنيا =

''شفاء السقام'' وغیرہ میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۹۴ھ۔

سماعِ موتیٰ

سوال[۷۹ ۲]: اگر زید حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے اعتقاد کے مطابق: ﴿إنك لا تسمع الموتى﴾(۲) کی دلیل کے ساتھ سوائے نعلین والی حدیث کے مُردوں کے لئے صرف وقتی سننا مانتے ہوئے باقی تمام اوقات میں موتیٰ کے لئے سننے کے لئے انکار کرے تو کافر ہے یا موحد؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس سے کفر نہیں ہوتا(۳) بعض صحابہ کرام اور بعض ائمہ مجتہدین کا مذہب بھی یہی ہے(۴)۔

= ويشهد له صلاة موسىٰ (عليه السلام) في قبره، فإن الصلاة تستدعي جسداً حياً، و كذلك الصفات المذكورة ليلة الإسراء كلها صفات الأجسام اهـ". (الحاوي للفتاوي، كتاب البعث، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء: ۲/ ۱۸۴، دار الفكر بيروت)

(۱) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کتاب ''آبِ حیات'' اس موضوع پر تصنیف کی ہے۔

(وشفاء السقام في زيارة خير الأنام، الباب التاسع في حياة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، ص: ۱۷۹، المكتبة النورية الرضوية لائلپور)

(۲) (النحل: ۸۰)

(۳) یہ مسئلہ عقائد سے متعلق نہیں ہے، چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یہ مسئلہ نہ عقائد ضروریہ سے ہے، نہ کسی عمل دین کا موقوف علیہ ہے، نہ مجتہد کی نص کا اس میں تتبع ضروری ہے، نہ کسی ایک جانب کا جزم ضروری ہے، اس میں اشتغال مالایعنی کا اہتمام ہے''۔(امداد الفتاوی: ۵/ ۴۳۷، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۴) "قوله: "السلام عليكم يا أهل القبور"، استدل بظاهره من قال بسماعهم، و منهم عمر و ابنه ...... و استدل المنكرون و منهم عائشة رضي الله تعالىٰ عنها وابن عباس". (الكوكب الدري على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۲/ ۱۹۷، ادارة القرآن كراچی)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة النمل: ۸۰): ۱۳/ ۲۳۲، دار الفكر بيروت)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی مفہوم ہوتا ہے (۱)۔

سماعِ موتی

سوال [۲۸۰]: زید کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سماعِ موتی کے قائل نہیں ہیں اور اس پر بعض مسائلِ فقہیہ بھی مبنی ہیں۔ کیا یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ اور سماعِ موتی کا منکر اہل السنّت والجماعت میں داخل ہے یا نہیں؟ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سماعِ موتی ثابت ہو تو اس کا صحیح حوالہ تحریر فرماویں اور اگر ثابت نہیں تو شہداء اور اولیاء بھی مستثنیٰ ہیں یا نہیں؟ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا صحیح مذہب صحیح روایت سے منقول شدہ تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال اللّٰه تبارك وتعالیٰ: ﴿فإنك لا تسمع الموتی﴾ الخ (۲) اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختلاف ہے، بعض حضرات سماعِ موتی کے قائل ہیں اور احادیث سے استدلال کرتے ہیں (۳)، اور بعض

---

(۱) "واشتهر على ألسنة الناس أن الموتی ليس لهم سماع عند أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ". (العرف الشذي على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۲، سعید)

(وكذا في الكوكب الدري على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۲/۱۹۷، إدارة القرآن)

واضح رہے کہ یہ بات امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے، لیکن ان سے ثابت نہیں۔

(۲) (سورة الروم: ۵۲)

(۳) چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور جمہور درج ذیل روایات سے اثباتِ سماعِ موتی پر استدلال کرتے ہیں: "عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولی و ذهب أصحابه حتی إنه ليسمع قرع نعالهم " الحديث . (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمي)

"عن صالح قال: حدثني نافع أن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما أخبره قال: اطلع النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم على أهل قليب فقال: "وجدتم ما وعدكم ربكم حقاً"؟ فقيل له: تدعوا أمواتاً؟ قال: "ما أنتم بأسمع منهم و لكن لا يجيبون". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر: ۱/۱۸۳، قديمي) =

حضرات سماع کے قائل نہیں، وہ اس آیت شریفہ کو استدلال میں پیش کرتے ہیں (۱) چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مسلک بھی یہی ہے (۲) اور اس کو امام اعظم نے اختیار فرمایا ہے (۳)، چوں کہ آیت قطعی ہے اور اخبار و احادیث ظنی ہیں اس لئے اپنی حقیقت اور قطعیت پر باقی رہے گی اور اخبار میں مناسب توجیہ خصوصیت وقائع وغیرہ کی کر لی جائے گی جس سے تعارض باقی نہ رہے (۴)۔

= (وصحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۲/۵۶۶، قديمي)

(۱) حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم درج ذیل آیات سے سماع موتیٰ کے نفی پر استدلال فرماتے ہیں: قال الله تعالیٰ: ﴿إنک لا تسمع الموتیٰ﴾ (سورة النمل: ۸۰)

و قال تعالیٰ: ﴿و ما أنت بمسمع من في القبور﴾ (سورة فاطر: ۲۲)

(۲) قال الحافظ: "ثالثها حديث عائشة، قالت: إنما قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "إنهم ليعلمون الآن، ما أن كنت أقول لهم حق". و هذا مصير من عائشة إلى رد رواية ابن عمر المذكورة، و قد خالفها الجمهور في ذلك". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر: ۳/۳۰۰، قديمي)

(۳) "واستدل المنكرون و منهم عائشة وابن عباس و منهم الإمام بقوله تعالىٰ: ﴿إنک لا تسمع الموتیٰ﴾. (الكوكب الدري على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر: ۲/۱۹۷، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في العرف الشذي على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۲، سعيد كراچي)

(۴) "قال: و أجابوا عن هذا الحديث تارةً بأنه مردود من عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كيف يقول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم ذلک والله تعالىٰ يقول: ﴿ما أنت بمسمع من في القبور﴾، ﴿إنک لا تسمع الموتیٰ﴾ ...... ثم قال: و تارةً بأن تلک الخصوصية له صلى الله تعالىٰ عليه و سلم معجزةً و زيادة حسرة على الكافرين .... و تارةً بأنه من ضرب المثل، أقول: و يدفعه جوابه صلى الله تعالىٰ عليه و سلم، ثم قال: ويشكل عليهم خبر مسلم: إن الميت ليسمع قرع نعالهم إذا انصرفوا، أللهم إلا أن يخصوا ذلک بأول الوضع في القبر مقدمةً للسوال جمعاً بينه و بين الآيتين، فإنهما يفيدان تحقق عدم سماعهم".

(مرقاة المفاتيح، كتاب الجهاد، باب حكم الأسارى، الفصل الأول: ۷/۵۱۸، ۵۱۹، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۷/۳۸۶، قديمي)

جوصحابہ حدیث:''والذی نفسی بیده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم، و لکن لا یجیبون'' (۱) کوخودسن چکے تھےان کےحق میں یہ حدیث بھی قطعی تھی،اس لئے ان کو آیت میں تخصیص یا تاویل کی گنجائش تھی کہ وہ (بھی) قطعی یہ بھی قطعی، ہر دو جانب اکابر ہیں اس لئے قطعی طور پر کسی کا ابطال دشوار ہے،البتہ حنفی مقلد کے نزدیک اپنے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک راجح ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے صراحۃً یہ مسئلہ منقول نہیں، نہ ثبوتاً نہ نفیاً، بلکہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جس کو فقہاء کتاب الأیمان میں ذکر کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ''اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص سے کلام نہیں کروں گا پھر وہ مرگیا اور اس کی قبر پر جا کر کلام کیا تو اس سے حانث نہیں ہوگا'' (۲) اس مسئلہ سے بعض علماء نے اخذ کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ سماع موتی کے قائل نہیں بلکہ منکر ہیں، ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے (۳) ''العرف الشذی'' کے ص:۳۸۶ پر اس رسالہ کا حوالہ بھی موجود ہے (۴)۔

---

(۱) (صحيح البخاری، کتاب المغازي، باب قتل أبی جهل: ۵٦٦/۲، قديمی)

(۲) "قال ابن الهمام في شرح الهداية: اعلم على أن أكثر مشايخ الحنفية على أن الميت لا يسمع على ما صرحوا به في كتاب الأيمان: لو حلف لايكلمه، فكلمه ميتاً لا يحنث؛ لأنها تنعقد على ما يجيب بفهم، والميت ليس كذلك". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجهاد، باب حكم الأسارى، الفصل الأول: ۵۱۸/۷، رشيديه)

(وكذا في العرف الشذى على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۲۰۲/۱، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الأيمان، باب اليمين في الكلام: ۱۴۳/۵، مصطفى البابى، مصر)

(۳) "واشتهر على ألسنة الناس أن الموتى ليس لهم سماع عند أبي حنيفة". (العرف الشذى على سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۲۰۲/۱، سعيد)

(۴) "وصنف ملا على القاري رسالةً، و ذكر فيها أن المشهور ليس له أصل من الأئمة أصلاً، بل أخذ هذا من مسئلة في باب الأيمان أنه إذا حلف أنه لا يتكلم فلاناً اهـ". (العرف الشذي على سنن الترمذی، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر: ۲۰۲/۱، سعيد)

سماع موتی کے مسئلہ پر تشدد نہیں چاہئے، فریقین کسی پر طعن وتشنیع نہ کریں اور محض سماع موتی کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص حنفیت سے خارج نہیں ہوتا، اس طرح سماع موتی کے اقرار کی وجہ سے حنفیت سے نہیں نکلتا۔ فتاویٰ عزیزی ۱/۹۳ (۱) طحطاوی شرح مراقی الفلاح ص: ۳۶۴ (۲) تفسیر ابن کثیر ۳/۴۳۸ (۳) میں آیت ﴿فإنك لا تسمع الموتى﴾ (٤) میں اس مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔ اولیاء اور شہداء کو بہ نسبتِ عوام مؤمنین کے بہت کچھ فضائل حاصل ہیں (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ شعبان/ ۵۸ھ۔

---

(۱) (فتاوی عزیزی (فارسی): ۱/۹۱، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

(فتاوی عزیز (اردو) باب التصوف، خط شاہ غلام علی صاحب، ص: ۱۴۲، سعید)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ٦٢٠، قديمي)

(۳) (تفسير ابن كثير، سورة الروم: ۳/۵۸۰، دارالسلام رياض)

(۴) (سورة الروم: ۵۲)

(۵) قال الله تعالى: ﴿و لا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله أموات بل أحياء و لكن لا تشعرون﴾. (سورة البقرة: ۱۵۴)

و قال تعالى: ﴿و لا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتاً بل أحياء عند ربهم يرزقون، فرحين بما آتاهم الله من فضله، و يستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم ألاّ خوف عليهم و لا هم يحزنون﴾. (سورة آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰)

"عن مسروق قال: سألنا عبد الله عن هذه الآية: ﴿و لا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتاً بل أحياء عند ربهم يرزقون﴾ قال: أما أنا قد سألنا عن ذلک فقال: "أرواحهم في جوف طير خضر، لها قناديل معلّقة بالعرش، تسرح من الجنة حيث شاء ت، ثم تأوي إلى تلک القناديل اهـ". (الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب في بيان أرواح الشهداء في الجنة و أنهم أحياء عند ربهم يرزقون: ۲/۱۳۵، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب التفسير عن رسول الله صلى الله تعالى عليه و سلم، سورة آل عمران: ۲/۱۳۰، سعيد)

سماعِ موتی کی تفصیل

سوال [۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسائلِ ذیل میں:

ا......سماع موتی صحیح ہے یا نہیں، مردے زندوں کی پکار کو سنتے ہیں یا نہیں اور اگر سنتے ہیں تو جواب دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مسئلہ کی پوری توضیح فرمائیں اور اس کے متعلق قرآنی آیات بھی سامنے رکھیں: ﴿إنك لا تسمع الموتى و لا تسمع الصم الدعاء﴾ (۱) دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: ﴿إن الله يسمع من يشاء، وما أنت بمسمع من في القبور، إن أنت إلا نذير﴾ (۲)۔

سماع موتی کے متعلق ایک روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریافت کرنے پر یہ فرمایا: "ما أنتم بأسمع منهم، ولكن لا يجيبون" (۳) یعنی تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر وہ جواب نہیں دے سکتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب اس روایت کو سنا تو فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد یہ نہیں تھا کیونکہ کلام مجید میں اس کے خلاف نص قطعی موجود ہے: ﴿إنك لا تسمع الموتى﴾ (٤) ﴿و ما أنت بمسمع من في القبور﴾ (۵) اے رسول تو نہ مردوں کو اپنی بات سنا سکتا ہے اور نہ قبروں میں مدفون ہونے والوں کو۔

مسئلہ کی تشریح ان دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے دلنشین انداز میں کریں کہ کوئی خدشہ باقی نہ رہے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں: ایک: اسماع، دوم: استماع، سوم: سماع۔

اسماع کی نفی صراحۃً کلام اللہ میں مذکور ہے: ﴿إنك لا تسمع الموتى﴾ (۲) ﴿و ما أنت

---

(۱) (سورة النمل: ۸۰)

(۲) (سورة الفاطر: ۲۲، ۲۳)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۲/ ۵۶۶، قديمى)

(۴) (سورة النمل: ۸۰)

(۵) (سورة الفاطر: ۲۲)

(۲) (سورة النمل: ۸۰)

بمسمع من فی القبور ﴾(۱) یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذات خود مردوں کو نہیں سنا سکتے تا بدیگراں چہ رسد.

استماع کا حاصل یہ ہے کہ مردے کان لگا کر خود کسی کی بات سنیں، جب جسم سے روح جدا ہو جائے تو یہ جسم کا کان نہیں سن سکتا، کیونکہ اصل ادراک کرنے والی چیز روح ہے اور یہ قوتِ سامعہ اس کے لئے آلۂ ادراک ہے، جب روح نے اس جسم کو اور اس جسم میں لگے ہوئے آلات کو ترک کر دیا تو اس کے لئے یہ آلات کار آمد نہیں ہیں، جس طرح میت قوتِ باصرہ، لامسہ، باطشہ وغیرہ سے کام نہیں لے سکتی، اسی طرح قوتِ سامعہ سے بھی کام نہیں لے سکتی (۲)۔ وہذا ظاہر لا یخفی۔

سماع کا حاصل یہ ہے کہ کوئی خارجی آواز اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے میت کو ادراک کرا دیں جس میں نہ صاحب صوت کو دخل ہو نہ میت کو، تو یہ بالکل ممکن ہے، حق تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں، اس کے لئے شواہد کثیرہ موجود ہیں (۳)۔ حدیث شریف میں ہے کہ "جب میت کو قبر میں رکھ کر ساتھی لوٹتے ہیں تو" إنــه يسمع

---

(۱) (سورۃ الفاطر: ۲۲)

(۲) "قال ابن القيم: و قد يقال: نفي إسماع الصُمّ مع نفي إسماع الموتىٰ يدل على أن المراد عدم أهلية كل منهما للسماع، و أن قلوب هؤلاء لما كانت ميتة صماء كان إسماعها ممتنعاً بمنزلة خطاب الميت والأصم، وهذا حق، ولكن لا ينفي إسماع الأرواح بعد الموت إسماع توبيخ و تقريع بواسطة تعلقها بالأبدان في وقتٍ ما، فهذا غير الإسماع المنفي". (كتاب الروح، المسئلة السادسة: هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السوال أم لا، ص: ۶۳، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: "ما من أحد يمر بقبر أخيه المسلم كان يعرفه في الدنيا، فيسلم عليه إلا رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام". (تفسير ابن كثير (سورة الروم: ۵۲) ۳/۵۸۰، مكتبه دار الفيحاء)

و قال العلامة الألوسي: "والحق أن الموتى يسمعون في الجملة، و هذا على أحد وجهين: أولهما أن يخلق الله عزوجل في بعض أجزاء الميت قوةً يسمع بها متى شاء الله تعالىٰ السلامَ ونحوه مما يشاء الله سبحانه و تعالىٰ لسماعه إياه .... و ثانيهما: أن يكون ذلك السماع للروح بلا وساطة في البدن اهـ". (روح المعاني، سورة الروم: ۵۲: ۲۱/۵۷، دار احياء التراث العربي)..................=

قرع نعالهم" (۱) اس میں نہ میت کے کان لگانے اور اختیار کو دخل ہے، نہ اصحابِ نعال کے اِسماع اور میت تک آواز پہونچانے کو دخل ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے۔

قبرستان پہونچ کر سلام کرنا مسنون ہے (۲) اتنی کثیر مٹی کے اندر مدفون میت تک اس معمولی آواز کا پہنچادینا صاحبِ آواز کے قابو سے باہر ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے (۳) الی غیر ذلک من الروایات۔

عالمِ برزخ کو عالمِ مشاہدہ پر قیاس کر کے محض عقلی طور پر کوئی قطعی بات ثابت کرنا بھی مشکل ہے، "لأن قياس الغائب على الشاهد لا يجوز كما صرح به الرازي إمام المتكلمين في مواضع لا تحصى"۔ جن روایات سے نفی معلوم ہوتی ہے، وہاں استماع کی نفی ہے، نہ کہ سماع کی (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "عن صالح قال: حدثني نافع أن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أخبره قال: اطلع النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم على أهل القليب، فقال: "وجدتم ما وعدكم ربكم حقاً"؟ فقيل له: تدعوا أمواتاً؟ قال: "ما أنتم بأسمع منهم، ولكن لا يجيبون"۔ (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر: ۱/۱۸۳، قديمي)

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمي)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم بقبور المدينة، فأقبل عليهم بوجهه، فقال: "السلام عليكم ياأهل القبور يغفر الله لنا و لكم، أنتم سلفنا و نحن بالأثر"۔ (سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول: "السلام عليكم دار قوم مؤمنين، و أتاكم ما توعدون غداً موجلون، و إنا إن شاء الله بكم لاحقون"۔ (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في التسليم على أهل القبور والدعاء والاستغفار لهم: ۱/۳۱۳، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا مرّ بالقبور: ۲/۱۰۶، امداديه ملتان)

(۳) "والحق أن الموتى يسمعون في الجملة .... و لا يمنع من ذلك كونه تحت أطباق الثرى"۔

(روح المعاني: ۲۱/۵۷، (سورة الروم: ۵۲): دار إحياء التراث، بيروت)

(۴) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "سماعِ موتی کی تفصیل")

ایضاً

سوال[۲۸۲]: یہ بات تو واضح ہوگئی کہ مردے میں (خود) سننے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ذریعہ میت کو صوت کا ادراک کرادیں جس میں نہ میت کو دخل ہے نہ صاحبِ صوت کو تو اس میں کوئی استحالہ نہیں اس کے باوجود آپ نے مردے کے لئے سماع ثابت کیا ہے اور دلیل میں مردے کا سمعِ قرعِ نعال اور زائرین کا قبرستان میں سلام و مغفرت کرنا پیش کیا ہے اس کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:

''معمولی آواز کا پہونچا دینا صاحب آواز کے قابو سے باہر ہے''۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مردے اس وقت سماع کر سکتے ہیں جب خارجی طاقت یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس کو سنانا چاہے، سماع مردے کی دائمی صفت نہیں ہوتی بلکہ وقتی اور عارضی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زائرین کے سلام کو میت تک پہونچانا، یا میت کا سماع قرعِ نعال مشیتِ ایزدی پر موقوف ہے یا اس میں مردے کو بھی کچھ دخل ہے اور اس کا امکان اس وقت ہے جب قدرت کو منظور ہو یا اس کے بغیر بھی ممکن ہے؟ جس پہلو کو اختیار کریں، استشہاد میں زیادہ سے زیادہ عربی عبارت پیش فرمائیں۔ آپ جس سماع کے قائل ہیں اس کے ثبوت میں کتبِ معتبرہ کا حوالہ درج فرمائیں، نیز آپ نے اِسماع اور استماع مردے کے لئے منع فرمایا ہے، اس کی تردید میں بھی کشادہ دستی سے کتبِ مستندہ کی عبارتیں ارقام فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بخاری شریف، کتاب المغازی، غزوہ بدر کے ذیل میں مذکور ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کنویں پر تشریف لے گئے جس میں لاشیں تھیں:

"حتى قام على شفة الركي، فجعل يناديهم بأسمائهم و أسماء ابائهم: "يا فلان بن فلان، يا فلان بن فلان! أيسركم أنكم أطعتم الله و رسوله، فإنا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقاً، فهل وجدتم ما وعد ربكم حقاً""؟ فقال عمر رضي الله تعالىٰ عنه: يا رسول الله! ما تكلم من أجساد لا أرواح لها؟ فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "والذي نفس محمد بيده! ما أنتم بأسمع لما أقول منهم". قال قتادة رضي الله تعالىٰ عنه: أحياهم الله حتى أسمعهم قوله توبيخاً و تصغيراً و نقمةً و حسرةً و ندماً اهـ"(۱)۔

(۱) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۲/ ۵۶۶، قديمي)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول میں جو اختلاف ہے اس کے محمل جداگانہ بھی بیان کر کے تطبیق دی گئی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری: ۷/۲۳۶ میں فرماتے ہیں:

"یرید أن یبین مراد عائشة، فأشار إلی أن إطلاق النفی فی قوله: ﴿إنك لا تسمع الموتیٰ﴾ مقید باستقرارهم فی النار، و علی هذا فلا معارضة بین إنکار عائشة وإثبات ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما، لکن الروایة التی بعد هذه تدل علیٰ أن عائشة کانت تنکر ذلك مطلقاً۔

والجواب عن الآیة أنه لا یسمعهم وهم موتیٰ، و لکن الله أحیاهم حتی سمعوا کما قال قتادة رضی الله تعالیٰ عنه، و لم ینفرد عمر و لا ابنه بحکایة ذلك بل وافقهما أبو طلحة کما تقدم. و روی الطبرانی من حدیث ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه مثله بإسناد صحیح، و من حدیث عبد الله بن سیدان نحوه، و فیه قالوا: یا رسول الله! و هل یسمعون؟ قال: "یسمعون کما تسمعون ولکن لا یجیبون". و فی حدیث ابن مسعود: "ولکنهم الیوم لا یجیبون اهـ".

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا:

"ومن الغریب أن فی المغازی لابن اسحق روایة یونس بن بکیر بإسناد جید عن عائشة مثل حدیث أبی طلحة، و فیه: "ما أنتم بأسمع لما أقول منهم". و أخرجه أحمد بإسناد حسن، فإن کان محفوظاً، فکأنها رجعت عن الإنکار مما ثبت عندها من روایة هؤلاء الصحابة، لکونها لم تشهد القصة اهـ".

مگر جن حضرات کو ان کے رجوع سے انکار ہے وہ تعارض رفع کرتے ہیں:

"قال الإسماعیلی: کان عند عائشة من الفهم والذکاء و کثرة الروایة الغوصُ علیٰ غوامض العلم ما لا مزید علیه، لکن لا سبیل إلی ردّ روایة الثقة إلا بنصّ مثله یدل علی نسخه أو تخصیصه أو استحالته، فکیف والجمع بین الذی أنکرته و أثبته غیرها ممکن؛ لأن قوله تعالیٰ:

﴿إنك لاتسمع الموتیٰ﴾ لا ینافی قوله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم: "إنهم الآن یسمعون" لأن الإسماع هو إبلاغ الصوت من المُسمع فی أذن السامع، فاللّٰه تعالیٰ هو الذی أسمعهم بأن أبلغهم صوت نبیه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم بذلك اهـ "(۱)۔

ان عبارات سے میت اور مسمع کا دخیل نہ ہونا اور سماع کا عارضی ہونا بھی معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سماعِ موتیٰ کی تفصیل

سوال[۲۸۳]: ۱...... نصوصِ کتاب اللہ واحادیثِ صحیحہ کے مطابق سماعِ موتیٰ اور عدم سماعِ موتیٰ ہر دو عقیدوں میں سے کونسا صحیح ہے اور مفتیٰ بہ اور راجح ہے اور کون عقیدہ غیر صحیح وغیر مفتیٰ بہ ومرجوح ہے؟

۲......اور سماعِ موتیٰ اور عدم سماعِ موتیٰ کے بارے میں از روئے ادلہ صحیحہ یعنی آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرات ائمہ فقہاء واحناف اور مفتیانِ دیوبند کے نزدیک کونسا عقیدہ صحیح اور مفتیٰ بہ و راجح ہے اور کونسا غیر مفتیٰ بہ ومرجوح ہے؟

۳......اور آیت کریمہ: ﴿إنك لا تسمع الموتی، و لا تسمع الصم الدعاء إذا ولّوا مدبرین﴾ الخ(۲) کا صحیح مطلب اور مراد کیا ہے؟ یہاں تشبیہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وجہ تشبیہ کیا ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس آیت کریمہ اور اس جیسی دوسری آیات مثلاً: ﴿وما أنت بمسمع من فی القبور﴾ (۳) وغیرہ کی کیا تعلیم (دی) ہے اور صحابہ کرام اور ائمہ احناف اور علمائے دیوبند نے ان آیات کریمہ کا کیا مفہوم اور مطلب سمجھا ہے؟ اور ان سب حضرات کے نزدیک سماعِ موتیٰ اور عدم سماعِ موتیٰ کے متعلق یہ آیات کس عقیدہ پر نصِ صریح ہیں؟

۴......اور کفار مقتولین بدر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "والذی نفس

---

(۱) (العبارات بأسرها لابن حجر فی فتح الباری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جهل :۷/۳۸۵، ۳۸۶، قدیمی)

(۲) (سورة النمل : ۸۰)

(۳) (سورة الفاطر : ۲۲)

محمد بیدہ! ما أنتم بأسمع لما أقول منھم"(۱) کیا یہ حدیث آیت کریمہ کے مخالف نہیں ہے؟ اگر مخالف ہے تو پھر اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوکہ موقع پر موجود تھے کیا ان کے مقابلہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاویل شرعاً معتبر ہوسکتی ہے جوکہ موقع پر خود موجود نہ تھیں، نیز قول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد معتبر ہوسکتا ہے؟

۵......مشکوۃ شریف، باب زیارۃ القبور، فصل ثانی حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس میں منقول ہے کہ جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روضۂ اقدس میں مدفون نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا بغیر پردہ کے جایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں "إنما ھو زوجی و أبی"، مگر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون ہوئے تو آپ باپردہ ہوکر جایا کرتی تھیں (۲)۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے، کیا یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاویل کے ساتھ معارض نہیں ہے، اگر ہے تو پھر کون سی صحیح اور راجح ہے اور حدیث پاک کا کیا مطلب ہے؟

۶...... "وأخرج ابن عبد البر بسند صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم: "ما من أحد یمر بقبر أخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا، فسلم علیہ، إلا یعرفہ و رد علیہ السلام" (۳) کیا یہ معتبر اور قابل استناد ہے، اگر ہے تو کیا یہ حدیث آیت کریمہ اور حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے ساتھ معارض نہیں ہے، اگر ہے تو پھر کونسی دلیل معتبر ہے؟

(ب) آیات قرآنی واحادیث اور ائمہ احناف کی تحقیق کی روشنی میں موت کے بعد ارواح کو پھر اس جسم میں داخل کردیا جاتا ہے یا اس جسم سے بالکل الگ اور غیر متعلق رہتی ہیں؟ اگر اس جسم سے غیر متعلق رہتی ہیں

(۱) (صحیح البخاري، کتاب المغازي، باب قتل أبي جھل: ۲/۵۶۶، قدیمی)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، الفصل الثالث: ۱/۱۵۴، قدیمی)

(۳) (تفسیر ابن کثیر (سورۃ الروم: ۵۲): ۳/۵۸۰، مکتبہ دار الفیحاء)

(وکذا فی شروح الصدور، باب زیارۃ القبور و علم الموتی بزوارھم و رؤیتھم لھم، ص: ۲۰۱، دار المعرفۃ بیروت)

تو کہاں؟

۲.....قبر کس چیز کا نام ہے؟

۳.....ثواب و عذاب قبر جو کہ اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے، از روئے نصوص قرآن و احادیث اور ائمہ احناف اس کا مصداق کون ہے، فقط اَرواح یا اَرواح مع اجسام؟

۴.....آیت کریمہ: ﴿و لا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله﴾ (۱) اور آیت کریمہ ﴿النار يعرضون عليها﴾ الخ (۲) میں احادیث صحیحہ اور مفسرین اور ائمہ احناف کے نزدیک شہداء کے لئے ثواب اور ''یعرضون'' کے لئے عذاب کا مصداق یہاں کون ہے، فقط ارواح یا ارواح مع اجسام عنصری؟

۵.....اگر کسی مولوی کا یہ عقیدہ ہو کہ قطع نظر خرق عادت عام قانون شرع کے مطابق مُردے یعنی اموات نہیں سنتے اور نیز یہ ان کا عقیدہ ہو کہ عذاب وثواب قبر حق ہے مگر اسی گڑھے میں نہیں ہوتا بلکہ برزخ میں سجین وعلیین میں ہوتا ہے اور یہ کہ عذاب وثواب صرف روح پر ہوتا ہے جسم کے ساتھ قبل از حشر اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا یہ مولوی صاحب اہل سنت والجماعت سے خارج اور معتزلی ہیں؟ اور کیا ان کے پیچھے نماز جمعہ ونماز جنازہ ودیگر نمازہائے پنجگانہ جائز ہے یا ناجائز؟

۶.....اگر جائز ہو تو کیا کوئی مولوی اس مولوی کے متعلق یہ فتویٰ دے سکتا ہے کہ وہ معتزلی اور خارج از اہل سنت والجماعت ہے؟ اور اگر اس کے پیچھے نماز جنازہ ناجائز ہے تو اس فتویٰ صادر کرنے والے مولوی کے متعلق کیا حکم ہے؟ برائے مہربانی مندرجہ بالا سوال کے متعلق فتویٰ صادر فرما کر ممنون فرمادیں، اور تکلیف فرمادیں ہم مجبور ہو کر اتنا لمبا استفتاء خدمت میں پیش کر رہے ہیں معاف فرمائیں۔ خداوند قدوس آپ حضرات کو ثواب و اجر دے گا۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً :

یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں: ایک: اسماع، دوم: استماع، سوم: سماع۔

---

(۱) (سورة آل عمران: ۱۶۹)

(۲) (سورة المؤمن: ۴۶)

اسماع کی نفی صراحۃً کلام اللہ میں مذکور ہے: ﴿إنك لا تسمع الموتی﴾ (۱) ﴿و ما أنت بمسمع من فی القبور﴾ (۲) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل قبور کو بذات خود مردوں کو نہیں سنا پاتے تا بدیگراں چہ رسد.

استماع کا حاصل یہ ہے کہ مردے کان لگا کر خود کسی کی بات سنیں جب جسم سے روح جدا ہو جائے تو جسم کا یہ کان نہیں سن سکتا اس لئے ادراک کرنے والی اصل روح ہے اور قوتِ سامعہ اس کے لئے آلۂ ادراک ہے، جب روح نے اس جسم کو اور اس جسم میں لگے ہوئے آلات کو ترک کر دیا تو اس کے لئے یہ کارآمد نہیں۔ جس طرح قوت باصرہ، ذائقہ، لامسہ، باطشہ وغیرہ سے روح کام نہیں لے سکتی، اسی طرح استماع سے بھی قاصر و عاجز ہے۔ و ھذا ظاھر لا یخفی۔

سماع کا حاصل یہ ہے کہ کوئی خارجی آواز اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ذریعہ سے میت کو ادراک کرا دیں جس میں نہ صاحب صوت کو دخل ہو نہ میت کو، یہ بالکل ممکن ہے، حق تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں، اس کے لئے شواہد کثیرہ موجود ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''جب میت کو قبر میں رکھ کر سب ساتھی لوٹتے ہیں تو "یسمع قرع نعالھم" الحدیث (۳) اس میں نہ میت کے کان لگانے اور اختیار کو دخل ہے، نہ اصحاب نعال کے اسماع اور میت تک آواز پہونچانے کو دخل ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے۔

قبرستان میں پہونچ کر سلام کرنا اور دیگر چند دیگر کلمات کا کہنا مسنون ہے، اتنی کثیر مٹی کے اندر مدفون میت تک معمولی آواز کا پہنچا دینا صاحب آواز کے قابو سے باہر ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے (۴) الــی

(۱) (سورۃ النمل: ۸۰)

(۲) (سورۃ الفاطر: ۲۲)

(۳) "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولی، و ذهب أصحابه حتی إنه لیسمع قرع نعالهم، أتاه ملکان فأقعداه فیقولان له: ماکنت تقول فی هذا الرجل محمد الخ". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قدیمی)

(۴) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: مر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم بقبور المدینة، فأقبل علیهم بوجهه، فقال: "السلام علیکم یا أهل القبور! یغفر اللہ لنا و لکم، أنتم سلفنا و نحن بالأثر".

(سنن الترمذي، کتاب الجنائز، باب ما یقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعید)

غیر ذلک من الروایات۔

ز عالم برزخ کو عالم مشاہدہ پر قیاس کر کے محض عقلی طور پر کوئی قطعی بات ثابت کرنا بھی مشکل ہے، لأن قیاس الغائب علی الشاهد لا یجوز صرح به الإمام الرازی فی مواضع لا تحصیٰ۔ جن روایات سے نفی معلوم ہوتی ہے وہاں اسماع کی نفی ہے یا استماع کی نہ کہ سماع کی (۱)۔

اس تقریر پر روایات کا محمل متعین ہوکر کوئی تعارض باقی نہیں رہتا، نہ طرفین کی پیش کردہ آیات وروایات کی تفسیر وتشریح کی حاجت رہتی ہے، یہ بحث تحت الفتویٰ داخل بھی نہیں کہ مفتی بہ قول نقل کیا جائے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان اگر اختلاف ہوتو ہماری اتنی حیثیت نہیں کہ محاکمہ کرنا شروع کردیں، ان حضرات کا منصب اس سے بلندتر ہے۔

(ب) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، شیخ عبدالوہاب شعرانی، حافظ عبدالسلام، علامہ ابن قیم، علامہ سیوطی، شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر اکابر نے بہت تفصیل سے کلام کیا ہے، جسم میت کو قبر میں رکھنے کے بعد روح کا اس میں داخل کیا جانا اور پھر سوال وجواب کا ہونا احادیث کثیرہ سے ثابت ہے (۲) مگر وہ روح اس جسم

---

(۱) قال فی التفسیر المنیر: "والمراد من نفی الإسماع للموتی الإسماع الذی یمکن أن یعقبه إجابة و تفاعل و تفاهم، فلا یعارضه ثبوت السماع من جانبهم دون أن یتمکنوا من الرد، أو إجابة من یکلمه، کما ثبت أن المیت یسمع قرع نعال المشیعین له إذا انصرفوا عنه، و أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم: سلَّمَ علی قبور أهل بدرٍ". (التفسیر المنیر: ۲۰/ ۳۱۰، دار الفکر المعاصر، بیروت لبنان)

قال تعالیٰ: ﴿فإنک لا تسمع الموتی﴾ وقال: ﴿وما أنت بمسمع من فی القبور﴾ ...... فقیل بالفرق بین السماع والإسماع والنفی هو الثانی دون الأول، والمطلوب هو الأول دون الثانی". (سماع الموتی لمولانا محمد سرفراز خان صفدر، ص: ۱۷۳، ۱۷۴، حضرت مولانا محمد انور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی متعدد عبارات، مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ)

(۲) "عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: خرجنا مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم فی جنازة رجل من الأنصار، فانتهینا إلی القبر، ولم یلحد، فجلس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم وجلسنا حوله ...... حتی ینتهی به إلی السماء السابعة، فیقول اللہ عزوجل: اکتبوا کتاب عبدی فی علیین، و أعیدوه إلی الأرض، فإنی منها خلقتهم و فیها أعیدهم و منها أخرجهم تارةً أخری، قال: "فتعاد =

میں اس طرح نہیں رہتی جس طرح دنیا میں رہتی تھی، البتہ اس جسم سے ایک قسم کا تعلق رہتا ہے، بہرحال روح برزخ میں رہتی ہے(۱)۔

۲......قبر سے مراد برزخ ہے(۲)۔

۳،۴......اصل وہ عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے اور جسم سے بھی اس کا تعلق رہتا ہے(۳)۔

۵......اس گڑھے سے بھی فی الجملہ تعلق رہتا ہے اور پورا عذاب ثواب اس گڑھے میں عموماً ہوتا نہیں،

= روحه في جسده، فيأتيه ملكان فيجلسانه، فيقولان له: من ربك فيقول: ربي الله الخ". (مسند الإمام أحمد بن محمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ، حديث البراء بن عازب: ۳۶۲/۵، دار إحياء التراث العربي)

و أخرجه الإمام البخاري رحمه الله تعالىٰ في صحيحه "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولى، و ذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان فأقعداه، فيقولان له: ما كنت تقول في هذا الرجل محمد؟ فيقول: أشهد أنه عبد الله و رسوله، فيقال: انظر إلى مقعدك من النار أبدلك الله به مقعداً من الجنة الخ". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱۷۸/۱، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب المسألة في القبر و عذاب القبر: ۲۹۸/۲، سعيد)

(وسنن الترمذي، كتاب التفسير، سورة ابراهيم: ۱۴۴/۲، سعيد)

(۱) "و لا تظن أن بين الآثار الصحيحة في هذا الباب تعارضاً، فإنها كلها حق يصدق بعضها بعضاً، لكن الشأن في فهمها، و معرفة النفس و أحكامها و أن لها شأناً غير شأن البدن، و أنها مع كونها في الجنة فهي في السماء، وتتصل بفناء القبر و بالبدن فيه، و هي أسرع شيء حركةً و انتقالاً و صعوداً و هبوطاً". (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة: أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة، ص: ۱۵۲، فارقيه پشاور)

(وكذا في شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۹، دار المعرفة بيروت)

(۲) "وما ينبغي أن يعلم أن عذاب القبر هو عذاب البرزخ، فكل من مات وهو مستحق العذاب، ناله نصيب منه، قبر أولم يقبر". (كتاب الروح، المسئلة السادسه، ص: ۷۸، فاروقيه، پشاور)

(وشرح العقيدة الطحاوية، ص: ۴۰۰، قديمي)

(۳) "و اعلم أن أهل الحق اتفقوا على أن الله تعالىٰ يخلق في الميت نوع حياة في القبر قدر ما يتألم أو يتلذذ". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۰۱، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية، الإيمان بعذاب القبر و نعيمه، ص: ۴۰۰، قديمي)

(وكذا في شرح العقائد عذاب القبر، ص: ۷۷، المطبع اليوسفي)

روح کا جسم سے وہ تعلق بھی نہیں رہتا جو کہ دنیا میں تھا (۱) ان مولوی صاحب کی ان مجمل باتوں کی وجہ سے ان کو معتزلی کہہ کر ان کے پیچھے نماز نہ ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا جب تک صراحۃً گمراہی کی تحقیق نہ ہو جائے اور دو مولویوں میں جب اختلاف ہو وہ کسی کو ثالث قرار دے کر فیصلہ کرانا چاہیں تو وہ خود اپنے اپنے دلائل قلم بند کر کے پیش کریں، دوسرے آدمیوں سے ان کی ترجمانی کر کے فیصلہ نہیں کرانا چاہئے، خاص کر جب ترجمانی ہی ناتمام و مجمل یعنی گول مول ہو، اس طرح فیصلہ نہیں ہوسکتا، فیصلہ کرنے والے کو ایسی گول مول باتوں سے کوئی شرح صدر نہیں ہوتا جس سے صاف فیصلہ ہو سکے۔ علاوہ ازیں ایسے مسائل میں الجھنے کی ضرورت کیا ہے ان پر کون سا کام اٹکا ہوا ہے، اگر علمی تحقیق مقصود ہو تو اس کے لئے درسگاہ کافی ہے، عوام کو پریشان نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۸ھ۔

سماع موتیٰ کے بارے میں چند سوالات

سوال [۲۸۴]: ۱...... آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ سے عدم سماع اموات ثابت ہے یا نہیں؟

۲...... صحابہ کرام کا مسلک در بارۂ سماع اموات کیا تھا؟

۳...... امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات عالیہ در بارہ سماع اموات کیا ہیں؟

۴...... اگر حنفیہ کا مسلک عدم سماع اموات ہے تو احادیث صحیحہ کے موافق ہے یا مخالف؟

---

(۱) "الرابع: تعلقها به في البرزخ، فإنها وإن فارقته و تجردت عنه، فإنها لم تفارقه فراقاً كلياً بحيث لا يبقىٰ لها التفات إليه ألبتة". (كتاب الروح، المسألة السادسة هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السؤال أم لا، ص: ٦٠، مکتبہ فاروقیہ پشاور)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، ص: ١٠٠، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية، الإيمان بعذاب القبر و نعيمه، ص: ٣٠٠، قديمي)

"وقياس الغائب على الشاهد فاسد". (شرح العقائد، ص: ١٣١، مسئله: رؤية الله، تحت قول الماتن فيرى لا في مكان ولا على جهة الخ، سعيد)

۵......مسئلہ سماع اموات میں روایات کتب فقہ متعارض کیوں ہیں، مثلاً باب الیمین فی الضرب سے عدم اور کتاب الجنائز سے ثبوت مستفاد ہوتا ہے یہ کیوں؟ دیکھئے فتح القدیر وغیرہ۔

۶......قائلین عدم سماع اموات حنفی ہیں کہ شافعی کہ معتزلی؟

۷......نواب قطب الدین خان رحمہ اللہ تعالیٰ جامع التفاسیر میں، مولانا سعید احمد حاشیہ مائۃ مسائل میں، مولانا اشرف علی بیان القرآن میں، مولوی شکر اللہ العجالۃ میں اور تفہیم المسائل، سراج الایمان، انوار المسلمین وغیرہ بہت سی کتابوں میں بہت سے علماء کرام نے یہ روایت نقل فرمائی ہے:

''و هو هذا رأی إمام أبو حنيفة من يأتی القبور لأهل الصلاح، فيسلم و يخاطب و يقول: يا أهل القبور! هل لكم خبر، وهل عندكم من أثر أنی أتيتكم من شهور، و ليس سوال منكم إلا الدعاء؟ هل دريتم أم غفلتم نسمع أبو حنيفة يقول مخاطب بهم فقال: هل أجابوا لك؟ قال : فقال: سحقاً لك و تربت يداك كيف تكلم أجساداً لا يستطيعون جواباً و لا يملكون شيئاً و لا يسمعون صوتاً و قرأ: ﴿و ما أنت بمسمع من فی القبور﴾ الخ اور حوالہ دیا ہے کتاب غرائب فی تحقیق المذاہب کا۔ اب سوال یہ ہے کہ روایت مذکورہ صحیح ہے یا غلط؟

۸......روایت مذکورہ صرف غرائب ہی میں ہے یا اور بھی کسی مستند معتبر کتاب میں ہے؟

۹......مولوی احمد رضا خان صاحب ''حیات الموات'' میں لکھتے ہیں کہ: ''غرائب ایک فرضی کتاب ہے، اس کا دنیا میں کہیں وجود نہیں'' تو یہ قول ان کا صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو غرائب کا پتہ دیجئے۔

۱۰......اگر واقعی دنیا میں کوئی کتاب ہی نہیں تو علماء کرام نے کیوں ایسی فاحش غلطی کی ہے اور یہ روایت کہاں سے اور کس طرح نقل فرمائی؟ مدلل مفصل جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ تلك عشرة كاملة۔

المستفتی کبیر الدین اودی پورہ بنارس المرقوم ۱۳ مئی ۴۲ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......ہر دو قسم کی دلیلیں موجود ہیں (۱)۔

(۱) چنانچہ نفی سماع کے دلائل یہ ہیں: ﴿إنك لا تسمع الموتى و لا تسمع الصم الدعاء إذا ولّوا مدبرين﴾ = (سورة النمل: ۸۰)

۲......کوئی اجماعی چیز نہیں بلکہ اختلافی ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دونوں قول ہیں (۱)۔

۳......اگر ان حضرات سے کوئی واضح اور قطعی نص منقول ہوتی تو آپ کو اختلاف کی شکایت نہ ہوتی۔

۴......اس کا جواب اوپر کے جوابات سے ظاہر ہے۔

= (و قال تعالی: ﴿فإنک لا تسمع الموتی﴾...... الخ (سورۃ الروم: ۵۲)

و قال تعالی: ﴿إن اللہ یسمع من یشاء و ما أنت بمسمع من في القبور﴾ (سورۃ الفاطر: ۲۲)

اور ثبوت سماع کے دلائل یہ ہیں: "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبرہ و تولی و ذھب عنہ أصحابہ حتی إنہ لیسمع قرع نعالھم، أتاہ ملکان فأقعداہ، فیقولان لہ: ماکنت تقول فی ھذا الرجل محمد الخ". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال: ۱۷۸/۱، قدیمی)

"عن صالح قال: حدثنی نافع أن ابن عمر أخبرہ قال: اطلع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم علی أھل القلیب فقال: "وجدتم ما وعدکم ربکم"، فقیل لہ: تدعو أمواتاً؟ قال: "ما أنتم بأسمع منھم، ولکن لا یجیبون". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر: ۱۸۳/۱، قدیمی)

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: مر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم بقبور المدینۃ، فأقبل علیھم بوجھہ، فقال: "السلام علیکم یاأھل القبور، یغفر اللہ لنا و لکم، أنتم سلفنا و نحن بالأثر". (سنن الترمذي، کتاب الجنائز، باب ما یقول الرجل إذا دخل المقابر: ۲۰۳/۱، سعید)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، فصل فی التسلیم علی أھل القبور، باب ما یقول إذا مرّ بالقبور: ۱۰۲/۲، امدادیہ ملتان)

(۱) قال المفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فی رسالتہ "تکمیل الحبور بسماع أھل القبور": فاعلم أن مسئلۃ سماع الموتی و عدمہ من المسائل التی وقع الخلاف فیہ بین الصحابۃ رضوان اللہ علیھم أجمعین، فھذا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما یثبت السماع للموتی، و ھذہ أم المؤمنین عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا تنفیہ، و إلی کلٍ مالت طائفۃ من علماء الصحابۃ والتابعین". (أحکام القرآن للمفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ: (سورۃ الروم: ۵۲): ۱۲۳/۳، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی الکوکب الدري علی جامع الترمذي، کتاب الجنائز، باب ما یقول إذا دخل المقابر: ۱۹۷/۲، إدارۃ القرآن کراچی)

۵......فتح القدیر وغیرہ میں اس کی وجہ بھی موجود ہے۔ (جو کہ جواب نمبر: امیں تحریر ہے)

۶......یہ بھی فتح القدیر وغیرہ میں لکھا ہے۔

۷......نواب قطب الدین صاحب کا تو انتقال ہو گیا، مولانا اشرف علی صاحب تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں تشریف رکھتے ہیں، ان سے دریافت کیجئے۔ بقیہ حضرات کو میں جانتا نہیں۔

۸......میں نے نہیں دیکھی۔

۹......میں نے "حیات الموات" نہیں دیکھی، ان کو استقراء تام حاصل ہوگا جس سے وہ سلب کر رہے ہیں۔

۱۰......ایسی بات وہ کہے جس کو تمام دنیا کا احاطہ اور علم حاصل ہو، فتاوی عالمگیری جو کہ پانچ سو علماء کی تصنیف ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی زیر نگرانی تصنیف ہوئی، اس میں کم از کم بھی ایک ہزار مسائل کتاب الغرائب کے حوالہ سے نقل کئے گئے ہیں، اللہ اعلم کہ کہاں سے نقل کئے ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالی بھی اپنی تصانیف میں غرائب کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ روایت جنہوں نے نقل کی ہے صحت اور فاحش غلطی کا جواب ان سے ہی دریافت کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نزیل مدرسہ انوریہ شاہی مسجد کمیٹی باغ لودھیانہ

قبر میں میت کے لئے حیات ہے یا نہیں؟

سوال [۲۸۵]: اولیاء اللہ اور بزرگان دین اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر رہتے ہیں تو کیوں؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سوائے شہداء اور انبیاء کے جسم کے سب کو مٹی کھا جاتی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شہداء اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ اور بھی بعض حضرات ہیں جن کا جسم محفوظ رہتا ہے، حدیث شریف سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) أخرج الطبرانی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم: "المؤذن =

دنیا سے رخصت شدہ بزرگ زندہ ہیں یا مردہ؟

سوال [۲۸۶] : جو بزرگ دنیا سے انتقال فرما گئے وہ زندہ ہیں یا مردہ؟ ہم ان کے بارے میں کیا عقیدہ رکھیں، زندہ کا عقیدہ رکھیں یا مردہ کا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے، وہ نہیں مرتی (۱) اس کا کوئی اور مقام ہوتا ہے (۲) یہاں اس کے اوپر زندوں کے احکام جاری نہیں ہوتے مثلاً غسل کفن دے کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جاتا ہے، یہ معاملہ زندہ کے

= المحتسب كالشهيد المتشخط في دمه، و إذا مات لم يدوّد في قبره".

"قال القرطبي : و ظاهر هذا أن المؤذن المحتسب لا تأكله الأرض أيضاً " (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب نتن الميت و بلاء جسده إلا الأنبياء و من ألحق بهم ، ص: ۲۰۹، دار المعرفة)

(وكذا في التذكرة للقرطبي، باب: لا تأكل الأرض أجساد الأنبياء، ص :۴۸۵، مكتبه أسامة الإسلامية مصر)

(۱) "و قالت طائفة : إنها لا تموت للأحاديث الدالة على نعيمها و عذابها بعدالمفارقة إلى أن يرجعها الله تعالىٰ إلى الجسد، و إن قلنا بموتها، لزم انقطاع النعيم والعذاب اهـ". (روح المعاني، (سورة الإسراء :۸۵): ۱۵/ ۱۵۹، دار احياء التراث)

(وكذا في كتاب الروح، المسألة الرابعة، هل تموت الروح أم الموت للبدن وحده، ص:۴۷، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) "الذي دل عليه الأخبار أن مستقر الأرواح بعد المفارقة مختلف، فمستقر أرواح الأنبياء في أعلى عليين .... و مستقر أرواح الشهداء في الجنة .... و أما مستقر أرواح سائر المؤمنين فقيل: في الجنة أيضاً .... و مستقر أرواح الكفار في سجين اهـ". (روح المعاني، (سورة الاسراء : ۸۵): ۱۵/ ۱۶۱، داراحياء التراث)

(وكذا في كتاب الروح، المسئلة الخامسة عشر: أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة ؟، ص: ۱۲۱، مكتبه فاروقيه پشاور)

ساتھ نہیں ہوتا، بیوہ عدت گزار کر دوسرا نکاح کر لیتی ہے، ترکہ ورثہ میں تقسیم ہوجاتا ہے وغیرہ وغیرہ، وہ دوسری قسم کی زندگی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

مردوں کا زندوں کے قدموں کی آواز سننا

سوال[۲۸۷]: علمائے کرام سے ایک حدیث سنی ہے کہ جب مردے کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو واپس ہونے والوں کی چالیس قدم تک جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ یہ آواز سننا اس مردے کے لئے ہے یا سب قبرستان کے مردے سنتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

چالیس قدم تک کی قید حدیث میں نہیں ہے، یہ اس مردے کے لئے ہے جس کو اس وقت دفن کیا گیا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۱۳۸٦ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

---

(۱) "فأما في حق أحكام الدنيا، فالشهيد ميّت يقسم ماله، وتنكح امرأته بعد انقضاء العدة، و وجوب الصلوة عليه من أحكام الدنيا، فكان ميتاً فيه، فيصلي عليه". (بدائع الصنائع، باب الشهيد: ۱/۳۲۵، دار الكتب العلمية)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، باب الشهيد: ۲/۵۰، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولى، و ذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم الخ". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار ...... الخ: ۲/۳۸٦، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب المشي في النعل بين القبور: ۲/۱۰۴، سعيد)

(و سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب التسهيل في غير السبتية: ۱/۲۸۸، قديمي)

قبر سے مردہ کی آواز باہر والوں کا سننا

سوال[۲۸۸]: مردہ کی قبر سے آواز آسکتی ہے یا نہیں؟ اگر آسکتی ہے تو کیوں اور نہیں سنی جاسکتی ہے تو کیوں؟ جب کہ عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ قبرستان میں گئے اور وہاں جا کر سلام کیا اور کہا کہ اگر قبر سے سلام کا جواب نہ آیا تو ساری قبروں کو توڑ دوں گا.................تو سب قبروں سے سلام کا جواب آیا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

خرق عادت کے طور پر کوئی آواز آجائے تو آسکتی ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سورۃ الملک پڑھنے کی آواز سنی ہے(۱)، عامۃً آواز انسان نہیں سنتے، ہاں مردہ کو عذاب ہوتا ہے تو اس کی آواز جانور سنتے ہیں، حدیث میں مذکور ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر لہ دار العلوم دیو بند۔

قبر کی زیارت کرتے وقت کیا میت کو اطلاع ہوتی ہے؟

سوال[۲۸۹]: ہم سنت کے مطابق کسی عزیز کی قبر کی زیارت کرتے ہیں تو کیا اہلِ قبر کو اس کی اطلاع ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے زیارت کی؟

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: ضرب بعض أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خباءه على قبر وهو لا يحسب أنه قبر، فإذا قبر إنسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها ......الخ". (تفسير ابن كثير، سورة الملك: ۴/۳۴۵، دار القلم)

(مشكوة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثاني، ص: ۱۸۷، ۱۸۸ قديمي)

(۲) "فيقال له لا دريت لا تليت، ويضرب بمطارق من حديد ضربةً، فيصيح صيحةً يسمعها من يليه غير الثقلين." (مشكوة المصابيح، باب إثبات عذاب القبر، ص: ۲۵، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر: ۱/۱۸۳، قديمي)

" إنهم يعذبون عذاباً تسمعه البهائم كلها ". (كتاب الروح، المسألة السادسة: هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السوال أم لا؟، ص: ۷۱، فاروقيه پشاور)

الجواب حامداًومصلياً:

اللہ تعالیٰ اس کواطلاع کرادیتا ہے۔

”قال ابن القيم: الأحاديث والآثار تدل على أن الزائر حين جاء، علم به المزور، وسمع سلامه، وأنس به، وردّعليه عام في حق الشهداء وغيرهم، وأنه لاتوقيت في ذلك“۔ الطحطاوی، ص: ۳٤۰ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

مردوں کا اپنے جاننے والوں کو پہچاننا اور بخشوانا

سوال[۲۹۰]: کیا موت کے بعد متوفی قیامت تک یا اس سے پہلے یا اس کے بعد اپنے کسی رشتہ دار مثلاً: ماں، باپ، بھائی، بہن، زوجہ، اولاد وغیرہ سے ملے گا یا نہیں، اور ان کو پہچانے گا یا نہیں؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ شیرخوار اولاد جو کسی کی مرجاتی ہے وہ اپنے والدین کو پہچان کر بخشوائے گی، یہ کہاں تک صحیح ہے اور اس کے علاوہ مرشد وغیرہ اپنے تابعین ومقلدین کو پہچانیں گے اور ان کے سفارش کریں گے؟ سید سعید حسن۔

الجواب حامداً و مصلياً:

مرنے کے بعد ارواح کی ملاقات ثابت ہے، روایت میں ہے کہ ”مرنے والے کے رشتہ داروں کو ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص کہیں سفر سے واپس آئے تو اس کے رشتہ داروں کو خوشی ہوتی ہے اور اس روح سے دوسرے زندہ عزیزوں کے حالات کو دریافت کرتے ہیں اور ان کی اچھی حالت سے خوش ہوتے ہیں“ (۲)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمی)

”مامن رجل يزور قبر أخيه، ويجلس عنده إلا استأنس به ورد عليه حتى يقوم“. (كتاب الروح، المسألة الأولى: هل تعرف الأموات زيارة الأحياء؟، ص: ۱۲، فاروقيه پشاور)

(وكذا فی شرح الصدور، باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، ص: ۲۰۱، دار المعرفة)

(وكذا فی التذكرة فی أحوال الموتى وأمور الآخرة، باب ماجاء أن الميت يسمع مايقال، ص: ۱۶۵، أسامة الإسلامية مصر)

(۲) ”وأخرج عن ثابت البناني قال: بلغنا أن الميت إذا مات، احتوشه أهله وأقاربه الذين قد تقدموه من =

چھوٹی اولاد کا والدین کو بخشوانے کی سعی کرنا احادیث سے ثابت ہے(۱) اسی طرح مرشد وغیرہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ سفارش کریں گے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ۷/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ رجب/ ۵۸ھ۔

کیا مردے زندوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں

سوال[۱۲۹۱]: قبرستان میں داخل ہوتے وقت جو "السلام علیکم یا أهل القبور" بتایا جاتا ہے تو کیا مردے سب پرانے اور نئے جواب دیتے ہیں؟

= الموتی، فَلَهُوَ أفرح بهم، ولَهُم أفرح به من المسافر إذا قدم إلی أهله".

"وأخرج ابن أبي شيبة في "المصنف" وابن أبي الدنيا عن عبيد بن عمير، قال: إن أهل القبور ليستوكِفون الميت كما يتلقی الراكب يسألونه، فإذا سألوه: ما فعل فلان ممن قد مات؟ فيقول: ألم يأتكم؟ فيقولون: إنا لله و إنا إليه راجعون، سلك به غير طريقنا، ذهب به إلی أمه الهاوية". (شرح الصدور، باب ملاقاة الأرواح للميت إذا خرجت روحه و اجتماعهم به و سؤالهم له، ص: ۹۸، دار المعرفة)

(وكذا في كتاب الروح، المسألة الثانية: هل تتلاقی أرواح الموتی و تتذاكر؟، ص: ۳۰، فاروقيه پشاور)

(وكذا في التذكرة في أحوال الموتی و أمور الآخرة، للقرطبي، باب ما جاء في تلاقي الأرواح في السماء، والسؤال عن أهل الأرض و في عرض الأعمال، ص: ۶۱، ۶۲، أسامة الإسلامية)

(۱) "عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن السقط ليراغم ربه إذا أدخل أبويه النار، فيقال: أيها السقط المراغم ربه! أدخل أبويك الجنة، فيجرهما بسرره حتی يدخلهما الجنة". (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في من أصيب بسقط، ص: ۱۱۶، مير محمد كتب خانه)

(۲) "والشفاعة ثابتة للرسول صلی الله تعالیٰ عليه وسلم والأخيار في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار" (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، ص: ۹۵، قديمي)

(وكذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۸۷، المطبع اليوسفي)

الجواب حامداًومصلیاً:

جن کوسلام کیا جاتا ہے وہ سب جواب دیتے ہیں، نئے پرانے سب (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۳/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) ''من أشهر ذلک مارواه ابن عبد البر مصححاًله عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما مرفوعاً: ''(ما من أحد يمر بقبر أخيه المسلم كا ن يعرفه فی الدنيا، فيسلم عليه،إلا ردالله عليه روحه حتی يرد عليه السلام''. (تفسیر ابن کثیر،(الروم:۵۳): ۳/۵۸۰،مکتبہ دارالفیحاء)

(و كذا فی شرح الصدور،باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم،ص:۲۰۱،دارالمعرفة)

''عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال :إذا مر الرجل بقبر أخيه يعرفه، فسلم عليه، ردعليه السلام وعرفه،وإذامر بقبر لا يعرفه فسلم عليه، ردعليه السلام.'' (كتاب الروح، المسألة الأولى:هل تعرف الأموات زيارة الأحياء، ص:۱۲،فاروقیہ پشاور)

ما یتعلق بالتوسل فی الدعاء

(دعاء میں توسل کا بیان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا

سوال[۲۹۲]: ایک صاحب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل سے دعاء مانگنے میں قطعی متفق نہیں، بلکہ سینکڑوں اسناد سے جو مدلل بھی ہیں ثابت کرتے ہیں اور اسی کی تبلیغ کرتے ہیں، اگر انہیں مدلل ثبوت دے دیتے ہیں تو بقول ان کے بضد بھی ہیں، ایسی صورت میں بطفیل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعاء کا طلب کرنا کیسا ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ جو کچھ طلب کرنا ہے بس خدا سے طلب کریں، حتیٰ کہ جوتی کا تسمہ وغیرہ۔ خیر اس سے انکار نہیں لیکن یہ وسیلہ ضروری نہیں، بغیر وسیلہ کے بھی کام چل جاتا ہے تو گویا ہم شرک کر رہے ہیں جو وسیلہ سے طلب کرتے ہیں، یہ ہمیں قطعی پسند نہیں کہ شرک کرکے نعوذ باللہ جہنم خریدیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر کوئی شخص حق تعالیٰ سے بغیر وسیلہ کے دعا مانگتا ہے تو یہ بھی درست ہے، اگر کوئی شخص حق تعالیٰ سے اس طرح دعاء مانگتا ہے کہ یا اللہ! میری فلاں حاجت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل پوری فرمادے تو یہ بھی جائز ہے، اس کو شرک کہنا غلط ہے(۱) اس طرح خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے:

---

(۱) "و من أدب الدعاء تقديم الثناء على الله و التوسل بنبي الله ليستجاب". (حجة الله البالغة: ۶/۲، مصر)

"(و ينبغي للزائر أن يكثر من الدعاء والتضرع والاستغاثة والتشفع، والتوسل به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فجدير): أي حقيق (بمن استشفع به أن يشفعه الله تعالىٰ فيه) و نحو هذا في منسك العلامة خليل، و زاد: و ليتوسل به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و يسأل الله تعالىٰ بجاهه في التوسل به، إذ هو مُحِطّ جبال الأوزار وأثقال الذنوب؛ لأن بركة شفاعته و عظمها عند ربه لا يتعاظمها ذنب، و من اعتقد خلاف ذلك فهو المحروم الذي طمس الله بصيرته و أضل سريرته، ألم يسمع قوله تعالىٰ: ﴿ولو =

''عن عثمان بن حُنَيف رضي الله تعالیٰ عنه أن رجلاً ضريرَ البصر أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فقال: ادع الله أن يعافيني،قال: إن شئت دعوتُ وإن شئت صبرت، فهو خير لك"، قال: فادعه،قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوء ه،و يدعو بهذا الدعاء: "اللهم إني أسئلك و أتوجه إليك بنبيك محمد،نبي الرحمة،إني وجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى لي، أللهم فشفّعه فيَّ"۔ ترمذی شریف: ۱۹۷/۲ (۱)۔

جوشخص اس کوشرک کہتا ہے،اس کو اپنے قول سے رجوع اور توبہ کرنا لازم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۸/۷ھ۔

توسل کی صورتیں اور ایصالِ ثواب

سوال[۲۹۳]: اولیائے کرام کے بارے میں نذرونیاز ومنت ومراد کے بارے میں میرے اور میرے والد کے درمیان ایک قسم کا جھگڑا پیدا ہوگیا ہے،آپ اسے رفع فرمائیں اور اگر آپ لوگوں نے کوئی کتاب اس بارے میں لکھی ہو تو اس کا نام اور قیمت تحریر فرمائیں تاکہ اسے منگایا جاسکے،میرے والد کہتے ہیں کہ چونکہ اولیائے کرام اللہ کے دوست، برگزیدہ، نیک بندے ہیں،اس لئے ہم ان کو اپنا وکیل اور سفارشی اللہ کے یہاں بناتے ہیں اور ان کے وسیلہ اور توسل سے دعاء مانگتے ہیں،درگاہوں پر جانا چاہئے،اولیائے کرام کے نام صدقہ وخیرات کرنا اور کسی چیز پر فاتحہ دلوا کر پھر ان کا نام لے کر دعاء کرنا کہ اے اللہ! جو کچھ صدقہ وخیرات اور تسبیح وتہلیل وکلام پاک پڑھا ہے اسے تیری نذر کرتا ہوں،قبول فرما، پھر اس کا ثواب بطور تحفہ وہدیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اور ان کے وسیلے سے پھر تمام انبیاء،صحابہ،شہداء،اولیاء اور تمام بزرگان دین کو اس کا ثواب پہونچاتا ہوں، پھر ولی سے کہتے ہیں کہ اے ولی اللہ! آپ ہمارے لئے دعاء کیجئے، ہماری حاجت کو پوری کروائیں،اگر دعاء قبول ہوگی تو آپ کے نام سے فاتحہ دینا،غریبوں کو کھانا کھلانا اور آپ کے نام سے نفل روزہ رکھیں گے۔

کیا ایسی باتیں شرک نہیں ہیں؟ ہمارا کہنا ہے کہ زیارت قبور کریں اور کلام پاک پڑھ کر اور صدقہ خیرات

= أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤوك﴾ انتهى". (شرح المواهب اللدنية للزرقاني، الفصل الثاني في زيارة قبره الشريف ومسجده المنيف: ۲۱۹/۹،عباس احمد الباز)

(۱) (جامع الترمذي، أبواب الدعوات: ۱۹۸/۲،سعيد)

کر کے اس کا جو ثواب ہمیں ملتا ہے ان کو بخش دیں اور پھر اپنے اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کریں اور حاجت بیان کریں، پھر بھی ہمیں صحیح طریقہ پر نہیں معلوم ہے کہ زیارت کس طرح کریں؟ آداب کیا ہیں؟ اور وہاں جا کر کس طرح ثواب بخشنا چاہئے؟ لہذا آپ مطلع فرمائیں، میں نے ''تقویۃ الایمان'' پڑھی جس میں شرک کے خلاف لکھا ہے اور آج کل میں حقانی صاحب کی ''شریعت یا جہالت'' پڑھتا ہوں، انہوں نے اس کا مختصر بیان کیا ہے، ان کا وعظ بھی سنتا ہوں، براہ کرم جواب سے جلد آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اولیائے کرام کا درجہ تو بہت بلند ہے، ہر مسلمان کی عزت وحرمت لازم ہے، ایصال ثواب شرعی طریقے پر بلا کسی غیر ثابت پابندی کے درست اور نافع ہے(۱)، زیارت قبور کی بھی ترغیب آئی ہے(۲) اس سے دنیا کی محبت کم اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے اس طرح دعاء کرنا کہ ''یا اللہ! اپنے نیک بندوں کے طفیل ہماری دعاء قبول فرمالے اور ہماری حاجتیں پوری کردے'' درست ہے(۳)، براہ راست کسی صاحبِ قبر ولی سے کوئی حاجت و مراد طلب کرنا جائز نہیں، ان سے دعاء کرنے کے لئے درخواست کرنا بھی ثابت نہیں (۴)، غیر اللہ کے نام پر خیرات کرنا اور صدقہ دینا بھی جائز نہیں (۵)، ہاں اللہ کے نام پر دے کر ثواب جس کو چاہے پہونچا دے، یہ بھی

---

(۱) (راجع، ص: ۵۷۵، رقم الحاشیہ: ۱)

(۲) ''فزوروا القبور، فإنها تذكّركم الموت''. (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز: ۱/۳۱۴، قديمی)

(۳) ''عندنا و عند مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ يجوز التوسل فى الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين فى حياتهم و بعد وفاتهم بأن يقول في دعائه: أللهم إني أتوسل إليك بفلان أن تجيب دعوتي و تقضي حاجتي إلى غير ذلك''. (المهند على المفند، الجواب عن السوال الرابع: ص: ۳۲، مكتبة العلم)

(۴) ''إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالىٰ من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم، مثل ياسيدي فلان! أغثني، و ليس ذلك من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلك، وأن لا يحوم حول حماه، و قد عده أناس من العلماء شركاً، وإن لا يكنه فهو قريب منه''. (روح المعاني (المائدة: ۳۵) ۶/۱۲۸، دار احياء التراث العربى)

(۵) ''والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لا تكون للمخلوق''. (البحر الرائق، كتاب الصوم، =

اختیار ہے کہ ایک کو پہونچادے یا متعدد کو یا سب کو، نماز روزہ وغیرہ عبادات اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں، کسی اور کے نام کی نہ نماز جائز ہے، نہ روزہ، البتہ اللہ کے لئے نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر اس کا ثواب جس کو دل چاہے پہونچادے، یہ درست ہے(۱) قبروں پر چادر چڑھانا، چراغ جلانا، ان کو سجدہ کرنا، ان کا طواف کرنا، قوالی کرنا، ان سے مرادیں مانگنا جائز نہیں، بلکہ مکروہ، حرام، شرک کی باتیں ہیں (۲)۔

ثواب پہونچانے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم پڑھ کر یا نفل نماز پڑھ کر یا نفل روزہ رکھ کر یا صدقہ دے کر یا نفلی حج کر کے، غرض کوئی بھی نیک کام کر کے دعاء کرے کہ یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہونچادے۔ بس اس طرح ثواب پہونچ جاتا ہے۔ ''ردالمحتار'' میں یہ موجود ہے (۳)۔ ''جو چیز غیر اللہ کے نام پر دی جاتی ہے اس کا لینا اور کھانا جائز نہیں'' یہ تفصیل کے ساتھ البحر الرائق، شامی، طحطاوی (۴) وغیرہ میں مذکور ہے۔

= فصل في النذر: ۲/۵۲۰، رشيديه)

(وكذا رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام من شمع أو زيت أو نحوه: ۲/۴۳۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(۱) "والأصل أن كل من أتى بعبادة ما، له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الأدلة". (الدر المختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، ۵۹۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۶، رشيديه)

(۲) "ويكره عند القبر مالم يعهد من السنة، و المعهود منها ليس إلا زيارته والدعاء عنده قائماً، كذا في البحر الرائق". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى مكان آخر: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(۳) (تقدم تخريجه في الحاشية: ۱)

(۴) (راجع، ص: ۵۷۴، رقم الحاشية: ۵)

قبور کو سجدہ اور طواف ناجائز وحرام ہے بلکہ ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے، یہ مسئلہ شرح فقہ اکبر (۱)۔ ارشاد الساری (۲) وغیرہ میں ہے، ایصال ثواب کا طریقہ تفصیل سے اردو میں دیکھنا چاہیں تو "غمِ رفتگان" ایک رسالہ ہے، اس میں بھی مسئلہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس کے ملنے کا پتہ یہ ہے:

مولانا ظہیر الاسلام صاحب بنی گنج ضلع ہردوئی، یوپی۔ دار الافتاء میں کتابیں فروخت نہیں ہوتیں۔ والد صاحب کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی خدمت میں شرعی حکم پیش کیا جائے اور دعاء کی جائے کہ حق تعالیٰ صحیح حکم شرعی قبول کرنے کے لئے ان کے دل کو آمادہ فرمادے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۴ھ۔

توسل

سوال [۲۹۴]: ۱..... زید کہتا ہے کہ کسی نبی یا ولی کی قبر پر جا کر (یوں) دعاء مانگنی چاہیے: اے فقیر خدا! تو اللہ تعالیٰ کا پیارا ہے، تو ہمارے لئے خدا تعالیٰ سے دعاء مانگ کہ فلاں کام خدا مجھ پر آسان کردے اور فلانی حاجت میری پوری کردے۔

۲..... بکر کہتا ہے کہ ولی یا نبی کو مخاطب نہیں کرنا چاہیے، بلکہ خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہنا چاہیے کہ: "اے خدا! یہ ولی یا نبی تیرا محبوب ہے، تو اس کی برکت سے میرا فلاں کام آسان کردے اور میری حاجت کو پورا کردے۔

استفسار یہ ہے کہ کونسی صورت جائز ہے اور کونسی ناجائز؟ مخاطب ولی کو کرنا چاہیے یا خدا تعالیٰ کو؟

---

(۱) "ومن سجد للسلطان بنية العبادة أو لم تحضره، فقد كفر، و في الخلاصة: و من سجد لهم إن أراد به التعظيم كتعظيم الله سبحانه كفر، و إن أراد به التحية، اختار بعض العلماء أنه لايكفر، أقول: وهذا هو الأظهر، و في الظهيرية: قال: بعضهم: يكفر مطلقاً. هذا (أي الخلاف) إذا سجد لأصل الإكراه: أي لمن يتأتى منه الإكراه ...... أما إذا سجد بغير الإكراه: أي و لو أمر به على القولين يكفر عندهم بلا خلاف". (شرح الفقه الأكبر ص: ۱۹۳، قديمی)

(۲) "(و لا يطوف): أي و لا يدور حول البقعة الشريفة؛ لأن الطواف من مختصات الكعبة المنيفة، فيحرم حول قبور الأنبياء والأولياء، و لا عبرة بما يفعله العامة الجهلة، و لو كانوا في صورة المشايخ والعلماء". (إرشاد الساري إلى مناسک الملا علي القاري، ص: ۳۴۲، باب زيارة سيد المرسلين، فصل وليغتنم أيام مقامه بالمدينة المشرفة، مكتبه مصطفى محمد بمصر)

الجواب حامداً و مصلیاً:

خدا تعالیٰ کو خطاب کرنا چاہئے، کسی ولی کو خطاب کر کے دعاء کرنا درست نہیں (۱)، ہاں زندہ ولی سے دعاء کرانا درست ہے (۲)، البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار پر حاضر ہو کر خطاب کرنا درست ہے، کیونکہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۴/۵۵ھ۔

التوسل فی الدعاء

سوال[۲۹۵]: التوسل فی الدعاء بأسماء الصالحین مثل أن یقال: أللهم اغفرلی ببرکة فلان، أو بحرمته أو بوسیلته، أو بطفیله، أو بخاطره وغیرها، وإن اختلف فی جوازه الدعاء، بل صرّح بعضهم باستحبابه وندبه، لکنه لم یکن معروفاً فی زمن السلف، ولم یدل علیه قرآن ولا حدیث ثابت السنة تام الدلالة علیه، ومایستدل به من الأحادیث فبعضه ساقط ألبتة، لیس قابلاً للاحتجاج، وبعضه لاتتمّ دلالته علی ذلک المعنی، فالأنسب أن یحترز عنه فی الدعاء.

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحداً﴾. (الجن: ۱۸)

قال الله تعالیٰ: ﴿و من أضل ممن یدعوا من دون الله من لا یستجیب له إلی یوم القیامة، و هم عن دعائهم غافلون﴾. (ألاحقاف: ۵)

قال الله تعالیٰ: ﴿إیاک نعبد و إیاک نستعین﴾. (الفاتحة: ۴)

"و إذا سألت فاسأل الله وإذا استعنت فاستعن بالله". (مشکوة المصابیح، باب التوکل والصبر: ۲/۴۵۳، قدیمی)

(۲) " إن رجلاً یأتیکم من الیمن یقال له: أویس، لا یدع بالیمن غیر أم له، قد کان به بیاض فدعا الله، فأذهبه عنه إلا موضع الدینار أو الدرهم، فمن لقیه منکم فلیستغفر لکم". (الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل أویس القرنی رضی الله تعالیٰ عنه: ۲/۳۱۱، قدیمی)

(۳) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من صلی عليَّ عند قبري سمعته، و من صلی علي نائیاً أبلغته". رواه البیهقی فی شعب الإیمان". (مشکوة المصابیح، باب الصلاة علی النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و فضلها، ص: ۱/۸۷، قدیمی)

الجواب حامداًومصلیاً:

هذه الطريقة ماكانت رائجةً في القرون المشهودلها بالخيرورواجاًعاماً، ولكن يمكن أن يقال: إن الأصل لها؛ لأن الترمذي رحمه الله تعالىٰ خرج لها بسنده حديثاًوصححه (۱)والطبراني أيضاً وثقه(۲) وأيضًا مروى في البعض والنسائي(۳) والحاكم(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

دعاء میں توسل

سوال[۲۹۶]: ادھر میں نے تین حسب ذیل اقوال پڑھے ہیں:

۱- ''حضرت مجدد الف ثانیؒ قبروں کو بوسہ دینے سے منع فرماتے ہیں، لیکن اہل قبور سے مدد طلب کرنے کو جائز سمجھتے ہیں''۔ (مجدد اعظم، مصنفہ محمد حلیم صاحب، مکتبہ دینیات دہلی: ص:۱۱۱)

۲- ''توسل جو احادیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے کہ فلاں مقبول بندے کی برکت سے میری فلاں حاجت پوری فرما''۔ (اصلاح الرسوم، مصنفہ حکیم الامت: ص:۱۳۵)

---

(۱) "عن عثمان بن حُنَيف أن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: ادع الله أن يعافيني،قال: "إن شئتَ دعوتُ، وإن شئت صبرت فهو خير لک" قال: فادعه،قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه،و يدعو بهذا الدعاء: "أللهم إني أسئلک و أتوجه إليک بنبيک محمد،نبي الرحمة،إني توجهت بک إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى لي، أللهم فشفعه فيّ".هذا حديث حسن صحيح غريب لانعرفه إلا من هذاالوجه من حديث أبي جعفر وهو غيرالخطمي". (جامع الترمذي،أبواب الدعوات: ۲/۱۹۸،سعيد)

(۲)(المعجم الكبير للطبراني: ۹/۳۱،ما أسند عثمان بن حُنَيف،رقم الحديث: ۸۳۱۱، دار إحياء التراث العربي)

(۳)(السنن الكبرى للامام النسائي: ۶/۱۶۸،كتاب عمل اليوم والليلة،رقم الحديث: ۱۰۴۹۵،ذكرحديث عثمان بن حنيف)

(۴) (المستدرک للحاكم: ۱/۳۱۳،كتاب صلاة التطوع،دعاء رد البصر،دار الفكر)

(وسنن ابن ماجه،باب ماجاء في صلاة الحاجة، ص: ۱۰۰،مير محمد)

۳-'' قبر پر فاتحہ کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے''۔(نظام، کانپور ماہ جنوری ۶۴ء ص:۳۸)

سوال یہ ہے کہ اگر زید کسی بزرگ کے مزار پر حاضر ہوکر کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھتا ہے اور یہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! میری یہ دعاء اپنے اس خاص بندے کے توسل یا طفیل سے قبول فرما (زید کو یہ یقین ہے کہ اس قبر میں سونے والے بزرگ کی برکت سے دعاء ضرور قبول ہوتی ہے) کیا یہ زید کا فعل معہ اعتقاد از روئے شریعت درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ بزرگ ایسے ہیں کہ جن کی بزرگی (ولایت) پر دلیل قائم ہے تو اس طرح دعاء کی بھی گنجائش ہے کہ: اے اللہ! اپنے اس خاص بندے کے طفیل یا توسل سے میری دعاء قبول فرما (۱) لیکن مناسب واحوط یہ ہے کہ تخصیص نہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دعا میں توسل

سوال [۷۲۹۵]: ہماری دکان میں ایک بزرگ کو بلایا گیا، کاروباری حالات تسلی بخش نہ رہنے کی وجہ سے انہوں نے یہ ورد پڑھنے کے لئے بتایا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. الحمد للہ رب العلمین. اللّٰھم صل علی سیدنامحمد وعلی الہ''۔ اخیر میں یہ ورد ہے:

''یا دستگیر بےکساں حالِ زار پر رحم کرو اللہ کے واسطے'' اس طریقہ پر ورد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مانگنا اللہ سے مقصود نہیں، اس لئے ایسا ورد نہیں کرنا چاہئے (۲) بلکہ اللہ سے

---

(۱) ''إن التوسل بجاه غير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا بأس به أيضاً إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاهاً عند الله تعالىٰ كالمقطوع بصلاحه و ولايته ''.(روح المعاني: (المائدة : ۳۵) : ۱۲۸/۲، دار إحياء التراث العربي)

(۲)''إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالى من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم، مثل ياسيدى فلان! أغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلك، وأن لا يحوم حول حماه، وقد عده أناس من العلماء شركاً، وإن لايكنه فهو قريب منه''. (روح المعاني (المائدة : ۳۵): ۱۲۸/۲، دارإحياء التراث العربي)

مانگا جائے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگوں کا توسل کیا جائے مثلاً اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل رحم فرمائے انشاء اللہ تعالیٰ دعاء جلد قبول ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/ ۸۷ھ۔

وسیلہ سے دعا

سوال[۲۹۸]: حقانی صاحب نے اپنے وعظ میں کہا ہے کہ ''رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے یا کسی بھی پیغمبر کے وسیلہ سے دعاء نہ مانگنی چاہیے بلکہ صرف خدا ہی سے مانگے'' یہ بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء کرام اور اولیائے کرام کے وسیلے سے اس طرح دعاء کرنا کہ: یا اللہ! فلاں بزرگ یا فلاں نبی کے طفیل ہماری حاجت پوری فرمادے شرعاً درست ہے (۲) حقانی صاحب نے ہدایہ وغیرہ کے حوالہ سے یہ مسئلہ بتایا ہے، وہاں دراصل معتزلہ کا رد مقصود ہے جس کی تفصیل کتب

---

(۱) ''عن عثمان بن حُنَيف رضي الله عنه أن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فقال: ادع الله أن يعافيني، قال:'' إن شئتَ دعوتُ، وإن شئت صبرت فهو خير لك''. قال: فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه، و يدعو بهذا الدعاء: ''اللهم إني أسئلك و أتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، إني توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى لي، أللهم فشفعه فيّ''. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات: ۱۹۸/۲ ،سعيد)

(۲) ''و بعد هذا كله أنا لا أرى بأساً في التوسل إلى الله تعالىٰ بجاه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند الله تعالىٰ حيًا و ميتًا، و يراد من الجاه معنىً يرجع إلى صفة من صفاته تعالىٰ، مثل أن يراد به المحبة التامة المستدعية عدم رده و قبول شفاعته، فيكون معنى قول القائل : إلهي! أتوسل بجاه نبيك صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تقضي لي حاجتي، إلهي! اجعل محبتك له وسيلةً في قضاء حاجتي''. (روح المعاني (المائدة : ۳۵): ۱۲۶/۶ ،دار إحياء التراث)

فقہ میں مذکور ہے (۱) اس کا اس مسئلہ سے تعلق نہیں، یہاں وہ صورت نہیں جس کو منع کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱/۱۹ھ۔

زندوں اور مردوں کے توسل سے دعا

سوال [۲۹۹]: دعاء میں انبیاء، اولیاء اور سلف صالحین کا وسیلہ کن دلائل سے ثابت ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صریح قول یا آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کو ثابت کریں کہ دعاؤں میں مردوں کا وسیلہ لینا درست معلوم ہو جائے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیش کیا جاتا ہے کہ ایک جگہ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے دعاء مانگی لیکن اس وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت تمام خلائق سے بہتر اور بزرگ تر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ چھوڑ کر آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ کیوں لیا؟ محض یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ علماء کا عمل اس پر ہے اور جو اس کے خلاف ہیں وہ شاذ ہیں، مثلاً علامہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ، بلکہ تعامل صحابہ اور ارشاد رسول سے اس کا ثبوت ضروری ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً :

"عن عثمان بن حُنيف رضي الله تعالىٰ عنه إن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: ادع الله أن يعافيني، فقال: "إن شئت دعوت، و إن شئت صبرت فهو

---

(۱) " و يكره أن يقول في دعائه: بحق فلان أو بحق أنبيائك و رسلك؛ لأنه لا حق للمخلوق على الخالق ". (الهداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة : ۴/۳۷۴، امداديه ملتان)

"يعني لا يجوز أن يقول: بحق فلان عليك، وكذا بحق أنبيائك و رسلك والبيت والمشعر الحرام؛ لأنه لا حق للمخلوق على الخالق، وإنما يختص برحمته من يشاء من غير وجوب عليه ". (البحر الرائق، كتاب الكراهية : ۸/۳۷۹، رشيديه)

خیر لك" قال: فادعه قال: فأمره أن یتوضأ فیحسن وضوءه، و یدعو بهذا الدعاء: "أللهم إنی أسألك، و أتوجه إلیك بنبیك محمد، نبی الرحمة، إنی توجهت بك إلی ربی فی حاجتی هذه"، لتقضی لی، أللهم فتشفعه فیّ"۔ترمذی شریف ۲/۱۹۷ (۱)۔

اس کے بعد وہ نابینا صحیح البصر ہوگئے (۲)، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے (۳) اور بیہقی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے (۴)، طبرانی نے اس کو عمدہ سند کے ساتھ لکھا ہے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: "بحق نبیه والأنبیاء الذین من قبلی، هكذا فی الأصل، والظاهر من قبله" (۵)۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے (۶)۔

---

(۱) (جامع الترمذی: ۲/۱۹۸، أبواب الدعوات، سعید)

قال الإمام أبو عیسی: "هذا حدیث حسن صحیح غریب، لا نعرفه إلا من هذا الوجه من حدیث أبی جعفر و هو غیر الخطمی". (المصدر السابق)

و أیضاً رواه احمد فی مسنده بهذا اللفظ: "أللهم إنی اسألک و أتوجه إلیک بنبیک محمد نبی الرحمة، إنی توجهت بک إلی ربی فی حاجتی هذه، فتقضی لی أللهم فتشفعه فیّ" (المسند للإمام أحمد بن حنبل: ۴/۱۳۸، رقم الحدیث: ۱۶۷۸۹، حدیث عثمان بن حُنیف، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۲) و قد صرح بذلک فی المسند حیث قال: "ففعل الرجل فبرأ". (مسند الإمام أحمد، المصدر السابق، دار إحیاء التراث العربی)

(۳) (و قد مر تخریجه رقم الحاشیة: ۱)

(۴) قال القسطلانی: "و صححه البیهقی و زاد: فقد قام و أبصر". (المواهب اللدنیة، ص: ۲۲۱/۱۲، دار الکتب العلمیة)

(۵) (راجع، ص: ۵۸۵، رقم الحاشیه: ۳)

(۶) فی شرح المواهب للزرقانی: "ما رواه النسائی والترمذی، والحاکم و قال: علی شرطهما": ۲۲۱/۱۲)

"عن عثمان بن حنیف أن رجلاً ضریراً ..... الحدیث، هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه".

وفی الصفحة رقمها: ۵۱۹: "هذا حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاه، (المستدرک مع =

ابن حجر مکی (۱) علامہ زرقانی (۲) علامہ خلیل (۳) علامہ قسطلانی (۴) قاضی عیاض (۵) سب نے ہی اپنی اپنی کتابوں میں توسل کی اجازت دی ہے اور اس کو جمہور سلف صالحین کا مسلک قرار دیا ہے، شیخ المحققین علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر ۲/ ۳۳۷ میں لکھتے ہیں: "ویسأل اللہ حاجته متوسلاً إلی اللہ تعالیٰ بحضرة نبیه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم"(۶)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= التلخیص: ۱/۳۱۳، کتاب الصلوٰة والتطوع، دعاء ردالبصر، و: ۱/۵۱۹، کتاب الدعا، دعاء ردالبصر، دارالفکر، بیروت)

(۱) "وصححه البیهقی وزاد: فقام، وروی الطبرانی بسند جیّد أنه علیه السلام ذکر فی دعائه: "بحق نبیّک" والاستغاثة والتشفع والتوجه به صلی الله علیه سلم أو بغیره من الأنبیاء وکذا الأولیاء اهـ".
(حاشیه ابن حجر المکی رحمه الله تعالیٰ علی الإیضاح فی مناسک الحج للنووی رحمه الله تعالیٰ، ص: ۵۰۰، بحواله تسکین الصدور، ص: ۳۳۶، مکتبه صفدریه)

(۲) قال العلامة الزرقانی: "و نحو هذا فی منسک العلامة خلیل و زاد: "و لیتوسل به صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی التوسل به، إذ هو مُحطّ جبال الأوزار وأثقال الذنوب .... و من اعتقد خلاف ذلک فهو المحروم الذی طمس الله بصیرته و أضل سریرته، ألم یسمع قوله تعالیٰ: ﴿و لو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤک﴾ (شرح المواهب: ۱۱/۲۱۹)

(۳) قال العلامة خلیل السهارنفوری: "عندنا و عند مشایخنا یجوز التوسل فی الدعوات بالأنبیاء والصالحین من الأولیاء والصدیقین والشهداء فی حیاتهم و بعد وفاتهم ". (المهند علی المفند، ص: ۸)

(۴) (المواهب اللدنية للقسطلانی: ۱۲/۲۱۹، ۲۲۳، دار الکتب العلمیة)

(۵)"وإن حرمته میتاً کحرمته حیّاً، فا ستکان لها أبو جعفر وقال: یاأباعبدالله! أستقبل القبلة وأدعو أم أستقبل رسول الله؟ فقال: ولم تصرف وجهک عنه وهو وسیلتک ووسیلة أبیک آدم علیه السلام إلی الله تعالیٰ یوم القیامة؟ بل أستقبله و أستشفع به فیشفعه الله". (الشفا للقاضی عیاض، القسم الثانی، الباب الثالث، الفصل الثالث: حرمته وتوقیره صلی الله علیه وسلم، ص: ۴۰۱، دارالفکر، بیروت)

(۶) (فتح القدیر لابن الهمام الحنفی ، کتاب الحج، المقاصد الثلاثة، المقصد الثالث فی زیارة قبر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۳/۱۸۱ ،مصطفی البابی الحلبی، بمصر)

سوال بر جواب مذکورہ بالا

سوال [۳۰۰]: عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو روایت آپ نے توسل کے جواز پر پیش فرمائی ہے، یہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا واقعہ ہے (۱)، اس سے تو یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں توسل سے دعاء کی اجازت دی تھی، سوال آپ کی وفات کے بعد کا ہے۔ بعض اکابر صحابہ کا عمل وفات نبوی کے بعد توسل کے بجائے اس وقت کے زندوں سے رہا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ صحابہ میں وصالِ نبوی کے بعد آپ کے توسل کا طریقہ رہا، اس سلسلہ میں دو جلیل القدر صحابی کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

۱= حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عام الرماد کے ہولناک قحط میں مہاجرین اور انصار کے روبرو دعا مانگی تھی اس کے الفاظ یہ تھے: "اللهم إنا كنا إذا جدبنا نتوسل إليك بيننا فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا صلى الله عليه وسلم فاسقنا" (۲) اے خدا جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو اپنے نبی کا وسیلہ تیرے سامنے پیش کیا کرتے تھے تو ہمیں سیراب کردیا کرتا تھا، اب ہم اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ تیرے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق کا عمِ رسول حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے دعاء مانگنا اور اس پر تمام صحابہ، مہاجرین وانصار کا سکوت تسلیم ورضا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس توسل کو صحیح و درست سمجھا۔

۲= دوسرا واقعہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جب ملک شام میں قحط پڑا تو معاویہ بن ابی سفیان نے یزید الاسود اعرشی کو دعاء میں وسیلہ بنایا، انہوں نے کہا: "اللهم نستشفع أو نتوسل بخيارنا، يا يزيد! ارفع يديك، فرفع و دعا و دعا الناس حتى أسقوا" (۳) الٰہی ہم نیکوکاروں کی سفارش

---

(۱) (جامع الترمذي، أبواب الدعوات: ۲/۱۹۸، سعيد)

(۲) (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام إذا قحطوا: ۱/۱۳۷، قديمي)

(۳) "قال ابن حجر: واستسقى معاوية بيزيد بن الأسود فقال: أللهم إنا نستسقي بخيرنا و أفضلنا، أللهم إنا نستسقي بيزيد بن الأسود، يا يزيد! ارفع يديک إلى الله، فرفع يديه و رفع الناس أيديهم، فثارت سحابة من المغرب كأنها ترس، وهبّت ريح، فسقوا حتى كاد الناس لا يبلغون منازلهم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۳/۲۱۹، ۲۲۰، الحبيبية، كوئٹہ)

لاتے ہیں، اے یزید! اپنے ہاتھ اٹھا چنانچہ یزید نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعاء کی، نیز تمام مسلمانوں نے دعا کی اور پانی برسنے لگا۔

ان دو جلیل القدر صحابی کے عمل نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان لوگوں میں مردوں کے توسل کا رواج نہیں تھا بلکہ زندے نیکو کاروں کے توسل کا تھا۔ محقق ابن ہمام اور قاضی عیاض کے حوالہ سے آپ نے جس توسل کو جائز قرار دیا ہے اور جس کو جمہور سلفِ صالحین کا مسلک ٹھہرایا ہے، اس سے کونسا توسل مراد ہے، کسی شخصیت کا توسل یا اطاعت و بندگی کا توسل یا کسی کی دعاء وسفارش کا توسل؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ دونوں واقعے اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ زندہ سے توسل درست ہے، مردہ کے توسل سے ساکت ہیں، سابق فتویٰ میں بحوالہ طبرانی جو عبارت نقل کی گئی تھی اس میں انبیاء سابقین سے توسل کے بھی الفاظ تھے (۱) نیز فتح القدیر کی جو عبارت نقل کی گئی تھی اس میں زائرین کو ہدایت تھی وہ بھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہی کے لئے ہے (۲)۔

عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جو کہ ترمذی شریف سے نقل کی تھی وہ واقعہ تو حیاتِ طیبہ کا تھا مگر انہوں نے بعد وفات بھی ایک شخص کو یہی ترکیب اور دعاء بتلائی تھی جس کی ایک ضرورت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق تھی اور وہ توجہ نہ فرماتے تھے۔ ایک شخص نے اس پر عمل کیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ ضرورت پوری فرمادی۔ پھر اس شخص نے عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے میری سفارش کردی اس پر انہوں نے وہی ترمذی والی روایت سنائی (۳)۔

---

(۱) (راجع، ص: ۵۸۲، رقم الحاشیة: ۵، ۶، و ص: ۵۸۳، رقم الحاشیة: ۱، ۲، ۳)

(۲) (فتح القدیر، کتاب الحج، المقاصد الثلاثة، المقصد الثالث فی زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۲/ ۱۸۱، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(۳) "وأما بعد مماته فقد روی الطبرانی فی الکبیر عن عثمان بن حنیف المتقدم أن رجلاً کان یختلف إلی عثمان بن عفان رضی اللہ عنه فی حاجة له، فکان لایلتفت إلیه ولا ینظر فی حاجته، فلقی ابن حنیف =

علامہ زرقانی نے شرح مواہب: ۸/ ۳۱۸، میں لکھا ہے:

''و أما التوسل به صلى الله تعالى عليه وسلم بعد موته في البرزخ فهو أكثر من أن يحصى أو يدرك باستقصاء، و في كتاب مصباح الظلام في المستغيثين بخير الأنام للشيخ أبي عبد الله بن النعمان طرف من ذلك اه''(۱)۔ اس کے بعد اپنے واقعات اور تجربات لکھتے ہیں کہ بیماری اور مصیبت کے دفع کرنے میں کیسی تاثیر پائی (۲)۔ علامہ آلوسی نے روح المعانی ص: ۲۹۹، پر توسل کرنے والوں کی اغلاط پر متنبہ کرنے کے بعد لکھا ہے: ''بعد هذا كله أنا لا أرى بأساً في التوسل إلى الله تعالى بجاه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عند الله تعالى حياً و ميتاً اه''(۳)، ص: ۳۰۰ پر لکھا ہے: ''التوسل بجاه غير النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لا بأس به إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاهاً عند الله تعالى كالمقطوع بصلاحه و ولايته''(٤)۔ اعمالِ صالحہ کا توسل حدیث انصار میں موجود ہے (۵)۔ شخصیت کا تو آپ کے تحریر کردہ

= فشكى إليه ذلك فقال له ابن حنيف: إئت الميضاة فتوضأ، ثم ائت المسجد فصل ركعتين، ثم قل: أللهم إني أسألك .... فانطلق الرجل، فصنع ما قال، ثم أتى باب عثمان، فجاء البواب حتى أخذه بيده فأدخله على عثمان فأجلسه معه على الطنفسة، فقال: ماحاجتك؟ فذكر حاجته فقضاها، .... ثم إن الرجل خرج من عنده، فلقي ابن حنيف فقال له: جزاك الله خيراً .... فقال ابن حنيف: والله! ماكلمته ولكني شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم وأتاه ضرير فشكى إليه ذهاب بصره'' الحديث. (حاشيه سنن ابن ماجه المسمى بإنجاح الحاجة، رقمها: ١، ص: ١٠٠، باب ماجاء في صلوة الحاجة، مير كتب خانه)

(۱) یہ عبارت متن: ''المواهب اللدنية بالمنح المحمدية'' علامہ قسطلانی کی ہے، اس کی شرح علامہ زرقانی نے لکھی ہے دیکھئے: (شرح العلامة الزرقاني على المواهب، المقصد العاشر، الفصل الثاني في زيارة قبره الشريف ومسجده المنيف: ۱۲/ ۲۲۲، عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۲) (شرح المواهب المرجع السابق: ۱۲/ ۲۲۲، ۳۲۳، ۳۲۳، علامہ قسطلانی نے توسل کی فضیلت کر کے ترغیب دی ہے)

(۳) انظر للتفصيل: (روح المعاني: ۶/ ۱۲۸، دار إحياء التراث العربي)

(۴) (روح المعاني المصدر السابق آنفاً: ۶/ ۱۲۸، ۱۲۹، دار إحياء التراث العربي)

(۵) (مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي: ۱/ ۱۳۲، باب الاستسقاء قديمي)

(و أخرجه الإمام البخاري في صحيحه، باب سوال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا: ۱/ ۱۳۷، قديمي)

واقعہ(۱) نیز روح المعانی میں ہے(۲)۔ دعاء و شفاعت کا توسل بھی احادیث میں مصرح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

توسل میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول

سوال[۱۳۰۱]: جیسا کہ ہم لوگ اہل سنت والجماعت دعاء کرتے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل سے دعاء کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الوسیلہ" میں خدا کے صفاتی نام کے سوا وسیلہ کو ناجائز قرار دیا ہے اور دلیل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث جو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے استسقاء کی دعاء کی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پیش کرتے ہیں(۳) اس دلیل سے دعاء کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل سے جائز ہے یا ناجائز؟ ہم نے سنا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر کسی صاحب نے تنقید کی ہے، وہ کون صاحب ہیں اور کس مسئلہ پر تنقید کی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح دعا کرنا کہ: "یا اللہ! حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہمارا فلاں کام کردے، ہمیں گناہوں سے بچالے، ہمیں اعمالِ صالحہ کی توفیق دے" اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک شرعاً درست ہے(۴)۔

---

(۱) (راجع، ص: ۵۸۵، رقم الحاشية: ۳)

(۲) (راجع، ص: ۵۸۶، رقم الحاشية: ۲، ۳)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام الرماد قحط کے دوران جو دعا مانگی تھی اس کے الفاظ یہ ہیں: " أللهم إنا كنا إذا جدّبنا نتوسل إليک بنبيّنا، وإنا نتوسل إليک بعمّ نبينا صلى الله عليه وسلم، فاسقنا". (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب سوال الناس الإمام إذا قحطوا: ۱/۱۳۷، قديمي)

(وكتاب التوسل والوسيلة لابن تيميه، ص: ۵۵، ۵۶، الطبعة الأولىٰ عطبعة المنار)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿وابتغوا إليه الوسيلة﴾ (سورة مائده: ۳۵) .... =

جب کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرنا امام ابن تیمیہ کے نزدیک درست ہے تو اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک براہ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے بھی درست ہے، اس مسئلہ پر مستقل رسائل تصنیف کئے گئے ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر ان کے معاصرین امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے کافی رد کیا ہے، طبقات سبکی میں ایک مستقل رسالہ رد میں ہے(۱) علامہ یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''مرأۃ الجنان'' میں متعدد علماء سے سخت تنقید نقل کی ہے، علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''فتاویٰ حدیثیہ'' میں رد بلیغ کیا ہے(۲) ذیل ''تذکرۃ

= ''و قال ابن عابدین: ''نعم ذکر العلامۃ المناوی فی حدیث: ''أللهم إنی أسألک و أتوجه إلیک بنبیک نبی الرحمة'' اهـ عن العز بن عبد السلام أنه ینبغی کونه، مقصوراً علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، وأن لا یقسم علی الله بغیره و أن یکون من خصائصه، قال: و قال السبکی: ''یحسن التوسل بالنبی إلی ربه، ولم ینکر أحد من السلف و لا الخلف إلا ابن تیمیة''. (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۹۷/۶، سعید)

''قد یقال: ''إنه لا حقّ لهم وجوباً علی الله، لکن الله سبحانه جعل لهم حقاً من فضله، أو یراد بالحق الحرمة والعظمة، فیکون فی باب الوسیلة و قد قال تعالیٰ: ﴿و ابتغوا إلیه الوسیلة﴾ و قد عد من آداب الدعاء التوسل علی ما فی الحصن''. (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۱۹۹/۴، مکتبه دار المعرفة)

(۱) ''رد ابن تیمیة'' لأبی الحسن علیّ بن عبد الکافی بن علی، تقی الدین السبکی الأنصاری الخزرجیّ الشافعیّ (ت ۷۵۶هـ) (کشف الظنون: ۸۳۷/۱، ''طبقات السبکی'': ۱۳۹/۱۰، ''الدرر الکامنة'' ۳۶/۳)

''و قال السبکی: یحسن التوسل بالنبی إلی ربه، و لم ینکره أحد من السلف و لا الخلف، إلا ابن تیمیة، فابتدع ما لم یقله عالم قبله اهـ''. (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۹۷/۶، سعید)

(۲) ''و سئل نفع الله به بما لفظه: لابن تیمیة اعتراض علی متأخری الصوفیة، و له خوارق فی الفقه والأصول، فما محصل ذلک؟.

فأجاب بقوله: ابن تیمیة عبدٌ خزله الله و أضلّه و أعماه و أصمه و أذلّه، و بذلک صرح الأئمة =

الحفاظ'' میں بھی رد شدید مذکور ہے(۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعاء کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے دعاء درست نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ حرام قرار دیتے ہیں، اس پر امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ ''شفاء السقام'' لکھا ہے جس میں اس کو مستحسن اور موجب ثواب قرار دیا ہے، اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جمہور کے مخالف ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مزارات پر حاضری اور توسل وغیرہ

سوال[۳۰۲]: میں خود گنہگار ہوں، مزارات پر جاتا ہوں، قرآن شریف اپنے باپ، دادا کی قبر کے پاس پڑھتا ہوں اور دیگر حضرات اولیاء کے مزارات پر بھی جاتا ہوں ان سے مدد مانگتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نیک وصالح بندے ہیں میرے حق میں دعاء فرمادیں کہ خدا مجھ کو صحیح معنٰی میں مسلمان بنادے اور مجھے خدا خوش

= الذین بینوا فساد أحواله و كذب أقواله، و من أراد ذلک فعلیه بمطالعة كلام الإمام المجتهد المتفق علی إمامته وجلالته و بلوغه مرتبة الاجتهاد أبی الحسن السبكی وولده التاج والشیخ الإمام العز بن جماعة و أهل عصرهم". (الفتاوی الحدیثیة ، مطلب: اعتراض ابن تیمیة علی متأخری الصوفیة و له خوارق الخ، ص:۱۵۶ ، قدیمی)

(۱) " وهذا الشیخ الحرانی مع كونه الّف فی إبطال الحیل تراه وأتباعه من أكبر المجرئین علی تحلیل من الأبضاع ...... وشواذه فی الفروع من هذا القبیل، ولا تسل عن مفرداته فی المعتقد مما هو آیة فی التغلیل، ومن هنا اشتبه فی أمر دینه من اشتبه من حذاق النظار ولم یخف علیهم ماوراء الستار وهو یشف عن ذلک الأولی الأبصار .... استرسالاً فی إحسان الظن به بالنظر إلی مبادئ حاله من غیر فحص عن عاقبة أمره ومرماه، وطال الأخذ والرد فی شأنه لمایستوجب الأناة". (ذیل تذكرة الحفاظ، ص: ۱۸۶ ، ۱۸۸ ، ترجمه الحافظ شمس الدین أبی عبدالله محمد بن خلیل الخ، وانظر أیضا ،ص: ۳۱۵ – ۳۲۰، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

وخرم رکھے اور قوم مسلم کو نیک اور ایک بنادے۔ آمین!

اور میں تعزیہ داری میں بھی شریک ہوتا ہوں اس میں چندہ بھی دیتا ہوں اور فاتحہ، دسویں، بیسویں، چالیسویں میں بھی دیتا ہوں، نذر و نیاز بھی کرتا ہوں، ہر سال اجمیر شریف جاتا ہوں اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر جاکر ان کے توسل سے دعاء مانگتا ہوں۔ میں گیارہویں شریف حضرت اعظم کی بھی کرتا ہوں، خواجہ غریب نوازؒ کی بھی فاتحہ کرتا ہوں، دیگر رسوم میں بھی شرکت کرتا ہوں، دیگر حضرات اولیاء کرام مثلاً مولانا کمال الدین چشتیؒ، حضرت بابا بدخشانیؒ، شاہ نیاز صاحبؒ کے مزارات پر بھی جاتا ہوں، کیا ایسی جگہ جانا درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ان چیزوں کی وجہ سے مجھ کو ایمان سے خارج اور کافر خیال کرتے ہیں۔ آپ تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان باتوں میں کوئی بات ایسی نہیں جس کی وجہ سے آپ کو خدانخواستہ کافر یا اسلام سے خارج قرار دیا جائے، الحمد للہ آپ مسلمان ہیں کفر کا خیال بھی دل میں نہ لائیں، خدائے پاک آپ کو بطفیل حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسلام پر قائم رکھے اور کفر سے ہمیشہ محفوظ رکھے، آمین!

ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی زندگی کو سنتِ پاک کے مطابق بنایا جائے اور ہر کام کرنے سے پہلے تحقیق کرلی جائے کہ یہ کام خلاف سنت تو نہیں، جو کام خلاف سنت ہو اس سے ہمیشہ دور رہنا چاہئے، یہی نجات کا سیدھا راستہ ہے، اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں، یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خادم اور محبت کرنے والے کی نشانی ہے، ورنہ اس کا دعویٔ محبت بے دلیل رہے گا اور قرب کی دولت نصیب نہیں ہوگی، آپ نے جو طویل فہرست اپنے اعمال کی تحریر فرمائی ہے اس میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے، بعض چیزیں اگرچہ خلاف سنت نہیں لیکن ان کا طریقہ غلط ہے، اگر آپ کا ارادہ اصلاح کا ہے اور آپ سنت کے مطابق زندگی بنا کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنا چاہتے ہوں تو لکھئے اور خط کو بھی بھیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ جملہ امور کو تفصیل کے ساتھ عرض کردیا جائے گا، خدائے پاک آپ کو اور مجھے اور سب مسلمانوں کو اتباع سنت کی پوری توفیق دے، آمین! فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

ایک نعت میں توسل سے دعاء

سوال[۳۰۲]: ایک نعت جس کے شروع میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح ہے، بعدہ اپنے اپنے بھائیوں کے لئے کچھ عرض ہے، اس قسم کے اشعار پڑھنا خلاف سنت ہے، یا کسی کو لکھ کر بھیجنا قرونِ ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اشعار:

نور سے تیرے سب ہوئے پیدا	آپ ہیں فخر شاہ و گدا
یا رسول اللہ وقت نزع آنا	وقت کٹھن ہے وقت نزع آنا
پھر سن لے سیاں ہماری	اتنا رہے خیال رہے اتنی بھرم شرم
دل تھر تھرائے وقت نزع آیا	محشر کے روز دوڑ کے دامن تھام لینا
کیوں نہ چھوڑوں سیاں ہماری	کیجئے سب کی دعاء قبول سب ملکر کہیں آمین

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے دعا کرنا تو ثابت ہے(۱)، اس کے علاوہ اس قسم کے اشعار قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں کسی صاحب نے پڑھے ہوں میری نظر سے نہیں گزرے اور یہ اشعار تو اشعار نہیں، نہ قافیہ صحیح، نہ ردیف درست، نہ وزن، خدا جانے ان کو اشعار کیسے کہہ دیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۰/۵ھ۔

---

(۱) "عن أنس أن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنهما كان إذا قحطوا استسقیٰ بالعباس بن عبد المطلب فقال: أللهم إنا كنا نتوسل إلیک بنبینا فتسقینا، و إنا نتوسل إلیک بعم نبینا فاسقنا فیسقون".
(صحیح البخاری: ۱/۵۲۶، ذکر عباس بن عبد المطلب، سعید)

"عن عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: إن رجلاً ضریر البصر أتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال: ادع اللہ أن یعافینی، فقال: "إن شئتَ دعوتُ، و إن شئتَ صبرتَ فهو خیر لک" قال: فادعه قال: فأمره أن یتوضأ فیحسن الوضوء، ویدعو بهذا الدعاء: "أللهم إنی أسألک و أتوجه إلیک بنبیک محمد نبی الرحمة، إنی توجهت بک إلی ربی لیقضی فی حاجتی هذه، أللهم فتشفعه فیَّ".
(مشکوة المصابیح، باب جامع الدعاء، الفصل الثالث: ص: ۲۱۹، قدیمی)

ما يتعلق بأحوال القبور والأرواح

(روح اور قبر کے احوال کا بیان)

علیین سجین کہاں ہیں؟

سوال[۳۰۴]: علیین سجین کون سے مقام ہیں؟ علیین کی روحیں آسمان پر جاتی ہیں اور سجین کی روحیں زمین کی طرف لوٹ آتی ہیں تو کس مقام پر روحیں آتی ہیں؟ آسمان پر جو روحیں مقید کرلی جاتی ہیں، کیا قیامت میں آسمان سے روحیں زمین پر حساب وکتاب کے لئے لائی جائیں گی؟

الجواب حامداً و مصلياً:

علیین اس مقام کا نام ہے جس میں اَرواحِ سعداء بعد الموت پہنچ جاتی ہیں، سجین اس مقام کا نام ہے جس میں اَرواحِ اشقیاء (بعد الموت) پہنچ جاتی ہیں (کذا فی فتح العزیز) (۱)۔ اَرواح کا باوجودِ علیین وسجین میں ہونے کے اپنی قبور واجسام کے ساتھ ایک نوع کا اتصال وتعلق رہتا ہے، کذا فی فتاویٰ ابن حجر الہیثمی (۲) اور یہ تعلق خاص اوقات میں زیادہ بھی ہوجاتا ہے، کذا فی شرح الصدور (۳)، لیکن اپنے گھروں میں آنا کسی

---

(۱) (فتح العزيز، سورة المطففين، ص: ۱۵۸، سعيد)

(۲) "و أما أهل التكليف، ففيهم خلاف كثير: عن أحمد: أنها في الجنة، وعن وهب أنها في دار يقال لها: البيضاء في السماء السابعة، وعن مجاهد: أنها تكون على القبور سبعة أيام من يوم دفن لا تفارقه: أي ثم تفارقه بعد ذلك. ولا ينافيه سنية السلام على القبور؛ لأنه لا يدل على استقرار الأرواح على أفنيتها دائماً؛ لأنه يسلم على قبور الأنبياء والشهداء و أزواجهم في أعلى عليين، و لكن لها مع ذلك اتصال سريع بالبدن لا يعلم كنهه إلا الله تعالى". (الفتاوى الحديثية، مطلب أرواح الأنبياء في أعلى عليين ...... الخ، ص: ۱۴، قديمي)

(۳) "و قال الحافظ ابن حجر في فتاواه: أرواح المؤمنين في عليين، و أرواح الكفار في سجين، و لكل روح بجسدها اتصال معنوي لا يشبه الاتصال في الحياة الدنيا، بل أشبه شيء به حال النائم، و إن كان هو أشد من حال النائم اتصالاً". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۹، دار المعرفة)

معتمد روایت حدیث سے ثابت نہیں، بغرضِ حساب سب اَرواح مقام حساب میں جمع کی جائیں گی، کذا فی تذکرة الموتیٰ فی القبور (۱)۔ اَرواح کے احوال ومقامات یکساں نہیں، بلکہ بہت مختلف ہیں، کذا فی کتاب الروح (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ۶/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۴/ ۶/ ۶۱ھ۔

مقام اَرواح

سوال[۳۰۵]: کلام مجید کی متعدد آیات مثلاً: ﴿ونفخ فی الصور﴾ الایة، سورہ یٰسین (۳)۔ ﴿ثم نفخ فیه أخری﴾ الایة سورۂ زمر (۴)۔ ﴿یوم یخرجون من الأجداث﴾ سورۂ معارج (۵) ونیز حدیث: "نم كنومة العروس" الحدیث۔(۶) سے ثابت ہوتا ہے کہ روح قبر میں رہتی ہے پھر یہ کہ علیین یا جنت میں رہتی ہے، اس کا کیا مطلب اور تطبیق ہے؟ کوئی حدیث بمقابلہ آیات کس دلیل سے معتبر مانی جائے گی؟

---

(۱) "فإذا صیح بأهل القبور، قاموا مذعورین عاجلین، ینظرون ما یراد بهم، لقوله تعالیٰ: ﴿ثم نفخ فیه أخری فإذا هم قیام ینظرون﴾ .... ثم قالوا: هذا ما وعد الرحمٰن و صدق المرسلون،، فكذبنا به، فأقروا حین لم ینفعهم الإقرار، ثم یؤمر بحشر الجمیع إلی الموقف للحساب" (التذكرة فی أحوال الموتی و أمور الآخرة، باب ذكر النفخ الثانی للبعث فی الصور، ص: ۲۰۲، مكتبه أسامة الإسلامیة)

(۲) "هذه مسئلة عظیمة تكلم فیها الناس، و اختلفوا فیها، و هی إنما تتلقی من السمع فقط، واختلف فی ذلک، فقال قائلون: أرواح المؤمنین عند الله فی الجنة، شهداءَ كانوا أم غیر شهداء .... الخ". (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة: أین مستقر الأرواح ما بین الموت إلی یوم القیامة، ص: ۱۲۱، فاروقیه پشاور)

(۳) (سوره یس: ۵۱)

(۴) (الزمر: ۶۸)

(۵) (المعارج: ۴۳)

(۶) (مشكوٰة المصابیح، باب إثبات عذاب القبر: ۱/ ۲۵، قدیمی)

(سنن الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر: ۱/ ۲۰۵، سعید)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ارواح کے مقامات اپنے اعمال وافعال کے اعتبار سے یکساں نہیں بلکہ متفاوت ہیں، نیز تمام ارواح دنیا سے جا کر قیامت تک کے لئے ایک جگہ محبوس نہیں رہتیں، لہذا اب کوئی اشکال نہیں، تطبیق ظاہر ہے:

''الأرواح متفاوتة فی مستقرها فی البرزخ أعظم تفاوت: فمنها أرواح فی أعلیٰ علیین فی الملأ الأعلی، و هی أرواح الأنبیاء صلوت الله و سلامه علیهم، و هم متفاوتون فی منازلهم کما رآهم النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم لیلة الإسرإ. و منها: أرواح فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنة حیث شاء ت، و هی أرواح بعض الشهداء لا جمیعم، بل من الشهداء تحبس روحه عن دخول الجنة لدین علیه وغیره، کما فی المسند عن محمد بن عبد الله بن جحش رضی الله عنه أن رجلاً جاء إلی النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم فقال: یا رسول الله! مالی أن قُتلت فی سبیل الله، قال: "الجنة" فلما ولیٰ قال: "إلا الدین، سارنی به جبریل علیه الصلاة والسلام انفاً". و منهم من یکون محبوساً علی باب الجنة کما فی حدیث اخر: "رأیت صاحبکم محبوساً علی باب الجنة". و منهم من یکون محبوساً فی قبره کحدیث صاحب الشملة التی غلّها، ثم استشهد فقال الناس: هنیئاً له الجنة، فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم: "والذی نفسی بیده! إن الشملة التی غلها لتشتعل علیه ناراً فی قبره".

و منهم من یکون مَقَرّه باب الجنة کما فی حدیث ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: "الشهداء علی بارق نهر بباب الجنة فی قبة خضراء، و یخرج علیهم رزقهم من الجنة بکرةً و عشیةً". و منهم من یکون محبوساً فی الأرض، لم تَعلُ روحه إلی الملأ الأعلی، فإنها کانت روحاً سفلیةً أرضیةً. و منها: أرواح تکون فی شور الزناة و الزوانی، وأرواح فی نهر الدم تسبح فیه و تلقح الحجارة، فلیس للأرواح سعیدها و شقیها مستقر واحد، بل روح فی أعلی علیین و روح أرضیة سفلیة لا تصور عن الأرض۔ وأنت إذا تأملت السنن والآثار فی هذا الباب و کان لك بها فضل اعتنا، عرفت حجةً ذلك، و لا تظن أن بین الآثار الصحیحة فی هذا الباب تعارضاً،

فإنها كلها حق يصدق بعضها بعضاً، لكن الشاق فی فهمها و معرفة النفس أحكامها، و أن لها شاناً غير شان البدن، وأنها مع كونها فی الجنة فهی فی السمآء، و تتصل بفناء القبر وبالبدن فيه، و هی أسرع شیء حركةً و انتقالاً و صعوداً و هبوطاً، و أنها تنقسم إلى مرسلة و محبوسة وعلوية و سفلية اهـ". كتاب الروح مختصراً، ص:١٨٤(١)، و شرح الصدور، ص:١٨(٢)

حافظ ابن قیم اور علامہ سیوطی نے اَور بھی اقوال نقل کئے ہیں، بعض کی تردید اور بعض کی تائید بھی کی ہے۔ سجین اور علیین کی تفسیریں بھی مختلف ہیں، علامہ ابوسعود "ارشاد العقل السلیم" :۸/ ۴۲۵، میں فرماتے ہیں:

"وسجين علم الكتاب جامع، هو ديوان الشر، دوّن فيه أعمال الشياطين و أعمال الكفرة والفسقة من الثقلين، منقول من وصف كخاتم، و أصله فعيل من السجن هو الحبس والتضيين؛ لأنه سبب الحبس والتضييق فی جهنم، أو لأنه مطروح كما قيل: تحت الأرض السابعة فی مكان مظلم وحش، و هو مسكن إبليس و ذريته، فالمعنى: إن كتاب الفجار الذين من جملتهم المطففون: أي ما يكتب من أعمالهم أو كتابة أعمالهم لفی ذلك الكتاب المدون فيه قبائح أعمال المذكورين اهـ. و عِلّيون عَلَم لديوان الخير الذی دوّن فيه كل ما أعملته الملائكة و صلحاء الثلقلين الخ"(٣).

هكذا فی المدارك (٤) "والسجين اسم لجهنم بإزاء العليين، و قيل: هو اسم للأرض السابعة" (٥) "وقوله: تسعى عليين فقد قيل: هو اسم أشرف الجنان كما أن سجيناً اسم شر النيران، و قيل: بل ذلك فی الحقيقة اسم مكانها اهـ. و هذا أقرب فی العربية إذا كان هذا الجمع يختص بالناطقين،

---

(١) (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشر: أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة؟ ص:١٥٠، ١٥١، مكتبه فاروقيه پشاور)

(٢) (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص:٢٣٧، ٢٣٨، دار المعرفة)

(٣) (تفسير أبی السعود المسمى بإرشاد العقل السليم إلى مزايا القرآن الكريم، (المطففين: ٧، ١٨): ٩/١٢٦، ١٢٧، دار احياء التراث العربی)

(٤) (المدارک (المطففين: ٧، ١٨): ٢/٧٨٥، ٧٨٦، قديمی)

(٥) (المفردات فی غريب القرآن، مادة: سجن، ص:٢٢٥، نور محمد)

ومعناه أن الأبرار في جملة هؤلاء، فيكون ذلك كقوله: ﴿أولئك مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين﴾ الأنبياء، كذا في المفردات(۱) "السجين صخرة نجومة تحت جهنم يكون فيها أرواح الكفار وكتب أعمالهم اهـ". مجمع البحار ۲/۹۹(۲)۔

صریح آیات وروایات میں قبور سے اٹھنے کا ذکر ہے، ان کا یہ مطلب نہیں کہ اُرواح ان قبور میں محبوس ہیں، بلکہ قبر سے فی الجملہ روح کو تعلق واتصال رہتا ہے اور اجسام جو کہ قبور میں مدفون ہیں وہ قبر ہی سے اٹھیں گی کیونکہ حشر جسم اور روح دونوں کا ہوگا:

"ثم إذا كان يوم القيامة الكبرى أعيدت الأرواح إلى الأجساد، وقاموا من قبورهم لرب العالمين و معادالأبدان متفق عليه بين المسلمين واليهود والنصارى اهـ". كتاب الروح، ص: ۸۲)(۳)۔

قبر میں سونا بھی ہر ایک کے لئے اور ہمیشہ کے لئے نہیں ہے، بعض کا تلاوت کرنا خود احادیث سے ثابت ہے(۴)۔ مسئلہ مذکورہ میں تو قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں جو بوقتِ تقابلِ حجت حدیث کو بیان کیا

---

(۱) (المفردات في غريب القرآن مادة: علا، ص: ۳۴۶، نور محمد)

(۲) (مجمع بحار الأنوار، مادة: سجن: ۳/۴۲، دائرة المعارف العثمانية)

(۳) (كتاب الروح، المسألة السادسة: هل الروح تعاد الى الميت في قبره وقت السوال أم لا ؟، ص: ۶۹، فاروقيه پشاور)

"فلا تزال الأرواح هناك حتى يتم عددها بنفخها في الأجساد ثم برجوعها إلى البرزخ، فتقوم الساعة، فيعيدها عزوجل إلى الأجساد، و هي الحياة الثانية". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۵، دارالمعرفة)

(۴) "و أخرج الترمذي و حسنه، والحاكم، والبيهقي عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: ضرب بعض أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم خباءً على قبر، وهو لا يحسب أنه قبر، و إذا فيه إنسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها. فأتى نبي الله فأخبره، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "هي المنجية، هي المانعة، تنجيه من عذاب القبر".

قال أبو القاسم السعدي في كتاب "الروح": هذا تصديق من النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم=

جاوے، فی نفسہ یہ چیز اصول فقہ میں مدلل ومبرہن موجود ہے کہ آیات کی حدیث کے ذریعہ سے تفسیر، بیان، تقیید، نسخ درست ہے یا نہیں (۱)۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/۶۳، میں ہے کہ نفخ صور تین مرتبہ ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مرنے کے بعد روح کا مقام

سوال [۳۰۶]: مرنے کے بعد روح جسم سے نکلنے پر کہاں قیام کرتی ہے؟ اس کا تعلق دنیا والوں کے ساتھ رہتا ہے یا نہیں؟ دنیا میں جو اس نے اچھے یا بُرے اعمال کئے ہیں اس کا بدلہ قیامت سے پہلے ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ارواح کے احوال بہت مختلف ہیں ایک حال نہیں، انبیاء کی ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں، شہداء کی اُرواح سبز پرندوں کے حواصل یعنی پوٹوں میں ہیں، جنت میں حسب خواہش چلتی پھرتی، کھاتی ہیں، مسلمان بچوں کی

= بأن الميت يقرأ في قبره، فإن عبد الله أخبره بذلک، و صدقه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم.

و روى أبو الحسن بن البراء، في كتاب "الروضة" عن عبد الله بن محمد بن منصور، حدثني إبراهيم الحفار، قال: حفرت قبراً فبدت لبنة، فشممت رائحة المسک حين انفتحت اللبنة، فإذا بشيخ جالس في قبره يقرأ القرآن.

"قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: المؤمن يعطى مصحفاً في قبره يقرأ فيه". (شرح الصدور، باب أحوال الموتى في قبورهم و أنسبهم فيها، ص: ۱۸۸، ۱۸۹، دار المعرفة)

(۱) "و إنما يجوز النسخ بالكتاب والسنة متفقاً و مختلفاً، فيجوز نسخ الكتاب بالكتاب والسنة، و كذا يجوز نسخ السنة بالسنة والكتاب، فهي أربع صور". (نور الأنوار: ۲۱۰)

(و كذا في الحسامي، ص: ۱۸۳، مجيديه ملتان)

(۲) فقوله تعالىٰ: ﴿و نفخ في الصور، فصعق من في السموات و من في الأرض إلا من شاء الله﴾ هذه النفخة هي الثانية، و هي نفخة الصعق ...... ثم يحي أول من يحي إسرائيل، ويأمره أن ينفخ بالصور مرةً أخرى، وهي النفخة الثالثة نفخة البعث، قال الله تعالىٰ: ﴿ثم نفخ فيه أخرىٰ فإذا هم قيام ينظرون﴾.

(تفسير ابن كثير: ۴/۸۲، دار السلام رياض)

ارواح جنت میں ہیں۔اتنی مقدار تو صاف صاف حدیث سے ثابت ہے،کذا فی فتاوی الحدیثیہ (۱)۔

بقیہ مکلفین کی ارواح میں اختلاف کثیر ہے:بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ قبور میں رہتی ہیں،بعض نے کہا ہے کہ قبور کے اوپر رہتی ہیں،بعض کی رائے ہے کہ مؤمنین کی ارواح جابیہ،یا چاہ زمزم میں ہیں اور کفار کی ارواح حضر موت کے جنگل میں ایک مقام جس کو''برہوت'' کہتے ہیں اس میں رہتی ہیں،بعض کہتے ہیں کہ ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جس کو''بیضاء'' کہتے ہیں اس میں رہتی ہیں۔ان میں سے بعض اقوال کو ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ مکی نے نقل کیا ہے(۲)اور بعض نے تردید کی ہے،اسی طرح ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الرّوح میں اکثر اقوال نقل کر کے بعض پر رد کیا ہے(۳)۔

شرح الصدور میں جلال الدین السیوطی نے اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا ہے کہ مرنے کے بعد دنیا والوں سے اتنا تعلق رہتا ہے کہ جو ثواب پہنچایا جائے وہ پہنچ جاتا ہے اور زندوں کے اچھے اور برے اعمال جن کا تعلق اس میت سے ہو ان کی بھی میت کو اطلاع کرائی جاتی ہے(۴)،کذافی کتاب الروح لابن

---

(۱)"وذكر ابن رجب أن الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم تكون أرواحهم في أعلى عليين، ويؤيده قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "أللهم الرفيق الأعلى". وأكثر العلماء: أن أرواح الشهداء في أجواف طيور خضرٍ لها قناديل معلقة بالعرش تسرح في الجنة حيث تشاء كما في مسلم وغيره ،وأمابقية المؤمنين فنص الشافعي رضي الله تعالىٰ عنه ورحمه على أن من لم يبلغ التكليف منهم في الجنة حيث شاؤوا، فتأوي إلى قناديل معلقة بالعرش". (الفتاوى الحديثية،مطلب أرواح الأنبياء في أعلى عليين وأرواح الشهداء في أجواف طيور خضر ......الخ، ص:۱۴ ،قديمي)

(۲)"وأخرج ابن أبي الدنياعن مالک:(بلغني أن الأرواح مرسلة تذهب حيث شاء ت)...... ورجح ابن عبد البر : أن أرواح غير الشهداء في أفنية القبور تسرح حيث شاء ت. وقالت فرقة : تجتمع الأرواح بموضع من الأرض،كما روى عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال :أرواح المؤمنين تجتمع بالجابية، وأما أرواح الكفار فتجتمع بسبخة حضر موت، يقال: لها برهوت ."(الفتاوى الحديثية المصدر السابق)

(۳)(كتاب الروح ، المسأله الخامسة عشرة : أين مستقر الأرواح ......؟، ص: ۱۲۱ ، فاروقيه پشاور)

(۴) "اختلف في وصول ثواب القرأة للميت ،فجمهور السلف والأئمة الثلاثة على الوصول .وخالف في ذلک إمامنا الشافعي ،مستدلاً بقوله تعالى :﴿وأن ليس للانسان الا ماسعى﴾.

"وأخرج أحمد ،والحكيم الترمذي في "نوادر الأصول "وابن منده عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه =

قیم الجوزیۃ (۱)۔

باقی اس روح کا اپنے دنیا والے مکان پر واپس آنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ پرانی روحیں نئی روح کا استقبال کرتی ہیں اور اس کی آمد سے خوش ہوتی ہیں اور اہل دنیا یعنی اپنے اقارب کے احوال کو دریافت کرتی ہیں، کذافی تذکرۃ الموتی فی القبور (۲)۔ اچھے اور برے اعمال کا اصلی بدلہ تو

= قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إن أعمالکم تعرض علی أقاربکم وعشائرکم من الأموات، فإن کان خیرًا استبشروا، وإن کان غیر ذلک، قالوا: أللھم لا تمتھم حتی تھدیھم کما ھدیتنا". (شرح الصدور، باب فی قرأۃ القرآن للمیت أو علی القبر، ص: ۳۰۲، وباب عرض أعمال الأحیاء علی الموتی، ص: ۲۵۷، دار المعرفۃ)

(۱) "أنھا تنتفع من سعی الأحیاء بأمرین مجمع علیھا بین أھل السنۃ من الفقھاء وأھل الحدیث والتفسیر: أحدھما: ما تسبب إلیہ المیت فی حیاتہ. والثانی: دعاء المسلمین لہ، واستغفارھم لہ، والصدقۃ، والحج، علی نزاعٍ مّا، الذی یصل من ثوابہ ھل ثواب الإنفاق أو ثواب العمل؟ فعند الجمھور یصل ثواب العمل نفسہ، وعند بعض الحنفیۃ إنما یصل ثواب الإنفاق. واختلفوا فی العبادۃ البدنیۃ کالصلوۃ، وقرأۃ القرآن، والذکر، فمذھب الإمام أحمد وجمھور السلف وصولھا، وھو قول بعض أصحاب أبی حنیفۃ. (تعرض أعمال الأحیاء علی الموتی، فإذا رأوا حسناً فرحوا واستبشروا، وإن رأوا سوءاً قالوا: أللھم راجع بہ)". (کتاب الروح، ھل ینتفع أرواح الموتی بشئ من سعی الأحیاء أم لا؟ ص: ۱۵۳، ھل تعرف الأموات زیارۃ الأحیاء وسلامھم أم لا؟ ص: ۱۴، فاروقیۃ پشاور)

(۲) "مردگان کہ پیشتر مردہ اند، وخوش شدن آنھا بملاقاتِ مردۂ حال، واستقبال کردن پسر کہ پیشتر مردہ باشد مردہ پدر را، چنانچہ غائب را استقبال میکنند، درحدیث دیگر ھم آمدہ." (تذکرۃ الموتی والقبور: ۱۴، مطبع مصطفائی لاھور)

(وکذا فی التذکرۃ فی أحوال الموتی وأمور الآخرۃ، باب ماجاء فی تلاقی الأرواح فی السماء والسؤال عن أھل الأرض وفی عرض الأعمال، ص: ۲۱، أسامۃ الاسلامیۃ)

"وأخرج ابن أبی شیبۃ فی "المصنف" وابن أبی الدنیا عن عبید بن عمیر، قال: إن أھل القبور لیستوکفون المیت کما یتلقی الراکب، یسألونہ، فإذا سألوہ: مافعل فلان ممن قد مات؟ فیقول: ألم یأتکم؟ فیقولون: إنا للہ وإنا الیہ راجعون: سلک بہ غیر طریقنا، ذھب بہ إلی أمہ الھاویۃ". (شرح الصدور، ملاقات =

قیامت کو ملے گا، بلکہ آثار ہر دو قسم کے قبر ہی بلکہ موت ہی سے شروع ہو جاتے ہیں، کذا فی أشعة اللمعات (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بعد الموت مقام روح

سوال [۳۰۷]: قصبہ بروٹ میں جو مولوی صاحب ہیں ان سے دریافت کیا کہ قیامت تک روح کس حالت میں اور کس جگہ رہتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ آپ دیوبند کے مدرسہ سے معلوم کریں، اس وجہ سے آپ سے اس بارے میں تفصیل مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مرنے کے بعد جسم سے جدا ہو کر روح برزخ میں چلی جاتی ہے قیامت تک وہیں رہے گی، برزخ کا ایک رخ اس دنیا کی طرف ہے کہ مرتے ہی روح وہاں پہنچ جاتی ہے زندگی میں نہیں جا سکتی، دوسرا رخ آخرت کی طرف ہے کہ قیامت کو وہاں سے آخرت میں منتقل ہو جائے گی، قرآن پاک اور حدیث شریف سے ایسا ہی ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۸۷ھ۔

= الأرواح للميت إذا خرجت روحه، ص: ۹۸، دار المعرفة)

(۱) "وبرهر تقدير از اقوالِ ايشان ظاهر ميشود كه مرده از بعد سوال وجواب ونمودنِ جائے نشست ودوزخ وفتح باب بان ميميرانند، ودر وقتِ بعث زنده ميگردانند، وأزاحاديث كه مذكوره شدند معلوم ميگرد كه مرده تا قيامت در گور درعذاب و نعمت وريح وراحت مى باشد". (أشعة اللمعات، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر: ۱/ ۱۲۰، مكتبه نوريه، سكهر)

(۱) "فلتعلم أن مذهب سلف الأمة وأئمتها أن الميت إذا مات يكون في نعيم أو عذاب، وأن ذلك يحصل لروحه وبدنه، وأن الروح تبقى بعد مفارقة البدن منعمةً أو معذبةً، وأنها تتصل بالبدن أحياناً، ويحصل له معها النعيم أو العذاب، ثم إذا كان يوم القيامة الكبرى، أعيدت الأرواح إلى الأجساد، وقاموا من قبورهم لرب العلمين، ومعاد الأبدان متفق عليه بين المسلمين واليهود والنصارى".

(كتاب الروح، المسألة السادسة: هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السؤال أم لا؟، ص: ۶۹، فاروقية پشاور) .... =

مرنے کے بعد روح کا مقام

سوال [۳۰۸] : انسان میں ایک روح ہے یا دو؟ اور مرنے کے بعد کس کس جگہ چلی جاتی ہیں اور ان کا نام کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان میں تین طرح کی روح ہوتی ہے، اول روح ہوائی، اس کو نسمہ، روحِ طبعی، بدن ہوائی بھی کہتے ہیں۔ دوم: نفس ناطقہ۔ سوم: روح ملکوت۔ کمافی الطاف القدس (۱)۔

مرنے کے بعد نیکوں کی روح علیین میں، بدوں کی سجین میں جاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۴/محرم/۵۳ھ۔

= "قال ابن حزم: وهو قول جميع أئمة الإسلام، وهو قول الله تعالى: ﴿فأصحاب الميمنة ما أصحاب الميمنة، و أصحاب المشأمة ما أصحاب المشأمة، والسابقون السابقون أولئك المقربون، في جنات النعيم﴾ وقوله: ﴿فأما إن كان من المقربين﴾ آخرها، فلاتزال الأرواح هناك حتى يتم عددها بنفخها في الأجساد، ثم برجوعها إلى البرزخ، فتقوم الساعة، فيعيدها عزوجل إلى الأجساد، وهي الحياة الثانية." (شرح الصدور، باب مقر الأرواح: ۲۳۴، ۲۳۵، دارالمعرفة)

(۱) (ألطاف القدس في معرفة لطائف النفس، ص: ۲۴-۲۸، اداره نشرو اشاعت نصرة العلوم)

(۲) "وقال كعب: أرواح المؤمنين في عليين في السماء السابعة، وأرواح الكفار في سجين في الأرض السابعة تحت جند إبليس". (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة: أين مستقر الأرواح مابين الموت إلى يوم القيامة، ص: ۱۲۱، مكتبه فاروقيه پشاور)

"فصعدتُ أنا وجبرئيل، فاستفتحت باب السماء، فإذا أنا بآدم تعرض عليه أرواح المؤمنين، فيقول: روح طيبة ونفس طيبة اجعلوها في عليين، ثم تعرض عليه أرواح ذريته الفجار، فيقول: روح خبيثة، ونفس خبيثه، اجعلوها في سجين". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۰، ۲۳۱، دار المعرفة)

(وكذافي التذكرة للقرطبي، باب مايكون منه عذاب القبر و اختلاف أحوال العصاة فيه بحسب اختلاف معاصيهم، ص: ۱۲۰، مكتبة أسامة الاسلامية)

مرنے کے بعد روح کا قبر سے تعلق

سوال[۳۰۹]: مرنے کے بعد روح کا تعلق قبر سے کب تک رہتا ہے؟ وحید الدین عبد الغنی شہر فتح پور، ۲۱/ربیع الاول/۶۴ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نفسِ تعلق قبر سے بعث تک رہے گا اور بعض اوقات میں یہ تعلق قوی ہوجاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

قبر میں مردہ میں روح ڈالی جائے گی

سوال[۳۱۰]: ﴿ربنا أمتنا اثنتين وأحييتنا اثنتين، فاعترفنا بذنوبنا، فهل إلى خروج من سبيل﴾(۲)۔

ترجمہ: اے رب! تو نے ہم کو دوبارہ موت دی اور دوبارہ زندہ کیا، ہم اپنے گناہوں کا اعتراف

---

(۱) "و بهذا يجمع بين ما ورد أن مقرها في عليين أو سجين، و بين ما نقله ابن عبدالبر عن الجمهور أيضاً أنها عند أفنية قبورها، قال: و مع ذلك فهي مأذون لها في التصرف، و تأوي إلى محلها من عليين أو سجين، قال: و إذا نقل الميت من قبر إلى قبر، فالاتصال المذكور مستمر، وكذا لو تفرقت الأجزاء". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح: ۲۳۹، دار المعرفة)

"و لا تظن أن بين الآثار الصحيحة في هذا الباب تعارضاً، فإنها كلها حق يصدق بعضها بعضاً، لكن الشأن في فهمها و معرفة النفس و أحكامها، وأن لها شأناً غير شأن البدن، و أنها مع كونها في الجنة، فهي في السماء، و تتصل بفناء القبر و بالبدن فيه، و هي أسرع شيء حركةً و انتقالاً و صعوداً و هبوطاً". (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة: أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة؟ ص: ۱۵۲، فاروقيه پشاور)

(۲) (المؤمن: ۱۱)

کرتے ہیں، کیا جہنم سے کوئی سبیل ہے؟

اس آیت کے مطلب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف دوبار موت اور دوبار زندگی انسان کو دی جائے گی۔اب رہی یہ بات کہ قبر میں مردے کے جسم میں روح ڈالی جائیگی، یہ تیسری زندگی ہوگی، اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ تیسری زندگی کون سی ہوگی وہ دلیل سے معلوم کریں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایک حدیث شریف میں موجود ہے کہ مردے میں روح قبر میں ڈالی جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۳/۹۱ھ۔

مرنے کے بعد روح کا شیطان کے قالب میں جانا

سوال[۲۱۱]: کیا آدمی مرنے کے بعد شیطان کے قالب میں جاتا ہے، جب شیطان کسی پر غالب ہوجاتا ہے اور اس کے کان میں "قل ھو اللہ أحد" اور سورۃ تعوذ وناس پڑھ کر ڈالا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے تو وہ اپنا نام ومقام بتلاتا ہے، اکثر نام مسلمانوں ہی کے رہتے ہیں۔ یہ کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مرنے کے بعد آدمی کا شیطان کے قالب میں جانا کسی مستند روایت سے ثابت نہیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ

---

(۱) "وأخرج ابن أبی الدنیا، وأبونعیم عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "إن ابن آدم لفی غفلة عما خلق له، ....فإذا حضره الموت، ارتفع ذلک الملکان، وجاء ملک الموت لیقبض روحه، فإذا دخل قبره ردت الروح إلی جسده ......الخ." (شرح الصدور، باب فتنة القبر وسؤال الملکین، ص: ۱۲۳، دارالمعرفة)

"أبونعیم عن أبی جعفر محمدبن علی، عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "إن ابن آدم لفی غفلة عماخلقه اللہ عزوجل ..... فإذاجاءه الموت، ارتفع ذلک الملکان، ثم جاءه ملک الموت علیه الصلاة والسلام، فیقبض روحه، فإذا أدخل حفرته ردالروح فی جسده، .....الخ". (التذکرة للقرطبی، باب متی یرتفع ملک الموت عن العبد، ص: ۱۲۲، مکتبه أسامة الاسلامیة)

کسی پر آتا ہو اور اپنا نام اس مرنے والے کا بتاتا ہو، یا کوئی اور جن شیطان آکر اپنا وہ نام بتاتا ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

روح کا قبر پر یا مکان پر آنا

سوال[۲۱۲]: کیا مرنے والے کی روح ہر پنجشنبہ کو مکان یا قبر پر آتی ہے؟

وحیدالدین عبدالغنی شہر فتح پور، ۲۱/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مکان پر آنے کی کوئی روایت معتبر نہیں، البتہ قبر سے تعلق قوی ہوجاتا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف

مرنے کے بعد روح کا مکان سے تعلق

سوال[۲۱۳]: مرنے کے بعد روح کا تعلق مکان سے کب تک رہتا ہے؟ وحیدالدین عبدالغنی شہر فتح پور، ۲۱/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

---

(۱) "وكانت الشياطين تتراءى لهم أحياناً، وقد يخاطبونهم من الصنم، ويخبرونهم ببعض الأمور الغائبة، أو يقضون لهم بعض الحوائج." (مجموعة الفتاوى لابن تيمية رحمه الله تعالىٰ، فصل في تزيين الشيطان العبادات البدعية لأهلها: ۱۰ / ۲۳۸، مكتبة العبيكان)

"قال عبدالله بن أحمد بن حنبل: قلت لأبي: إن قوماً يقولون: إن الجن لاتدخل في بدن الإنس؟ قال: يابني! يكذبون، هو ذا يتكلم على لسانه." (آكام المرجان في غرائب الأخبار وأحكام الجان، بيان دخول الجن في بدن المصروع، ص: ۱۰۷، مكتبه خير كثير)

(۲) (سيأتي تخريجه عنوان: "مرنے کے بعد روح کا مکان سے تعلق")(وقد تقدم تخريجه تحت عنوان: "مرنے کے بعد روح کا قبر سے تعلق")

الجواب حامداً و مصلیاً:

دفن سے پہلے پہلے میت کے ساتھ جو کچھ غسل، کفن، بکاء، ثناء کا معاملہ کیا جاتا ہے اس کو روح دیکھتی ہے اور اس وقت تک فرشتہ کے قبضہ میں رہتی ہے، دفن کے وقت قبر میں داخل ہو کر جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور سوال وجواب قبر شروع ہو جاتا ہے، صرّح بہ السیوطی فی شرح الصدور، ص:۳۹(۱)، اس کے بعد مکان سے تعلق رہنا اور مکان پر آنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،

صحیح: عبد اللطیف۔

کیا مرنے کے بعد روح گھر آتی ہے؟

سوال[۳۱۴]: عمر کہتا ہے کہ اس دنیا میں اُرواح طیبہ ہوں یا خبیثہ واپس نہیں آسکتیں اور یہاں آکر کسی قسم کا تصرف بھی نہیں کرسکتیں، وہ دلائل پیش کرتا ہے کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''اشرف الجواب'' جلد دوم، ص:۱۱۹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''مردہ کی روح دنیا میں واپس نہیں آتی'' اور اس بارے میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے دلائل پیش کیے ہیں (۲) اور بکر کہتا ہے کہ مردہ کی اُرواح دنیا میں واپس آسکتی ہیں اور تصرفات بھی کرسکتی ہیں، دلائل میں فتاویٰ دار العلوم فقہی ترتیب والا جدید ایڈیشن، جلد پنجم وششم

---

(۱) "و أخرج عن حذيفة قال: الروح بيد ملك، و إن الجسد ليغسل، وإن الملك ليمشي معه إلى القبر، فإذا سوي عليه سلك فيه، فذلك حين يخاطب.

و أخرج البيهقي عن حذيفة قال: إن الروح بيد الملك، والجسد يقلب، فإذا حملوه تبعهم، فإذا وضع في القبر بثه فيه.

و أخرج عن ابن أبي نجيح، قال: ما من ميت يموت إلا و روحه في يد ملك، ينظر إلى جسده، كيف يغسل، و كيف يكفن، و كيف يمشي به إلى قبره، ثم تعاد إليه روحه، فيجلس في قبره".

(شرح الصدور، باب معرفة الميت بمن يغسله و يجهزه .... الخ، ص: ۱۰۱، دار المعرفة)

(۲) (اشرف الجواب: ۱/۱۶۳، رحمانیہ لاہور)

کے ص: ۱۴۰ سے یہ احادیث پیش کرتا ہے(۱):

"قال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و سلم: "إذا خرج الروح من ابن آدم ثلاثة أیام یقول الروح: یا رب! ائذن لی حتی أجیء و أنظر إلی جسدی الذی کنت فیه، فیأذن اللّٰه له فیجیء إلی قبره و ینظر إلیه من بعید" إلیٰ آخر الحدیث۔

دوسری حدیث:

"قال ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما: إذا کان یوم العید ویوم العاشوراء و یوم الجمعة الأولیٰ من رجب و لیلة النصف من شعبان و لیلة القدر و لیلة الجمعة، تخرج أرواح الأموات من قبورهم و یقفون علیٰ أبوابهم و علیٰ أبواب بیوتهم"۔

تیسری حدیث:

"عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أنه قال: إذا مات المؤمن دارت روحه حول داره شهراً". هکذا فی دقائق الأخبار، ص: ۱۸، للإمام الشیخ عبدالرحیم القاضی، و بهامشه کتاب الدر الحسان فی البعث ونعیم الجنان للسیوطی رحمه اللّٰه تعالیٰ۔

جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی دیوبندی مذکورہ بالا فتویٰ کے ص: ۱۴۲(۲) میں فرماتے ہیں کہ "جو دلائل بکر نے پیش کئے ہیں ناکافی ہیں"۔ اب ہم آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ بکر نے جو احادیث پیش کی ہیں کیا یہ سب صحیح ہیں؟ اور مہربانی کر کے اس تعارض کو دور کر کے ہمیں اطمینان عطا فرماویں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

انتقال کے بعد ارواح کا دنیا میں مکان پر آنا یا نہ آنا، نہ تو ان مسائل اعتقادیہ میں سے ہے جن پر ایمان لانا فرض ہو اور نہ ہی مسائل فقہیہ جزئیہ میں سے ہے کہ جس کو حل کئے بغیر عمل ممکن نہ ہو، اس لئے اس الجھن میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے، مردوں کی ارواح کا مکان پر آنا نہ تو قرآن کریم کی کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی صریح حدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ جن احادیث کا حوالہ آپ نے دیا ہے انہیں اصحاب صحاح نے اختیار

(۱) (فتاوی دار العلوم دیوبند (امداد المفتیین): ۲/۱۲۱، ۱۲۲، دار الاشاعت)

(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، المصدر السابق)

نہیں کیا ہے اور وہ اس پایہ کی نہیں کہ اس سے کسی ضروری مسئلہ کا اثبات کیا جا سکے، اصولی بات وہی ہے جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشرف الجواب، ص:۱۱۹ میں تحریر فرمائی ہے کہ مردہ اگر منعم علیہ ہے تو اسے یہاں آکر لپٹتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر معذب ہے تو فرشتگان عذاب کیونکر چھوڑ سکتے ہیں (۱)، باقی اگر اللہ جل شانہ کسی روح کو اجازت دیدیں تو کوئی وجہ رکاوٹ کی بھی نہیں۔

میت کے انتقال کے بعد اپنے گھر والوں اور متعلقین سے کچھ امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور وہ متعلقین سے امیدوار رہتی ہیں، ہوتا یہ ہے کہ وہ امید اور تعلق ہی لوگوں کو متمثل ہوکر ظاہر ہوجاتے ہیں، مثلاً یہ کہ روح دروازہ پر کھڑی ہے، کھانا مانگتی ہے اور ضروریات طلب کرتی ہے، یہ حقیقت نہیں ہوتی بلکہ تمثل ہوتا ہے، کیونکہ ارواح کو اس عالم میں دنیاوی ضرورت کی نہ تو حاجت ہوتی ہے اور نہ ہی یہ چیزیں ان کے لئے وہاں مفید ہوسکتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایصال ثواب کے طور پر جو چیزیں میت کی روح کو بخشی جاتی ہیں وہ بھی اس اصلی صورت میں نہیں بلکہ اخروی نعمتوں کی صورت میں متشکل ہوکر پیش ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۶ھ۔

ارواح کا اپنے گھر آنا مخصوص ایام میں

سوال [۳۱۵]: تیجہ، جمعراتیں، چالیسواں اور برسی وغیرہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بعض تصنیفات میں لکھا ہے کہ: ہر جمعرات کو میت کی روح اپنے پس ماندگان کی طرف رجوع کرتی ہے اور خیرات وصدقات کی امیدوار ہوتی ہے اور اسی طرح ایک سال کے اختتام پر بھی اس کا رجوع متحقق ہوجاتا ہے۔ کیا یہ قول صحیح سند سے کسی حدیث مرفوع یا موقوف صحیح یا ضعیف یا علماء متقدمین میں سے کسی امام مجتہد کے قول سے مؤید ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نہیں، بلکہ یہ جملہ امور بدعت ہیں، نفس ایصال ثواب بغیر تعیین تاریخ والتزام مالا یلزم خیرات بدنیہ و مالیہ کا شرعاً درست اور باعث اجر ہے: "قال: ابن الحاج في المدخل: و لا بأس بفعل الصدقة عن

(۱) (اشرف الجواب: ۱/۱۶۳، رحمانیہ لاہور)

المیت للمحتاجین و للمضطرین لا للجمع علیه ما لم یتخذ ذلك شعاراً یستن به ، ثم قال: و كذالك یحذر مما أحدثه بعضهم من فعل الثالث للمیت و عمل الأطعمة حتی صار عندهم أمراً معمولاً به، و یشبعونه كأنه ولیمة عرس، و یجمعون لأجله الجمع الكثیر من الأهل والأصحاب الخ(۱)".

قال: فی الفتح و یكره إتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور، و هی بدعة مستقبحة"(۲). وفی البزازیة: ویكره إتخاذ الطعام فی الأول والثالث و بعد الأسبوع، و نقل الطعام إلی القبر، و إتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع المصلی و القراء ة للختم أو لقراء ة سورة الأنعام و سورة الإخلاص، والحاصل أن إتخاذ الطعام عند قراء ة القرآن لأجل الأكل مكروه" الخ (۳).

"قال العلامة الشامی: وأطال فی ذلك فی المعراج و قال: هذه الأفعال كلها للسمعة والریاء، فیحترز عنها؛ لأنهم لا یریدون به وجه اللّٰه تعالیٰ اهـ (٤)"۔

"قلت: لا شك فی دعوی صاحب المعراج؛ لأن الذی یرید وجه اللّٰه تعالیٰ لا یطعم الأغنیاء، و لا یفتخر بكثرة الناس و قلّتهم، و لا یعیّن الیوم والشهر، بل لا یتصور إرادة وجه اللّٰه تعالیٰ بإرتكاب ما لا یرضی اللّٰه، و كل ما لا ترد السنة فهو داخلٌ فیما لا یرضی اللّٰه الخ "۔ (تبلیغ الحق، ص: ٧٠٦)۔

اشعۃ اللمعات میں اس کو بلاسند و بلاحوالہ نقل کیا ہے(۵)، صحاح ستہ میں یہ مضمون کہیں موجود نہیں اور

---

(۱) (المدخل لابن أمیر حاج المالكی، فصل : و یستحب تهیئة طعام لأهل المیت الخ:۳/۱۸۹)

(۲)(فتح القدیر، باب الجنائز، قبیل باب الشهید :۲/ ۱۴۲، مصطفی البابی الحلبی)

(۳) (البزازیة علی هامش الهندیة، كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز ، قبیل السادس والعشرون فی حكم المسجد :۴/ ۸۱، رشیدیه)

(۴) (رد المحتار ، باب صلوة الجنازة ، مطلب فی كراهة الضیافة من أهل المیت:۲/ ۲۴۰، سعید)

(۵) "ودر بعضِ روایات آمده است كه روحِ میت می آید خانۂ خودرا شبِ جمعه، پس نظر میكند كه تصدق میكندا زوے یا نه. واللّٰه اعلم". (اشعة اللمعات، مكتبه نوریه رضویه،سكهر)

بھی کسی صحیح معتبر روایت میں نظر سے نہیں گزرا، بلکہ صحاح کی روایت اس کے خلاف ہیں:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "إذا أقبر الميت، أتاه ملكان أسودان أزرقان، يقال لأحدهما: المنكر، و للآخر: النكير، فيقولان: ما كنت تقول في هذا الرجل؟ فيقول: هو عبد الله و رسوله، أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله. فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول هذا، ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعاً في سبعين، ثم ينور له فيه، ثم يقال له نم، فيقول: أرجعُ إلى أهلي فأخبرهم، فيقولان: نم كنومة العروس الذي لا يوقظه إلا أحب أهله إليه حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك. وإن كان منافقاً، قال: سمعت الناس يقولون قولاً فقلت مثله، لا أدري، فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول ذلك، فيقال للأرض: التئمي عليه، فتلتئم عليه فتختلف أضلاعه، فلا يزال فيها معذباً حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك"۔ رواه الترمذي" مشكوة شريف، ص: ۴۳ (۱)۔

ائمہ مجتہدین میں سے بھی کسی کا قول اس کی تائید میں نہیں دیکھا، "دقائق الاخبار، خزانات الروایات، کنز العباد" میں ایسی روایات مذکور ہیں، مگر یہ کتب خود ہرگز ایسے امور میں قابلِ اعتماد نہیں، جب تک حدیث کی معتبر کتب سے تائید نہ ہو، چنانچہ النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير، وغیرہ میں ان کتب کو نا قابل

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب إثبات عذاب القبر: ۲۵/۱، قديمي)

(وأخرجه الترمذي في جامعه، أبواب الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر: ۲۰۵/۱، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه موقوفاً قال: "إذا وضع الميت في قبره أتاه آت من ربه، فيقول له: من ربك؟ فإن كان من أهل التثبيت ثبت، و قال: الله ربي، ثم يقال له: ما دينك؟ فيقول: الإسلام. فيقول: من نبيك؟ فيقول: محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فيرى بُشراه و يبشر، فيقول: دعوني أرجع إلى أهلي فأبشرهم، فيقال له: نم قرير العين إن لك إخواناً لم يلحقوا. و إن كان من غير أهل الحق والتثبيت قيل له: من ربك؟ فيقول: هاه، كالوا له، ثم يضرب بمطراق يسمع صوته الخلق إلا الجن والإنس. ويقال له: نم كنومة المنهوس". (التذكرة للقرطبي، باب ما جاء في عذاب القبر و أنه حق، ص: ۱۵۳، مكتبه أسامة الإسلامية)

اعتماد قرار دیا ہے(۱) نیز ان روایات میں یہ بھی مذکور ہے: ''جب ورثہ میت کچھ ایصال ثواب نہیں کرتے تو اُرواحِ موتی ان کو سب وشتم کر کے اوران پر لعنت کر کے واپس ہوتی ہیں''۔ یہ چیز بالکل اصول کے خلاف ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''کتاب الروح'' میں، قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''تذکرۃ الموتی فی القبور'' میں، سیوطی نے ''شرح الصدور'' میں روح کے احوال اور قبر کے احوال پر تفصیلی بحث کی ہے مگر روایاتِ مسئولہ کو ان حضرات نے ذکر نہیں کیا، حالانکہ مؤخر الذکر جامع بین الرطب والیابس ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

کیا موت کے بعد ایک مہینہ تک روح مکان کے ارد گرد گھومتی ہے؟

سوال[۱۶۱۳]: کتاب ''صبح کا ستارہ'' کا مصنف ''روح'' کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب مومن مرجاتا ہے تو اس کی روح اس کے گھر کے آس پاس مہینہ بھر تک پھرا کرتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کا مال کس طرح بانٹتے ہیں اور اس کا قرض کس طرح ادا کیا جائے؟ پھر ایک مہینہ کے بعد قبر کے گرد سال بھر پھرتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کے لئے کون دعاء مانگتا ہے اور کون غمگین ہوتا ہے، پھر جب سال پورا ہو جاتا ہے تب اس کو جہاں سب روحیں جمع رہتی ہیں لیجاتے ہیں اور نفخ صور تک وہیں رہتی ہے'': ۲۸ تا ص: ۲۹۔ کیا یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ہے؟

---

(۱) ''وکذا ''کنز العباد'' فإنه مملوء من المسائل الواهية والأحاديث الموضوعة، لا عبرة له، لا عند الفقهاء ولا عند المحدثين، قال علي القاري في ''طبقات الحنفية'': علي بن أحمد الغوري له كتاب جمع فيه مكروهات المذهب، سماه ''مفيد المستفيد'' وله ''كنز العباد في شرح الأوراد''، قال العلامة جمال الدين المرشدي: فيه أحاديث سمجة موضوعة، لا يحل سماعها. انتهى.

وكذا ''مطالب المؤمنين'' نسبه ابن عابدين في ''تنقيح الفتاوى الحامدية'' إلى الشيخ بدر الدين بن تاج بن عبد الرحيم اللاهوري، و ''خزانة الروايات'' نسبه صاحب ''كشف الظنون'' إلى القاضي جكن الحنفي الهندي الساكن بقصبة ''كن'' من الكجرات'' فإن هذه الكتب مملوءة من الرطب واليابس مع ما فيها من الأحاديث المخترعة والأخبار المختلقة''. (مجموعة رسائل اللكنوي، النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير: ۳/ ۳۲، ۳۳، إدارة القرآن)

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ روایت صحاح میں نہیں، بلکہ صحاح کی روایات کے خلاف اور نا قابل تسلیم ہے(۱)، ایسی بے سند روایات اہلِ بدعت کے لئے سامانِ ضلالت اور فتنہ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۴/۹۲ھ۔

میت کا تعلق زندوں سے

سوال [۳۱۷] : مرنے والے کو مرنے کے بعد اپنے ماں باپ سے کوئی تعلق رہتا ہے؟ وحید الدین عبد الغنی شہر فتحپور ۲۱ ربیع الاول ٦٤ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

رہتا ہے، اس طرح کہ میت کو ان کے اعمال کی اطلاع دی جاتی ہے، اگر اچھے اعمال ہیں تو میت کی روح کو خوشی ہوتی ہے، اگر برے اعمال ہیں تو رنج ہوتا ہے اور وہ روح ان کی اصلاح کی دعاء کرتی ہے اور یہ تعلق

---

(۱) مومنین کی ارواح علیین میں ہوتی ہیں اگر چہ ان کا تعلق قبر میں جسم کے ساتھ رہتا ہے۔

"قلنا: وجه التوفيق أن مقر أرواح المؤمنين في عليين أو في السماء السابعة و نحو ذلك كما مر، ومقر أرواح الكفار في سجين، و مع ذلك لكل روح منها اتصال لجسده في قبره اهـ". (التفسير المظهري : ۱۰/ ۲۲۵، حافظ كتب خانه كوئٹه)

"عن كعب بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "إن أرواح الشهداء في أجواف طير خضرٍ تعلق من ثمر الجنة أو شجر الجنة". (الترغيب والترهيب : ۲/ ۳۱٦، ما جاء في فضل الشهيد، كتاب الجهاد)

"عن أم بشر امرأة أبي معروف قالت: سألت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم أنتزاوَر يا رسول الله، إذا متنا يزور بعضنا بعضاً؟ فقال: "تكون النسم طيراً تعلق بشجرة حتى إذا كان يوم القيامة دخلت في جنتها". (شرح الصدور ، ص: ۲۲۸، باب مقر الأرواح ، دار المعرفه بيروت)

ماں باپ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جمیع اقرباء ومتعارفین سے رہتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح :عبداللطیف

نئے مردہ کا پہلے مردوں سے ملنا

سوال[۳۱۸] : مرنے کے بعد پہلے مرے ہوئے ملتے ہیں یا نہیں اور دنیا کا خیال آتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دنیا کا خیال آتا ہے، اگر اعمال اچھے ہیں، حساب صاف ہے تو سب سے ملنے کی اجازت ہوجاتی ہے، ورنہ عذاب میں رہتا ہے اور دنیا والوں سے ملنا چاہتا ہے مگر فرشتے سوال کے بعد کہہ دیتے ہیں "نم کنومة العروس"۔یعنی دلہن کی طرح آرام سے سوجا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۴/۱۲/۵۳ھ۔

صحیح :عبداللطیف ۲۵/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

---

(۱) "و أخرج أحمد و الحكيم الترمذي: في "نوادر الأصول" و ابن منده عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إن أعمالكم تعرض على أقاربكم و عشائركم من الأموات، فإن كان خيراً، استبشروا، و إن كان غير ذلك، قالوا :أللهم لا تمتهم حتى تهديهم كما هديتنا". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور ،باب عرض أعمال الأحياء على الموتى، ص:۲۵۷، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في مسند الإمام أحمد :۲۴۳/۳، مسند أنس بن مالك ، رقم الحديث: ۱۲۲۷۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي أسيد بن ربيعة الساعدي رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينا نحن عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاءه رجل من بني سلمة، فقال: يا رسول الله ! هل بقي من بر أبويّ شيء أبرّهما به بعد موتهما ؟ قال: "نعم، الصلاة عليهما، والاستغفار لهما، و إنفاذ عهدهما من بعدهما، وصلة الرحم التي لا توصل إلا بهما ، وإكرام صديقهما". (سنن أبي داؤد ، باب بر الوالدين: ۳۵۳/۲ ، مكتبه امداديه)

(۲)"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" إذا أقبر الميت" أوقال: "أحدكم، أتاه ملكان أسودان أزرقان ، يقال لأحدهما: المنكر، والأخر: النكير، فيقولان: ماكنت =

جولوگ پہلے مرچکے ان سے بعد میں مرنے والوں کی ملاقات

سوال [۳۱۹] : ایک ایمان دار شخص مرگیا اس سے پہلے جولوگ مرچکے ہیں ان سے ملاقات ہوتی ہے یا قیامت میں ملاقات ہوگی؟ اسی طرح کسی کا بچہ مرگیا اس کے بعد باپ بھی مرگیا تو بچہ اسے برزخ میں ملے گا یا قیامت میں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ملاقات ہوتی ہے، کذا فی شرح الصدور (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= تقول فی هذاالرجل؟ فیقول ماکان یقول: هوعبدالله ورسوله أشهد أن لاإله إلاالله وأن محمداً عبدهٗ ورسوله، فیقولان: قدکنا نعلم أنک تقول هذا، ثم یفسح له فی قبره سبعون ذراعاً فی سبعین، ثم ینورله فیه، ثم یقال له: نم، فیقول: أرجع إلی أهلی فأخبرهم، فیقولان: نم کنومة العروس الذی لایوقظه إلا أحب أهله إلیه حتی یبعثه الله من مضجعه ذلک. وإن کان منافقاً، قال: سمعت الناس یقولون فقلت مثله، لا أدری، فیقولان: قدکنا نعلم أنک تقول ذلک، فیقال للأرض: التئمی علیه، فتلتئم علیه فتختلف أضلاعه، فلا یزال فیها معذباً حتی یبعثه الله من مضجعه ذلک." (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر: ۱/۲۰۵، سعید)

(مشکوة المصابیح، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۲۵، قدیمی)

(وکذافی شرح الصدور، باب فتنة القبروسؤال الملکین، ص: ۱۳۴، دارالمعرفة)

(۱) "وأخرج ابن أبی الدنیا عن سعید بن جبیر رضی الله تعالیٰ عنه قال: إذامات المیت، استقبله ولده کما یستقبل الغائب".

"وأخرج عن ثابت البنانی، قال: بلغنا أن المیت إذامات احتوشه أهله وأقاربه الذین قد تقدموه من الموتی، فلَهُو أفرح بهم، ولَهُم أفرح به من المسافرإذاقدم إلی أهله". (شرح الصدور، باب ملاقات الأرواح للمیت إذاخرجت روحه.....الخ، ص: ۹۷، ۹۸، دارالمعرفة)

(وکذا فی التذکرة فی أحوال الموتی وأمور الآخرة، للقرطبی، باب ماجاء فی تلاقی الأرواح فی السماء.....الخ، ص: ۶۱، مکتبه أسامة الاسلامیة)

"وقال سعید بن المسیب: إذامات الرجل استقبله ولده کما یستقبل الغائب." (کتاب الروح، المسئلة الثانیة: هل تتلاقی أرواح الموتی وتتذاکر؟، ص: ۳۰، فاروقیه پشاور)

اموات کی باہمی ملاقات

سوال[۳۲۰]: ایک ایماندار شخص مرگیا، اس سے پہلے جو مر گئے ان سے ملاقات ہوتی ہے یا قیامت ہی میں ملاقات ہوگی؟ اسی طرح کوئی بچہ مرگیا اور اس کا باپ بھی، تو اپنے بچہ سے برزخ میں ملے گا یا قیامت میں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ملاقات ہوتی ہے، کذا فی شرح الصدور (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۴ھ۔

وفات کے بعد بزرگوں کی ملاقات

سوال[۳۲۱]: بعد انتقال کے شہید ہو یا بزرگ جو مقبول ہوں، اللہ کے یہاں وہ جاگتے میں مل سکتے ہیں اور سونے میں خواب میں مل سکتے ہیں یا نہیں، اور مزار پر اولیاء اللہ کا تصور ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ تعالیٰ کی اجازت ہو تو مل بھی سکتے ہیں، خواب میں بھی ان سے ملاقات ہوسکتی ہے، مراقبہ میں اہل

---

(۱) "وأخرج ابن أبي الدنيا عن سعيد بن جبير رضي الله تعالىٰ عنه قال: إذا مات الميت، استقبله ولده كما يستقبل الغائب".

"وأخرج عن ثابت البناني، قال: بلغنا أن الميت إذا مات احتوشه أهله وأقاربه الذين قد تقدموه من الموتى، فلَهُو أفرح بهم، ولهم أفرح به من المسافر إذا قدم إلى أهله". (شرح الصدور، باب ملاقاة الأرواح للميت إذا خرجت روحه.....الخ، ص: ۹۷، ۹۸، دار المعرفة)

"وقال سعيد بن المسيب: إذا مات الرجل، استقبله ولده كما يستقبل الغائب." (كتاب الروح، المسألة الثانية: هل تتلاقى أرواح الموتى وتتذاكر، ص: ۳۰، مكتبه فاروقيه پشاور)

(و كذا في التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة، للقرطبي، باب ما جاء في تلاقي الأرواح في السماء.....الخ، ص: ۲۱، مكتبه أسامة الاسلامية)

حضرات کو بزرگان دین کا تصور بھی ہوسکتا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

بزرگوں کی ارواح سے ملاقات کا دعویٰ

سوال[۳۲۲]: ایک پیرصاحب نے اپنے مرید سے کہا کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کو ڈھونڈ کر لاؤ، وہ مرید پہلے شانتی باغ گئے، اس کے بعد بیت المقدس گئے، پھر مدینہ منورہ گئے، وہاں حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا نماز میں حاضر نہیں ہوں گا، دعاء میں ضرور شامل ہوں گا، کچھ جگہ چھوڑ دو، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاک روح اور بڑے پیرصاحب کی روح حاضر ہوگی۔ یہ تمام باتیں پیرصاحب نے اعتکاف کے عالم میں کہیں، یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق عامۂ محدثین تو کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے، مگر صوفیاء ان کی حیات کے قائل ہیں(۲)، کچھ ان کے مکاشفات ومشاہدات ہیں جن کی بناء پر وہ ایسا کہتے ہیں، یہ بھی ممکن

---

(۱)"وقال اليافعي: رؤية الموتى في خير أو شرّنوع من الكشف،يظهره الله تبشيراً أو موعظةً،أو لمصلحة للميت من إيصال خيرله أوقضاء دين أو غير ذلك ،ثم هذه الرؤية قدتكون في النوم وهو الغالب ،وقد تكون في اليقظة وذلك من كرامات الأولياء وأصحاب الأحوال ".(شرح الصدور،باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، ص: ۲۲۰ ،دارالمعرفة)

"فالتقاء أرواح الأحياء والموتى نوع من أنواع الرؤياالصحيحة التي هي عند الناس من جنس المحسوسات ."(كتاب الروح ،المسألة الثالثة: هل تتلاقى أرواح الأحياء وأرواح الأموت؟، ص: ۴۲، مكتبه فاروقية پشاور)

(۲)"وقال ابن الصلاح : هوحي عند جمهورالعلماء والعامة معهم في ذلك، وإنما شذ بإنكاره بعض المحدثين، وتبعه النووي، وزاد أن ذلك متفق عليه بين الصوفية وأهل الصلاح ."(فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء،باب حديث الخضرمع موسى عليهما السلام : ۶/ ۵۳۶،قديمي)

(وكذا في شرح مسلم للنووي، كتاب الفضائل،باب من فضائل الخضرعليه الصلاةوالسلام : ۲/ ۲۶۹ ،قديمي)

(و كذا في روح المعاني،(الكهف: ۶۵): ۱۵/ ۳۲۱،۳۲۲،داراحياء التراث العربي)

ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے مکاشفہ سے کوئی شخص دیکھ لے اور ان سے بات کر لے اور ان کو دعوت دے کر بلا لے اور وہ تشریف بھی لے آئیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کسی نیک نصیب کے مکان پر رونق افروز ہوجائے، ممکن ہے کہ جسدِ اطہر کے ساتھ تشریف لائیں (۱) اور یہ بھی ممکن ہے کہ بڑے پیر صاحب کی روح آجائے، مگر ان کی روح مبارکہ کے لئے جگہ چھوڑنا بیکار اور بے معنی ہے، جس طرح ان کی تشریف آوری اور یہ لمبی مسافت کا قطع کرنا بغیر سواری کے ہے اور محسوس طریقہ پر نہیں ہے ،اسی طرح مجلس میں بیٹھنے کے لئے محسوس جگہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں، بعض آدمیوں کو قوتِ خیالیہ کے غلبہ سے بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فلاں شخص آئے اور ان کے لئے جگہ چھوڑتے ہیں، میرے جاننے والے بھی ایک صاحب دماغی مریض تھے وہ تو ایسی ارواح کے لئے کھانا پکوانے کی بھی تاکید کرتے تھے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وسئل نفع الله بعلومه ورضي عنه: هل يمكن الآن الاجتماع بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في اليقظة والتلقي عنه؟ فأجاب بقوله: نعم، يمكن ذلك، فقد صرح بأن ذلك من كرامات الأولياء الغزالي، والبارزي، والتاج السبكي، والعفيف اليافعي من الشافعية، والقرطبي، وابن أبي جمرة من المالكية، وقد حكى عن بعض الأولياء أنه حضر مجلس فقيه فروى ذلك الفقيه حديثاً، فقال له الولي: هذا الحديث باطل، قال: ومن أين لك هذا؟ قال: هذا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واقف على رأسك يقول: "إني لم أقل هذا الحديث" وكشف للفقيه فرآه". (الفتاوى الحديثية، مطلب: يمكن الاجتماع بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الآن يقظةً، ص: ۳۹۱، قديمي)

"وقال: بعد نقل أحاديث وآثار ما نصه: فحصل من مجموع هذا الكلام النقول والأحاديث أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حي بجسده وروحه، وأنه يتصرف ويسير حيث شاء في أقطار الأرض وفي الملكوت، وهو بهيئته التي كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شيء، وأنه مغيب عن الأبصار كما غيبت الملائكة مع كونهم أحياءً بأجسادهم، فإذا أراد الله تعالى رفع الحجاب عمن أراد إكرامه برؤيته، رآه على هيئته التي هو عليه الصلوة والسلام عليها، لامانع من ذلك، ولا داعي إلى التخصيص برؤية المثال. وذهب رحمه الله تعالىٰ إلى نحو هذا في سائر الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، فقال: إنهم أحياء رُدّت إليهم أرواحهم بعد ما قبضوا، وأذن لهم في الخروج من قبورهم، والتصرف في الملكوت العلوي والسفلي." (روح المعاني، (الأحزاب: ۴۰): ۲۲/ ۳۶، ۳۷، دار إحياء التراث العربي)

میت کا مدت دراز کے بعد سامنے آ کر ملاقات کرنا

سوال [۳۲۳]: ایک مرحوم بزرگ اپنے مرنے کے پانچ سو برس بعد زندہ انسانوں کی طرح ایک شخص کو ملے اور ایک خط کا جواب لکھ کر سنایا۔ کیا ایسا واقعہ پیش آ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ پاک کی طرف سے کسی کو اگر اس کی اجازت مل جائے تو قدرتِ حق سے یہ چیز خارج نہیں، لیکن اس قسم کے واقعات مثالی طور پر قرآن پاک اور احادیث شریف میں مذکور نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا بطور معجزہ کے مردوں کو زندہ فرمانا قرآن پاک (۱) اور حدیث شریف میں مذکور ہے (۲)، پانچ سو سال کے بعد کسی بزرگ کا زندہ ہو کر یہاں رونما ہونا جس طرح قدرت خداوندی سے خارج نہیں (۳) اسی طرح اس کا شرعی ثبوت بہم پہونچانا کہ یہ وہی بزرگ ہیں، یہ بھی کچھ آسان کام نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

انبیاء واولیاء کا قبروں سے نکلنا

سوال [۳۲۴]: انبیاء واولیاء وشہداء کا قبروں سے نکلنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ في عیسیٰ علیه السلام: ﴿وأحي الموتی بإذن الله﴾. (آل عمران: ۴۹)

وقال الله تعالیٰ: ﴿و إذ تخلق من الطين كهيئة الطير بإذني، فتنفخ فيها، فتكون طيراً بإذني، و تبرىء الأكمه و الأبرص بإذني، و إذ تخرج الموتی بإذني﴾ (المائدة: ۱۱۰)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أنه قال: قد أحيا –عليه السلام– أربعة أنفس: عازر، و ابن العجوز، و ابنة العاشر، وسام بن نوح. فأما عازر فكان صديقاً له، فأرسلت أخته إلى عيسى أن أخاك عازر مات، و كان بينه و بين عازر مسيرة ثلاثة أيام، فأتاه هو و أصحابه، فوجدوه قد مات منذ ثلاثة أيام، فقال لأخته: انطلقي بنا إلى قبره، فانطلقت معهم إلى قبره، فدعا الله تعالیٰ عيسى، فقام عازر و دكه يقطر، فخرج من قبره و بقي زماناً و ولد له اهـ". (روح المعاني: ۳/۱۶۹، تفسير سورة آل عمران آیت: ۴۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿يحيي و يميت وهو على كل شيء قدير﴾ (سورة الحديد: ۲)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قیامت کے روز سب کا نکلنا شرعاً ثابت ہے (۱) اور قیامت سے پہلے اس جسم کے ساتھ نکلنا دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں، البتہ حیات برزخی علی قدر مراتب ثابت ہے (۲): ﴿ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتاً بل أحياء﴾ الآية (۳) وغيرها من الآيات والروايات۔ **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم۔

انتقال کے بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا

سوال [۳۲۵]: ہندو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے سادھو بابا اور مہا پرش لوگ اپنی سادھنا کے زور سے اپنے جسم کو منتقل کر کے اپنی اصل صورت میں دنیا طے کر سکتا ہے، یہاں کے چند مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہمارے اولیاء اور انبیاء بھی اپنے جسموں کو منتقل کر کے جہاں چاہے جا سکتے ہیں، خاص کر ہمارے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتقال کے بعد بھی آپ کی روح پاک دنیا کی تمام جگہ سیر کر سکتی ہے، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والموتى يبعثهم الله ثم إليه يرجعون﴾. (الأنعام: ۳۶)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وأن الله يبعث من في القبور﴾. (الحج: ۷)

(۲) "ثم قال ابن القيم: ولا يحكم على قول من هذه الأقوال بعينه بالصحة ولا غيره بالبطلان، بل الصحيح أن الأرواح متفاوتة في مستقرها في البرزخ أعظم تفاوت، ولا تعارض بين الأدلة، فإن كلاً منها وارد على فريق من الناس بحسب درجاتهم في السعادة أو الشقاوة. فمنها أرواح في أعلى عليين في الملأ الأعلى، وهم الأنبياء، وهم متفاوتون في منازلهم كما رآهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليلة الإسراء. ومنها أرواح في حواصل طير خضرٍ تسرح في الجنة حيث شاءت، وهي أرواح بعض الشهداء لا جميعهم ...... الخ." (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۷، دار المعرفة)

(وكذا في كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة أين مستقر الأرواح مابين الموت إلى يوم القيامة؟، ص: ۱۵۰، فاروقيه پشاور)

(۳) (آل عمران: ۱۶۹)

الجواب حامداً و مصلیاً :

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ونصرت ہوجائے تو انتقال کے بعد بھی روح دنیا میں آسکتی ہے(۱) محض اپنی خواہش سے بغیر خدائے پاک کی اجازت ونصرت کے نہیں آسکتی، زندہ رہتے ہوئے مختلف مقامات میں کسی کا چلا جانا عملیات سے بھی ہوسکتا ہے اور مجاہدہ سے بھی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۹۵ھ۔

خواب میں میت کی طرف سے کسی بات کا علم

سوال[۳۲۶] : خواب کے ذریعہ مرحومین کی طرف سے کوئی بات معلوم ہوجائے تو کیا ہم یقین کر سکتے ہیں کہ یہ بات ان کے دل کی ہے جو کہ اللہ نے ہمیں اس خواب کے ذریعہ سے معلوم کرائی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

(خواب) حجت قطعیہ نہیں ہے، بعض دفعہ یقینی بات معلوم ہوتی ہے، بعض دفعہ نہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۴/ ۱/ ۹۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وانه يحي الموتی و أنه علی كل شیء قدير﴾ (الحج: ۶)

اگر یہ روح کسی ولی اللہ کی ہے تو یہ کرامت ہے اور کرامات اولیاء اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں حق ہے کما صرّح في الفتاوی الحديثية حيث قال:

"الحق الذي عليه أهل السنة والجماعة من الفقهاء والأصوليين والمحدثيين و كثيرون من غيرهم .... أن ظهور الكرامة على الأولياء و هم القائمون بحقوق الله و حقوق عباده بجمعهم بين العلم والعمل وسلامتهم من الهفوات والزلل جائزة عقلاً كما هو واضح؛ لأنها من جملة الممكنات، و لا يمتنع وقوع الشيء لقبح عقلي؛ لأنه لا حكم للعقل". (الفتاوی الحديثية، مطلب في الكلام على كرامات الأولياء على أكمل وجه، ص: ۳۹۵، قديمی)

(۲) "حامل ماتت و قد أتى على حملها تسعة أشهر، و كان الولد يتحرك في بطنها، فدفنت، ولم يشق بطنها، ثم رؤيت في المنام أنها تقول: و لدت، لا ينبش القبر؛ لأن الظاهر أنها لو ولدت كان الولد ميتاً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۵، بيان أن النقل من بلد إلى بلد مكروه، رشيديه)

جہاں کی مٹی ہو وہیں دفن ہوتا ہے

سوال[۳۲۷]: اکثر سنا ہے کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں قرار پکڑتا ہے اور لوتھڑے کی شکل اختیار کرتا ہے، اس وقت فرشتے اس کی ناف میں مٹی رکھتے ہیں، وہ جہاں کی مٹی ہوتی ہے وہاں ہی وہ شخص دفن ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟ ریاض الحق کلیانوی

الجواب حامداً و مصلياً :

یہ روایت جمع الفوائد: ۲/ ۱۳۹، میں درج ہے، مگر اس میں ناف کی تصریح نہیں (۱)۔ فقط۔

محمود گنگوہی، ۲۳/ ۳/ ۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۲۶/ ربیع الاول/ ۵۳ھ۔

= (وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الثامن في مسائل متفرقة من الجنائز، ص: ۶۰۸، سهيل اكيڈمی)

(۱) "(أبو الدرداء) مربنارسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نحفر قبراً، فقال: "ما تصنعون"؟ فقلنا: نحفر قبراً لهذا الأسود، فقال: "جاء ت به منيته إلى تربته"، قال أبو أسامة: تدرون يا أهل الكوفة لِمَ حدثتكم بهذا الحديث؟ لأن أبا بكر وعمر خلقا من تربة رسول الله صلى الله عليه وسلم، (للأوسط بلين) (ابن عمر) أن حبشياً دفن بالمدينة، فقال صلى الله عليه وسلم: "دفن بالطينة التي خلق منها" (للكبير بضعف). (جمع الفوائد: ۱/ ۳۶۸، رقم الحديث: ۲۲۲۵، ۲۲۲۶، كتاب الجنائز، تشييع الجنائز وحملها ودفنها، إدارة القرآن، كراچی)

"فذلك قوله تعالى: ﴿منها خلقناكم و فيها نعيدكم﴾ (طه: ۵۵) أخرجه الترمذي الحكيم أبو عبد الله في نوادر الأصول".

"و ذكر عن علقمة عن عبد الله قال: إن النطفة إذا إستقرت في الرحم أخذها الملك بكفه، فقال: أي رب! أمخلقة أو غير مخلقة؟ فإن قال: غير مخلقة، لم تكن نَسَمةً، و قذفتها الأرحام دماً، و إن قال: مخلقة، قال: أي رب! أذكر أم أنثىٰ؟ أشقي أم سعيد؟ ما الأجل؟ و ما الأثر؟ و ما الرزق، و بأي أرض تموت؟ فيقول: إذهب إلى أم الكتاب، فإنك ستجد هذه النطفة فيها، فيقال للنطفة: من ربك؟ فتقول: الله، فيقال: من رازقك؟ فتقول: الله، فتخلق، فتعيش في أجلها و تأكل رزقها، تطأ أثرها، فإذا جاء أجلها=

منکر نکیر کے ساتھ کیا شیطان بھی قبر میں جاتا ہے؟

سوال[۳۲۸] : میت کو قبر میں رکھ کر جب مٹی دیکر فارغ ہوتے ہیں تو قبر میں پہلے شیطان داخل ہوتا ہے یا منکر نکیر یا دونوں بیک وقت پہونچتے ہیں اور پھر پہلے کون اپنا سوال میت سے کرتا ہے؟ یا نکیرین سوال حق پوچھتے ہیں اور شیطان اپنا پھندا فٹ کرنا چاہتا ہے یعنی میت فرشتوں کو صحیح جواب نہ دے سکے؟ اور شیطان بالغ کی قبر میں جاتا ہے یا نابالغ کی بھی، مرد کی قبر میں جاتا ہے یا عورت کی بھی؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اجی ہاں شیطان قبر میں کہاں جاتا ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قبر میں بھی جاتا ہے۔ شریعت کے مطابق حکم صادر فرمایا جائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شیطان کا میت کی قبر میں جا کر نکیرین کے سوال کے وقت اپنا پھندا ڈالنا کسی حدیث میں نہیں دیکھا۔ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ میت پر اس قسم کا اثر نہیں ڈالتا کہ میت جواب نہ دے سکے، اس کی کوشش کا وقت ختم ہوگیا، لائسنس بیکار ہوگیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۹ھ۔

= ماتت فدفنت في ذلك المكان. فالأثر: هو التراب الذي يؤخذ، فيعجن به ماؤه". (التذكرة في أحوال الموتى و أمور الأخرة، باب ما جاء أن كل عبد يذر عليه عن تراب حفرته، ص: ۹۵، ۹۶، مكتبة أسامة الاسلامية بالأزهر)

(وكذا في شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب دفن العبر في الأرض التي خلق منها، ص: ۱۰۶، دار المعرفة بيروت)

(۱) مختلف آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان قبر میں داخل ہوکر کچھ اثر ڈال سکتا ہے:

"عن سفيان الثوري قال: إذا سئل الميت: من ربك؟ تزيّا له الشيطان في صورة، فيشير إلى نفسه: إني أنا ربك.

قال الحكيم: و يؤيده من الأخبار قوله عليه السلام عند دفن الميت:" أللهم أجره من الشيطان" ...... و لو لم يكن للشيطان هناك سبيل، ما دعا صلى الله تعالىٰ عليه و سلم بذلك". (شرح الصدور، ص: ۱۴۱، باب فتنة القبر و سوال الملكين، دار المعرفة بيروت) .... =

منکر نکیر سے پیشتر مردہ کے پاس ''رومات'' فرشتہ کا آنا

سوال[۳۲۹]: ''صبح کا ستارہ'' کا مصنف لکھتا ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابن سلام! منکر نکیر سے پیشتر مردہ کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے کہ اس کا منہ سورج کی طرح چمکتا ہے، نام اس کا رومات ہے''۔ص:۲۵۔ کیا یہ صحیح ہے کہ منکر نکیر سے پہلے رومات (۱) نام کا ایک فرشتہ آتا ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، رومان فرشتہ کا منکر نکیر سے پہلے مقابر میں آنا فتاویٰ حدیثیہ، ص:۸، میں بحوالہ قرطبی وغزالی منقول ہے (۲)۔ بہشتی زیور، ص:۵۱ میں ''صبح کا ستارہ'' کتاب کے دیکھنے کی ترغیب دی ہے، مگر یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی روایتیں بہت پکی نہیں ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۹ھ۔

= ''وأخرج الحكيم عن عمرو بن مرة قال: كانوا يستحبون إذا وضع الميت في اللحد أن يقولوا: أللهم أعذه من الشيطان الرجيم.

وأخرج ابن أبي شيبة في المصنف عن خيثمة: قال: كانوا يستحبون إذا دفنوا الميت أن يقولوا: بسم الله، وفي سبيل الله، و على ملة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم ، أللهم أجره من عذاب القبر و من عذاب النار ومن شر الشيطان الرجيم ". (شرح الصدور، ص: ١٠١، باب ما يقال عند الدفن والتلقين ، دار المعرفة بيروت)

(۱) ''رومات'' سائل نے لکھا ہے، لیکن بظاہر اس فرشتہ کا نام ''رومان'' ہے۔

(۲) ''ومن ثم ذكر القرطبي والغزالي عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: يارسول الله! ماأول مايلقى الميت إذا دخل قبره؟ قال: " ياابن مسعود! ما سألني عنه إلا أنت، فأول مايأتيه ملك اسمه رومان، يجوس خلال المقابر، فيقول: ياعبدالله! اكتب عملك فيقول: مامعي دواة ولا قرطاس، فيقول: هيهات كفنك قرطاسك، ومدادك ريقك، وقلمك إصبعك، فيقطع له قطعة من كفنه، ثم يجعل العبد يكتب، وإن كان غير كاتب في الدنيا، فيذكر حسناته وسيأته كيوم واحد" الحديث بطوله". (الفتاوىٰ =

منکر ونکیر دونوں سوال کرتے ہیں یا ان میں سے ایک؟

سوال[۳۳]: مرنے کے بعد مردہ سے دوفرشتے سوال کرتے ہیں یا یکے بعد دیگرے سوال کرتے ہیں؟ اور جولوگ آگ میں جل جاتے ہیں یا کسی درندے کی خوراک بن جاتے ہیں تو ان سے یہ فرشتے کہاں سوال کرتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کی تفصیل نہیں دیکھی، کسی روایت میں ہے کہ ایک فرشتہ سوال کرتا ہے(۱) کسی میں ہے دونوں سوال کرتے ہیں (۲)۔ اگر درندے نے کھالیا تو اس کے پیٹ میں ہی میت سے سوال ہوگا، غرض جہاں اس کا مستقر ہوگا وہیں سوال ہوگا۔ کذا فی الطحطاوی، ص:۳۲۸ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۲۳/۱۲/ ۹۵ھ۔

= الحديثية ،مطلب السؤال بالعربية لكل أحد،وقيل بالسريانية، ص: ۲۱، ۲۲،قديمی)

(۳)(بہشتی زیور، حصہ دہم، بعض کتابوں کے نام جن کے دیکھنے سے نفع ہوتا ہے، ص:۷۰۴، دارالاشاعت)

(۱) "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم : "إن هذه الأمة تبتلى فی قبورها، و إن المؤمن إذا وضع فی قبره أتاه ملک فسأله ما كنت تعبد اهـ". (شرح الصدور، ص: ۱۲۱، باب فتنة القبر و سوال الملكين)

(۲) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم : "إذا وضع المؤمن فی قبره أتاه ملكان فانتهراه اهـ". (شرح الصدور، ص:۱۲۳، باب فتنة القبر و سوال الملكين، بيروت)

"قال القرطبی: جاء فی رواية سوال ملكين، و فی أخرى: سوال ملک واحد، و لا تعارض، بل بالنسبة إلى الأشخاص فرب شخص يأتيه اثنان معاً ..... و آخر يأتيه ملک واحد، فيكون أخف عليه و أقل فی المراجعة". (شرح الصدور، ص:۱۴۴، فصل فيه فوائد، دار المعرفة، بيروت)

(۳) "والأشهر أنه حين يدفن، و قيل: فی بيته تنبطق عليه الأرض كالقبر، و لا بد منه و لوفی بطن سبع أو قعر بحر". (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:۶۱۲، فصل فی حملها و دفنها، قديمی)

"السوال فيما يستقر فيه الميت حتى لو أكله سبع فالسؤال فی بطنه، فإن جعل فی تابوت أياماً لنقله إلى مكان آخر لا يسأل مالم يدفن". (شرح الصدور، ص:۱۴۷، فصل فيه فوائد، دار المعرفة بيروت)

کیا قبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے؟

سوال[۱۳۳۱]: یہ کہ "من ربك؟ و ما دینك و ما نبیك"؟ کے بعد میت کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: "و ما تقول فی هذا الرجل"؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجسم قبر میں تشریف لاتے ہیں؟ "هذا الرجل" سے کیا مراد ہے؟ ایک شاعر کہتا ہے ؎

کون آتا ہے لاش پر میری سر سے چادر ہٹائی جاتی ہے

کیا اسم اشارہ اور مشار الیہ غائب کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس عبارت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شراح حدیث نے لکھا ہے اس کی قبر سے روضۂ اقدس تک کے حجابات اٹھا کر اشارہ کیا جاتا ہے(۱) لہذا "هــذا" کا اشارہ غائب کے لئے نہیں ہوا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ معہود ذہنی کی طرف اشارہ ہوتا ہے(۲) اور مردہ خود بخود جانتا ہے (کہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق سوال ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

---

(۱) "(فیقولان : ما کنت تقول فی هذا الرجل) قیل: یکشف للمیت حتی یری النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم. و هی بشری عظیمة للمؤمن إن صح ذلک". (تحفة الأحوذی: ۱۸۲/۵، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر، بیروت)

"(فیقولان) له : (ما کنت تقول فی هذا الرجل لمحمد صلی الله تعالیٰ علیه و سلم) والإشارة فی قوله: "هذا" للحاضر، قیل: یکشف للمیت حتی یری النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم و هی بشری عظیمة للمؤمن إن صح ذلک". (إرشاد الساری: ۴۷۶/۳، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر، بیروت)

(۲) "(فی هذا الرجل): أی فی شأنه، واللام للعهد الذهنی، و فی الإشارة إیماء إلی تنزیل الحاضر المعنوی منزلة الصوری مبالغةً". (مرقاة المفاتیح: ۳۴/۱، باب إثبات عذاب القبر، الفصل الأول، رشیدیه)

بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا

سوال [۳۳۲] : جو مسلمان بچے انتقال کر جاتے ہیں ان سے قبر میں حساب کتاب ہوتا ہے یا نہیں؟ یا ان سے سوالات کئے جاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۸/ ۸۷ھ۔

نابالغ سے سوال منکر ونکیر

سوال [۳۳۳] : ومسلمان بچے انتقال کر جاتے ہیں ان سے قبروں میں حساب وکتاب ہوتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وقد قال النسفي في "بحر الكلام": الأنبياء وأطفال المؤمنين ليس عليهم حساب، ولا عذاب القبر، ولا سوال منكر ونكير". (شرح الصدور، باب من لايسأل في القبر، ص: ۱۵۲، دار المعرفة)

"قال النسفي في بحر الكلام: الأنبياء وأطفال المؤمنين ليس عليهم حساب، ولا عذاب القبر، ولا سوال منكر ونكير، وقال النووي في الروضة من زوائده: وفي شرح المهذب: إنما هو في حق الميت المكلف، أما الصبي ونحوه فلا يلقن، قال الزركشي في الخادم: هذا تابع فيه ابن الصلاح فإنه قال: لا أصل لتلقينه يعني لأنه لا يفتن في قبره، وقال في موضع آخر في الخادم: ما قاله ابن الصلاح، والنووي مبني على أنه لا يسأل في قبره انتهى. وقد تابعهما على ذلك ابن الرفعة في الكفاية، والسبكي في شرح المنهاج، وسئل الحافظ ابن حجر عن الأطفال هل يسألون؟ فأجاب بأن الذي يظهر اختصاص السؤال بمن يكون مكلفاً." (الحاوي للفتاوى، الاحتفال بالأطفال: ۲/ ۲۱۲، دار الفكر)

"واستثنى من عموم سؤال القبر الأنبياء عليهم الصلاة والسلام والأطفال والشهداء." (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۰۰، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند،۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح:بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

رمضان میں جمعہ کے روز مرنے والے سے سوال نہیں

سوال[۳۳۴]: اگر رمضان شریف میں جمعہ کے دن انتقال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاءاللہ تعالیٰ اس سے قبر میں سوال نہیں ہوگا،یہی توقع ہے بلکہ اس سے زائد ہے(۲)۔فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

جمعہ اور رمضان میں مرنے والے کی فضیلت

سوال[۳۳۵]: ترمذی شریف کی حدیث ہے:"ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة

(۱) "والأصح أن الأنبياء لايسألون ولا أطفال المؤمنين". (الدر المختار ،باب صلاة الجنائز : ۱۹۲/۲ ،سعيد)

"والأصح أن الأنبياء عليهم السلام لايسألون، وكذا أطفال المؤمنين ." (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة ،باب أحكام الجنائز، ص: ۵۲۱، قديمي)

"وقال النسفي في بحر الكلام: أطفال المؤمنين ليس عليهم عذاب القبر، ولا سؤال منكر ونكير." (النبراس، ص: ۲۰۶، امداديه، ملتان)

(۲)"عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما :"مامن مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر". (جامع الترمذي : كتاب الجنائز ،باب ماجاء فيمن مات يوم الجمعة : ۲۰۵/۱ ،سعيد)

وفي ردالمحتار : "ثم ذكر أن من لايسأل ثمانيةٌ:الشهيد(إلى قوله)والميت يوم الجمعة أو ليلتها". (باب صلوة الجنازة،مطلب ثمانية لايسألون في قبورهم:۱۹۲/۲ سعيد)

(وكذا في كتاب الروح لابن قيم الجوزية، المسألة العاشرة:الأسباب المنجية من عذاب القبر، ص: ۱۰۴ - ۱۰۶، مكتبه فاروقيه پشاور)

الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر"(۱)۔

اس حدیث کے متعلق جس قدر تحقیقات ہوں تحریر فرمائی جائیں، کیا مسلمان خواہ کسی قسم کا ہو اور ہر قسم کے معاصی میں مبتلا ہو اور اس کی وفات جمعہ یا جمعرات کو ہو جائے تو اس پر عذاب قبر بالکل نہ ہوگا، یا صرف انہیں دنوں تک عذاب نہ ہوگا؟ نیز لوگوں میں مشہور ہے کہ رمضان المبارک میں بھی جس کا انتقال ہو جائے اس کو بھی عذاب قبر نہ ہوگا، مجھے تو اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا، اگر جناب اس کے اوپر روشنی ڈالیں تو بہتر ہوگا۔

الجواب حامداً و مصلياً :

ترمذی شریف کی روایت کے متعلق خود امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ: "هذا حديث غريب و ليس إسناده بمتصل"(۲) اور جمع الفوائد میں ہے: (أنس رضي الله تعالیٰ عنه) رفعه: "من مات يوم الجمعة وقي عذاب القبر"(۳)۔

العرف الشذی میں لکھا ہے: "ما صح الحديث في فضل موت يوم الجمعة، و لو صح بالفرض لكان الفضل من عدم السؤال لمن مات يوم الجمعة، لا من مات قبله و أخر دفنه إلى يوم الجمعة اهـ" (٤)۔

---

(۱) (جامع الترمذي: ۱/۲۰۵، أبواب الجنائز، باب ماجاء فيمن يموت يوم الجمعة، سعيد)

"و أخرج أحمد والترمذي و حسنه، و ابن أبي الدنيا والبيهقي عن ابن عمرو رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة، إلا وقاه الله فتنة القبر". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب من لا يسئل في القبر، ص: ۱۵۰، دار المعرفة بيروت)

و فيه أيضاً: "أخرج أبو نعيم في "الحلية" عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة، أجير من عذاب القبر". الحديث. (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب من لا يسئل في القبر، ص: ۱۵۱، دار المعرفة بيروت)

(۲) (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء فيمن يموت يوم الجمعة: ۱/۲۰۵، سعيد)

(۳) (جمع الفوائد: ۱/۲۷۰، رقم الحديث: ۱۹۳۱، كتاب الصلوٰة، وقت الجمعة ونداء ها وخطبتها وما يتعلق بذلك، قبيل صلوٰة المسافر وجمع الصلوٰة، إدارة القرآن، كراچی)

(۴) (العرف الشذي على هامش الترمذي: ۱/۲۰۶، باب ما جاء من يموت يوم الجمعة، سعيد)

یہاں تک تو من حیث القوۃ والضعف اس روایت کے متعلق کلام ہے، اس کے مطلب کے متعلق علماء کے دونوں قول ہیں: "فقيل: هذا اليوم والليلة فقط، ثم يعذب ليلة السبت، و قيل: لا بل خلص فخلص، نعم يحاسب فيجازى بعد الحشر اهـ". کوکب(١)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں:

"فتنة القبر: أى عذابه و سؤاله، و هو يحتمل الإطلاق والتقييد، والأول هو الأولىٰ بالنسبة إلى فضل المولىٰ"(٢)۔

پھر علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں:

"هذه الأحاديث: أى التى تدل على نفى سؤال القبر لا تعارض أحاديث السؤال السابقة: أى لا تعارضها، بل تخصها و تبين من لا يسئل فى قبره، و لا يفتن فيه ممن يجرى عليه السؤال، و يقاسى تلك الأهوال، و هذا كله ليس فيه مدخل القياس و لا مجال للنظر فيه، و إنما فيه التسليم والانقياد لقول الصادق المصدوق۔ قال الحكيم الترمذى: و من مات يوم الجمعة فقد انكشف له الغطاء عما له عند الله تعالىٰ؛ لأن يوم الجمعة لا تسجر فيه جهنم، و تغلق أبوابها، و لا يعمل سلطان النار فيه ما يعمل فى سائر الأيام، فإذا قبض الله عبداً من عبيده فوافق قبضه يوم الجمعة، كان ذلك دليلاً لسعادته و حسن مآبه، و أنه لا يقبض فى هذا اليوم إلا من كتب له السعادة عنده، فلذلك يقيه فتنة القبر؛ لأن سببها إنما هو تميز المنافق من المؤمن. قلت: و من تتمة ذلك أن من مات يوم الجمعة فله أجر شهيد، فكان على قاعدة الشهداء فى عدم السؤال، كما أخرجه أبو نعيم فى الحلية عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أجير من عذاب القبر؟ و جاء يوم القيامة و عليه طابع الشهداء"۔

"و أخرج حميد فى ترغيبه عن إياس بن بكير أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد، و وقى فتنة القبر". وأخرج من طريق ابن جريج

---

(١) (الكوكب الدرى: ١/٣٢٥، باب ما جاء فى عذاب القبر، مكتبه يحيويه سهارنپور)

(٢) (مرقاة المفاتيح: ٣/٤٦٠، كتاب الصلاة، باب الجمعة، الفصل الثالث، رشيديه)

عن عطاء قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"ما من مسلم أو مسلمة يموت في يوم الجمعة أو ليلة الجمعة، إلا وُقي عذاب القبر، و فتنة القبر، و لقي الله و لا حساب عليه، و جاء يوم القيامة و معه شهود يشهدون له أو طابع". و هذا الحديث لطيف صرح فيه بنفي الفتنة والعذاب معاً اهـ"(۱).

یوم جمعہ یا لیلۃ جمعہ میں مرنے والے کے لئے درجۂ شہادت حاصل ہونا درمختار (۲) اشباہ (۳) اوجز المسالک (۴) وغیرہ کتب میں مذکور ہے، اگر کوئی شخص بحالتِ ابتلائے معصیت مرے لیکن کسی ایسے سبب سے مرے جس پر وعدہ ثواب اور اجر شہادت حاصل ہوتا ہو تو وہ بھی شہید ہوگا، پھر اگر کوئی بحالتِ معصیت نہ مرے تو وہ کیسے اجر شہادت سے محروم رہے گا؟

"من غرق في قطع الطريق، فهو شهيد و عليه إثم معصيته، و كل من مات بسبب معصية فليس بشهيد. و إن مات في معصية بسبب من أسباب الشهادة، فله أجر شهادته و عليه إثم معصيته، و كذلك لو قاتل على فرس مغصوب أو كان قوم في معصية فوقع عليهم البيت، فلهم الشهادة و عليهم إثم المعصية اهـ". شامی (۵).

---

(۱) (مرقاة المفاتيح :۳/ ۴۶۱، كتاب الصلاة، باب الجمعة ، الفصل الثالث، رشيديه)

(۲) "قوله : والميت ليلة الجمعة ، أخرج حميد بن زنجويه في فضائل الأعمال عن مرسل إياس بن بكير . أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد". (رد المحتار : ۲/ ۲۵۲ ، باب الشهيد، مطلب في تعداد الشهدآء، سعيد)

(۳) "اشباہ" میں جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والے کے لئے درجہ شہادت حاصل ہونے کی تصریح تو نہیں، البتہ اس دن مرنے والے کے لئے "امان" کی تصریح ہے۔

"و من مات فيه أو في ليلته أمن من فتنة القبر و عذابه ،و لا تسجر فيه جهنم". (الأشباه والنظائر، ص: ۴۴۱، القول في أحكام يوم الجمعة ، دارالفكر، دمشق)

(۴) (أوجز المسالک: ۲/ ۴۹۰، الشهادة سبع سوى القتل، وأنواع الشهادة ، مكتبه يحيويه سهارنپور)

(۵) (رد المحتار : ۲/ ۲۵۳، باب الشهيد ، مطلب المعصية هل تنافي الشهادة، سعيد)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''جب رمضان شریف داخل ہوتا ہے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں الخ'' (۱) اس سے معلوم ہوا کہ جوشخص رمضان شریف میں مرتا ہے وہ بھی عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳۰/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

جوشخص ہر روز سورہ ملک پڑھے اس سے قبر میں سوال نہ ہوگا

سوال [۳۳۶]: حامد روزانہ شب میں سورہ ملک پڑھتا ہے تو کیا قبر میں منکر نکیر سوال نہیں کریں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جوشخص ہر روز سورۃ ملک پڑھتا ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ سوال قبر سے محفوظ رہے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/ ۲/ ۹۵ھ۔

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح ص: ۱۷۳، کتاب الصوم، الفصل الأول، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الصیام، باب فضل شهر رمضان: ۱/ ۳۴۶، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الصوم، باب هل یقال رمضان اهـ: ۱/ ۲۵۵، قدیمی)

(۲) وقال الترمذی: ''حدثنا محمد بن عبد الملک بن أبی الشوارب، حدثنا یحی بن مالک النکري، عن أبیه عن أبی الجوزاء عن ابن عباس - رضی الله تعالیٰ عنهما - قال: ضرب بعض أصحاب النبي صلی الله تعالیٰ علیه و سلم خباء ه علی قبر، و هو لا یحسب أنه قبر، فإذا قبر إنسان یقرأ سورة الملک حتی ختمها، فأتی النبي صلی الله تعالیٰ علیه و سلم فقال: یا رسول الله! ضربت خبائي علی قبر و أنا لا أحسب أنه قبر، فإذا إنسان یقرأ سورة الملک: تبارک حتی ختمها، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم: ''هي المانعة، هي المنجیة تنجیه من عذاب القبر''.

''عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أنه قال لرجل: ألا أتحفک بحدیث تفرح به؟ قال: بلیٰ، قال: اقرأ ﴿تبارک الذی بیده الملک﴾ و علّمها أهلک و جمیع ولدک و صبیان بیتک و جیرانک، فإنها المنجیة والمجادلة تجادل أو تخاصم یوم القیامة عند ربها لقارئها، و تطلب له أن =

رمضان میں مرنے والے سے سوالِ قبر

سوال[۳۳۷]: رمضان میں فوت ہونے والے سے سوال نکیرین اور عذاب قبر اٹھالیا جاتا ہے اور پھر قیامت تک عذاب قبر نہیں ہوتا، کیا اس بارے میں کوئی حدیث مرفوع ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کی تصریح کسی حدیث میں دیکھنا محفوظ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۹/۱۰/۸۵ھ۔

= ینجیه من عذاب النار، و ینجو بها صاحبها من عذاب القبر، قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم: "لوددت أنها في قلب كل إنسان من أمتي". (تفسير ابن كثير، الملک: ۵۰۸/۴، مكتبه دار الفيحاء)

(كذا في روح المعاني، الملک: ۲۹/ ۲،۳، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في كتاب الروح، الأسباب المنجية من عذاب القبر، ص: ۱۰۵، فاروقيه پشاور)

"وأخرج جويبر في "تفسيره" عن عاصم بن أبي النجود، عن زر بن حبيش عن ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: "من قرأ سورة الملک كل ليلة، عصم من فتنة القبر. ومن واظب على قوله تعالیٰ: (إني آمنت بربكم فاسمعون) سهل الله عليه سوال منكر و نكير".

"وأخرج عن كعب، قال: إنا لنجدها في التوراة: من قرأ سورة الملک كل ليلة، عصم من فتنة القبر. وروي من طريق سوار بن مصعب، و هو ضعيف جداً عن أبي اسحاق، عن البراء يرفعه: "من قرأ "الم السجدة، و تبارک الملک"، قبل النوم، نجا من عذاب القبر، و وقي فتاني القبر". (شرح الصدور، باب من لا يسأل في القبر، ص: ۱۴۹، ۱۵۰، دار المعرفة)

(۱) البتہ حدیث میں یہ ہے کہ "جو شخص ایک دن بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے روزہ رکھے اور اسی حالت میں اس کا خاتمہ ہو جائے تو وہ جنتی ہے":

"أخرج أحمد عن حذيفة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من قال لا إله إلا الله إبتغاء وجه الله، ختم له بها، دخل الجنة، ومن صام يوماً ابتغاء وجه الله، ختم له به، دخل الجنة ...... الخ". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب أحسن الأوقات للموت، ص: ۳۰۶، دار المعرفة بيروت)

(وأخرجه الإمام أحمد في مسنده: ۶/ ۵۴۱، رقم الحديث: ۲۲۸۱۳، دار احياء التراث، بيروت)

جمعہ کے دن مرنے والے سے قبر میں سوال

سوال[۳۳۸]: اگر کسی کا انتقال جمعہ کے دن ہو جائے تو اس سے قبر میں سوال وجواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

انشاء اللہ تعالیٰ اس سے قبر میں سوال نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۵/۴/۱۳۹۵ھ۔

ہفتہ میں دوروز نامۂ اعمال کی پیشی

سوال[۳۳۹]: یہ جو مشہور ہے کہ ہر جمعہ اور ہر دوشنبہ کی صبح کو حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے تمام امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اس کی کیا اصلیت ہے اور یہ کہاں تک صحیح ہے؟ خواجہ عامر حسن عفی عنہ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

پیر اور جمعرات کو تمام امت کے اعمال اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور آباء وامہات پر پیش کئے جاتے ہیں۔ حکیم ترمذی نے نوادر میں اس کو روایت کیا ہے،

---

(۱) "عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: " من مات یوم الجمعة أو لیلة الجمعة، وُقی فتنة القبر." (مسند الإمام أحمد، أحادیث عبداللہ بن عمرو، رقم الحدیث: ۶۶۰۸، ۲/۳۶۹، دار إحیاء التراث، بیروت)

"عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنهما: "ما من مسلم یموت یوم الجمعة أو لیلة الجمعة، إلا وقاه الله فتنة القبر". (جامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فیمن مات یوم الجمعة: ۱/۲۰۵، سعید)

(وكذا فی كتاب الروح لابن قیم الجوزیة، المسألة العاشرة: الأسباب المنجیة من عذاب القبر، ص: ۱۰۴، ۱۰۲، مكتبه فاروقیة، پشاور)

(وكذا فی شرح الصدور للسیوطی رحمه الله تعالیٰ، باب ماینجی من عذاب القبر، ص: ۱۸۲، دار الفكر)

هكذا في شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/ ۶۸ھ۔

اعمالِ امت کی پیشی

سوال[۳۴۰]: "عرض أعمال الأمة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الخميس" کی روایت نہیں ملتی۔ مشکوٰۃ ومرقاۃ وغیرہ میں "باب الشحناء" میں ایک دوسری روایت تو ہے، اور بھی کہیں اب تک نہیں ملی۔ ایک اعزازی خریدار۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس، فأُحبّ أن يعرض عملي وأنا صائم". (رواه الترمذي الخ. (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب التطوع) (٢)۔ لیکن اس میں عرضِ اعمال کے ساتھ "على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم" کی تصریح نہیں بلکہ سکوت ہے۔

احقر کا خیال ہے کہ یہ عرض علی اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ "فأُحبّ أن يعرض عملي وأنا صائم" سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی باب کی فصل ثالث میں یہ بھی ہے کہ "يغفر الله فيهما كل مسلم

---

(١) "وأخرج الحكيم الترمذي في "نوادره" من حديث عبدالغفور بن عبدالعزيز عن أبيه، عن جده، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس على الله، وتعرض على الأنبياء عليهم الصلاة والسلام وعلى الآباء والأمهات يوم الجمعة، فيفرحون بحسناتهم، وتزداد وجوههم بياضاً وإشراقاً، فاتقوا الله ولا تؤذوا أمواتكم". (شرح الصدور، باب عرض أعمال الأحياء على الموتى، ص: ٢٥٨، دار المعرفة)

(وكذا في التذكرة للقرطبي، باب ماجاء في تلاقي الأرواح في السماء، ص: ٢٣، أساسة الاسلامية)

(٢) (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب صيام التطوع: ١/ ١٧٩، ١٨٠، قديمي)

(جامع الترمذي، أبواب الصوم، باب ماجاء في صوم يوم الإثنين والخميس: ١/ ١٥٧، سعيد)

إلا ذاهاجرين يقول: دعهما حتى يصلحا"۔ رواه احمد وابن ماجة"(۱) اس سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے "العرف الشذی" میں "علی اللّٰه" کی تصریح بھی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

عذاب قبر سے حفاظت کا عمل

سوال[۱۳۴۱]: کوئی ایسا عمل تحریر فرمائیں جس سے قبر میں عذاب نہ ہو۔

---

(۱) "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يصوم يوم الإثنين والخميس، فقيل: يارسول الله! إنك تصوم يوم الإثنين والخميس، فقال: "إن يوم الإثنين والخميس يغفرالله فيهمالكل مسلم إلا ذاهاجرين، يقول: دعهماحتى يصطلحا". رواه أحمد وابن ماجه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الثالث: ۱/۱۸۰، قديمي)

(وابن ماجه، أبواب الصوم، باب صيام يوم الإثنين والخميس، ص: ۱۲۴، قديمي)

(۲) "وأتى النسائي بالروايات الكثيرة في صيامه عليه الصلاة والسلام، وأما وجه صوم يوم الإثنين ففي رواية عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، بسند قوي أنه عليه الصلاة والسلام ولد يوم الإثنين، وارتحل إلى دارالبقاء يوم الإثنين، ودخل المدينة: أي قبا يوم الاثنين، ولأن يوم الإثنين والخميس ترفع الأعمال إلى الله تعالى". (العرف الشذى على هامش الترمذي، باب ماجاء في صوم يوم الإثنين والخميس: ۱/۱۵۶، سعيد)

بعض روایات میں "عرض الأعمال على الأنبياء يوم الجمعة" وارد ہوا ہے اور جہاں تک یوم الخمیس کا تعلق ہے تو اس سے "عرض على الله" ہی مراد ہے، جیسا کہ "شرح الصدور" میں ہے: "وأخرج الحكيم الترمذي في "نوادره" من حديث عبد الغفور بن عبد العزيز عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس على الله، وتعرض على الأنبياء والآباء والأمهات يوم الجمعة، فيفرحون بحسناتهم، وتزداد وجوههم بياضاً وإشراقاً، فاتقوا الله ولاتؤذوا أمواتكم". (شرح الصدور، باب عرض أعمال الأحياء على الموتى، ص: ۲۵۸، دار المعرفة)

الجواب حامداًومصلیاً:

ناپاکی سے بچنا،ہمیشہ پاک رہنا(۱)قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کرنا(۲)سنت کا پورااتباع کرنا(۳)،سونے سے پہلے سورہ الملک پابندی سے پڑھنا(۴)ہرنماز میں درودشریف کے بعدعذاب قبر سے

---

(۱) " عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال : "إن عذاب القبر من ثلاثة: من الغیبة والنمیمةوالبول، فإیاکم وذلک" . (شرح الصدور ،باب عذاب القبر ،ص : ۱۲۳ ،دارالمعرفة)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال : مر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی قبرین، فقال: "إنهما لیعذبان، ومایعذبان من کبیر" ثم قال: "أماأحدهما، فکان یسعی بالنمیمة، وأماأحدهما فکان لایستتر من بوله."(صحیح البخاری ،کتاب الجنائز،باب عذاب القبر من الغیبة والبول : ۱/۱۸۴ ،قدیمی)

(۲،۳)" عن عبد الرحمن بن سمرة رضی الله عنه ،قال : خرج علینا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ذات یوم فقال : "إنی رأیت البارحة عجباً،رأیت رجلاً من أمتی،جاء ہ ملک الموت لیقبض روحه ،فجاء ہ بره لوالدیه فرده عنه ، ورأیت رجلاً من أمتی، سلط علیه عذاب القبر، فجاء ہ وضوء ہ فاستنقذہ من ذلک ،ورأیت رجلاً من أمتی ،قد احتوشته الشیاطین ،فجاء ذکر الله ،فخلصه من بینهم، ورأیت رجلاً من أمتی،قد احتوشته ملائکة العذاب ،فجاء ته صلاته ،فاستنقذته من أیدیهم،ورأیت رجلاً من أمتی، یلهث عطشاً،کلما ورد حوضاً منع منه، فجاء ہ صیامه فسقاہ وأرواہ،ورأیت رجلاً من أمتی ،والنبیون قعود حلقاً حلقاً،کلما دنالِحَلقة طردوہ، فجاء اغتساله من الجنابة، فأخذ بیدہ ،وأقعدہ إلی جنبه، ورأیت رجلاًمن أمتی بین یدیه ظلمة ،وخلفه ظلمة ،وعن یمینه ظلمة،وعن یسارہ ظلمة ،ومن فوقه ظلمة ،ومن تحته ظلمة ،فهومتحیر فیها،فجاء ہ حجه وعمرته ،فاستخرجاہ من الظلمة، وأدخلاہ النور، ......الخ"(شرح الصدور ،باب ماینجی من عذاب القبر ، ص: ۱۸۲، ۱۸۳ ،دارالمعرفة)

(وکذا فی کتاب الروح ،المسألة العاشرة: الأسباب المنجیة من عذاب القبر، ص: ۱۰۷، ۱۰۸ ،مکتبه فاروقیه پشاور)

(۴)" عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال : ضرب بعض أصحاب النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم خباء ہ علی قبروهو لایحسب أنه قبر ، فإذاقبر إنسان یقرأ سورة الملک حتی ختمها،فأتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقال: یارسول الله ، ضربت خبائی علی قبر وأنا لاأحسب أنه قبر، فإذافیه إنسان یقرأ =

پناہ مانگنے کی دعاء پڑھنا جس میں ''أعوذبك من عذاب القبر'' بھی ہے(۱)، چغل خوری سے پرہیز کرنا(۲)، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کے اہتمام کی برکت سے عذاب قبر سے حفاظت رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۲۶ھ۔

میت کو قبر میں عصر کا وقت محسوس ہوتا ہے

سوال[۳۴۲]: ۱...... جب مسلمان میت کو دفن کر دیتے ہیں تو سنا ہے کہ میت کے لئے وہ عصر کا وقت ہوتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۲...... غیر مسلم میت سے حساب کا وقت کون سا ہوتا ہے؟ کیا اس کو بھی عصر کا وقت معلوم ہوگا اور اس غیر مسلم کے لئے قبر کس جگہ ثابت ہوگی؟ کیا غیر مسلم سے حساب وکتاب ہوتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... میت کو قبر میں رکھنے اور دفن کرنے کے بعد فرشتے آکر اس کی روح اس میں داخل کر کے اس کو بٹھا دیتے ہیں، مردہ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صبح سویا تھا، اب غروب کے وقت بیدار ہوا ہے اور کہتا ہے کہ چھوڑ دو، میں نماز تو پڑھ لوں (۳) (نماز کا خیال مسلمان ہی کو ہوگا)۔

= سورة الملک حتی ختمها، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ''هی المانعة، هی المنجیة تنجیه من عذاب القبر''. (جامع الترمذی، أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورة الملک: ۲/۱۱۷، سعید)

(۱)''عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یدعو: ''اللهم إنی أعوذبک من عذاب القبر، ومن عذاب النار، ومن فتنة المحیا والممات، ومن فتنة المسیح الدجال.''(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر: ۱/۱۸۴، قدیمی)

(۲) (راجع، ص: ۶۳۵، رقم الحاشیة: ۱)

(۳)'' وأخرج ابن ماجه، وابن أبی الدنیا، وابن أبی عاصم فی السنة عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنهما. قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ''إذا دخل المیت قبره، مثّلت له الشمس عند =

۲......حدیث میں اس وقت کی تفصیل نہیں دیکھی، بظاہر تو غیر مسلم کو بھی یہی وقت محسوس ہوگا، یہ مطلب نہیں کہ جس وقت بھی میت کو دفن کیا جائے حساب غروب ہی کے وقت ہی ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وقت ایسا محسوس ہوگا جیسا غروب کے قریب کا وقت ہوتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۲ھ۔

عذاب قبر سے استثناء

سوال[۳۴۳]: فقہاء رحمہم اللہ نے ۸/آدمی ایسے بتلائے ہیں جن سے حساب وعذابِ قبر قیامت تک نہیں ہوتا، کہاں تک درست ہے اور بقیہ چھ حضرات کون سے ایسے ہیں جو مستثنیٰ ہو سکتے ہیں حساب وعذاب سے، جیسا کہ مظاہر حق جلد دوم میں شہداء کے اقسام تحریر ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ردالمختار: ۱/۸۹۱، میں شہید، مرابط، مطعون، زمانہ طاعون میں صبر کر کے بلا طاعون مرنے والا، صدیق،

= غروبها، فيجلس يمسح عينيه ويقول: دعوني أصلي". (شرح الصدور، باب فتنة القبر وسؤال الملكين، ص: ۱۲۳، دار المعرفة)

"فيقال له: اجلس، فيجلس قد مثلّت له الشمس، وقد أخذت الغروب، فيقال له: هذا الرجل الذي كان فيكم ماتقول فيه، وماذا تشهد به عليه؟ فيقول: دعوني حتى أصلي، فيقولون: إنک ستصلي، أخبرنا عما نسألک عنه". (كتاب الروح، المسألة السادسة: هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السؤال أم لا؟، ص: ۴۷، مكتبه فاروقيه پشاور)

"عن أبي سفيان رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا دخل الميت القبر، مثلّت الشمس عند غروبها، فيجلس يمسح عينين، ويقول: دعوني أصلّي". (سنن ابن ماجه، باب ذكر القبر والبلى، ص: ۳۱۲، قديمي)

(وكذا في التذكرة للقرطبي، باب ماينجي المؤمن من أهوال القبر وفتنة القبر، ص: ۱۴۲، مكتبة أسامة الإسلامية)

اطفال کو بھی انہیں میں شمار کیا ہے جن کا حسابِ قبر نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ۳/ ذی قعدہ/۶۱ھ۔

رمضان میں میت کو عذاب قبر نہ ہونا

سوال [۳۴۴]: ۱......جس مسلمان کا انتقال رمضان کے اندر ہو جائے خواہ وہ کسی مقصد میں ہو اس کا کیا حکم ہے؟

۲......جن لوگوں کو قبروں میں عذاب ہوتا ہے کیا رمضان میں بند ہو جاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......ان شاء اللہ اس کے ساتھ سہولت کا معاملہ کیا جائے گا (۲)۔

۲......امید تو یہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۹ھ۔

---

(۱) "ثم ذكر أن من لا يسأل ثمانية : الشهيد ، والمرابط، والمطعون، والميت في زمن الطاعون بغيره إذا كان صابراً محتسباً ، والصديق، والأطفال ، والميت يوم الجمعة أو ليلتها، والقارىء كل ليلة تبارك الملك وبعضهم ضم إليها السجدة ، والقارىء في مرض موته: "قل هو الله أحد، اهـ. و أشار الشارح إلى أنه يزاد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام؛ لأنهم أولى من الصديقين". (رد المحتار ، باب صلاة الجنائز ، مطلب ثمانية لا يسألون في قبورهم : ۲/۱۹۲ ، سعيد)

(و كذا في كتاب الروح ، المسألة العاشرة: الأسباب المنجيةمن عذاب القبر،ص : ۱۰۴ ، مكتبه فاروقيه پشاور)

(و كذا في شرح الصدور ، باب من لا يسأل في القبر،ص : ۱۴۸ ، دارالمعرفة)

(۲) "ان عذاب القبر حق سواء كان مؤمناً أم كافراً، أم مطيعاً أم فاسقاً، و لكن إذا كان كافراً فعذابه يدوم في القبر إلى يوم القيامة. و يرفع العذاب يوم الجمعة و شهر رمضان بحرمة النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم؛ لأنه ما دام في الأحياء لا يعذبهم الله تعالىٰ بحرمته، فكذلك في القبر يرفع عنهم العذاب يوم =

رمضان اور جمعہ وغیرہ میں عذابِ قبر

سوال[۳۴۵]: جن لوگوں سے سوالِ قبر نہیں جیسے شبِ جمعہ اور رمضان میں مرنے والا تو یہ سوال تا قیامت نہیں یا محض اسی روز؟ اور اس بشارت میں کفار اور مشرکین بھی داخل ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سوالِ منکر ونکیر سب سے ہوتا ہے البتہ یومِ جمعہ اور رمضان المبارک میں عذابِ قبر نہیں ہوتا، نہ مومن کو ہوتا ہے نہ کافر کو:

"فی الأشباه: ويأمن الميت فيه من عذاب القبر، ومن مات فيه أو في ليلته، أمن من فتنة القبر وعذابه، قال الحموي تحته: أقول: قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق، وسوال منكر نكير، وضغطة القبر حق، سواء كان مؤمناً أو كافراً، مطيعاً أوفاسقاً، لكن إذا كان كافراً فعذابه يدوم إلى يوم القيامة، ويرفع العذاب عنهم يوم الجمعة وشهر رمضان بحرمة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم؛ لأنهم ماداموا في الأحياء لايعذبهم الله في الدنيا بحرمة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فكذلك في القبر يرفع عنهم العذاب يوم الجمعة وكل رمضان بحرمته، فيعذب اللحم متصلاً بالروح، والروح متصلاً بالجسم، فتتألم الروح مع الجسد وإن كان خارجاً منه.

ثم المؤمن على وجهين: إن كان مطيعاً لايكون له عذاب ويكون له ضغطة، فيجد هول ذلك وخوفه، وإن كان عاصياً يكون له عذاب القبر وضغطة القبر، لكن ينقطع عنه عذاب القبر يوم الجمعة، وليلة الجمعة ثم لايعود العذاب إلى يوم القيامة، وإن مات يوم الجمعة أوليلة الجمعة

= الجمعة، وكل رمضان بحرمته". (شرح الملا على القاري على الفقه الأكبر، ص: ١٠١، بحث عذاب القبر، قديمي)

"قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق، وسوال منكر و نكير، و ضغطة القبر حق، لكن إن كان كافراً، فعذابه يدوم إلى يوم القيامة، و يرفع عنه يوم الجمعة و شهر رمضان". (رد المحتار: ١٦٥/٢، سعيد)

يكون له العذاب ساعةً واحدةً، وضغطة القبر، ثم ينقطع عنه العذاب كذا في المعتقدات للشيخ أبي المعين النسفي اهـ". شرح حموی ص ٥٦٤ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۴/۱/۵۴۔

صحیح: عبداللطیف، ۸/محرم الحرام/۵۴ھ۔

---

(۱) الاشباہ والنظائر کی عبارت کا اردو ترجمہ:

الاشباہ میں ہے: "اور مامون رہتا ہے مردہ اس میں (یوم جمعہ میں) عذاب قبر سے اور وہ شخص جس کی اس یوم جمعہ میں وفات ہوئی یا اس کی رات میں قبر کے عذاب وفتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔ حموی نے اس کے تحت فرمایا ہے: میں کہتا ہوں کہ اہل سنت والجماعت نے فرمایا ہے کہ عذاب قبر حق ہے اور منکر نکیر کا سوال اور قبر کا دبوچنا حق ہے، خواہ (میت) مؤمن ہو یا کافر، فرماں بردار ہو یا نافرمان، لیکن اگر کافر ہو تو اس کا عذاب دائمی ہوتا ہے اور یوم جمعہ اور شہر رمضان میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرمت کی بناء پر عذاب ان سے اٹھالیا جاتا ہے اس لیے کہ جب تک وہ زندہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرمت کی وجہ سے دنیا میں عذاب نہیں فرمایا۔ پس اسی طرح قبر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرمت کی بناء پر یوم جمعہ اور رمضان میں ان سے عذاب اٹھالیا جائے گا۔ گوشت کو روح کے ساتھ متصل کر کے اور جسم کو روح کے ساتھ متصل کر کے عذاب دیا جائے گا، تاکہ جسم کے ساتھ روح کو بھی تکلیف ہو اگرچہ روح جسم سے خارج ہوگئی۔

پھر مومن دو قسم کے ہوتے ہیں: اگر وہ فرماں بردار ہے تو اس کو عذاب تو نہ ہوگا، البتہ قبر کا دبوچنا ہوگا وہ اس کا خوف وہول محسوس کرے گا اور اگر وہ نافرمان ہے تو عذاب قبر بھی ہوگا اور قبر کا دبوچنا بھی، لیکن یوم جمعہ اور لیلۂ جمعہ میں عذاب قبر ختم ہوجائے گا پھر قیامت تک عذاب نہیں ہوگا اور اگر وہ یوم جمعہ یا لیلۂ جمعہ میں فوت ہوا تو عذاب اور قبر کا دبوچنا ایک ساعت کے لئے ہوگا، پھر عذاب ختم ہوجائے گا۔ (کذا فی المعتقدات للشیخ ابی المعین النسفی رحمہ اللہ تعالیٰ اھ۔

(الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، الفن الثالث: الجمع والفرق، القول في أحكام الجمعة: ۳/۲۰۰، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية) .... =

نافرمان پر عذاب برزخ میں ہوتا ہے یا قیامت میں؟

سوال[۳۴۶] : ایمان دار کے فرائض وواجبات چیزوں کو چھوڑنے سے یا پوری طریقے سے عمل نہ کرنے سے ایسے ایماندار کے انتقال کے بعد اس کو عذاب عالم برزخ میں ہوگا یا قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

سلسلہ برزخ سے ہی شروع ہوجاتا ہے(۱) حساب وکتاب کے بعد بھی ہوتا ہے (۲) اللهم احفظنا منه۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح : بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۵/ ۸۷ھ۔

= "قال أهل السنة والجماعة : عذاب القبر حق ،وسوال منكر ونكير وضغطة القبر حق، لكن إن كان كافراً فعذابه يدوم إلى يوم القيامة ،ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان ،فيعذب اللحم متصلاً بالروح والروح متصلاً بالجسم، فيتألم الروح مع الجسد وإن كان خارجاً عنه. والمؤمن المطيع لايعذب بل له ضغطة يجد هول ذلك وخوفه. والعاصي يعذبه ويضغط، لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها، ثم لايعود، وإن مات يومها أو ليلتها، يكون العذاب ساعةً واحدةً وضغطة القبر ثم يقطع، كذافي المعتقدات للشيخ أبي المعين النسفي الحنفي من حاشية الحنفي ملخصاً". (رد المحتار ،باب الجمعة ، مطلب : ماختص به يوم المجعة : ۲/ ۱۶۵، سعيد)

(وكذافي شرح الفقه الأكبر للملاعلي القاري، ص: ۱۰۱ ،قديمي)

(۱) "وأما البرزخ فأول دار الجزاء، فظهر فيها من ذلك ما يليق بتلك الدار، و تقتضي الحكمة إظهاره، فإذا كان يوم القيامة الكبرى و في أهل الطاعة و أهل المعصية ما يستحقونه من نعيم الأبدان والأرواح و عذابهما، فعذاب البرزخ و نعيمه أول عذاب الآخرة و نعيمها ، و هو مشتق منه، و واصل إلى أهل البرزخ هناك، كما دل عليه القرآن والسنة الصحيحة الصريحة في غير موضع دلالة صريحة . كقوله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم : "فيفتح له باب إلى الجنة فيأتيه من رَوحها و نعيمها" و في الفاجر : " فيفتح له باب إلى النار فيأتيه من حرها وسمومها". (كتاب الروح ، المسألة السابعة: كون القبر حفرةً من حفر النار أو =

کیا عذاب قبر فاسق کو بھی ہوگا؟

سوال[۳۴۷]: "و عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال: إنما النفاق كان على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم، فأما اليوم فإنما هو الكفر أو الإيمان"۔ (مشكوة شريف، ص: ۱۸)(۱)۔

روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر میں افرادِ انسانی کی تقسیم تین حصوں میں کی جاسکتی ہے: اگر الوہیت اور رسالتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والا ہوتو مسلمان ہے اور اگر سب کا انکار کرتا ہو، خدا کی صفات میں دوسروں کو شریک کرتا ہوتو وہ کافر ہے اور اگر ظاہراً مذکورہ چیزوں پر ایمان رکھتا ہو، زبانی دعویٰ کرتا ہو لیکن باطنی طور پر ان کا منکر ہوتو وہ منافق ہے۔

= روضة من رياض الجنة، ص: ۹۷، مكتبه فاروقيه پشاور)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم مر بقبرين، قال: "إنهما ليعذبان، وما يعذبان في كبير، أما أحدهما فكان لا يستتر من البول، وأما الأخر فكان يمشي بالنميمة" الحديث. (الصحيح للبخاري: ۱/۳۵، باب ما جاء في غسل البول، قديمي)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن يهودية دخلت عليها فذكرت عذاب القبر، فقالت: أعاذك الله تعالىٰ من عذاب القبر، فسألت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم عن عذاب القبر فقال: "نعم، عذاب القبر حق". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵، باب إثبات عذاب القبر، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و أما من خفت موازينه فأمه هاوية، و ما أدرك ماهية، نار حامية﴾. (سورة القارعة ۸، ۹، ۱۰، ۱۱)

"قال صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "إن المفلس من أمتي من يأتي يوم القيامة بصلوة و صيام و زكوة يأتي قد شتم هذا و قذف هذا، و أكل مال هذا، و سفك دم هذا، و ضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته، وهذا من حسناته، فإن فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه أخذ من خطايا هم فطرحت عليه، ثم يطرح في النار". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵۹، لأبي منصور الماتريدي، قطر)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر و علامات النفاق: ۱/۱۸، قديمي)

"عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم قال: "یأتیہ ملکان فیجلسانہ، فیقولان لہ: من ربك؟ فیقول: ربی اللہ، فیقولان لہ: ما دینك؟ فیقول: دینی الإسلام، فیقولان: ما هذا الذی بعث فیکم؟ فیقول: هو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فیقولان لہ: ما یدریك؟ فیقول: قرأت کتاب اللہ فآمنت بہ و صدقت، فذلك قولہ: ﴿یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت﴾ الخ (مشکوۃ شریف ، ص:۲۷) (۱)۔

روایت سے معلوم ہوا کہ مسلمان بندہ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب ٹھیک ٹھیک دیدے گا لیکن کافر منافق جواب نہیں دے سکیں گے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ مسلمان دوقسم کے ہیں: فاسق وفاجر، متقی و پرہیز گار۔ عذاب قبر کے متعلق جو بھی روایت ہے اس میں مطلق مسلمان کا لفظ ہے اور اس کا جواب ہے، کہیں بھی اس کی توضیح نہیں ہے کہ فاسق مسلمان کا جواب کیا ہوگا؟ اگر فاسق مسلمان کا جواب بھی وہی ہے جو روایت میں مذکور ہے تو اس کا انجام اچھا ہونا چاہئے، قبر وسیع اور جنت کا ایک ٹکڑا ہونا چاہئے، لیکن روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق مسلمان عذاب قبر میں گرفتار ہوتا ہے، خود حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ ان کی موت پر عرشِ باری ہل گیا تھا، ان کے جنازے کی نماز میں ستر ہزار فرشتے شریک تھے، لیکن ان پر قبر تنگ ہوگئی تھی، فراخیٔ قبر کے لئے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اصحابِ نبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دعاء واستغفار کی۔ (مشکوۃ شریف، ص:۲۶)(۲)۔

"و فی روایة عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم قال: "(یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت)"، نزلت فی عذاب القبر، یقال لہ: من ربك؟ فیقول: ربی اللہ و نبیی محمد". متفق علیہ". (مشکوۃ شریف ، ص: ۲٤) (۳)۔

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح ، کتاب الإیمان،باب إثبات عذاب القبر: ۱/ ۲۵، قدیمی)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم: "هذا الذی تحرک لہ العرش، و فتحت لہ أبواب السماء، وشهدہ سبعون ألفاً من الملائکة، لقد ضُمّ ضمةً، ثم فرج عنہ". (مشکوۃ المصابیح ، کتاب الإیمان،باب إثبات عذاب القبر، ص: ۲٦، قدیمی)

(۳) (مشکوۃ المصابیح ، کتاب الإیمان،باب إثبات عذاب القبر، ص: ۲۴، قدیمی)

مذکورہ روایت کے ذریعہ معلوم ہوا کہ مسلمان کو قولِ ثابت کے ذریعہ ثابت قدم بھی رکھا جائے گا، یہاں بھی کوئی وضاحت اس کی نہیں کہ صرف متقی کو ثابت قدم رکھا جائے گا یا فاسق و متقی دونوں کو؟ فاسق مسلمان کا جواب جب یہ ہوگا تو انجام اچھا ہونا چاہئے، حاصلِ کلام یہ کہ فاسق مسلمان کا نکیرین کے سوال پر جواب کیا ہوگا؟ اگر ''ربی اللہ، ونبی محمد، و دینی الإسلام'' ہوگا تو فاسق کا انجام قبر میں اچھا ہونا چاہئے اور اگر جواب یہ نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں سوال عقیدہ سے متعلق ہوگا۔ لہذا فاسق کو عذابِ قبر میں گرفتار نہیں ہونا چاہئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

''عذاب القبر حق سواء کان مؤمناً أو کافراً، أو مطیعاً أو فاسقاً''۔ (شرح فقہ اکبر، ص: ۱۳۳)(۱)۔

مؤمن خواہ مطیع ہو یا فاسق ہو، نکیرین کے سوال کے جواب میں اقرارِ توحید و رسالت و دین کرے گا(۲) پھر جن اعمال پر عذابِ قبر تجویز ہے جیسے نمیمہ اور عدمِ اجتناب عن البول وغیرہ ان کی وجہ سے اس پر عذاب بھی ہوگا (۳) پھر صدقہ جاریہ یا ولدِ صالح کی دعا یا علم نافع کی وجہ سے (۴) یا کسی کی شفاعت (۵)

(۱) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ضغطة القبر و عذابه حق، ص: ۱۰۱، قديمی)

(۲) ''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: ''إذا أقبر الميت، أتاه ملكان أسودان أزرقان، يقال لأحدهما: المنكر، و للآخر: النكير، فيقولان: ما كنت تقول في هذا الرجل؟ فيقول: هو عبد الله و رسوله، أشهد أن لا إله إلا الله و أن محمداً عبده و رسوله، فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول هذا''. (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر، ص: ۲۵، قديمی)

(۳) ''عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مر النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم على قبرين فقال: ''إنهما ليعذبان، و ما يعذبان من كبير''. ثم قال: ''أما أحدهما، فكان يسعى بالنميمة، و أما أحدهما فكان لا يستتر من بوله''. (صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب عذاب القبر من الغيبة والبول: ۱/۱۸۴، قديمی)

(۴) ''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: ''إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له''. (رواه مسلم) (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول، ص: ۳۲، قديمی)

(۵) ''النوع السادس: الشفاعة في تخفيف العذاب عمن يستحقه، كشفاعته في عمه أبي طالب أن =

وثواب رسانی سے (۱) یا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا عذاب کم یا ختم ہوجائے گا (۲) اور کافر پر کفر کی وجہ سے جو عذاب ہوگا وہ دائمی ہوگا:

"و لكن إذاكان كافراً، فعذابه يدوم في القبر إلى يوم القيامة، و إن كان عاصياً، يكون له عذاب القبر و يرتفع عنه العذاب يوم الجمعة الخ". (شرح فقه اكبر، ص: ۱۲۳) (۳)۔

اگر مؤمن مطیع ہے تو اس کو عذاب قبر نہیں ہوگا صرف ضغطہ ہوگا:

"المؤمن مطيعاً لا يكون له عذاب القبر، و يكون له ضغطة، فيجد هول ذلك"۔ (شرح فقه اكبر، ص: ۱۲۳) (٤)۔

یہ فائدہ ہر مسلمان مطیع و فاسق کو ہوگا کہ وہ عذاب دائمی سے محفوظ ہوجائے گا، پھر مؤمن پر انعامات فوراً ہی شروع ہوجائیں گے اور عاصی کو کچھ دیر لگے گی۔

یہ بات صحیح ہے کہ قبر میں سوال اعمال سے نہیں ہوگا لیکن اعمالِ سیئہ یکسر معدوم نہیں کردیئے جائیں گے بلکہ ان کی سزا روایات میں صراحۃً موجود ہے (۵)، عقیدہ صحیح ہونے کے باوجود معاصی کی وجہ سے مطیع و عاصی

= يخفف عنه عذابه". (شرح العقيدة الطحاوية، ص: ۲۳۳، قديمى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين جآء وا من بعدهم، يقولون ربنا اغفر لنا و لإخواننا الذين سبقونا بالإيمان﴾ (الحشر: ۱۰) فأثنى الله سبحانه عليهم باستغفارهم للمؤمنين قبلهم، فدل على انتفاعهم باستغفار الأحياء". (كتاب الروح، المسألة السادسة عشرة: ۱۵۵، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يعذب من يشآء و يغفر لمن يشآء، و الله على كل شيىء قدير﴾ (المائدة: ۴۰)

(۳) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۰۱، ۱۰۲، قديمى)

(۴) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۰۲، قديمى)

(۵) (راجع، ص: ۶۴۳، رقم الحاشية: ۲)

میں فرق ہوگا۔ کتاب الروح، مرقاۃ (۱)، شرح الصدور (۲) وغیرہ سے یہی تفصیل ظاہر ہوتی ہے اور اس سے روایات میں تعارض بھی نہیں رہتا۔

تنبیہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی ان کے جنازے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شریک نہیں تھے، آپ نے جو واقعہ نقل کیا ہے وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جیسا کہ مشکوۃ شریف، ص: ۲۶ میں ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

(۱) "(عن البراء بن عازب رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: يأتيه ملكان .... ويفسح له فيها مد بصره............ وقيل في التوفيق بين هذا وبين قوله: سبعون ذراعاً في سبعين .... أن يكون بحسب اختلاف أحوال الأشخاص في الأعمال والدرجات". (مرقاة المفاتيح: ۱/۳۵۰، ۳۵۲، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۱۳۱، رشيديه)

(۲) " أخرج إبن أبي الدنيا عن محمد اليتمي قال: كان يقال: ضمّة القبر، إنما أصلها أنها أمهم، ومنها خلقوا، فغابوا عنها الغيبة الطويلة، فلمّا ردّ إليها أولا دها ضمتهم ضم الوالدة غاب عنها ولدها، ثم قدم عليها، فمن كان لله مطيعاً ضمّته برأفة ورفق، ومن كان عاصياً ضمّته بعنف، سخطاً منها عليه لربها". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، ص: ۱۱۵، باب ضمة القبر لكل أحدٍ، رقم الحديث: ۲۴، دار المعرفة، بيروت)

(۳) (مشكوة المصابيح، باب إثبات عذاب القبر: ۲۶، قديمي)

ما یتعلق بالجزآء والعقوبة

(سزاوجزا کا بیان)

نفخ صور کتنی مرتبہ ہے؟

سوال[۳۴۸]: ایک سوال کے جواب میں تفسیر ابن کثیر ص:۶۳ سے آپ نقل فرماتے ہیں کہ ''نفخ صور تین مرتبہ ہوگا'' (انتہی)(۱) حالانکہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ موضح القرآن میں آیت: ﴿فصعق من فی السموات و من فی الأرض﴾ کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''نفخ صور ایک بار ہے سارے عالم کے فنا کا، دوسرا ہے زندہ ہونے کا، تیسرا ہے بیہوشی کا بعد حشر کے، چوتھا خبردار ہونے کا۔ اس کے بعد اللہ کے سامنے ہوجائیں گے'' (انتہی)(۲) مکرر نظر ثانی فرما کر تصحیح فرما دیجئے، میری سمجھ ناقص میں یہ آتا ہے کہ ''فصعق'' کے معنیٰ بے ہوشی کے لئے ہیں، اگر مرنے کے ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں ''پس بمیرد هر که در آسمانها''. فتح الرحمن) تو چار کا عدد پورا نہیں ہوتا، آپ یہ بھی ارشاد فرمادیں کہ تفسیر ابن کثیر میں تین مرتبہ لکھا ہے تو اول کب ہوگا، دوم کب، سوم کب؟ اس کو بھی نقل فرمادیجئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۷۷ سورہ نمل: ﴿یوم ینفخ فی الصور، ففزع من فی السموات﴾ الآیة کے ذیل میں نفخ صور کی آیات کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''و قوله: (یوم ینفخ فی الصور) فهذه نفخة الفزع، ثم بعد ذلك نفخة الصعق و هو الموت، ثم بعد ذلك نفخة القیام لرب العالمین و هو النشور من القبور بجمیع الخلائق اهـ''(۳).

---

(۱) (تفسیر ابن کثیر، (یٰسین: ۵۱): ۳/۷۵۸، مکتبه دار الفیحاء، بیروت)

(۲) (تفسیر موضح القرآن (الزمر: ۶۸): ص: ۷۷۱، تاج کمپنی قرآن منزل لاهور)

(۳) (تفسیر ابن کثیر، (النمل: ۸۷): ۳/۵۰۲، مکتبه دار الفیحاء)

سورہ یٰسین کے ذیل میں ہے: ﴿و نفخ فی الصور﴾ هذه هی نفخة الثالثة و هی نفخة البعث والنشور للقیام من الأجداث والقبور اهـ": ٤/٦٣(١)۔

سورۂ زمر کے ذیل میں ہے:

﴿ونفخ فی الصور﴾ هذه النفخة هی الثانیة، و هی نفخة الصعق، و هی اللتی یموت بها الأحیاء من أهل السموات والأرض إلا من شاء الله (إلیٰ قوله) یحییٰ، أول من یحییٰ إسرافیل، ویأمره أن ینفخ فی الصور أخریٰ، و هی النفخة الثالثة نفخة البعث"(٢)۔ نفخۂ رابعہ کا اس تفسیر میں کہیں بھی ذکر نہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر کبیر: ۴/۱۹۱ میں سورہ زمر " فزع " اور " صعق " کے متعلق دو قول نقل کئے ہیں: ایک قول پر نفخ صور صرف دو مرتبہ ثابت ہوتا ہے، ایک قول پر تین مرتبہ:

" واختلفوا فی الصعقة، منهم من قال: إنها غیر الموت بدلیل قوله تعالیٰ فی موسیٰ علیه السلام: ﴿وخر موسیٰ صعقاً﴾ مع أنه لم یمت، فهذا هو النفخ الذی یورث الفزع الشدید، وعلی هذا التقدیر فالمراد من نفخة الصعقة و من نفخ الفزع واحد، وهو المذکور فی سورة النمل فی قوله: ﴿و یوم ینفخ فی الصور، ففزع من فی السموات و من فی الأرض﴾ و علی هذا القول فنفخ الصور لیس إلا مرتین. والقول الثانی أن الصعقة عبارة عن الموت، والقائلون بهذا القول قالوا: إنهم یموتون من الفزع و شدة الصوت، وعلی هذا التقدیر فالنفخة تحصل ثلاث مرات: أولها نفخة الفزع و هی المذکور فی سورة النمل، والثانیة نفخة الصعق، والثالثة نفخة القیام، وهما مذکورتان فی هذه السورة اهـ" (٣)۔

سورہ نمل اور سورہ یٰسین میں دو مرتبہ سے زیادہ کا ذکر امام رازی نے بھی نہیں کیا، قاضی ثناء اللہ پانی پتی

---

(١) (تفسیر ابن کثیر، (یٰس : ٥١): ۳/۷۵۸، مکتبه دار الفیحاء)

(٢) (تفسیر ابن کثیر، (الزمر :٦٨) :۴/۸۲، مکتبه دار الفیحاء)

(٣)(التفسیر الکبیر ، (الزمر : ٧٠): ١٨/٢٧ ، مکتب الإعلام الإسلامی)

رحمہ اللہ تعالیٰ نے تذکرۃ المعاد، ص:۱۰(۱) میں ایک قول کی بنا پر دو مرتبہ اور ایک قول کی بنا پر تین مرتبہ نفخ تحریر فرمایا ہے، چوتھی مرتبہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے أشعة اللمعات، ص: ۲۹/٤، میں صرف دو مرتبہ ذکر کیا ہے(۲)، اسی طرح امام غزالی نے احیاء العلوم: ۴/۴۳۵، میں(۳)، شیخ عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر: ۱۵۱/۲(۴) اور مختصر تذکرہ قرطبی، ص:۲۰(۵) میں دو ہی مرتبہ کا ذکر کیا ہے۔ یہاں موضح القرآن بغیر حاشیہ کے ہے۔ خود موضح القرآن میں بھی چار مرتبہ کا ذکر نہیں(۶)۔ تفسیر ابن جریر ۲۴/۱۹، میں حدیثِ مرفوع ہے:" عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ینفخ فی الصور ثلاث نفخات: الأولیٰ: نفخة الفزع، والثانية: نفخة الصعق، والثالثة: نفخة القيام لرب العالمين "اهـ(۱۳)۔ اکلیل حاشیہ مدارک: ۱۱۷/٦، میں چار مرتبہ نفخہ صور کے متعلق لکھا ہے:"ولم ینقله الثقات". پانچ مرتبہ کا قول بھی لکھ کر تردید کی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (تذکرة المعاد، باب دوم در احوالِ روز بعث و نشور که پنجاه هزار ساله باشد تا دخولِ جنت و نار: ۱۰، ۱۱، مطبع نول کشپور)

(۲) (أشعة اللمعات، باب النفخ فی الصور: ۴/۳۶۱، مکتبه نوریه رضویه سکهر)

(۳) "والراجفة هی النفخة الأولی، والرادفة هی النفخة الثانیة". (إحیاء العلوم، کتاب ذکر الموت و ما بعده، صفة أرض المحشر و أهله: ۴/۲۰۷، حقانیه پشاور)

(۴) "و ینفخ إسرافیل فی الصور مرتین: الأولی: نفخة الصعق، والثانیة: نفخة الإحیاء، تسمی إحداهما الراجفة، والأخری الرادفة". (الیواقیت والجواهر، المبحث السادس والستّون فی وجوب اعتقاد أن الله تعالیٰ یعیدنا کما بدأنا أول مرة ...... الخ: ۲/۱۵۱، عباس بن عبد السلام مصر)

(۵) (التذکرة للقرطبی، باب ذکر النفخ الثانی للبعث فی الصور، ص: ۲۰۰، ۲۰۱، أسامة الإسلامیة)

(۶) موضح القرآن کے حاشیہ میں چوتھی مرتبہ نفخ کا ذکر بھی موجود ہے دیکھئے:(تفسیر موضح القرآن ص: ۱۷۷ (سورة الزمر: ۶۸) تاج کمپنی لاهور)

(۷) (تفسیر ابن جریر الطبری، (الزمر: ۶۸): ۲۴/۲۰، دار المعرفة)

کیا چودہویں صدی کے بعد قیامت ہے؟

سوال[۳۴۹] : ۱۳۷۳ھ کی پوری صدی ہونے کے بعد ۱۴۰۰ھ لکھا جائے گا یا نہیں؟ اور پندرہویں صدی بھی تحریر میں آئے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب ۱۳۷۳ھ نہیں بلکہ ۱۳۹۳ھ ہے، جب سات سال میں ۱۴۰۰ھ ہوجائے تو ۱۴۰۰ھ لکھا جائے گا، یہاں تک کہ ۱۵۰۰ھ تک پہونچنے پر ۱۵۰۰ھ لکھا جائے گا، قیامت آنے کی جو علامت بتائی گئی ہیں ان میں سے ابھی باقی ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پندرہویں صدی بھی پوری ہوجائے گی، صحیح علم اللہ کو ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۳ھ۔

زندوں کے رونے سے میت کو اذیت

سوال [۳۵۵] : مرنے والوں کو رونے سے کیا کیا اذیتیں ہوتی ہیں؟

وحیدالدین عبدالغنی، شہر فتح پور، ۲۱/ ربیع الأول/ ۶۴ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

جس حدیث میں یہ ہے کہ اہل میت کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے نے نوحہ کی وصیت کی ہو یا نوحہ کرنے سے رضامند ہو یا اپنے گھر والوں کا حال معلوم تھا کہ وہ نوحہ

---

(۱) جاننا چاہیئے کہ علاماتِ قیامت کی دو قسمیں ہیں: علاماتِ صغریٰ اور علاماتِ کبریٰ، علامہ قرطبی نے ان علامات کو ذکر کیا ہے:

"قال العلماء رحمهم الله تعالىٰ: والحكمة في تقديم الأشراط ودلالة الناس عليها تنبيه الناس من رقدتهم وحثهم على الاحتياط لأنفسهم بالتوبة والإنابة، وتلك الأشراط علامة لانتهاء الدنيا وانقضائها، فمنها خروج الدجال ونزول عيسىٰ، وقتله الدجال. ومنها خروج يأجوج ومأجوج ودابة الأرض. ومنها طلوع الشمس من مغربها هذه هي الآيات العظام على ما يأتي بيانه، وأما ما يتقدم من هذه قبض العلم وغلبة الجهل، واستيلاء أهله ...... وكثرة الحرج فإنها أسباب حادثة الخ". (التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة، ص: ۷۰۹ ط: مكتبه أسامه الإسلاميه مصر)

کریں گے اور پھران کومنع نہیں کیا وغیرہ۔غرض اس طرح علماء نے اس کا مطلب بیان کیا ہے،قلب کا غمگین ہونا اورآنکھ سے آنسوجاری ہونا شرعاً ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے(۱) اس سے میت کوبھی عذاب نہیں ہوتا۔

"إن الميت يعذب ببكاء الحي، فاختلف العلماء في ذلك على مذاهب: أحدها أنه على ظاهره مطلقاً، وهورأى عمربن الخطاب وابنه رضى الله تعالىٰ عنهما. الثاني: لامطلقا. الثالث: أن الباء للحال: أى أنه يعذب حال بكائهم عليه، والتعذيب بماله من ذنب لابسبب البكاء. الرابع: أنه خاص بالكافر، والقولان عن عائشةرضى الله تعالىٰ عنها . الخامس: أنه خاص بمن كان النوح من سنته وطريقته، وعليه البخارى. السادس: أنه فيمن أوصىٰ به كماقال القائل:ـ

إذامت فانعيني بما أنا أهله　　　وشقّى علىّ الجيب ياابنةمعبد

السابع: أنه فيمن لم يوصِ بتركه، فتكون الوصيةبذلك واجبةً إذا علم أن من شأن أهله أن يفعلوا ذلك . الثامن: أن التعذيب بالصفات التى يبكون بهاعليه، وهى مذمومة شرعاً كما كان أهل الجاهلية يقولون: يا مرمل النسوان! يا ميتّم الأولاد! يا مخرب الدور. التاسع: أن المراد بالتعذيب توبيخ الملائكة له بما يندبه به أهله لحديث الترمذى والحاكم وابن ماجه مرفوعاً: "مامن ميت يموت فتقوم نادبته تقول: واجبلاه! واسنداه! أو شبه ذلك من القول،

(۱)"عن جابر بن عبدالله رضى الله تعالىٰ عنهما قال :أخذالنبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيد عبدالرحمن بن عوف، فانطلق به إلى ابنه إبراهيم، فوجده يجود بنفسه، فأخذه النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فوضعه فى حجره فبكى، فقال له عبدالرحمن: أتبكى أولم تكن نهيت عن البكاء؟ قال: "لا، ولكن نهيت عن صوتين أحمقين فاجرين، صوت عند مصيبة، وخمش وجوه، وشق جيوب، ورنة الشيطان". (جامع الترمذى،أبواب الجنائز،باب ماجاء فى الرخصة فى البكاء على الميت : ۱۹٦/۱ ،سعيد)

"قال ميرك : ظن سعد أن جميع أنواع البكاء حرام وأنه عليه الصلوة والسلام نسى، فأعلمه عليه الصلاة والسلام أن مجرد البكاء ودمع العين ليس بحرام ولامكروه، بل هو رحمةوفضيلة، وإنماالمحرم النوح والندب وشق الجيوب وضرب الخدود."(مرقاة المفاتيح،كتاب الجنائز،باب البكاء على الميت : ۲۰۵/۴ ،رشيديه)

إلاوُكّل به ملكان يلهزانه أهكذا كنت". العاشر: أن المراد به تألم الميت بما يقع من أهله لحديث الطبراني وابن أبي شيبة عن صفية بنت مخرمة أنها ذكرت عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولداً لها مات، ثم بكت، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيغلب أحدكم أن يصاحب صويحبه في الدنيا معروفاً، فإذا مات استرجع، فوالذي نفس محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيده! إن أحدكم ليبكي فيستعبر إليه صويحبه فيا عباد الله! لاتعذبوا موتاكم". وهذاالقول عليه ابن جرير رحمه الله تعالىٰ واختاره جماعة من الأئمة آخرهم ابن تيمية رحمه الله تعالى الخ". شرح الصدور، ص: ١٢٤ (١) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۴/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح عبد اللطیف۔

(۱) (شرح الصدور ،باب تأذی الميت با لنياحة عليه، ص: ۲۹۰/ ۲۹۱،دارالمعرفة)

(وكذا في شرح مسلم للنووي، كتاب الجنائز،فصل: إن الميت لايعذب ببكاء أهله عليه : ۱/ ۳۰۲،قديمى)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الجنائز ،باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه إذاكان النوح من سنته: ۳/ ۱۹۸،قديمى)

عربی عبارات کا ترجمہ: مردہ کو اس کے زندہ (گھر والوں کے) رونے دھونے سے عذاب ہوتا ہے، اس میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے چند مذاہب ہیں: ۱: یہ مطلقاً ظاہر پر مبنی ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی رائے ہے۔۲: مطلقاً ظاہر پر مبنی نہیں۔۳: یہ کہ باء حال کے لئے ہے معنی ہوں گے کہ گھر والوں کے رونے کے وقت اس کو عذاب ہوتا ہے تو عذاب گناہ کی وجہ سے ہے نہ کہ بکا کی وجہ سے۔۴: یہ خاص ہے کافر کے ساتھ، یہ دونوں قول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہیں۔۵: یہ اس شخص کے لیے خاص ہے جس کی رونے کی عادت ہو، امام بخاری کا یہی مذہب ہے۔۶: یہ اس شخص کے لیے ہے جس نے رونے کی وصیت کی ہو، شعر: جب میں مرجاؤں میری خوبیوں کی وجہ سے مجھ پر رونا، معبد کی بیٹی میرے لئے گریبان چاک کرنا۔۷: یہ اس آدمی کے لئے ہے جس نے نہ رونے کی وصیت نہ کی ہو، لہٰذا نہ رونے کی وصیت کرنا واجب ہے جبکہ اسے پتہ ہو کہ گھر والے روویں گے۔۸: یہ کہ عذاب ان صفات کو بیان کرنے کی وجہ سے واجب ہے جو شریعت میں مذموم ہوں جیسے زمانہ جاہلیت میں لوگ کہتے تھے: اے عورتوں کو بیوہ کرنے والے، اے بچوں کو یتیم کرنے والے، اے =

معصوم کو سکرات کی تکلیف

سوال [۱۵۱۳]: بچوں کو جو سکرات کی تکلیف ہوتی ہے کس وجہ سے؟ حالانکہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ کس وجہ سے حالانکہ وہ بھی معصوم ہیں؟ عوام میں یہ مشہور ہے کہ جس کو سکرات کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے وہ بہت گنہگار رہتا ہے اور جس کی روح آسانی سے نکل جاتی ہے اس کے ذمہ گناہ نہیں ہوتے، مگر یہ خیال کلیۃً صحیح نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں پہلے موت کی آسانی پر بہت رشک کیا کرتی تھی، لیکن جب سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شدت تکلیف کو دیکھا پھر رشک نہیں کیا:

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ما أغبط أحداً بهون موت بعد الذي رأيت من شدة موت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم". رواه الترمذي والنسائي اهـ". مشكوة شريف، ص: ١٣٦ (١)۔

= گھروں کو ویران کرنے والے۔ ۹: عذاب سے مراد گھر والوں کے رونے کی وجہ سے ملائکہ کا زجر و توبیخ کرنا ہے۔ ترمذی، حاکم اور ابن ماجہ کی مرفوعاً حدیث کی وجہ سے کہ "کوئی آدمی نہیں مرتا کہ اس پر رونے والی کھڑی ہو کر کہتی ہے "واجبلاہ واسنداہ" یا اس جیسے اور الفاظ، مگر دو فرشتے اس پر مقرر ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں لعنت ملامت کرتے ہوئے کیا تو ایسا ہی تھا جیسے تجھے یہ بیان کر رہی ہے"۔ ۱۰: اس سے مراد گھر والوں کے رونے سے میت کا تکلیف پانا ہے۔

طبرانی اور ابن ابی شیبہ کی صفیہ بنت مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث کی وجہ سے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنے بیٹے کا ذکر کیا جس کا انتقال ہو گیا تھا، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کیا تم میں کوئی اس بات سے عاجز ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ دنیا میں اچھے طریقے سے زندگی گزارے اور جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس پر وہ "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! بے شک تم سے کوئی جب روتا ہے اور اپنے ساتھی (کی موت) پر آنسو بہاتا ہے (تو اس میت کو تکلیف ہوتی ہے) خدا کے بندو! اپنے مُردوں کو تکلیف مت پہنچایا کرو"۔ اس قول کو ابن جریر کے ساتھ ائمہ میں سے ایک بڑی جماعت نے بھی اختیار کیا ہے جن میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض و ثواب المرض: ١٣٦/١، قديمي) =

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: ما رأيت أحداً الوجع عليه أشد من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"۔ متفق عليه"(۱)۔

"و عنها قالت: مات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بين حاقنتي و ذاقنتي، فلا أكره شدة الموت لأحد أبداً بعد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". رواه البخاري"۔ (مشكوة شريف، باب عيادة المريض، ص: ۱۳٤(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر مسلم کو سکرات کے وقت سے ہی عذاب ہونے کی دلیل

سوال[۳۵۲]: غیر اقوام کو بحالتِ سکرات سے ہی عذاب شروع ہونے کے متعلق حدیث شریف میں دلیل ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث شریف مرفوع میں ہے جس کو مشکوۃ شریف، ص: ۱۳۹، پر نقل کیا ہے: "إن الكافر إذا حضر، بُشّر بعذاب الله و عقوبته، فليس شيء أكره إليه مما أمامه، فكره لقاء الله و كره الله لقاءه". متفق عليه" (۳) یہ مستقل عذاب ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

= (وجامع الترمذي: ۱/۱۹۲، أبواب الجنائز، باب ما جاء في التشديد عند الموت، سعيد)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض و ثواب المرض: ۱/۱۳۴، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۲/۸۴۳، كتاب المرضى، باب شدة المرض، قديمي)

(وسنن ابن ماجه، ص: ۱۱۷، أبواب ما جاء في الجنائز، باب في النهي عن كسر عظام الميت، مير محمد)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض و ثواب المرض: ۱/۱۳۴، قديمي)

(وسنن نسائي: ۱/۲۵۹، كتاب الجنائز، باب شدة الموت، قديمي)

(۳) (مشكوة المصابيح، باب تمني الموت و ذكره: ۱/۱۳۹، قديمي)

(و صحيح البخاري، باب من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه: ۲/۹۶۳ قديمي) .... =

فواحش کی وجہ سے عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا؟

سوال[۳۵۳]: آج کل ایسا ہورہا ہے کہ باپ اپنی بیٹی سے زنا کررہا ہے اور بھائی اپنی بہن سے زنا کررہا ہے اور سوتیلا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ زنا کررہا ہے، ایسی صورت میں خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو سخت سے سخت سزا اس دنیا میں کیوں نہیں دیتا تا کہ دوسرے لوگ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سزا کے لئے اصالۃً دارِ آخرت کو تجویز فرمایا گیا ہے دنیا عمل کے لئے ہے (۱)، البتہ عملِ بد کے کچھ اثرات دنیا میں بھی مرتب ہوتے ہیں، کبھی اعمال صالحہ کی برکت سے وہ اثرات کم بھی ہوجاتے ہیں اور جہاں بھی یہ جاری ہے وہاں اس کے اثرات بھی ہیں۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی ہے کہ ''اس امت پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ ہو جو اس کو ہلاک کرڈالے اور یہ دعاء قبول ہوئی ہے'' (۲)، ہلاک ہونے سے پہلے پہلے توبہ کا بھی موقع ہے (۳) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ باپ اگر بدعمل ہوتو اس کی اس سے کوئی صالح اولاد پیدا ہوجائے جو کہ دین کی خدمت کرے، ہلاک ہونے کے بعد یہ توقع ختم ہوجائے گی، اس کی بھی مہلت دی جاتی ہے۔

= ''ان الكافر إذا بشر بعذاب الله و سخطه، كره لقاء الله و كره الله لقاء ه''. (الصحيح لمسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب من أحب لقاء الله أحب الله لقاء ه الخ: ۲/۳۴۳، قديمى)

(۱) ''الدنيا مزرعة الآخرة''. (اتحاف السادة المتقين: ۸/۵۳۹، بيروت)

(وكشف الخفاء للعجلونى: ۱/۴۹۵، دار التراث)

(۲) ''عن خباب بن الأرت .... قال (رسول الله صلى الله عليه وسلم) ......''و إني سألت الله فيها ثلاثاً، فأعطاني اثنتين و منعني واحدةً: سألته أن لا يهلك أمتي بسنة فأعطانيها، وسألته أن لا يسلط عليهم عدواً من غيرهم فأعطانيها، و سألته أن لا يذيق بعضهم بأس بعض فمنعنيها''. رواه الترمذي والنسائي''.

(مشكوة المصابيح، باب فضائل سيدالمرسلين صلوات الله و سلامه عليه: ۲/۵۱۳، قديمى)

(۳) ''عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ وسلم: ''إن الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر''. رواه الترمذي وابن ماجه''.(مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۱/۲۰۴، قديمى)

تنبیہ: بغیر ثبوتِ شرعی کے کسی کو زانی کہنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے، قرآن پاک نے ایسے شخص کی سزا اَسّی ۸۰/کوڑے مقرر کی ہے اور ہمیشہ کے لئے اس کی گواہی کو مردود قرار دیدیا ہے(۱) اس لئے ہرگز ایسی بات نہ کہی جائے، جس طرح زنا کرنا جرم ہے، کسی کو زانی کہنا بھی حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۰ھ۔

مساجد کو شہید کرنے پر سزا فوراً کیوں نہیں دی جاتی؟

سوال[۳۵۴]: غیر قوم کو اللہ تعالیٰ ولی اللہ کی درگاہوں کو شہید کرنے پر فوراً سزا دیتا ہے، لیکن اس کے گھروں کو یعنی مساجد کو شہید کرنے پر ان لوگوں کو فوراً سزا کیوں نہیں دیتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قرآن شریف وحدیث شریف سے کہاں ثابت ہے کہ ولی اللہ کی درگاہ کو شہید کرنے پر فوراً سزا دیتا ہے، ۱۹۴۷ء سے اب تک مشرقی پنجاب میں کتنے اولیاء کی درگاہیں شہید کردی گئیں، اور بھی جگہ جگہ ایسا ہوا ہے مگر فوراً سزا نہیں دی گئی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور جہاں فوراً سزا دی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، مساجد کے شہید کرنے پر فوراً سزا نہیں دی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۳/۹۱ھ۔

سب سے پہلے کس کا حساب ہوگا؟

سوال[۳۵۵]: میدان حشر میں حساب پہلے کس کا ہوگا؟ آیا انسان کا یا جنات کا؟ پھر ان میں سے کون سے انسان کا پہلے حساب ہوگا یا کون سے جنات کا؟ آیا نبیوں میں سے کس نبی کا ہوگا؟ اولیاء یا عالموں یا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والذین یرمون المحصنٰت، ثم لم یأتوا بأربعة شهدآء، فاجلدوهم ثمانین جلدةً، و لا تقبلوا لهم شهادة أبداً، و أولٰئک هم الفاسقون﴾. (النور: ۴)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن ربک فعال لما یرید﴾ (هود: ۱۰۷)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿سنستدرجهم من حیث لا یعلمون، و أملی لهم إن کیدی متین﴾. (سورة الأعراف: ۱۸۲، ۱۸۳)

شہیدوں کا یا مجرموں کا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ کسی کتاب میں دیکھنا یاد نہیں، اس پر نہ مدارِ نجات ہے، نہ کسی مسئلہ فقہیہ عملیہ کا ترتب ہے، اس لئے اس کی تفتیش کی ضرورت نہیں سمجھی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۹۵ھ۔

رمضان میں مرنے والے سے حساب

سوال [۳۵۶] : اگر کوئی شخص رمضان شریف میں مرجائے تو اس سے حساب ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو پورا حساب ہوگا بعد رمضان یا بعد رمضان کچھ تخفیف کے ساتھ ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

امید ہے کہ بالکل حساب نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۵ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا لا تسئلوا عن أشیاء إن تبد لکم تسؤکم﴾ (المائدة: ۱۰۱)

"المعنی لا تسئلوا عن أشیاء عفا اللہ عنها و لم یکلف بها". (التفسیرات الأحمدیه، ص: ۳۸۰)

"عن المغیرة رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "إن اللہ حرم علیکم عقوق الأمهات، و منعاً وهات و وأد البنات، و کره لکم قیل و قال و کثرة السؤال وإضاعة المال". (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر: ۲/ ۸۸۴، قدیمی)

(۲) "عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم : "من وافق موته عند انقضاء رمضان دخل الجنة".

"عن حذیفة رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم : "من قال: لا إله إلا اللہ ابتغاء وجه اللہ ختم له بها، دخل الجنة، ومن صام یوماً ابتغاء وجه اللہ ختم له به، دخل الجنة". (شرح الصدور للعلامة السیوطی، ص: ۳۰۶، باب أحسن أوقات للموت، دار المعرفة بیروت)

"قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق، و سوال منکر و نکیر و ضغطة القبر حق، لکن إن =

حشر میں والد کے نام سے پکارا جائے گا یا والدہ کے؟

سوال[۳۵۷]: کیا قبر یا حشر میں میت کو باپ کے نام سے پکارا جائے گا؟ سنن ابوداؤد شریف میں ایک حدیث ہے جو حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اپنے نام اچھے رکھو کیونکہ حشر میں اپنے باپ داداؤں کے نام سے پکارے جاؤ گے" (۱)۔ حدیث وقرآن پاک سے ثبوت دیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

حشر میں ماں کی طرف منسوب کرکے پکارے جانے کے متعلق کوئی قوی حدیث میری نظر سے نہیں گزری، البتہ بذل المجہود شرح ابوداؤد: ۵/ ۲۶۷، میں نقل کیا ہے:

"قد جاء في بعض الروايات أنه يدعى الناس يوم القيامة بأسماء أمهاتهم، فقيل: الحكمة فيه ستر حال أولاد الزنا لئلا يفتضحوا، وقيل: ذالك لرعاية حال عيسىٰ بن مريم عليه الصلاة والسلام، وقيل: غير ذلك، فإن ثبت هذه الرواية حمل الآباء على تغليب كما في الأبوين، أو يحمل أنهم يدعون تارةً بالآباء وأخرى بالأمهات، أو البعض بالآباء والبعض بالأمهات"(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۴/ ۸۹ھ۔

= كان كافراً فعذابه يدوم إلى يوم القيامة، و يرفع عنه يوم الجمعة و شهر رمضان". (رد المحتار: ۲/۱۶۵، سعيد)

(و كذا في شرح الملا على القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۰۱، بحث عذاب القبر، قديمي)

(۱) "عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم وأسماء آبائكم، فأحسنوا أسماء كم". (أبوداؤد، أول كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء: ۲/۳۲۸، حقانيه، ملتان)

(۲)(بذل المجهود، كتاب الأدب، باب في تغيير الاسماء: ۵/۲۶۷، معهد الخليل)

"دربعضے روایات آمدہ کہ روزِ قیامت مردم را بنامِ مادران خوانند، و گفتہ اند کہ حکمت دریں آں ست کہ تا اولادِ زنا شرمندہ و رسوا نشوند، وبجہتِ رعایتِ حالِ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام پدر ندارد"۔ (اشعة اللمعات، كتاب الآداب، =

کیا سب شاعر دوزخ میں جائیں گے؟

سوال[۳۵۸] : دوران گفتگو ایک صاحب نے کہا کہ اکثر شاعر جو غلط گوئی کرتے ہیں دوزخ میں جائیں گے، اس پر حکیم شکیل صاحب نے برجستہ فرمایا کہ اگر اکثر شاعر دوزخ میں جائیں گے تو حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی دوزخ میں جائیں گے کیونکہ وہ بھی شاعر تھے، علمائے دین کی اس میں کیا رائے ہے اور اس شخص پر کفر عائد ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شعر تو کلام موزون ہے، صحیح ہو تو صحیح ہے، غلط ہو تو غلط ہے(۱) محض وزن کی وجہ سے اس پر جنت، دوزخ

= باب الأسامی : ۵۰/۴، مکتبه نوریه سکھر)

"وأن الناس يدعون يوم القيامة بأمهاتهم، وأن الحكمة في الدعاء بهن دون الآباء رعاية حق عيسى عليه الصلاة والسلام، وشرف الحسن والحسين، ولا يفضح أولاد الزنا، وليت شعري أيهما أبدع أصحة تفسيره أم بهاحكمة انتهى، وهو مروي عن محمد بن كعب". (روح المعاني، (الاسراء: ۷۱): ۱۲۱/۱۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في الجامع أحكام القرآن للقرطبي، (الإسراء: ۷۱): ۱۹۳/۱۰، دارالكتب العلمية)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ذكر عند رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الشعر، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم": "هو كلام فحسنه حسن، وقبيحه قبيح". رواه الدار قطني". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، قديمي)

"والغرض أنه صلى الله عليه وسلم استحسن شعر أمية واستزاد من إنشاده لما فيه من الإقرار بوحدانية الله تعالى والبعث، وهذا يؤيد قول من قال من أرباب الحال: انظر إلى ما قال، ولا تنظر إلى من قال ....وفيه استحباب إنشاد الشعر المحمود المشتمل على الحكمة". (المرقاة، المصدر المتقدم: ۵۴۰/۸، رشيديه)

"وقال في تبيين المحارم: واعلم أن ما كان حراماً من الشعر ما فيه فحش، أو هجو مسلم، أو كذب على الله تعالى، أو رسوله صلى الله تعالى عليه وسلم أو على الصحابة أو تزكية النفس أو الكذب، أو التفاخر المذموم، أو القدح في الأنساب، و كذا ما فيه وصف أمرد أوامرأة بعينها إذا كانا حيين". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس: ۳۵۰/۶، سعيد)

"وفي النوازل: قراءة شعر الأديب إذا كان فيه ذكر الفسق والخمر والغلام يكره والاعتماد في الغلام على ما ذكرنا في المرأة كذا في المحيط. قيل: إن معنى الكراهة في الشعر أن يشتغل الإنسان =

کا حکم مرتب نہیں ہوتا۔ جو شخص عقائد حقہ کے خلاف بات کہے، دین کا اور اہل دین کا مذاق اڑائے، زمین وآسمان کے قلا بے ملائے وہ مجرم ہے(۱) اور شعر بکثرت ایسے ہی ہوتے ہیں۔

جو لوگ دین کی تعلیم اور اخلاق کی ہدایات اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ اور اللہ پاک کی حمد کو اشعار میں پیش کرے وہ مجرم نہیں (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے ہی تھے)(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آجکل کے شعراء پر قیاس کرنا غلط ہے۔ حکیم شکیل احمد صاحب کے سامنے یہ تفصیل پیش کردی جائے، امید کہ وہ اپنی بات سے رجوع کر کے توبہ واستغفار کریں گے اور فتویٰ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۰ھ۔

کیا کلمہ پڑھ کر مرنے والے کو بداعمالی کی سزا ہے؟

سوال[۳۵۹]: جس آدمی کا خاتمہ ایمان پر ہو یعنی کلمہ پڑھ کر مر گیا ہو، آیا اس کو اس کی بداعمالی کی سزا

= بہ، فیشغلہ ذلک عن قرأۃ القرآن والذکر، أما إذا لم یکن کذالک، فلابأس بہ إذا کان من قصدہ أن یستعین بہ علی علم التفسیر والحدیث، کذا فی الظہیریۃ". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب السابع عشر فی الغناء واللھو وسائر المعاصی والأمر بالمعروف: ۵/۳۵۱، ۳۵۲، رشیدیہ)

"ولو کان فی الشعر حکم أو قصة لا یکرہ وکذا لو کان فیہ ذکر امرأۃ غیر معینۃ، وکذا لو کانت معینۃ وھی میتۃ، ولو کانت حیۃً یکرہ". (البحر الرائق، کتاب الکراھیۃ، فصل فی الأکل والشرب: ۸/۳۴۶، رشیدیہ)

(۱) "فی شرح مسلم: قالوا: المراد منہ أن یکون الشعر غالباً علیہ متولیاً بحیث یشغلہ عن القرآن أو غیرہ من العلوم الشرعیۃ، وذکر اللہ تعالی، وھو مذموم من أیّ شعر کان ...... وقال السیوطی: قیل: خاص بشعر ھجی بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لروایۃ شعر أھجیت بہ، قلت: الظاھر الإطلاق وھو یدخل فیہ دخولاً أوّلیاً، ولعل وجہ تخصیصہ بالذکر تنبیھاً علی أنہ أقبح أنواعہ، أو شعاراً بأن الشعر مذموم؛ لأنہ قد یؤدی إلی ذلک .... فإن ھذا النوع من الشعر وما یلحق بہ من ھجو مسلم أو افتراء مذموم". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الأدب، باب البیان والشعر، الفصل الأول: ۸/۵۴۶، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۲) "والغرض أنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استحسن شعر أمیۃ، واستزاد من إنشادہ، لما فیہ من الإقرار بوحدانیۃ اللہ تعالیٰ والبعث، وھذ یؤید قول من قال من أرباب الحال: أنظر إلی ماقال ولا تنظر إلی من قال .... وفیہ استحباب إنشاد الشعر المحصور المشتمل علی الحکمۃ". (المرقاۃ المصدر المتقدم)

ملے گی؟ یا بلا سزا اور بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہو جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

بد اعمالی کی سزا کا وہ بھی مستحق ہے، حق تعالیٰ فضل فرمادے تو بے حساب جنت میں داخل کردے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۹۳ھ۔

نافرمانوں کا حشر

سوال[۳۶۰]: جولوگ شریعت پر مطلقاً عمل نہیں کرتے ان کا کیا حشر ہوگا؟ بخشش ہوگی یا نہیں جب کہ روز بروز اس کی نافرمانی کرنے سے اس کا قلب سیاہ ہوتا جاتا ہے تو ایمان کیا باقی رہتا ہوگا؟ نیز جولوگ علی الاعلان کبائر میں مبتلا ہوں اور دین کی باتوں کا مذاق بھی اڑاتے ہوں تو ان کا کیا حال ہوگا اور کبائر میں کھلے عام مبتلا ہوں مگر ان کو اس پر ندامت بھی ہو تو انکا کیا حال ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

سخت سزا کے مستحق ہونے کے باوجود حق تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرمادے تو کوئی مانع نہیں: ﴿یغفر لمن یشآء ویعذب من یشآء﴾ (۲) اور جس کو ندامت ہو جائے جو کہ توبہ کی اصل ہے تو یہ بھی سبب

---

(۱) "و یجوز العقاب علی الصغیرة سواء اجتنب مرتکبها الکبیرة أم لا لدخولها تحت قوله تعالیٰ: ﴿ویغفر ما دون ذلک لم یشآء﴾ ..... والعفو عن الکبیرة الخ". (شرح العقائد النسفی، ص:۸۶، ۸۷، المطبع الیوسفی)

(وکذا فی شرح الفقه الأکبر لملا علی القاری، ص: ۱۲۸، قدیمی)

"(وعذابه): أی إیلامه (حق کائن للکفار کلهم أجمعین، و لبعض المسلمین): أی عصاة المسلمین ..... الخ" (شرح فقه الأکبر ص: ۱۰۱، قدیمی)

قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله لا یغفر أن یشرک به، و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء﴾ (سورة النساء:۴۸،۱۱۶)

(۲) (المائدة : ۱۸)

و قال تعالیٰ: ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادک، وإن تغفر لهم فإنک أنت العزیز الحکیم﴾ (المائدة :۱۱۸)

مغفرت ہے(۱)﴿ إنی لغفارٌ لمن تاب﴾ (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گناہ سے توبہ کافی ہے، تو سزا کیوں دی جاتی ہے؟

سوال[۱۲۶۱]: کیا توبہ کرنے سے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اگر بخش دیئے جاتے ہیں تو زمانہ سابقہ میں یعنی صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں کو سزائیں کیوں دی جاتی تھیں، کیا وہ لوگ توبہ نہیں کر سکتے تھے اور اگر توبہ کر سکتے تھے اور بہت سے لوگوں نے توبہ کیں بھی تو ان کو رجم کیوں کرتے تھے؟ ''تبلیغ دین'' مترجم مولانا عاشق الٰہی صاحب نے لکھا ہے کہ جو شخص گناہ کرے اور اس کی شہرت بھی کرتا رہے تو حدیث میں آیا ہے کہ یہ گناہ کبھی معاف نہ ہوگا، ایسے گناہ کسی صورت سے بھی معاف ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

توبہ جب اپنی شرط کے مطابق ہوگی تو قبول ہوگی اور گناہ بخش دیئے جائیں گے (۳) جن گناہوں پر

(۱) ''وفی شرح السنة: روی عنه موقوفاً، قال: ''الندم توبة، والتائب من الذنب كمن لا ذنب له''.
(مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۱/۲۰۶، قديمی)

(۲) (طه: ۸۲)

البتہ دین کی باتوں کا مذاق اڑانے کے متعلق فقہاء کرام نے کفر کی صراحت کی ہے، لہٰذا اگر اس طرح مذاق اڑا کر بغیر توبہ واستغفار کے فوت ہوا تو بخشش بظاہر محل کلام ہے:

''والاستهزاء بشئی من الشرائع كفر، (قوله: كفر) أشار إلى فائدة تقييده في الهداية بأن لايترك الختان إستخفافاً بالدين''. (ردالمحتار على الدر المختار: كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۵/۴۷۴، سعيد)

''ثم كون التوبة سبباً لغفران جميع الذنوب وعدم المواخذة بها مما لاخلاف فيه بين الأئمة، وليس شئ يكون سبباً لغفران جميع الذنوب إلا التوبة، كما قال الله تعالى: ﴿قل يا عبادی الذين اسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً'' هذا مختص بمن تاب من الكفر، فإن الله لايغفر أن يشرك به﴾. (شرح الفقه الأكبر، بحث التوبة، ص: ۱۵۷، قديمی)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ومن يعمل سوءً ا أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾. (النساء: ۱۱۰) =

دنیوی سزا (حد) اور اخروی عذاب ہر دو کا شریعت نے ترتب بتایا ہے، محض توبہ کرنے سے دنیوی سزا (حد) مرتفع نہیں ہوتی ہے۔ کذا فی فتح القدیر(۱)۔

تبلیغ دین میں یہ حدیث شریف کا مضمون ہے۔ گناہ کی شہرت ایک مستقل گناہ ہے اور بڑا گناہ ہے اس سے بھی توبہ ضروری ہے(۲) جب اس سے بھی سچی توبہ کرے گا تو انشاء اللہ معافی ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

ریاکاری کی سزا

سوال [۳۶۲]: عبادات میں ریاکاری کو جو شرک اصغر حدیثوں میں فرمایا ہے تو کیا اس شرک اصغر کا

= "توضیحه أن ماذكره الإمام الغزالي من أن التوبة إذا استجمعت شرائطها فهي مقبولة لا محالة". (شرح فقه الاكبر، ص: ۱۶۰، بحث التوبة، قديمي)

(۱) "فأخبر أن جزاء فعلهم عقوبة دنيوية وعقوبة أخروية ،إلا من تاب فإنها حينئذتسقط عنه العقوبة الأخروية.وبالإجماع للإجماع على أن التوبة لاتسقط الحد في الدنيا."(فتح القدير،كتاب الحدود: ۵/۲۱۱، مصطفى البابي الحلبي)

"وأجمعوا أنها لا تسقط الحد في الدنيا". (الدرالمختار ،كتاب الحدود:۴/۴، سعيد)

قال الله تعالى: ﴿ذلك لهم خزي في الدنيا، ولهم في الأخرة عذاب عظيم﴾". (المائده: ۲۴)

"فقد جمع الله تعالى بين عذاب الدنيا والأخرة عليهم، وأسقط عذاب الأخرة بالتوبة، فإن الاستثناء عائد إليه للإجماع على أن التوبة لاتسقط الحد في الدنيا". (البحر الرائق،كتاب الحدود: ۵/۴،رشيديه)

(۲) "چوتھا سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو اس کے صغیرہ ہونے کی بنا پر لوگوں میں ظاہر اور شائع کرتا پھرتا ہے، حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تمام گنہگار بخش دیئے جائیں گے مگر گناہوں کا اعلان وافشاء کرنے والے لوگ نہ بخشے جائیں گے۔" (تبلیغِ دین، پہلی اصل توبہ کا بیان، ص: ۲۰۲، مکتبہ تھانوی)

مرتکب بھی مخلد فی النار ہوگا، یا چندمدت جہنم میں رہ کر خلاصی ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اصالۃً تو عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے لیکن کسی قدر اس میں ریا کی آمیزش بھی ہوجاتی ہے تو اس سے خلود فی النار نہیں ہوگا (۱)؟ مگر عبادات کی نگرانی بے حد ضروری ہے کہ ریا سے بالکل پاک صاف ہوں اور اس کے لئے استغفار ودعاء بھی لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قاتل ومقتول ہر دو کے لئے جہنم کی وعید کب ہے؟

سوال [۳۶۳] : اگر کوئی شخص ناحق کسی کو دباوے حتی کہ اس کو جان سے مارنے کے لئے تیار ہوجائے تو مقتول جنت میں جائے گا یا جہنم میں؟ مقتول کن حالات میں جہنمی ہوگا؟ اور قاتل کن حالات میں؟ اور کہاں صبر جائز ہوگا اور کہاں سختی؟

---

(۱) ریا گناہ ہے اور گناہ کی وجہ سے خلود فی النار کا عذاب ہونا اہل سنت والجماعۃ کا مسلک نہیں ہے، البتہ جس عمل میں ریا کاری کی امیزش کی ہو تو اس پر ثواب نہیں ملے گا۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿و یغفر ما دون ذلک لمن یشآء﴾. (سورة النسا: ۴۸، ۱۱۶)

"و لا نقول: إن المؤمن المذنب یخلد فیها و إن کان فاسقاً: أی بارتکاب الکبائر جمیعها بعد أن یخرج من الدنیا مؤمناً". (شرح الملا علی القاری علی الفقه الأکبر ، ص: ۷۷، قدیمی)

"والریاء إذا وقع فی عمل من الأعمال، فإنه یبطل أجره" قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والأذی کالذی ینفق ماله رئاء الناس﴾ (البقرة: ۲۶۴) و قال علیه السلام : " لا یقبل اللہ تعالیٰ عملاً فیه مقدار ذرة من الریاء". (شرح الفقه الأکبر لأبی منصور الماتریدی ، ص: ۱۴۳، مبحث حکم الریا)

(و کذا فی شرح الملا علی القاری علی الفقه الأکبر، ص: ۷۸، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و من یعمل سوءً أو یظلم نفسه، ثم یستغفر اللہ، یجد اللہ غفوراً رحیماً﴾ (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿أفلا یتوبون إلی اللہ و یستغفرونه واللہ غفور رحیم﴾. (سورة المائدة: ۷۴)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حمیتِ جاہلیت کی وجہ سے جب دو شخص قتال کریں اور ہر ایک دوسرے کو قتل کرنے کا عزم رکھتا ہو تو قاتل ومقتول دونوں کے لئے جہنم کی وعید ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۱۵ھ۔

مرتکب قتل عمد کی مغفرت وخودکشی

سوال [۳۶۴]: ۱..... قتل عمد کے مرتکب کی مغفرت ممکن ہے کہ نہیں، اگر ہے تو بعد العذاب یا قبل العذاب؟ کوئی ایسی شکل ہے کہ عذاب سے کلیۃً بری ہو جائے، اولیائے مقتول کی معافی سے یا مقتول کے ایصال ثواب وغیرہ کرنے سے؟ جو شکل ہو تحریر فرماویں۔

۲..... خودکشی کے متعلق کیا حکم ہے، اس میں بھی کوئی شکل ہے کہ عذاب سے بچ جائے، جرم کے بعد توبہ کرنے سے امید مغفرت ہے مگر یہاں تو اس کا موقع ہی نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ہر مرتکب کبیرہ کی مغفرت ممکن ہے اگر شرائط متحقق ہوں (۲)، یا تو قتل عمد کا قصاص دے ورنہ اولیاء سے صلح کرے، معافی چاہے (۳) مقتول کو ایصال ثواب کرے جس قدر بھی ممکن ہو، مقتول کے ساتھ

---

(۱) "عن أبي بكرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول في النار" قلت: هذا القاتل فما بال المقتول؟ قال: "إنه كان حريصاً على قتل صاحبه". (متفق عليه). (مشكوة المصابيح: باب قتل أهل الردة والسعاة بالفساد: ص، ۳۰۷، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب المعاصي من أمر الجاهلية ولا يكفر صاحبها اهـ: ۱/۹، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة: ۲/۳۸۹، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به، ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾. (النساء: ۴۸، ۱۱۶)

"وتوضيحه ما ذكره الإمام الغزالي من أن التوبة إذا استجمعت شرائطها، فهي مقبولة لا محالة". (شرح الفقه الأكبر، بحث التوبة، ص: ۱۶۰، قديمي)

(۳) "وموجب ذلك المأثم والقود، إلا أن يعفو الأولياء أو يصالحوا، ولا كفارة فيه عندنا". (الفتاوىٰ =

خیر خواہی کرے اور اس کو نفع پہنچائے، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب حق کو راضی کر کے اس قاتل کی سزا کو بالکل ہی معاف فرمادیں (۱)، ورنہ تخفیف تو ضرور ہی ہوجائے گی اور پھر بقیہ سزا کے بعد چھٹکارا ہوجائے گا۔ غرض یہ کہ اگر ایمان پر خاتمہ ہوا ہے تو اس کے لئے کسی کبیرہ کی وجہ سے عذاب دائمی نہ ہوگا بلکہ انجام کار دخول جنت میسر ہوگا۔ حنفیہ کا مذہب یہی ہے (۲)۔

۲......خودکشی حرام اور کبیرہ گناہ ہے (۳)، اللہ پاک قادر ہے کہ بغیر توبہ بھی معاف فرمادے (۴) اگرچہ قانون یہی ہے کہ بغیر توبہ کے کبائر کی معافی نہیں ہوتی (۵) اگر اس کے حسنات غالب ہوں نیز باقیات صالحات چھوڑ گیا ہو تب بھی عذاب سے بچ جانے کی توقع ہے (٦) ورنہ ایمان پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے انجام کار

= العالمكيرية، كتاب الجنايات: ٦/ ٢، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الجنايات: ٦/ ٥٢٩، سعيد)

(۱) قال ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "والذي عليه الجمهور من سلف الأمة -رحمهم الله تعالىٰ اجمعين- وخلفها أن القاتل له توبة فيما بينه وبين الله تعالىٰ عزوجل، فإن تاب وأناب، وخشع وخضع، وعمل عملاً صالحاً، بدّل الله (تبارك وتعالىٰ) سيئاته حسنات، وعوض المقتول من ظلامته، وأرضاه عن ظلامته".

(تفسير ابن كثير، (النساء: ٩٣): ١/ ٧١٤، مكتبة دار الفيحاء)

(۲) "وأهل الكبائر من المؤمنين لايخلدون في النار وإن ماتوا من غير توبة". (شرح العقائد، ص: ٨٨، المطبع اليوسفي)

(و كذا في النبراس ص: ٣٤١، امداديه ملتان)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تردى من جبل فقتل نفسه، فهو في نار جهنم يتردى فيها خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن تحسى سماً فقتل نفسه، فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً". متفق عليه." (مشكوة المصابيح، كتاب القصاص، الفصل الأول، ص: ٢٩٩، قديمي)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لايغفر أن يشرك به، ويغفر مادون ذلك لمن يشاء﴾. (النساء: ٤٨، ١١٦)

(۵) "وقسم يغفر بالتوبة وبدونها تحت المشية وهو الكبائر من حق الله تعالىٰ". (مرقاة المفاتيح، باب الكبائر وعلامات النفاق: ١/ ٢١٨، رشيديه)

(٦) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذامات =

ربانی یقینی ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف ۱۹/صفر ۵۸ھ

خودکشی

سوال[۳۶۵]: اگر کوئی خودکشی کو حرام سمجھتے ہوئے خودکشی کرڈالے تو اس کو کیسا گناہ ہوگا؟ اور عند اللہ اس کی بخشش کی امید ہے؟ عبد الرحمٰن پیش امام محلہ بیوپاریان قصبہ رمل ضلع متھرا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خودکشی حرام ہے(۲) لیکن جب کوئی اس کو حرام سمجھ کر کرتا ہے اور عقاب کا خوف بھی اس کو ہے تو انشاء اللہ مغفرت کی امید ہے﴿و یغفر ما دون ذلك لمن یشآء﴾ الایة(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/صفر/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/صفر/۵۳ھ۔

خودکشی کا گناہ

سوال[۳۶۶]: خودکشی کرنے والے کا کیا حکم ہے اور آخرت میں اس کا کیا عذاب ہے؟

= الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعوله." (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول، ص: ۳۲ قديمي)

(۱) (راجع، ص: ۲۶۶، رقم الحاشية ۱)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "مرتکب قتل عمد مغفرت اور خودکشی")

(۳) (النساء: ۴۸، ۱۱۶)

"و ما كان من السيئات دون الشرك والكفر و لم يتب عنها صاحبها حتى مات مؤمناً، فإنه في مشيئة الله تعالىٰ، إن شاء عذبه بالنار، و إن شاء عفا عنه، و لم يعذبه بالنار أصلاً". (الفقه الأكبر، ص: ۶، قديمي)

"و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء، من الصغائر و الكبائر مع التوبة أو بدونها خلافاً للمعتزلة". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۸۵، المطبع اليوسفي الفرنگي محلي)

(و كذا في النبراس، ص: ۳۳۳، امداديه ملتان)

الجواب حامداً و مصلیاً :

خودکشی کبیرہ گناہ ہے، سخت عذاب کا موجب ہے(۱) مگر جس کا خاتمہ ایمان پر ہو اس کے لئے کبھی نہ کبھی نجات کی صورت ہو ہی جائے گی (۲) جس آلہ سے خودکشی کی ہے وہی آلہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اپنے کو مارتا ہوا اٹھایا جائے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۷ھ۔

خودکشی کی سزا

سوال[۳۶۷] : اگر کوئی شخص کسی بناء پر خودکشی کرلے (نعوذ باللہ) تو اس کو کفار کی طرح دائمی عذاب ہوگا یا کبھی نجات کی امید کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر خاتمہ ایمان پر ہوا تو نجات کی امید ہے، دائمی عذاب کفار کے لئے ہے (۴)۔ فقط۔

---

(۱) "عن أبي هريرة – رضي الله تعالىٰ عنه– قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ وسلم : "من تردى من جبل فقتل نفسه، فهو في نار جهنم يتردى فيها خالداً مخلداً فيها أبداً، و من تحسى سماً فقتل نفسه، فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً ، و من قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً". متفق عليه". (مشكوة المصابيح ، كتاب القصاص، الفصل الأول: ۲/۲۹۹، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان ، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه الخ : ۱/۷۲ ، قديمي)

(وجامع الترمذي ، أبواب الطب ، باب من قتل نفسه بسم أو غيره : ۲/۲۴، سعيد كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و يغفر ما دون ذلك لمن يشآء﴾. الآية (سورة النساء: ۴۸، ۱۱۶)

(و أيضاً أنظر المسئلة الآتية تحت عنوان : "خودکشی کی سزا")

(۳)(راجع رقم الحاشية : ۱)

(۴) "وأهل الكبائر من المؤمنين لا يخلدون في النار وإن ماتوا من غير توبة لقوله تعالىٰ : ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾. (شرح العقائد النسفية للتفتازاني ، ص: ۸۸ ، المطبع ليوسفي)............. =

زہر ملی ہوئی تاڑی پینے سے کیا خودکشی کا گناہ ہوگا؟

سوال[۳۶۸]: زید کو کوئی نشہ پینے کی عادت ہے مثلاً تاڑی، ایک مرتبہ کسی نے اس تاڑی میں زہر ملا کر دیدیا، جس کو پی کر زید کا انتقال ہوگیا۔ تو اب خودکشی کا گناہ کس پر ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عادی معصیت کے باوجود صورتِ مسئولہ میں زید خودکشی کا گنہگار نہیں، لعدم قصوره وعدم علمه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۹ھ۔

شیطان کی مہلت اور حشر

سوال[۳۶۹]: کیا شیطان کو قیامت آنے تک مہلت دی گئی ہے؟ قیامت کے روز اس کا کیا حشر ہوگا؟ کیا وہ توبہ کرنے کے بعد بخشا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شیطان نے بہت چالاکی سے دعا کی تھی: ﴿أنظرني إلى يوم يبعثون﴾ (۲) جس روز مردے قبر سے اٹھیں گے اس روز تک کے لئے مجھے مہلت دےدو (تاکہ موت سے بچا رہوں)، وہاں سے جواب میں فرمایا گیا:

= (وكذا في النبراس، ص: ۱۴۲، امدادیہ ملتان)

"ولا نقول: إنه يخلّد فيها، وإن كان فاسقاً بعد أن يخرج من الدنيا مؤمناً". (الفقه الأكبر، ص: ۲، قديمى)

"وأهل الكبائر من أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في النار لا يخلدون إذا ماتوا وهم موحدون وإن لم يكونوا تائبين، بعد أن لقوا الله عارفين مؤمنين". (العقيدة الطحاوية، ص: ۱۱، قديمى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتزروازرة وزر اخرى﴾. (سورة الزمر: ۷، پ: ۲۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿من عمل صالحات فلنفسه ومن أساء فعليها﴾. (حم السجدة: ۴۶، پ: ۲۴)

وقال الله تعالىٰ: ﴿لايكلف الله نفسا إلا وسعها﴾. (سورة البقرة: ۲۸۶، پ: ۳)

(۲) (سورة صٓ: ۷۹)

﴿إنك من المنظرين إلى يوم الوقت المعلوم﴾ (۱) جس دن نفخ صور ہوگا جس سے سب مرجائیں گے اس روز تک مہلت دیدی گئی (نفخ صور کے دن سب کی موت کے ساتھ تجھے بھی موت آئے گی، موت سے چھٹکارا نہ ملے گا) اس کو توبہ کی توفیق نہیں ہوگی، وہ لعنت کے ساتھ رہے گا (۲) جہنم میں جائے گا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

اہل کتاب ضالین ومضلین دونوں مستحق عذاب ہیں

سوال [۳۷۰]: ۱.....علمائے اہل کتاب یعنی یہود ونصاری وغیرہ جو قرآن پر ایمان نہیں لائے اور عوام کو بھی گمراہ کیا، اسی پر ان کا خاتمہ بھی ہوا، یہ تمام لوگ جہنمی ہیں یا صرف علماء ہی جہنم میں جائیں گے، عوام پر گناہ نہیں؟

۲.....فرقہ شیعہ وقادیانی وغیرہ کے علماء نے جو لوگوں کو گمراہ کیا اس کا عذاب بھی صرف ان کے علماء پر ہی ہوگا یا عوام بھی شامل ہوں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۲،۱.....جو گمراہ ہوئے ہیں ان کو بھی عذاب ہوگا اور جنہوں نے گمراہ کیا ہے ان کو بھی عذاب ہوگا، جن لوگوں کو گمراہ کیا گیا ہے وہ جب عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے تو بہت کچھ معذرت کریں گے کہ ہمیں دوسرے گمراہوں نے گمراہ کیا ہے، لیکن کوئی شنوائی نہ ہوگی، نیز گمراہ کرنے والوں کو ملامت کریں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا ہے، اگر تم گمراہ نہ کرتے تو ہم ایمان لے آتے، وہ جواب دیں گے ہم نے تم پر جبر نہیں کیا تھا تم اپنے اختیار سے کافر ہوئے، تب پھر وہ دعاء کریں گے کہ اے اللہ! انہیں دوہرا عذاب دے، انہوں نے ہمیں گمراہ کیا ہے۔ یہ سب قرآن شریف میں ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذیقعدہ/ ۵۶ھ۔

---

(۱) (سورة صٓ: ۸۰، ۸۱)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و إن عليك لعنتي إلى يوم الدين﴾ (سورة ص، رقم الاية: ۷۸)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿لأملئن جهنم منك و ممن تبعك منهم أجمعين﴾ (سورة: ص، رقم الاية: ۸۵)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿يوم تقلب وجوههم في النار يقولون: يليتنا أطعنا الله و أطعنا الرسولا، وقالوا: ربنا إنا =

کافر غریب مصیبت زدہ کا انجام

سوال [۳۷۱]: دنیا میں غریب غیر مسلم بہت ہیں، یہاں پر بھی تکلیف میں ہیں اور عاقبت میں بھی ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جہنم ہے اور غیر مسلم بعضے خوش حال اور مال دار ہیں، دنیا میں آرام سے ہیں اگر چہ عقبیٰ میں ایمان نہ ہونے سے جہنم ہے، اس کا کیا مطلب ہے غریب کو کہیں آرام نہیں ملا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں وہ غریب غیر مسلم بہت قابلِ حسرت ہے جو یہاں بھی غربت کی مصیبت میں ہے اور مرنے کے بعد بھی اپنے کفر کی وجہ سے جہنم میں رہے گا، لیکن یہاں ایمان قبول کرنا اور اعمال صالحہ کرنا اس کے لئے ممنوع نہیں ہے (۱) بلکہ ہدایت کا دروازہ اس کے لئے بھی کھلا ہوا ہے وہ اس دروازہ میں نہ آئے تو کسی کا کیا قصور

= أطعنا سادتنا و كبرآءنا فأضلونا السبيلا، ربنا اٰتهم ضعفين من العذاب والعنهم لعناً كبيراً﴾.
(الأحزاب: ٦٧، ٦٨)

قال الله تعالىٰ: ﴿ولو ترىٰ إذ الظالمون موقوفون عند ربهم يرجع بعضهم إلى بعض القول، يقول الذين استُضعِفوا للذين استكبروا: لو لا أنتم لكنا مؤمنين، قال الذين استكبروا للذين استضعفوا: أنحن صددناكم عن الهدى بعد إذ جاء كم، بل كنتم مجرمين، وقال الذين استضعفوا للذين استكبروا: بل مكر الليل والنهار إذ تأمروننا أن نكفر بالله ونجعل له أنداداً، وأسروا الندامة لما رأوا العذاب﴾.
(سورة سبا: ۳۱ – ۳۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿كلما دخلت أمة لعنت أختها حتى إذا ادّاركوا فيها جميعاً، قالت أخراهم لأولهم: ربنا هؤلاء أضلّونا فاٰتهم عذاباً ضعفاً من النار، قال: لكل ضعف ولكن لاتعلمون، وقالت أولٰهم لأخراهم: فما كان لكم علينا من فضل، فذقوا العذاب بما كنتم تكسبون﴾. الآية
(الأعراف: ۳۸، ۳۹).

(۱) "خلق الله تعالىٰ الخلق سليماً من الكفر والإيمان، ثم خاطبهم وأمرهم ونهاهم، فكفر من كفر بفعله وإنكاره وجحوده الحق بخذلان الله تعالىٰ إياه، وآمن من آمن بفعله وإقراره وتصديقه بتوفيق الله تعالىٰ إياه ونصرته له". (الفقه الأكبر، ص: ۵، قديمى)

ہے؟ ﴿أنلزمكموها وأنتم لها كارهون﴾ الآية (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ولادتِ شریفہ سے خوش ہوکر باندی آزاد کرنے پر بھی کیا عذاب جہنم ہوگا؟

سوال [۳۷۲]: پیارے نبی کی پیدائش کے موقعہ پر آپ کے چچا ابولہب نے ایک لونڈی کو آزاد کیا تھا جس سے خداوند کریم بہت خوش ہوئے تو پھر جہنم کیوں ملی؟ اور ہر سال پیارے نبی کی ولادت کے دن وتاریخ کو اس کے عذاب میں کمی کردی جاتی ہے، کہاں تک سچ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لونڈی کا آزاد کرنا کتب تواریخ میں موجود ہے (۲) اور عذاب میں کسی قدر تخفیف ایک خواب میں مروی ہے (۳)، ابولہب کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس کا جہنم میں جانا قرآن میں مذکور ہے: ﴿سيصلى ناراً ذات لهب﴾ (۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۵/۶۴ھ۔

---

(۱) (سورة هود: ۲۸)

(۲) "و فيه أن أبا لهب قال للعباس: إنه ليخفف عليّ في مثل يوم الإثنين، قالوا: لأنه لما بشّرته ثويبة بميلاد ابن أخيه محمد بن عبد الله أعتقها من ساعته، فجوزي بذلك لذلك". (البداية والنهاية، حواضنه و مراضعه عليه الصلاة والسلام: ۱/۲۷۳، دار الفكر بيروت)

(۳) "قال عروة: و ثويبة مولاةٌ لأبي لهب، كان أبو لهب أعتقها، فأرضعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلما مات أبو لهب أريه بعض أهل بشرّ حيبة، قال له: فماذا لقيت؟ قال أبو لهب: لم ألق بعد كم غير أني سقيت في هذه بعتاقتي ثويبة". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب و أمهاتكم اللاتي أرضعنكم اهـ": ۲/۷۶۴، قديمي)

(۴) (سورة اللهب: ۳)

قیامت میں جانوروں سے حساب

سوال [۳۷۳]: اگر ایک سینگ والی بکری نے بے سینگ والی بکری کو مارا ہوگا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو سینگ دے کر بدلہ دلوائیں گے۔ مقررین وواعظین اسے بیان کرتے ہیں تو کیا یہ مخلوق بھی حساب کی مکلّف ہوگی اور عذاب، ثواب کی مستحق ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صحیح ہے، ترمذی شریف میں بھی ہے (۱)، اس بدلہ کے متعلق حاشیہ میں لکھا ہے: "قالوا: هذا قصاص مقابلة لا قصاص تكليف، يؤخذ من الأطفال والمجانين والحيوانات كلها، كذافي الطيبي واللمعات " (۲)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/ ۱۳۹۵ھ۔

معذبین کی تعداد زیادہ کیوں ہے؟

سوال [۳۷۴]: بعض غیر قوم کے بعض افراد نے قانونِ خداوندی پر اعتراض کیا ہے کہ ابتدائی دنیا سے انتہائی دنیا تک جتنے لوگوں کو خداوند تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور پیدا کرے گا، اس کے متعلق قرآن وحدیث کی

---

(۱) "عن أبي هريرة –رضي الله تعالىٰ عنه– أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لتؤدن الحقوق إلى أهلها حتى تقاد الشاة الجلحاء من الشاة القرناء." (جامع الترمذي، أبواب صفة القيامة، باب ماجاء في شأن الحساب والقصاص: ۲/ ۶۷، سعيد)

(والصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم: ۲/ ۳۲۰، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الظلم، الفصل الأول، ص: ۴۳۵، قديمي)

(۲) (الهامش على جامع الترمذي، أبواب صفة القيامة، باب ماجاء في شان الحساب والقصاص ص: ۲/ ۶۷، سعيد)

" وأما القصاص من القرناء للجلحاء، فليس هو من قصاص التكليف، إذلا تكليف عليها، بل هو قصاص مقابلة". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم: ۲/ ۳۲۰، قديمي)

(وكذا في المرقاة، كتاب الآداب، باب الظلم: ۸/ ۸۵۲، رشيديه)

روشنی میں غیر اقوام کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہے اور وہ تمام جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، آیا ہم لوگ خدا کے بندے نہیں کہ وہ جو شرک ہم نے کیا ہے وہ ستر ماں کی محبت رکھنے والا کیوں معاف نہیں کرتا اور چند مدت کے لئے سزا دے کر اس کے بعد جنت میں داخل کیوں نہیں کرتا؟ کیا اللہ کے یہاں یہ انصاف نہیں ہے؟ جس طرح مسلمان گناہ گاروں کو چند دن کے لئے دوزخ میں ڈالے گا، اس کے بعد جنت میں بھیج دے گا۔

یوں دیکھا جائے تو تمام مسلمانوں کی تعداد جو ابتدائی دنیا سے ہے اور انتہائی دنیا تک ہے، بہت قلیل ہے بنسبتِ غیر اقوام کے، کیا اللہ کو اپنے بندوں کو سزا دینا اور ان کو ہمیشہ تکلیف دینے سے مسرت حاصل ہوتی ہے، یہ کیوں اور اس کی وجہ کیا ہے؟ براہ راست جنت میں جانے والوں کی تعداد تو بہت قلیل ہوگی، اس کی وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ستر ماں کی محبت رکھنے والا ہے، ان سے محبت کے باوجود کم تعداد میں پیغمبروں کے ذریعہ اسلام کی ہدایت کیوں دی؟ وہ حقیقت میں ستر ماں کی محبت رکھنے والا ہوتا تو پیغمبروں کی نصائح کو جو ابتدائی دنیا سے لے کر انتہائی دنیا تک کے بندوں کے دلوں میں اتار کر اور شیطان کی طاقت کو روک کر تمام بندوں کو ایمان کی دولت سے سرفراز فرماتا اور ان تمام لوگوں کو جنت کا مستحق بنا دیتا، ایسا نہیں کیا ہے، کیا خداوند تعالیٰ ستر ماں کی محبت نہیں رکھتا ہے، ہم لوگ غیر قوم کو اس سوال کا جواب کیسے دیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

غیر قوم کے لوگ جو اعتراض کرتے ہیں تو اس کے جواب کی ذمہ داری آپ نہ لیں جب تک آپ کے پاس قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ، عقائد کا علم باقاعدہ حاصل نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ڈاکٹری نہیں پڑھی اور وہ دوسرے مریض کو بتانے کے لئے دوا کی تحقیق کرے کہ فلاں مرض میں فلاں مریض کو کیا دوا دی جائے، دنیا میں مریض بے انتہا اور مرض بھی بے انتہا، ہر مرض کی دوا ہر مریض کے لئے ڈاکٹروں سے دریافت کرتا پھرے گا تو پریشان ہو جائے گا، پھر بغیر سمجھے مریضوں کو دوا بتائے گا، تو ہوسکتا ہے کہ اصل مرض کو بغیر سمجھے ہی دوا بتا دے جس سے مریض کو نقصان پہونچ جائے اس کے لئے تو باقاعدہ ڈاکٹری کا پڑھنا اور علاج سیکھنا ضروری ہے۔

اصولی طور پر آپ خود اس بات کو سمجھ لیں کہ ایک شخص وہ ہے جو ایک حکومت کو تسلیم کرتا ہے، رعیت بن کر رہتا ہے، بغاوت نہیں کرتا ہے، کبھی کسی جرم کا بھی ارتکاب کرتا ہے حکومت اس کو سمجھاتی ہے، کبھی سزا بھی دیتی

ہے پھر چھوڑ دیتی ہے۔ایک شخص وہ ہے جو حکومت کو تسلیم نہیں کرتا ہے، رعایا نہیں بنتا ہے، حکومت کی بغاوت کرتا ہے، حکومت کو ختم کر کے اپنا قانون چلانا چاہتا ہے، ایسے شخص کو حکومت معاف نہیں کرتی بلکہ قتل کرا دیتی ہے، یا ہمیشہ کے لئے محبوس رکھتی ہے، اس پر رحم کر کے معاف کر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔اسی مثال سے مسلم اور غیر مسلم کا فرق سمجھ لیا جائے کہ مسلم تو ایمان رکھتا ہے (حکومت کو تسلیم کرتا ہے) غیر مسلم ایمان نہیں رکھتا (حکومت کو تسلیم نہیں کرتا ہے) یہ آپ کے سمجھنے کے لئے ہے غیر قوموں کو آپ خود جواب نہ دیں بلکہ کہہ دیں کہ علماء سے دریافت کرو۔

اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کا راستہ دنیا میں بتلا دیا(۱)، اب انسان خود اپنے اختیار سے صحیح راستہ کو اختیار کرے غلط راستہ سے بچے، جیسے سورج کے ذریعہ سب جگہ روشنی پھیل گئی اب آدمی آنکھ کھول کر اس کی روشنی سے نفع اٹھائے، آنکھ بند کر کے نقصان اٹھائے گا تو خود ذمہ دار ہوگا، سورج کے ذمہ نہیں کہ زبردستی آنکھ کھلوائے، پھول اور کانٹے دونوں ہی موجود ہیں جس کا دل چاہے پھول حاصل کرنے کی کوشش کرے اور جس کا دل چاہے کانٹوں میں پھنسے، نفع دینے والی عمدہ غذا بھی دنیا میں موجود ہے نقصان دینے والا زہر بھی موجود ہے، انسان اپنے اختیار سے نفع دینے والی عمدہ غذا کو حاصل کرتا ہے زہر سے بچتا ہے، اسی طرح اعمال کا حال ہے کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا ہے (۲)۔اگر کوئی اندھا آدمی نامحرم کو نہ دیکھے تو کیا کمال ہے، آنکھ والا آدمی اگر اپنی نظر کو غلط جگہ سے بچائے تو قابل تعریف ہے، اسی طرح جنت اور دوزخ کے اعمال کو سمجھ لیجئے، یہ بھی آپ کو سمجھانے کے لئے ہے غیر قوموں کو جواب دینے کے لئے نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۳۰ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ألم نجعل له عينين ولساناً وشفتين، وهديناه النجدين﴾ (سورة البلد: ۸،۷)

(۲) "و إذا عرفت ذلك فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كما زعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً، لا كسباً و لا خلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۰۲، دار النفائس بيروت)

(وكذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۸۲، قديمي)

سزا جزاء کا مقام

سوال [۳۷۵]: روزِ جزاء میں جب سزا و جزا دی جائے گی کس مقام پر ہوگی؟ مثلاً خانہ کعبہ و مدینہ و شام وغیرہ کہاں ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جزا و سزا تو جنت، دوزخ میں ہوگی اور حشر کا میدان ارضِ شام میں ہے، هكذا في تفسير ابن كثير، سورة الحشر: ۲۳۲/۴ (۱) و مختصر تذكرة القرطبي، ص: ۴۳ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

جس بچہ کا عقیقہ نہیں ہوا کیا وہ شفاعت کرے گا؟

سوال [۳۷۶]: بغیر عقیقہ کے شیر خوار بچہ انتقال کر جائے تو قیامت کے روز ماں باپ کی شفاعت کرے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو والدین کو اس کی شفاعت حاصل کرنے کے لئے کوئی صورت ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: من شك في أن أرض المحشر ههنا: يعني الشام، فليقرأ هذه الآية: ﴿هو الذي أخرج الذين كفروا من أهل الكتاب من ديارهم لأول الحشر﴾" قال لهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أخرجوا" قالوا: إلى أين؟ قال: "إلى أرض المحشر". (تفسير ابن كثير، (الحشر ۲): ۴/۲۲۵، مكتبه دار الفيحاء)

(۲) "وكان أول حشرٍ حشروا في الدنيا إلى الشام، قال: ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: من شك أن المحشر في الشام فليقرأ هذه الآية، و ذلك أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لهم: "أخرجوا" قالوا: إلى أين؟ قال: "إلى أرض المحشر". (التذكرة للقرطبي، باب الحشر، و معناه: الجمع، ص: ۲۲۵، أسامة الاسلامية)

(وكذا في روح المعاني، (الحشر: ۲): ۲۸/۴۰، دار إحياء التراث العربي)

الجواب حامداً و مصلیاً :

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ بچہ شفاعت نہیں کرے گا، کذا فی فیض الباری: ۴/ ۳۳۷،(۱) لیکن حنفیہ کے نزدیک عقیقہ واجب نہیں کہ اس کے ترک پر شفاعت سے محروم ہو(۲)، شفاعت سقط (ناتمام بچہ جس کا اسقاط ہوجائے) بھی کرے گا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

(۱) "ثم عند الترمذی حدیث: أن الغلام مرتهن بعقیقته، و أجود شروحه ما ذکره أحمد، حاصله أن الغلام إذا لم یعق عنه، فمات، لم یشفع لوالدیه". (فیض الباری، کتاب العقیقة: ۴/ ۳۳۷، خضر راه بکڈپو دیوبند)

(۲) "و قد ذکر فی غرر الأفکار أن العقیقة مباحة علی ما فی جامع المحبوبی، أو تطوع علی ما فی شرح الطحاوی". (رد المحتار، کتاب الأضحیة: ۶/ ۳۲۶، سعید)

"العقیقة عن غلام و عن جاریة ..... مباحة، لا سنة و لا واجبة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، باب فی تسمیة الأولاد ..... والعقیقة: ۵/ ۳۶۲، رشیدیه)

(۳) "عن علی رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن السقط لیراغم ربه إذا أدخل أبویه النار، فیقال: أیها السقط المراغم ربه! أدخل أبویک الجنة، فیجرهما بسرره حتی یدخلهما الجنة". (سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی من أصیب بسقط، ص: ۱۱۶، میر محمد)

ما يتعلق بالجنة و نعيمها

(جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان)

جنت پیدا ہو چکی یا نہیں؟

سوال[۳۷۷]: ایسے شخص کے متعلق جس کا خیال یہ ہے کہ جنت پیدا نہیں کی گئی ہے، یوم آخرت میں پیدا کی جائے گی، پھر معراج کا واقعہ، پھر آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا جنت کے اندر آنا یہ کیسے صحیح ہوگا؟ اور وہ یہ کہتا ہے کہ جنت کے معنی باغ کے ہیں اور واقعہ معراج اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا آنا باغ میں ہوا، لہٰذا ایسے شخص کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس شخص کا یہ خیال صحیح نہیں، اس کو اپنے اس خیال کی اصلاح لازم ہے، اس لئے کہ یہ خیال اکثر معتزلہ کا ہے جو کہ جمہور اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک غلط ہے، شرح عقائد نسفی، ص:۸۰ میں ہے:

"والجنة حق والنار حق، و هما مخلوقتان موجودتان، و زعم أكثر المعتزلة أنهما إنما تخلقان يوم الجزاء اهـ". (۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۸/۳۰/۹۰ھ۔

---

(۱) (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۸۰، ۸۱ المطبع اليوسفي)

"جمهور المسلمين على أن الجنة والنار مخلوقتان الآن، خلافاً لأبي هاشم والقاضي عبد الجبار و من يجري مجراهما من المعتزلة حيث زعموا أنهما يخلقان يوم الجزاء". (شرح المقاصد، المقصد السادس في السمعيات، فصل في المعاد: ۳/۳۵۸، دار الكتب العلميه بيروت)

"أما قوله: إن الجنة والنار مخلوقتان، فاتفق أهل السنة على أن الجنة والنار مخلوقتان موجودتان الآن، و لم يزل أهل السنة على ذلك، حتى نبغت نابغة من المعتزلة والقدرية، فأنكرت ذلك وقالت: بل ينشئهما الله يوم القيامة" (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز: ص: ۴۲۰، قديمي) =

جنت، دوزخ اور حوض کوثر کہاں ہیں؟

سوال[٣٧٨]: جنت دوزخ حوض کوثر آسمان پر ہوں گے یا زمین پر ہوں گے؟ جب کہ جنت، دوزخ اب بھی موجود ہیں اور ساتھ ہی ساتھ جنت اور دوزخ میں اب بھی انسان ہیں، جیسا کہ مظاہر حق اور تفسیر موضح القرآن میں ہے، تو پھر جنت دوزخ کہاں ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جنت کے متعلق وارد ہے: ﴿و عرضها كعرض السماء والأرض﴾ (١) اور دوسرے مقام پر ہے: ﴿عرضها السموات والأرض﴾ الاية (٢) پھر اس کے آسمان پر یا زمین پر ہونے کا سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے، کوثر کا جنت میں ہونا احادیث میں بصراحت موجود ہے(٣) جہنم کا قعر فی الحال ساتویں زمین کے

= " (والجنة والنار مخلوقتان اليوم): أي موجودتان الآن قبل يوم القيامة، لقوله تعالىٰ في نعت الجنة: ﴿أعدت للمتقين﴾ و في وصف النار: ﴿أعدت للكافرين﴾ وللحديث القدسي: (أعددتُ لعبادي الصالحين ما لا عين رأت، ولا أذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر)" و لحديث الإسراء: "أدخلت الجنة، و أريت النار" و هذه الصيغة موضوعة للمضي حقيقةً، فلا وجه للعدول عنها إلى المجاز إلا بصريح آية أو صحيح دلالة، و في المسألة خلاف للمعتزلة". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ٩٨، قديمی)

(١) (الحديد: ٢١)

(٢) (آل عمران: ١٣٣)

(٣) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بينا أنا أسير في الجنة إذا أنا بنهر حافتاه قباب الدر المجوف، قلت: ما هذا يا جبرئيل؟ قال: هذا الكوثر الذى أعطاك ربک، فإذا طينه مسک إذفر". (مشكوة المصابيح، ص:٤٨٧، باب الحوض، قديمی)

"عن أنس رضى الله عنه قال: سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ما الكوثر؟ قال: "ذاک نهر أعطانيه الله": يعني في الجنة أشد بياضاً من اللبن و أحلى من العسل اهـ". (مشكوة المصابيح، ص:٤٩٨، باب صفة الجنة و أهلها، قديمی)

نیچے ہے(۱) کذا فی مجموعۃ الفتاویٰ:۲/۳۹۳(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف،۲۴/۶/۶۱ھ۔

کیا جنت اور دوزخ بھی فنا ہوں گی؟

سوال[۴۷۹]: آیت:﴿کل شیء هالك إلا وجهه﴾ (۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ اور حاملانِ عرش فرشتے بھی فنا ہوں گے،تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کے فنا ہونے کی کیا صورت ہوگی اور کتنے عرصہ تک ان پر عدم طاری رہے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اشکال صرف آیت سے ہے تو تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھئے،ان شاء اللہ تعالیٰ رفع ہوجائے گا،اس میں لکھا ہے:"(كل شيء) كل عمل لغير وجه الله (هالك) مردود (إلا وجهه) إلا ما ابتغي به جهة، و كل ملك زائل إلا ملكه (له الحكم) القضاء بين خلقه (وإليه ترجعون) بعد الموت فيجازيكم بأعمالكم اهـ"(۴)۔

اس تفسیر کو حافظ ابن کثیر نے بھی مجاہد اور ثوری سے نقل کیا ہے(۵) اگر اشکال کسی اور شیء سے مثلاً لفظ

---

(۱) "ثم الأصح أنه في السماء و يدل عليه قوله:﴿عند سدرة المنتهىٰ عندها جنة المأوى﴾......... و أماالنار فقيل: تحت الأرضين السبع". (شرح الملا على القاري على الفقه الأكبر، ص:۹۸، قديمي)

"والصحيح أنه على السماء السابعة، و أما النار فالمشهور في الشرع أنها تحت الأرضين".

(النبراس، ص:۳۴۰، مبحث مقام الجنة والنار)

(۲) (مجموعة الفتاوىٰ: ۱/۱۰۵، باب الجنة، سوال:۳ سعيد)

(۳) (القصص:۸۸)

(۴) (تفسير ابن عباس، (القصص:۸۸)، ص:۳۳۱، انتشارات استقلال تهران)

(۵) "قال مجاهد والثوري في قوله تعالىٰ:﴿كل شيء هالک إلا وجهه﴾: أي إلا ما أريد به وجهه".

(تفسير ابن كثير، (سورة القصص:۸۸): ۳/۵۳۵، مكتبه دار الفيحاء)

کے معنی لغوی یا اصطلاحی یا کسی تفسیر کی عبارت سے پیدا ہوا ہے تو اس کے معلوم ہونے پر جواب دیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۰/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

حجر اسود جنت کا پتھر ہے

سوال [۳۸۰]: کیا حجر اسود جنت کا پتھر ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جی ہاں، حجر اسود جنت کا پتھر ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

جنت میں دخولِ اوّلی کے لئے عمل

سوال [۳۸۱]: اگر کوئی شخص جنت میں دخول اولین کا مشتاق ہو تو کیا (اس کے لئے) کوئی عمل بھی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

احکام شرع کی پابندی کرے (۲) کلمہ طیبہ کا ورد رکھے (۳) دخول اوّلی کی دعاء کرتا رہے (۴) جن اعمال پر دخول نار کی وعید ہے ان سے پورا پرہیز کرے، جن اعمال پر دخول جنت کی بشارت ہے ان کا اہتمام کرتا رہے (۵) ان شاء اللہ تعالیٰ دخول اوّلی کا مستحق ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "نزل الحجر الأسود من الجنة و هو أشدّ بیاضاً من اللبن، فسوّدته خطایا بنی آدم". رواه أحمد والترمذی". (مشکوة المصابیح، کتاب المناسک، باب دخول مکة والطواف، الفصل الثانی، ص: ۲۲۷، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب الحج، باب ما جاء فی فضل الحجر الأسود والرکن والمقام: ۱/ ۱۷۷، سعید)

(۲) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: أتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم النعمان بن قوقل فقال: یا =

....

= رسول الله ! أرأيت إذا صليت المكتوبة، و حرمت الحرام و أحللت الحلال أ أدخل الجنة؟ فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "نعم". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب السؤال عن أركان الإسلام : ۱/۳۲، قديمى كتب خانه)

قال النووى رحمه الله تعالىٰ: "قوله حرمت الحرام أنه أراد به أمرين: أن يعتقد حراماً و أن لا يفعله بخلاف تحليل الحلال، فإنه يكفى فيه مجرد اعتقاده حلالاً". (شرح النووى على الصحيح لمسلم ، المصدر السابق)

(۳) "عن عثمان رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من مات و هو يعلم أنه لا إله إلا الله دخل الجنة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة: ۱/۴۱، قديمى)

"قال النووى رحمه الله تعالىٰ فى شرح الحديث المذكور : واعلم أن من مذهب أهل السنة و ما عليه أهل الحق من السلف والخلف أن من مات موحداً دخل الجنة قطعاً على كل حال، فإن كان سالماً من المعاصى كالصغير، والمجنون الذى اتصل جنونه بالبلوغ ، والتائب توبةً صحيحةً من الشرك أو غيره من المعاصى إذا لم يحدث معصيةً بعد توبة، والموفق الذى لم يبتل بمعصية أصلاً، فكل هذا الصنف يدخلون الجنة و لا يدخلون النار أصلاً .... وأمامن كانت له معصية كبيرة و مات من غير توبة فهو فى مشية الله، فإن شاء عفا عنه و أدخله الجنة أولا وجعله كالقسم الأول، و إن شاء عذّبه بالقدر الذى يريده سبحانه ثم يدخله الجنة، فلا يخلد فى النار أحد مات على التوحيد و لو عمل من المعاصى ما عمل كما أنه لا يدخل الجنة أحد مات على الكفر و لو عمل من أعمال البر ما عمل .... و كذلك ما ورد فى حديث عبادة من مثل هذه، ودخوله من أىّ أبواب الجنة شاء يكون ذلك خصوصاً لمن قال ما ذكره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و قرن بالشهادتين حقيقة الإيمان والتوحيد الذى ورد فى حديثه، فيكون له من الأجر ما يرجح على سّيئاته، و يوجب له المغفرة والرحمة، ودخول الجنة لأول وهلة إن شاء الله ". (شرح النووى على الصحيح لمسلم : ۱/۴۱، ۴۲، قديمى)

(۴) "عن أبى هريرة –رضى الله تعالىٰ عنه– قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "ليس شىء أكرم على الله من الدعاء ". (مشكوة المصابيح ، كتاب الدعوات ، ص: ۱۹۴ ، الفصل الأول ، قديمى)

"عن سلمان رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إن ربكم حيّى كريم ،=

دخول جنت اعمال صالحہ سے ہوگا یا فضل خداوندی سے؟ ایک مکالمہ

سوال[۳۸۲]: زید اور بکر دو طالب علم آپس میں بحث کرتے ہیں، ان میں کس کی دلیل قوی ہے؟

زید: اعمال صالحہ سے جنت ہرگز نہیں ملتی، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے، ورنہ نہیں (سننے والے کہتے ہیں کہ بس تو نیکی، بدی کا کوئی اعتبار نہیں)۔

بکر: اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم عام ہے، فضل تو کافر مشرک پر بھی کرسکتا ہے، مگر قرآن پاک میں تو صالحین وشہداء کرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافر ومشرک کو جہنمی فرمایا ہے، دیکھو آیت شریفہ سورہ توبہ رکوع:۹: ﴿وعد الله المؤمنين والمؤمنات جنّت تجري من تحتها الأنهار خٰلدين فيها، ومساكن طيبةً في جنّت عدن﴾ (۱)۔

دوسرے سورہ بیّنہ: ﴿إنّ الذين كفروا من أهل الكتاب والمشركين في نار جهنم خٰلدين فيها، أولٰئك هم شر البرية. إن الذين اٰمنوا وعملوا الصالحات، أولٰئك هم خير البرية. جزائهم عندربهم جنّت عدن تجري من تحتها الأنهار خٰلدين فيها أبداً، رضي الله عنهم ورضوا عنه، ذٰلك لمن خشي ربه﴾(۲) پھر تیسرے: "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال:

= يستحيي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صفراً". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، ص:۱۹۵، قديمى)

(۵) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجنة أقرب إلى أحدكم من شراك نعليه، والنار مثل ذلك". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الإستغفار والتوبة، الفصل الأول، ص:۲۰۷، قديمى)

قال علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "هذا لأن سبب دخول الجنة والنار مع الشخص وهو العمل الصالح والسّيء، وهو أقرب إليه من شراك نعله، إذ هو مجاور له والعمل صفة قائمة به". (مرقاة المفاتيح: ۵/۲۰۲، رشيديه)

(۱) (التوبة: ۷۲)

(۲) (البينة: ۶،۷،۸)

لا إله إلا الله محمد رسول الله، دخل الجنة"(۱)۔

الجواب حامداًومصلیاً:

نفس دخول جنت تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوگا (۲) (فضل کے مستحق باعتبار قانون خداوندی وہ لوگ ہیں جو ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کریں اور معاصی سے مجتنب رہیں (۳) اور قانون سے بالاتر یہ امر بھی ہے کہ وہ بغیر اعمال صالحہ کے بھی جس مومن پر چاہیں اپنا لطف وفضل فرمادیں، نصوص واحادیث اس پر بھی شاہد ہیں (۴) اور قدرت اس امر کی بھی ہے کہ اگر چاہیں تو بے ایمان کو بھی بخش دیں، مگر چونکہ اس کے نہ بخشنے کا وعدہ فرما چکے ہیں اور وعدہ خلافی کرنے کی باری تعالیٰ کی عادت نہیں، اس لئے وہ ایسا کریں گے نہیں)(۵)۔ پھر جنت میں فرقِ درجات اعمال صالحہ کی حیثیت سے ہوگا، الکوکب الدری میں احادیث و

---

(۱) (تاریخ أصبهان لأبی نعیم: ۱/۲۱۶، أروبا)

(۲) "عن أبی هریرة –رضی الله تعالیٰ عنه– عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: "لن ینجی أحداًمنکم عمله" قال رجل: ولا إیاک یارسول الله؟ قال: "ولا إیای، إلا أن یتغمدنی الله منه برحمة، ولکن سدّدوا". (الصحیح لمسلم، کتاب صفة المنافقین وأحکامهم، باب لن یدخل أحد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالیٰ: ۲/۳۷۶، قدیمی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات، کانت لهم جنات الفردوس نزلاً ﴾. (الکهف:۱۰۷)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿یغفرلمن یشاء ویعذب من یشاء﴾. (المائدة: ۱۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادک، وإن تغفرلهم فإنک أنت العزیزالحکیم ﴾. (المائدة:۱۱۸)

"عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "یخرج من النار من قال: لاإله إلا الله وفی قلبه وزن شعیر من خیر، ویخرج من النار من قال: لاإله إلا الله وفی قلبه وزن برة من خیر، ویخرج من النار من قال: لاإله إلاالله وفی قلبه وزن ذرة من خیر." (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب زیادة الإیمان ونقصانه: ۱/۱۱، قدیمی)

(۵) " وهی أنه هل یجوز الخلف فی الوعید؟ فظاهر مافی المواقف والمقاصد أن الأشاعرة قائلون بجوازه؛ لأنه لایعد نقصاًبل جوداًوکرماً. و صرح التفتازانی وغیره بأن المحققین علی عدم جوازه، =

نصوص کی تائید سے اس کو ثابت کیا ہے(۱) لہذا نیکی بدی کو بیکار کہنا بھی جہالت ہے:﴿فمن یعمل مثقال ذرّة خیراً یره، ومن یعمل مثقال ذرّة شراً یره﴾ (۲) اور محض اپنے اعمال صالحہ پر مغرور ہوکر فضلِ خداوندی سے مستغنی و بے نیاز ہونا بھی حماقت ہے: "إلا أن یتغمدنی الله بغفرانه" الحدیث (۳)۔ یہ دونوں طالب علم اگر سامنے موجود ہوں تو دلائل سے بسہولت سمجھایا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/شوال/٦٦ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

حور جنت کی خاص صفت

سوال[۳۸۳]: جنت میں حورعین وغیرہ اوران کا حسن و جمال ولطافت بے انتہا ہوگی حتی کہ ان کی

= وصرح النسفی بأنه الصحیح لاستحالته علیه تعالیٰ، لقوله: ﴿و قد قدمت إلیکم بالوعید، ما یبدل القول لدیّ﴾. (سورة ق: ۲۸، ۲۹). ﴿ولن یخلف الله وعده﴾. (سورة الحج: ٤٧) :أی وعیده، والأشبه ترجح جواز الخلف فی الوعید فی حق المسلمین خاصةً دون الکفار". (رد المحتار ،باب صفة الصلاة ،مطلب فی الدعاء المحرم: ١/٥٢٢ ،سعید)

(١) "قوله: (فإن منزلتک عند آخر آیة تقرأها): ولما کانت درجات الجنان کأعداد آیات القرآن کان القاری لتمام کلام الله السبحان راقیاً علی أقاصی الدرجات، وفضل الدرجات فیها بینها فی کل درجة کتفاوت مافی سائر الدرجات فیما بینها، فلا یتوهم تساوی القاری بالأنبیاء علیهم السلام وغیرهم الخ". (الکوکب الدری، أبواب فضائل القرآن ،باب من قرأ حرفاً من القرآن: ٤/٣٠، ادارة القرآن والعلوم الإسلامیه، کراچی)

(۲)(الزلزال: ٧، ٨)

(۳)" قال:" ولا أنا، إلا أن یتغمدنی الله بمغفرة ورحمة". (صحیح البخاری، کتاب الرقاق ،باب القصد و المداومة علی العمل: ٢/٩٥٧ ،قدیمی)

(والصحیح لمسلم ،کتاب التوبة ،باب لن یدخل أحد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالی: ٢/٣٧٦ ،قدیمی)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ٢/٢٦٤ ،رقم الحدیث: ٧٥٣٣، دارإحیاء التراث العربی)

پنڈلیوں کا گودا ہڈی اور گوشت تک نظر آنا مرقوم ہے تو کیا اعضائے مخصوصہ بھی نظر آئیں گے یا مستور ہونگے؟ یہ کیسی لطافت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس کی حور ہوگی وہ اگر چاہے گا کہ اس کا فلاں عضو بھی نظر آجائے تو اس کا وہ عضو بھی نظر آجائے گا، جیسے اپنی بیوی کے جس عضو کو دیکھنا چاہے تو اس کے لئے ممانعت نہیں: ﴿و فیها ما تشتهیه الأنفس و تلذ الأعین﴾ (۱) بے حیائی کا وہاں کوئی کام نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۵ھ۔

کیا جنت کی حوریں فنا ہوں گی؟

سوال [۳۸۴]: قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ "ہر شیء فنا ہوجائے گی سوائے باری تعالیٰ کے"، تو یہ بتلائیے کہ فرشتے کے اوپر فنا طاری ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ وہ بھی کل کے اندر داخل ہو رہے ہیں، جنت میں جو حوریں ہوں گی ان کا جسم ہوگا یا نہیں؟ اگر جسم ہوگا تو فنا ہوں گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فرشتے بھی فنا ہوجائیں گے (۲) جنت میں حوروں کو وہاں کی شان کے لائق جسم ہوگا انسان کو بھی

---

(۱) (الزخرف: ۷۱)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿کل شیء هالک إلا وجهه﴾ الآیة (سورة القصص: ۸۸)

"یخبر تعالیٰ أن جمیع أهل الأرض سیذهبون و یموتون أجمعون، و کذلک أهل السموات إلا من شاء الله، و لا یبقی أحد سوی وجهه الکریم". (تفسیر ابن کثیر، (الرحمن: ۲۶): ۴/۳۴۹، مکتبه دار الفیحاء)

"و أخرج عن ابن مردویه أنه قال: لما نزلت: ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾ قیل: یارسول الله! فما بال الملائکة؟ فنزلت: ﴿کل شیء هالک إلا وجهه﴾ فبین فی هذه الآیة فناء الملائکة و الثقلین من الجن و الإنس و سائر عالم الله تعالیٰ و بریته من الطیر و الوحوش و السباع و الأنعام، و کل ذي روح أنه =

ملے گا (۱) پھر وہاں کوئی چیز فنا نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۵ھ۔

مردوں کو جنت میں حور وغلمان ملیں گے عورتوں کو جنت میں کیا ملے گا؟

سوال [۳۸۵]: عمل صالح کرنے سے مردوں کو جنت ملے گی، حور وغلمان ملیں گے مگر عورتوں کو کیا ملے گا؟ جب کہ خاوند بھی اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا کہ عورتوں کو ان کے خاوند بھی ملیں اور دوسرے بھی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

عورتوں کو ان کے خاوند ملیں گے جو ان کے لئے انتہائی راحت کا ذریعہ ہوں گے، کسی اور طرف ان کی نظر نہیں جائے گی بلکہ خیال بھی نہیں آئے گا۔

= هالك ميت". (روح المعاني، (القصص: ۸۸): ۲۰/۱۹۴، ۱۹۵، دار الفكر)

"و قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: لما نزلت هذه الآية، قالت الملائكة: هلك أهل الأرض، فنزلت: ﴿كل شيء هالك إلا وجهه﴾ (القصص: ۸۸)، فأيقنت الملائكة بالهلاك". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (الرحمن: ۲۶): ۱۷/۱۰۸، دار الكتب العلمية)

(۱) "عن عبد الله بن مسعود عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن المرأة من نسآء أهل الجنة ليرى بياض ساقها من وراء سبعين حلةً حتى يرى مخّها، و ذلك يقول: (كأنهن الياقوت و المرجان)". (جامع الترمذي: ۱/۸۰، باب ما جاء في صفة نسآء أهل الجنة، سعيد)

(۲) "أن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يدخل الله أهل الجنةِ الجنةَ، و يدخل أهل النارِ النارَ، ثم يقوم مؤذن بينهم فيقول: يا أهل الجنة! لا موت، و يا أهل النار! لا موت، كلٌ خالد فيما هو فيه". (الصحيح لمسلم: ۲/۳۸۲، باب جهنم أعاذنا الله تعالىٰ منها، قديمي)

"و لا تموت الحور العين أبداً: أي لا يطرأ عليهن عدم". (شرح الفقه الاكبر لأبي منصور الماتريدي، ص: ۱۶۰)

مشکوۃ شریف اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

جنت کی چار نہریں

سوال[۳۸۴]: ''مشارق الانوار'' کے اردو ترجمہ میں یہ حدیث پاک پڑھی کہ وہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیحون جیحون،فرات اور نیل ہر ایک بہشت کی نہریں ہیں(۲)۔

(فائدہ) سیحون جیحون ترکستان میں ہیں اور فرات عراق میں اور نیل مصر میں،ان نہروں کا پانی بہشت کی نہروں کے مشابہ ہے، یا کم از کم ان نہروں کی امداد وہاں سے ہوتی ہے،خاکسار کے ذہن میں اشکال پیدا ہورہا ہے کہ جب دریا جنت سے نکلتی ہیں اور جنت آسمان میں ہے،اور لاکھوں میل کا فاصلہ ہے تو اگر ہم کوئی مشین ایجاد کرکے اس کے مرکز پر پہنچنا چاہیں تو پہنچ جانا چاہئے،جیسے گنگا جمنا کے ہمالیہ کے علاقے میں ہم پہنچ سکتے ہیں،بہرحال اس کا ربط کیا ہے؟فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ان نہروں کا سلسلہ تو بہت دراز ہے،ایک دوسری حدیث پر غور کرکے اس کا رابطہ جنت سے معلوم کرلیں:''عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "مابین بیتي ومنبري روضة من ریاض الجنة، ومنبري علی حوضي"۔متفق علیه''۔ مشکوۃ

---

(۱) "ثم ننصرف إلی منازلنا فیتلقانا أزواجنا، فیقلن: مرحباً و أهلاً لقد جئت وإن بک من الجمال أفضل مما رزقتنا علیه". (مشکوۃ المصابیح ، باب صفة الجنة وأهلها: ص: ۴۹۹، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب صفة الجنة ، باب ما جاء في سوق الجنة: ۲/ ۸۱، سعید)

(۲) "عن أبي هریرة -رضي الله تعالیٰ عنه- قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "سیحان وجیحان والفرات والنیل کلٌ من أنهار الجنة ."(الصحیح لمسلم ،کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها: ۲/ ۳۸۰،قدیمی)

المصابیح، ص: ٦٨ (١)۔

اس کے لئے نہ راکٹ پراڑنے کی ضرورت پیش آئے گی، نہ کسی اَور سواری کی، اس کے بعد نہروں کا ربط خود بخود واضح ہوجائے گا اور مشقت کی زحمت سے بچ جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا جنت میں بھی جماع ہوگا اور غلمان کا مطلب

سوال [٣٠٧]: بہشت میں بہشتی لوگ داخل ہونے کے بعد جو دنیا کی عورتیں ہوں گی وہ سولہ سال کی عمر والی بن جائیں گی اور بہشتی مردسے ان کی شادی ہوگی اور حور وغلمان ان کی خدمت کے لئے ہوں گے، لیکن بہشت میں ان سے مجامعت ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ بہشت پاک جگہ ہے اور جماع کرنے سے آدمی ناپاک ہوجاتا ہے، تو ناپاک لوگوں کی جگہ بہشت کیسے ہوسکتی ہے؟ حور وغلمان دولفظ ہیں، حور سے مراد بہشتی عورت ہے لیکن غلمان سے کیا مراد ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہاں مجامعت کرنے سے نہ منی خارج ہوگی، نہ غسل لازم ہوگا، نہ ناپاکی ہوگی (٢)۔ غلمان خدمت کے

---

(١) (مشکوة المصابیح، کتاب الصلاة، باب المساجد و مواضع الصلاة: ١/٦٨، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب فضل مابین قبره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ومنبره وفضل موضع منبره: ١/٤٤٦، قدیمی)

(٢) "قال الطبرانی: و حدثنا أحمد بن یحی الحلوانی ..... عن أبی أمامة أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم سئل: أتجامع أهل الجنة؟ قال: "دحاً دحاً، ولکن لامنی و لامنیة" :أی : لاإنزال و لا موت".

"و عنه قال: سئل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: هل ینکح أهل الجنة؟ قال: "أی والذی بعثنی بالحق! دحماً دحماً "و أشار بیده: "و لکن لامنی و لامنیة".

"و عن سعید بن جبیر أن شهوته لتجری فی جسده سبعین عاماً یجد اللذة، و لا یلحقهم بذلک جنابة، فیحتاجون إلی التطهیر الخ". (حادی الأرواح إلی بلاد الأفراح لإبن قیم الجوزیة، الباب الخامس والخمسون فی ذکر نکاح أهل الجنة و وطئهم الخ، ص: ٢٨٠، ٢٨١، المکتبة المکیة)

لئے ہوں گے، جماع کے لئے نہیں (۱) ''فتوحات مکیہ'' میں پوری تفصیل مذکور ہے، احادیث بھی اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۹۵ھ۔

کیا جنت میں اولاد ہوگی؟

سوال [۳۸۸]: جو شخص جنت میں جائیں گے اور ان کو حوریں ملیں گی، ان کی اولاد ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اولاد کی خواہش کریں گے تو ہو جائے گی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۶/ محرم/ ۵۷ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و یطوف علیهم ولدان مخلدون﴾ ..... أی یطوفون علی أهل الجنة للخدمة ولدان من ولدان الجنة". (تفسیر ابن کثیر، (سورة الإنسان: ۱۹): ۴/ ۵۸۱، مکتبه دار السلام)

﴿ویطوف علیهم﴾: أی للخدمة ﴿ولدان مخلدون﴾: أی دائمون علی ماهم فیه من الطراوة والبهاء......... و جاء فی حدیث أخرجه ابن مردویه عن أنس مرفوعاً أنهم ألف خادم. و فی بعض الآثار: أضعاف ذلک". (روح المعانی، تفسیر قوله تعالیٰ ﴿و یطوف علیهم ولدان مخلدون﴾: ۲۹/ ۱۶۱، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۲) "و قال قتادة: عن أبی أیوب، عن عبد الله بن عمرو، قال: ما من أهل الجنة من أحد إلا و یسعیٰ علیه ألف غلام علی عمل ما علیه صاحبه". (تفسیر الطبری: ۲۹/ ۱۳۶، (الدهر: ۱۹)، دار المعرفة)

"و فی حدیث أنس عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أنا أول الناس خروجاً إذا بعثوا". وفیه: "یطوف علیّ ألف خادم کأنهم لؤلؤ مکنون". (حادی الأرواح إلی بلاد الأفراح، الباب الثانی والخمسون فی ذکر خدمهم و غلمانهم، ص: ۲۵۶، المکتبة المکیة)

(و کذا فی مرقاة المفاتیح، رقم الحدیث: ۵۷۶۵، کتاب الفضائل، الفصل الثانی: ۱۰/ ۳۵- ۳۷، رشیدیه)

(ومشکوة المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، الفصل الثانی ص: ۵۱۴، قدیمی)

(۳) "عن أبی سعید الخدري رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "المؤمن =

جس عورت نے متعدد شوہر کئے ہوں وہ کس کو ملے گی؟

سوال [۳۸۹] : زید یہ کہتا ہے کہ ہم نے سنا ہے کل قیامت میں جبکہ نیک زوجین جنت میں داخل ہو جائیں گی تو دنیا میں جس طرح خاوند اور عورت کا جوڑا تھا ایسے ہی وہاں وہ عورت خاوند کے لئے حوریں بن جائیں گی، نیز اگر اس نے دنیا میں تین یا چار نکاح کئے ہوں تو وہ عورت کس کس کے لئے حور بنے گی؟ یا اس صورت میں جبکہ خاوند نے بیوہ کے ساتھ نکاح کیا ہو تو اب یہ عورت کس کے لئے حور بنے گی؟ چونکہ اس نے ایک مرتبہ پہلے ہی نکاح کیا تھا، پہلے خاوند کے لئے یا ثانی کے لئے؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دنیا کی عورتیں حور نہیں بنیں گی، حوریں مستقل ہونگی اور یہ عورتیں مستقل ملیں گی، جس عورت نے دنیا میں متعدد شوہر کئے ہیں اس کے متعلق علماء کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ اخیر شوہر کو ملے گی، دوسرا یہ کہ اس کو اختیار دیا جائے گا جس کو وہ پسند کریگی اس کو ملے گی:

"اختلف الناس في المرأة إذا كان لها زوجان في الدنيا لأيهما تكون في الآخرة؟ قال بعضهم: تكون لآخرهما، وقال بعضهم: تخير، فتختار أيهما شاءت، وقدجاء في الأثر ما يؤيد قول كلا الفريقين: أما من قال: هي لآخرهما فقد ذهب إلى ماروى عن معاوية ابن أبي سفيان أنه خطب أم الدرداء، فأبت وقالت: سمعت أباالدرداء يحدث عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: المرأة لآخر زوجها في الآخرة وقال (أي أبوالدرداء): إني أردت

= إذا اشتهى الولد في الجنة، كان حمله و وضعه و سنه في ساعة كما يشتهي". قال: حديث حسن غريب، أخرجه ابن ماجة و قال: "في ساعة واحدة في الجنة". (التذكرة للقرطبي، باب المؤمن إذا اشتهى الولد في الجنة ...... الخ، ص: ۵۲۲، ۵۲۳، أسامة الإسلامية)

(وجامع الترمذي، أبواب صفة الجنة، باب ما جاء ما لأدنى أهل الجنة من الكرامة: ۲/۸۴، سعيد)

(وسنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب صفة الجنة، ص: ۳۲۳، قديمي)

(ومسند الإمام احمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ: ۳/۳۸۰، رقم الحديث: ۱۰۲۷۹، دار احياء التراث العربي)

أن تكون زوجتي في الأخرة، فلاتتزوجي بعدي. وأما من قال بأنهاتخير، فذهب إلى ماروى عن أم حبيبة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنها سألت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالت: يارسول الله! المرأة منا ربما يكون لها زوجان، لأيهما تكون في الأخرة؟ قال: "تخير فتختار أحسنهما خلقاً معها" ثم قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ذهب حسن الخلق بخيري الدنيا والآخره الخ". بستان فقيه أبي الليث سمرقندي رحمه الله تعالىٰ، ص: ۱۵۱ (۱) ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم ۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۷/۵۶ھ ۔

صحیح: عبد اللطیف ۶/ رجب ۵۶ھ، الجواب صحیح، سعید احمد غفرلہ ۔

جس نے کئی شوہر کئے وہ جنت میں کس کو ملے گی؟

سوال [۳۹۰] : مؤمن مردوں کو جنت میں حوریں ملیں گی، مؤمنہ عورتوں کو کیا ملے گا؟ اگر خاوند ملیں گے تو دنیا والے یا کوئی دوسرے، اور جس کی دنیا میں کئی بیبیاں تھیں تو پھر سب ملیں گی یا ایک دو؟ اور اگر کسی عورت نے دنیا میں پانچ چھ شوہر کئے تو وہ کون سے شوہر کو ملے گی اور اپنی بیبیاں اپنے ہی شوہر کو ملیں گی یا دوسروں کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مؤمنہ عورتوں کو ان کے شوہر ملیں گے، اگر کسی نے دنیا میں شادی نہ کی ہو تو اس کو اختیار دیا جائے گا کہ جس آدمی کو وہ پسند کرے اس سے ہی اس کا نکاح ہو جائے، اگر وہ کسی کو پسند نہ کرے تو حورعین میں سے ایک مرد

---

(۱) (بستان فقيه أبي الليث السمرقندي رحمه الله تعالىٰ، ص: ۲۴۸، باب إذاكان لها زوجان، مطبع فاروقي دهلي)

(وكذا في أحكام النساء، ص: ۴۱۱، الباب السابع بعد المائة في ذكررد المرأة إلى زوجها في الجنةإذالم تتزوج بعده، وزارة الأوقاف والشؤن الاسلامية، قطر)

(ومعجم الطبراني، ص: ۳۶۸/۲۳، بيروت)

"المرأة تكون لآخر أزواجها في الدنيا، وجاء: أنها تكون لأحسنهم خلقاً الخ". (البداية والنهاية، فصل في المرأة تتزوج في الدنيا بأزواج الخ: ۵۸۵/۱۰، ط دار الفكر)

پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نکاح کردے گا۔

اور جس نے دنیا میں کئی شوہر کئے تھے تو بعض کہتے ہیں کہ ان میں سے جس کو پسند کرلے اسی کو ملے گی اور بعض کہتے ہیں کہ اخیر والے شوہر کو ملے گی:

"فی الغرائب: ولوماتت قبل أن تتزوج، تخیّر أیضاً، إن رضیت بآدمی زوجت منه، وإن لم ترض فالله یخلق ذکراً من الحور العین فیزوجها منه، واختلف الناس فی المرأة التی یکون لها زوجان فی الدنیا لأیهماتکون فی الآخرة؟ قیل: تکون لأخیرهما، وقیل: تخیر، فتختار أیهما شائت انتهی". مجموعه فتاوی: ۳/۱۰(۱)۔

اور جس مرد نے کئی عورتیں دنیا میں کی ہیں وہ سب اس کو ملیں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

شادی سے قبل مرجانے والوں کا نکاح کیسے ہوگا؟

سوال[۱۹۱]: مسلم بالغ لڑکیاں جن کی شادی نہ ہوسکی اور قضا کرگئیں، جنت میں ان کے واسطے کیا نکاح کا بندوبست ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو مسلم لڑکے بغیر شادی کے گزر گئے، ان کے ساتھ نکاح ہونا سہل ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۵ھ۔

---

(۱) (مجموعة الفتاوی، کتاب القرآن، باب الجنة: ۱/۱۰۴، سعید)

(وکذا فی بستان فقیه أبی اللیث السمرقندی، ص:۲۴۷ باب إذاکان لها زوجان، مطبع، فاروقی دهلی)

(وکذا فی أحکام النساء، الباب السابع بعد المائة فی ذکر رد المرأة إلی زوجها فی الجنة إذالم تتزوج بعده، ص: ۴۱۱، وزارة الأوقاف والشؤن الاسلامیة، قطر)

(والبدایه والنهایة، فصل فی المرأة تتزوج فی الدنیابأزواج: ۱۰/۵۸۵، دارالفکر بیروت)

(۲) "وفی الغرائب: ولوماتت قبل أن تتزوج تخیّر أیضاً، إن رضیت بآدمی زوجت منه، وإن لم ترض فالله یخلق ذکراً من الحور العین، فیزوجها منه". (مجموعة الفتاوی، باب الجنة: ۱/۱۰۴، سعید)

شوہر دوزخی اور بیوی جنتی کیسے ملیں گے؟

سوال[۳۹۲]: جو مسلمان کلمہ گو اپنے بدعمل کے تحت دوزخ میں گیا اور اس کی عورت نیک عمل کے تحت جنت میں گئی، اس کا شوہر جنت میں کیونکر اور کیسے ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سزا بھگت کر آجائے تو کیا اشکال ہے، کیونکہ کوئی مسلمان ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہیں رہے گا (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۵ھ۔

کیا بے نمازی جنت میں جائے گا؟

سوال[۳۹۳]: بے نمازی کے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ کیا بے نمازی جنت میں جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شخص نماز کو فرض ہی نہ سمجھے تو وہ مؤمن نہیں (۲)، اگر فرض تو کہتا ہے مگر نماز نہیں پڑھتا اور اس کو

---

(۱) "واعلم أن مذهب أهل السنة وما عليه أهل الحق من السلف والخلف أن من مات موحداً، دخل الجنة قطعاً على كل حال، فإن كان سالماً من المعاصى كالصغير .... يدخلون الجنة ولا يدخلون النار أصلاً......... وأما من كانت له معصية كبيرة، ومات من غير توبة، فهوفى مشية الله تعالى، فإن شاء عفاعنه وأدخله الجنة، وجعله كالقسم الأول، وإن شاء عذبه بالقدر الذى يريده سبحانه، ثم يدخله الجنة، فلا يخلد فى النار أحد مات على التوحيد ولو عمل من المعاصى ماعمل الخ". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً: ۱/ ۴۱، قديمى)

(وكذا فى شرح الفقه الأكبر للملا على القارى رحمه الله تعالىٰ، ص: ۱۵۶، قديمى)

(وكذا فى النبراس شرح شرح العقائد، ص: ۵۵۷، مكتبه حقانية پشاور)

(۲) "الصلوة فريضة محكمة لا يسع تركها، ويكفر جاحدها كذافى الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، ۱/ ۵۰، رشيديه) .... =

عذاب کا خوف بھی نہیں، قضاء پڑھنے کا ارادہ بھی نہیں، اس کے ایمان کا باقی رہنا دشوار ہے (۱) اللہ پاک حفاظت فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

کفار کے کس عمر کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے؟

سوال [۳۹۴]: کفار کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے تو یہ بچے کس عمر تک کے شمار ہوں گے، شیر خوارگی تک یا بلوغ تک؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب تک احکام شرح کے مکلّف نہ ہوں بچے ہی کہلاتے ہیں، یہی اعتبار آخرت میں بھی ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "(ویکفر جاحدها) لثبوتها بدليل قطعي. (وتاركها عمداً مجانةً) : أي تكاسلاً فاسق".
(الدرالمختار، كتاب الصلوة : ۱/ ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في الكامل شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق إسم الكفر على من ترك الصلاة : ۱/ ۶۱، قديمي)

(۱) "ويكفر ...... بترك الصلاة متعمداً غيرنا وٍللقضاء، و غير خائف من العقاب". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۵/ ۲۰۹، رشيديه)

"وفي شرح السنة :اختلف في تكفير تارك الصلاة الفرض عمداً، قال عمر رضي الله تعالىٰ عنه : لاحظ في الإسلام لمن ترك الصلاة .وقال ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: تركها كفر. وقال عبدالله بن شقيق: كان أصحاب محمد عليه الصلاة والسلام لا يرون شيئًامن الأعمال تركه كفر غير الصلاة ." (مرقاة المفاتيح ،كتاب الصلاة ،الفصل الثاني : ۲/ ۲۷۲ ،رشيديه)

(۲) (سئل رسول الله ﷺ عن ذراری المشركين) .... أي أولادهم الذين لم يبلغوا الحلم اهـ". (إرشاد الساري :۳/ ۴۸۶، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين ، دار الكتب العلمية بيروت) .... =

اولادِ مشرکین کا حکم

سوال[۳۹۵]: مشرک وکفار، یہود ونصاریٰ وبت پرست وغیرہ کی جو معصوم اولادیں مرجاتی ہیں، کیا وہ بھی جنت میں داخل ہوں گی؟ جیسا کہ ''مظاہر حق جلد سوم'' میں ہے کہ ہر معصوم بچہ حضرت ابراہیم کے پاس جنت میں جمع رہتے ہیں اور تفسیر موضح القرآن میں ہے کہ مشرکوں کے بچے جنت میں داخل تو ہوں گے مگر بطور خدام کے۔ اور کیا معصوم بچے اپنے والدین کو قیامت کے دن پہچانیں گے اور جن کے باپ سفر کی حالت میں مرے وہ بچے کس طرح پہچانے جائیں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان کے متعلق تعارضِ دلائل کی وجہ سے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے توقف کیا ہے، بعض کے نزدیک بعض جنت میں جائیں گے بعض دوزخ میں، امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی ایسا ہی منقول ہے، امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے، دوسری روایت میں ہے کہ سب کو نجات ہو جائے گی (۱) کذا فی فیض الباری:۲/۲۹۲(۲)۔

والدین کو پہچاننے کی ضرورت شفاعت ونجات کے لئے ہوگی اور جب مشرکین وکفار کے لئے نجات ہی نہیں تو ان کو پہچاننے کی ضرورت بھی نہیں، حضرت آدم علیہ السلام کے پاس وہ ارواح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

= ''والغلام كما قال عياض: يطلق على الصبي من حين يولد إلى أن يبلغ''. (ردالمحتار: ۶/۱۵۳، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام الخ، فصل، سعيد)

(۱) راجع للتفصيل الحاوي على عشرة أقوالٍ: (فتح الباري لابن حجر رحمه الله تعالىٰ، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين :۳/۳۱۵، قديمي)

(۲) ''واعلم أنهم اختلفوا في أولاد المشركين: فنقل عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ التوقف، و صرح النسفي في الكافي أن المراد بالتوقف في الحكم الكلي، فبعضهم ناج و بعضهم هالك، لابمعنى عدم العلم أوعدم الحكم بشيء وهو مذهب مالك صرح به أبوعمرو في التمهيد، وإليه ذهب الشافعي كما صرح به الحافظ، وعن أحمد روايتان''. (فيض الباري، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين ،۲/۲۹۲، ۲۹۳، خضر راه بكڈپو ديوبند)

علیہ وسلم نے معراج میں دیکھی تھیں جو اس وقت تک دنیا میں نہیں آئیں تھیں کذا فی شرح البخاری (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا غیر مسلم نیکی کر کے جنت میں جا سکتا ہے؟

سوال [۳۹۶] : ایک مسلمان جس کا نام ظہور خان ہے وہ یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذہب کے اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو وہ بھی جنتی ہے اور قرآن پاک کا حوالہ دیتا ہے۔ برائے مہربانی تحریر فرمادیں کہ اس کا جواب کیا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جو شخص شرک وکفر کی حالت میں مرا ہو، اس کی نجات نہیں ہوگی، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا: ﴿من يشرك بالله، فقد حرم الله عليه الجنة، ومأوه النار﴾ (۲) قرآن کریم میں صریح آیا ہے، اس کے متعلق موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۷/۲۷ھ۔

کیا مور جنت میں تھا؟

سوال [۳۹۷] : کیا مور جنت میں تھا؟ اب باہر دنیا میں نکال دیا گیا ہے، کیا یہ شریعت سے ثابت ہے؟

---

(۱) "و يحتمل أن يقال : إن النسم المرئية هي التي لم تدخل الأجساد بعد، و هي مخلوقة قبل الأجساد، ومستقرها عن يمين آدم وشماله، و قد أعلِم بما سيصيرون إليه، فلذلک كان يستبشر إذا نظر إلى من عن يمينه، ويحزن إذا نظر من عن يساره، بخلاف التي في الأجساد فليست مرادة قطعاً، و بخلاف التي انتقلت من الأجساد إلى مستقرها من جنة أو نار فليست مرادة أيضاً فيما يظهر ". (فتح الباري ، كتاب الصلاة ، باب كيف فرضت الصلاة في الإسراء ؟ ۱/۲۰۸، ۲۰۹، قديمي)

(۲) (المائدة : ۷۲)

قال الله تعالىٰ: ﴿ إن الله لا يغفر أن يشرک به، و يغفر ما دون ذلک لمن يشآء ﴾ (النساء : ۴۸، ۱۱۶)

الجواب حامداً و مصلیاً :

مور کے متعلق بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ یہ جنت میں تھا، پھر وہاں سے نکال دیا گیا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۰/ ۷/ ۸۷ھ۔

کیا کچھ جانور بھی جنت میں جائیں گے؟

سوال[۳۹۸]: اصحاب کہف کا کتا بھی جنت میں داخل ہوگا، بعض کتابوں میں تحریر ہے حالانکہ کتا اس قدر نجس قرار دیا گیا کہ فرشتے تک انبیاء کے گھروں میں داخل نہ ہوسکیں پھر یہ کتا جنت میں کس طرح داخل ہوگا؟ بعض کتابوں میں تحریر ہے کہ یہ کتے کی شکل میں نہ جائے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ پھر کس شکل میں جنت میں داخل ہوگا؟ یا یہ بالکل غلط ہے کہ جنت میں داخل ہوگا۔ تفسیر موضح القرآن میں ہے کہ کتا بھی زندہ ہے، لاکھوں اچھوں میں ایک برا بھی آئے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ اصحاب کہف کا کتا جنت میں جائے گا، لیکن کوئی کیفیت تحریر نہیں کہ کس صورت میں جائے گا(۲)، جس خدا کو قدرت ہے کہ وہ مردے کو زندہ کرے بلکہ عدم سے وجود عطا فرمائے، وہ

---

(۱) ﴿فأزلهما الشيطان عنها فأخرجهما مما كانا فيه، و قلنا﴾ لآدم و حواء و طاؤس و حية و إبليس ﴿اهبطوا﴾ انزلوا إلى الأرض". (تفسير ابن عباس على هامش الدر المنثور : ۱/ ۱۸، بيروت)

(۲) "قيل: ليس في الجنة دواب سوى كلب أصحاب الكهف، و حمار بلعم". (تفسير الخازن، (الكهف: ۱۸): ۳/ ۲۰۵، حافظ كتب خانه)

(و كذا في التفسير المظهري، (الكهف:۱۸): ۶/ ۲۱، حافظ كتب خانه)

"فعن خالد بن معدان: ليس في الجنة من الدواب إلا كلب أصحاب الكهف و حمار بلعم، ورأيت في بعض الكتب أن ناقة صالح و كبش إسماعيل أيضاً في الجنة، و رأيت أيضاً أن سائر الحيوانات المستحسنة في الدنيا كالظباء والطواويس و ما ينتفع به المؤمن كالغنم تدخل الجنة على كيفية تليق =

اگر نجاست کوطہارت سے بدل دے تو کیا اشکال ہے؟

دنیا میں انسان قسم قسم کی نجاستوں کا مخزن ہے، مگر جنت میں اس کے ساتھ کوئی نجاست نہیں رہے گی، سب سے پاک وصاف کردیا جائے گا، اس کتے کے علاوہ اَور بھی بعض جانور ممکن ہے کہ جنت میں جائیں، چنانچہ سید احمد حموی نے شرح الاشباہ والنظائر، ص: ۳۹۵، میں بحوالہ ''شرح شرعۃ الاسلام'' حضرت مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ دس جانور جنت میں جائیں گے: ناقہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ناقہ صالح علیہ السلام، عجل ابراہیم علیہ السلام، کبش اسماعیل علیہ السلام، بقرہ موسیٰ علیہ السلام، حوت یونس علیہ السلام، حمار عزیر علیہ السلام، نملہ سلیمان علیہ السلام، ہدہد بلقیس، کلب اہل الکہف۔ مشکوۃ الانوار میں لکھا ہے کہ ان سب کا بھی حشر ہوگا (۱)۔

جہاں حدیث میں لکھا ہے کہ جس گھر میں کتے ہوں اس میں فرشتے نازل نہیں ہوتے، وہاں حدیث میں شکار اور حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت بھی موجود ہے، کذا فی المشکوۃ، باب ذکر الکلب (۲)۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اصحاب کہف کا کتا بھی شکار کے لئے تھا، اس کا نام

= بذلک المکان و تلک النشأۃ، ولیس فیما ذکر خبر یعول علیہ فیما أعلم'' (روح المعانی (الکہف: ۱۸) ۹/۲۲۷، دار الفکر)

(۱) ''قولہ: ''لیس من الحیوان من یدخل الجنۃ إلا خمسۃ'' أي من الحیوان الذی لا نطق لہ، و إلا فالإنسان حیوان، قال في ''شرح شرعۃ الإسلام'': قال مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ: عشرۃ من الحیوانات تدخل الجنۃ: ناقۃ محمد علیہ الصلاۃ و السلام، و ناقۃ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام، وعجل إبراهیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، و کبش إسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام و بقرۃ موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام، و حوت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام، وحمار عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام، و نملۃ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام، و هدهد بلقیس، و کلب أهل الکهف، کلهم یحشرون، کذا فی ''مشکاۃ الأنوار''. انتهی''. (شرح الأشباہ والنظائر، للحموی، الفن الثالث، فائدۃ: ۲۱۹۳، ۳/۲۳۹، إدارۃ القرآن)

(۲) ''عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ''من اقتنی کلباً إلا کلب ماشیۃ أو ضار، نقص من عملہ کل یوم قیراطان''. متفق علیہ''. (مشکوۃ المصابیح، باب ذکر الکلب: ۲/۳۵۹، قدیمی)

''قطمیر''، تھا، بعض نے ''حمران'' کہا ہے(۱)۔''لباب التاویل'' میں اس کے رنگ وغیرہ کی بھی تفصیل ہے، لیکن کوئی معتبر روایت نقل نہیں کی (۲) اس لئے ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بحث کو ترک کردیا ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اصحاب کہف کا کتا جنت میں کیوں جائے گا؟

سوال[۳۹۹]: اصحاب کہف کا کتا جنت میں کیوں جائے گا؟ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اور مستند حدیث سے ثابت ہے کہ انسانی شکل پا کر جائے گا؟ اور حور وقصور سے متمتع ہوگا؟ اور اگر حدیث شریف میں ہے تو اس حدیث کی سند اور صحت اور کتاب کا حوالہ درکار ہے، محبت اور خدمت ورفاقت کا اگر یہ انعام ہے تو اسی طرح بے شمار جانوروں نے انبیاء وصلحاء کی محبت کی ہے، اس صورت میں بے شمار جانور بہشت میں جانے چاہئیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ وسلم کا گدھا ''یافور''، اونٹنی ''قصوی''، ''استوانہ حنانہ''، یہ بھی انسانی شکل میں جنت میں جانے چاہئیں۔

---

(۱) ''و قد قيل: إنه (أى كلب أصحاب الكهف) كان كلب صيد لأحدهم، و هو الأشبه،......... كان اسم كبش إبراهيم عليه الصلوٰة والسلام ''جرير''، واسم هدهد سليمان عليه الصلوٰة والسلام ''عنقز''، و اسم كلب أصحاب الكهف ''قطمير''...... و قد تقدم عن شعيب الجبائي أنه سماه ''حمران''. (تفسير ابن كثير(الكهف:۱۸): ۳/۱۰۵، مكتبه دار الفيحاء)

(۲) '' و اختلف في لونه فأخرج ابن أبي حاتم من طريق سفيان قال: قال لى رجل بالكوفة يقال له: عبيد، و كان لا يتهم بكذب: رأيت كلب أصحاب الكهف أحمر كأنه كساءٌ أنبجاني، وأخرج عن كثير النواء قال: كان الكلب أصفر، وقيل: كان أنمر، وروي ذلک عن ابن عباس، و قيل غير ذلک''. (روح المعانى، (الكهف: ۱۸): ۱۵/۲۲۵، دارإحياء التراث العربى)

(۳) ''و اختلفوا في لونه على أقوال لا حاصل لها، و لا طائل تحتها، و لا دليل عليها، ولا حاجة إليها، بل هى مما ينهى عنه، فإن مستندها رجم بالغيب''. (تفسير ابن كثير، (الكهف:۱۸): ۳/۱۰۵، دارلفيحاء)

الجواب حامداً و مصلياً :

شرح الاشباہ والنظائر ،ص:۳۹۹ میں چند جانوروں کا ذکر ہے کہ یہ جنت میں جائیں گے(۱)، ان کی خصوصیات کی وجہ فضلِ خداوندی ہے، وہ جس طرح چاہے کرے، علت تخریج کرکے ہر چیز کے متعلق قیاس کا یہ محل نہیں ہے،''استوانہ حنانہ'' کے متعلق حدیث شریف میں جنت میں جانے کا تذکرہ صاف صاف ہے۔

اس کی تفصیل پوری سند کے ساتھ مسند دارمی میں موجود ہے (۲) دیگر کتب حدیث

---

(۱) ''قوله :''ليس من الحيوان من يدخل الجنة إلا خمسة '' أى من الحيوان الذى لا نطق له و إلا فالإنسان حيوان، قال في ''شرح شرعة الإسلام '': قال مقاتل رحمه الله تعالىٰ : عشرة من الحيوانات تدخل الجنة: ناقة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و ناقة صالح عليه السلام ، وعجل إبراهيم عليه الصلاة والسلام ، وكبش إسماعيل عليه الصلاة والسلام، و بقرة موسى عليه الصلاة والسلام ، و حوت يونس عليه الصلاة والسلام، وحمار عزير عليه الصلاة والسلام ، و نملة سليمان عليه الصلاة والسلام، وهدهد بلقيس، وكلب أهل الكهف، كلهم يحشرون ، كذا في مشكاة الأنوار '' انتهى''. (شرح الأشباه والنظائر، للحموى ، الفن الثالث ، فائدة : ۲۱۹۳، ۲۳۹/۳ ، إدارة القرآن كراچى)

(۲) ''أخبرنا محمد بن حميد ، ثنا تميم بن عبد المؤمن ، ثنا صالح بن حيان ، حدثني ابن بريدة عن أبيه قال: كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا خطب، قام فأطال القيام، فكان يشق عليه قيامه، فأتي بجذع نخلة فحفر له، وأقيم إلى جنبه قائماً للنبي –صلى الله تعالىٰ وسلم –فكان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا خطب فطال القيام عليه، استند إليه ، فاتكأ عليه،فبصر به رجل كان ورد المدينة، فرآه قائماً إلى جنب ذلك الجذع، فقال لمن يليه من الناس : لو أعلم أن محمداً يحمدني في شئي يرفق به، لصنعت له مجلساً يقوم عليه، فإن شاء جلس ما شاء، وإن شاء قام، فبلغ ذلك النبي – صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– فقال :'' ايتوني به'' فأتوه به، فأمر أن يصنع له هذه المراقي الثلاث أوالأربع ، هى الآن في منبر المدينة، فوجد النبي – صلى الله تعالىٰ عليه وسلم – في ذلك راحةً ، فلما فارق النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الجذع، و عمد إلى هذه التي صنعت له، جزع الجذع، فحنّ كما تحن الناقة حين فارقه النبي – صلى الله تعالىٰ عليه وسلم – فزعم ابن بريدة عن =

میں بھی ہے (۱) باقی ان جانوروں کا انسانی شکل میں ہونا اور حور وقصور سے انسانوں کی طرح متمتع ہونا میرے علم میں نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= أبيه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين سمع حنين الجذع رجع إليه، فوضع يده عليه، وقال: اختر أن أغرسك في المكان الذي كنت فيه فتكون كما كنت، وإن شئت أن أغرسك في الجنة فتشرب من أنهارها و عيونها، فيحسن نبتك و تثمر فيأكل أولياء الله من ثمرتك و نخلك فعلت. فزعم أنه سمع من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يقول له: "نعم"، قد فعلت مرتين، فسئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: "اختار أن أغرسه في الجنة". (رواه الدارمي في مقدمة سننه، باب ما أكرم الله النبي بحنين المنبر: ۱/ ۲۹، ۳۰، قديمي)

(۱) (فتح الباري لابن حجر العسقلاني، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام: ۶/ ۷۳۹، قديمي)

متفرقات الإیمان والعقائد

منکرات پر نکیر

سوال[۴۰۰]: جوعلماء اس زمانے میں بلڈنگ کھڑی کرنے میں لگے ہیں یا لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانے میں جس طرح سختی تھی اس زمانے میں کی جائے تو کیا وجہ ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوت کھائے بغیر مکان سے واپس آگئے تھے کیونکہ داعی کے مکان میں تصویر تھی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی کی خاطر معصیت کا ارتکاب، مجلس معصیت میں شرکت، امور دین میں مداہنت درست نہیں (۱)، منکرات پر نکیر حسب موقع وحسب حیثیت لازم ہے (۲)، البتہ طریقہ نکیر وہ اختیار کیا جائے جس میں اصلاح مظنون ہو اور تذلیل وتحقیر کسی کی مقصود نہ ہو (۳)، فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۹۴ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾. (المائدة: ۲)

"وعن علي – رضی الله تعالیٰ عنه – قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ وسلم: "لا طاعة فی معصية، إنما الطاعة فی المعروف". متفق عليه". (مشکوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء: ۲/۳۱۹، قديمی)

(۲) "من رأی منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلک أضعف الإيمان". وقد قال بعض علمائنا: الأمر الأول للأمراء، والثانی للعلماء، والثالث لعامة المؤمنين...... وشرطهما (أی الأمر والنهی) أن لا يؤدی إلی الفتنة، كما عُلم من الحديث، و أن يظن قبوله، فإن ظن أنه لا يقبل، فيستحسن إظهار شعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۲۱، ۸۲۲، رشيديه)

(۳) "و ينبغی للآمر والناهي أن يرفق ليكون أقرب إلی تحصيل المطلوب". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۲۳، رشيديه)

کیا ظالم کے لئے ہدایت ہے؟

سوال[۴۰۱]: قرآن شریف میں ہے: ﴿إن الله لا یهدی القوم الظالمین﴾ (۱) اس میں مسلمان ظالم بھی شامل ہیں، تو ظالم مسلمان یا ظالم کافر کی ہدایت کے لئے دعاء مقبول ہوتی ہے یا نہیں؟ یہاں ہدایت کی نفی سے کیا مراد ہے؟ فقط عبدالحکیم خان مدرسہ فیض العلوم اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اصل ظالم مشرک ہے (۲) جس کے لئے "لایهدی" وارد ہے: ﴿إن الشرك لظلم عظیم﴾ (۳)۔ ہدایت کی نفی سے تکوینی نفی مراد ہے تشریعی مراد نہیں، لہذا ہر ظالم اور ہر کافر کے لئے دعائے ہدایت درست ہے، کسی کی موجودہ حالت کو دیکھ کر حتمی رائے قائم کرنا دشوار ہے کہ اس کا خاتمہ اسی حال پر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۹ھ۔

کیا نافرمان بھی بندہ ہے؟

سوال[۴۰۲]: میں نے ایک شخص سے یہ کہا تھا کہ جو شخص اللہ اور رسول کو نہیں مانتا وہ بندہ نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے اور سراج الدین یہ کہتا ہے کہ میں اس بات کو نہیں مانتا۔ سراج الدین گنگوہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خدا کے سب بندے ہیں، جو حکم مانتے ہیں وہ بھی، اور جو نہیں مانتے وہ بھی، البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ

---

(۱) (الأنعام : ۱۴۴)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿والله لا یهدی القوم الظالمین﴾ (التوبة : ۱۹)

قال العلامة الآلوسی : "أرید بهم المشرکون، و بالظلم الشرک". (روح المعانی : ۶۸/۱۰، داراحیاء التراث العربی)

و قال تحت آیة آل عمران رقمها : ۸۶: "الظالمین": أی الکافرین الذین ظلموا أنفسهم". (روح المعانی : ۲۱۷/۳، دار احیاء التراث)

(۳) (لقمان : ۱۳)

جوحکم مانتے ہیں وہ فرمانبردار ہیں، جوحکم نہیں مانتے وہ نافرمان ہیں، بندہ ہونے سے کوئی نہیں نکلتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

توکلاً بد پرہیزی کرنا

سوال [۴۰۳]: زید کو پورا یقین ہے کہ کسی چیز میں یہ قدرت نہیں کہ نفع یا نقصان پہونچا سکے، کسی مرض کی حالت میں اس کا اطباء کے کہنے پر نقصان دہ چیزوں سے اپنے یقین کی وجہ سے پرہیز نہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی چیز میں یہ تو براہ راست قدرت نہیں کہ وہ نفع یا نقصان پہونچا سکے، کیوں کہ نافع اور ضار صرف ذات حق تعالیٰ ہے(۱)، لیکن یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ اللہ پاک نے اپنی مخلوقات میں تاثیرات رکھی ہیں، آگ، پانی، ہوا کی تاثیرات سب جانتے ہیں، سانپ، بچھو کے زہر کا بھی انکار نہیں کیا جاتا، کھانے پینے کے اثرات سب ہی جانتے ہیں، ریل کی پٹری پر گردن رکھنے کا نتیجہ بھی ظاہر ہے، دوا کی تاثیرات حدیث شریف سے ثابت ہے(۲) پرہیز کی تاکید آئی ہے(۳) لیکن ہر شئ کی مخصوص تاثیر کا علم ہونا ہر ایک کے لئے لازم نہیں، اطباء

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإن یمسسک اللہ بضرّ فلا کاشف له إلا هو﴾ (الانعام: ۱۷)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿قل لا أملک لنفسی ضراً و لا نفعاً إلا ما شاء اللہ﴾ (سورہ یونس: ۴۹)

(۲) "و عن زید بن أرقم رضی اللہ عنه قال: أمرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أن نتداوی من ذات الجنب بالقسط البحری والزیت". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۳۸۸، کتاب الطب، سعید)

"عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إن اللہ أنزل الداء والدواء، و جعل لکل داء دوا، فتداووا و لا تداووا بحرام". (مشکوۃ المصابیح المصدر السابق، قدیمی)

(۳) "عن أم المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: دخل علیّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و معه =

کا تجویز کردہ پرہیز بھی پختگی کے ساتھ ہوتا ہے، کبھی محض احتیاط اور اعلیٰ درجہ میں ہوتا ہے، اس لئے نہ ہر پرہیز کی پابندی کو شرعاً ضروری قرار دیا جاسکتا ہے، نہ ہر بد پرہیزی کی اجازت دی جاسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

انکارِ موت سے متعلق ایک مشہور شعر سے متعلق تحقیق

سوال[۴۰۴]:

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب موت کیا ہے انھیں اجزاء کا پریشان ہونا

کیا مذکورہ شعر کمیونسٹ نظریہ کی تائید نہیں کرتا؟ اگر کرتا ہے تو پھر اس شعر کو ایک پڑھے لکھے مسلم کو یہ سمجھ کر پڑھنا کہ جو چیز مذکورہ شعر میں بیان کی گئی ہے عین حقیقت ہے۔

خلاصۂ کلام: کیا مذکورہ شعر مسلم عقیدہ میں ضرب کاری نہیں لگاتا ہے، اگر یہ شعر مسلم عقیدہ پر غلط اثر ڈالتا ہے، تو اس صورت میں صحیح کہنے والے مسلم کو کیا سزا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شعر میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ کوئی شرعی تحقیق نہیں، نہ شاعر نے اس کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ شریعت کا مکلّف ہے، پس اس کو حکم شرعی سمجھتے ہوئے بحث کرنا بے محل ہے، اس میں جو کچھ کہا گیا ہے نظریہ اسلام کے تحت نہیں بلکہ یہ تو ان لوگوں کا نظریہ ہے جو واجب الوجود کے لئے امہات الصفات تین جز میں مانتے ہیں: ایشور، وشنو، شیو، یعنی مرکب، محافظ، مخرب یا محلل، ان کے نزدیک نیستی سے ہستی نہیں ہوسکتی اور ہستی سے نیستی نہیں ہوسکتی، اسلام نے واجب الوجود کو خالق، معطیِ وجود اور مغنی وجود تسلیم کیا ہے، وہ عدم محض سے منصۂ وجود پر جلوہ گر

= علیّ، و لنا دوال معلقة، فجعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يأكل و علي معه يأكل، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعليّ: "مه يا علي! فإنك ناقه". قالت: فجعلت لهم سلقاً و شعيراً، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يا علي! من هذا، فأصب، فإنه أوفق لك". (مشكوٰة المصابيح، ص: ٣٦٢، كتب الأطعمة، الفصل الثاني، قديمي)

(١) (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

کرنا ہے اور موجود کو کتم عدم میں مستور وفنا کرنا ہے: ﴿خلق الموت والحیوۃ﴾ . الایہ (۱) جو اہل اسلام میں اس شعر کو پڑھتے یا اس سے استدلال کرتے ہیں وہ شاعرانہ ندرت کے گرویدہ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۶/۶/۱۴۰۱ھ۔

روزِ محشر اموالِ کفار کا محاسبہ

سوال: کفار کے مال کا محاسبہ ومواخذہ روز محشر ہوگا تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

علماء نے لکھا ہے کہ کافر کی خصومت کا معاملہ اشد ہے، اس لئے کہ مسلم کی نیکیاں اس کو نہیں دی جائیں گی اور اس کا کفر مسلم پر نہیں ڈالا جائے گا (۲)، اللہ علیم ہے کہ کیا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۹۴ھ۔

مسلمان آپس کے اختلاف کے بعد بھی مسلمان ہیں

سوال [۴۰۶]: ہندوستان یا کسی بھی ملک میں کافی تعداد میں مسلمان آباد ہیں اور آپس میں بوجہ پارٹی بندی سب مختلف الخیال ہیں، جس کی وجہ سے آئے دن ان پر حملہ ہوتا رہتا ہے اور ان کی جان و مال،

---

(۱) (الملک: ۲)

(۲) "مسلم غصب من ذمی مالاً أو سرقة، فإنه يعاقب عليه يوم القيامة؛ لأنه أخذ مالاً معصوماً، والذمی لا يرجى منه العفو بخلاف المسلم، فكانت خصومة الذمی أشد، و عند الخصومة لا يعطى ثواب طاعة المسلم للكافر؛ لأنه ليس من أهل الثواب و لا وجه لأن يوضع على المسلم و بال كفر الكافر فيبقى في خصومته". (رد المحتار: ۲۹۴/۳، باب الاستيلاء، مطلب: خصومة الذمی أشد من خصومة المسلم، سعيد)

"و ظلم الذمی أشد من المسلم". و في ردالمحتار: "لأنه يشد الطلب على ظالمه ليكون معه في عذابه، و لا مانع من طرح سيئات غير الكفر على ظالمه، فيعذب بها بدله". (رد المحتار: ۴۰۲/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ قاضی خان على الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۵۸/۳، كتاب الغصب، فصل في براءة الغاصب والمديون، رشيديه)

عزت وعصمت سب غیر محفوظ ہیں، ایسی صورت میں وہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو اس کی کیا صورت ہے اور کس طرح ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً :

نفسانی اغراض اور ذاتی اقتدار کی بناء پر اختلاف اور پارٹی بندی سخت مذموم ہے(۱) اس کے نتائج نہایت خراب ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے، لیکن پھر بھی ان کو کافر نہیں کہا جائے گا، وہ مسلمان ہی ہیں (۲)، ان کو اپنی حرکتوں سے باز آنا اور توبہ کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا ہر دین حق ہے؟

سوال[۴۰۸]: زید فوجی افسر پیشتر کپتان نے تصویر کھینچنے کا آلہ کیمرہ رکھا ہے جس سے بہت سے لوگوں کا گھر اور اپنا فوٹو اور تصویروں سے بھر دیا ہے اور اپنے اختراعی ادلہ وساوس سے تصویروں کو مباح بتا کر

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً و لا تفرقوا﴾. (آل عمران: ۱۰۳)

و قال تعالیٰ: ﴿وأطيعوا الله و رسوله، و لا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم، واصبروا﴾ (الأنفال: ۴۶)

وقال تعالیٰ: ﴿إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم﴾ (الحجرات: ۱۰)

(۲) وقال تعالیٰ: ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا الخ﴾ والآية تدل على أن البغي لا يزيل اسم الإيمان؛ لأنه سماهم مؤمنين مع وجود البغي". (المدارک، (الحجرات: ۹): ۲/۵۸۴، قديمی)

"واستدل المؤلف أيضاً على أن المؤمن إذا ارتكب معصيةً لا يكفر بأن الله تعالى أبقى عليه اسم المؤمن فقال: ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا﴾ ثم قال: ﴿إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم﴾ واستدل أيضاً بقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا التقى المسلمان بسيفيهما". فسماهما مسلمين مع التوعد بالنار". (فتح الباری، كتاب الإيمان، باب: ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فسماهم المؤمنين﴾: ۱/۱۱۶، قديمی)

﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما﴾ فسماهم المؤمنين مع الاقتتال. و بهذا استدل البخاري و غيره على أنه لا يخرج عن الإيمان بالمعصية وإن عظمت". (تفسير ابن كثير، (الحجرات ص: ۹): ۴/۱۸۶، دار القلم)

مسلمانوں کو گمراہ بھی کرتا ہے اور نیز گراموفون باجہ اس کے یہاں موجود ہے جس سے عشقیہ غزلیں اور واہیات ابیات بمع اہل خانہ خود بھی سنتا ہے اور دوسروں کو بھی سماع کی ترغیب دیتا ہے۔

جو زکوۃ کے معاملے میں ابخل الناس ہو، ہزاروں روپے جو کہ اس کے بنک میں جمع ہیں ان کا سود بھی کھاتا ہے، اس کی بہو، بیٹیاں لیڈی فیشن کی قمیض پہنتی ہیں جس سے قد میں سے اوپر کا نصف صدر غیر مستور رہتا ہے اور یہ خود ظاہر ہے کہ امراء کے اثر سے غرباء جہلاء کا متاثر ہونا لازمی ہے الا ماشاء اللہ اور اس کے بیٹے و پوتے نصف سر مونڈاتے ہیں اور نیم رکھواتے ہیں اور ہیٹ پتلون وغیرہ لباس مشابہ نصاری پہنتے ہیں، اور ایک زید کا بیٹا جس نے بی اے تعلیم انگلش کی ڈگری حاصل کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں اسلام پر بیسیوں نکتہ چینیاں کر سکتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہے کہ تمام مذاہب حق ہیں، صرف کوئی قریب کوئی بعید راہ سے خدا تک پہنچتے ہیں۔

زید اس فرزند کی قابلیت پر انتہائی نازاں ہے اور خود زید ساٹھ سال سے بھی زائد کا بوڑھا ہو کر اپنی سفید داڑھی ہر صبح جڑ سے مونڈتا ہے، ہفتہ عشرہ میں نمازیں صرف ایک دو ہی پڑھتا ہے مگر مسلمانوں کا رہنما بننا چاہتا ہے، اپنی پارٹی الگ بنانے کے واسطے مسلمانوں میں تشتت وافتراق پیدا کرتا ہے، امام مسجد سے اپنی حمد چاہتا ہے بغیر اس کے کوئی امام مسجد میں رہنے نہیں پاتا، اس لئے اس گستاخ کو ہر استاذ امام مسجد کی بد دعا ہی نصیب ہوتی ہے۔ وعدہ خلافی اور جھوٹی شہادتیں اور تکبر اس کا خاصہ ہے اور بے انصافی کا یہ عالم ہے کہ اپنی پہلی بیوی کو بے گناہ جس سے اس کا ایک پسر بھی ہے اپنے گھر سے نکال دیا، نہ خرچ دیا اور نہ طلاق، تیس سال کے بعد وہ بیچاری معلقہ اپنے والدین کے یہاں سے فوت ہوگئی۔ اور جو مبلغ شرک و بدعت کو مٹانے کی درخواست کرتے ہیں اس کا پہلا دشمن یہی ہوتا ہے، جب کسی مسئلہ کو حوالہ کتب فقہ سے دیا جائے تو فقہائے کرام کو جھوٹا کہتا ہے اور جب قرآن مجید اور حدیث شریف کا ترجمہ کر کے مطلب بتایا جائے تو اپنی ہی بات منواتا ہے۔ تو کیا شریعت مطہرہ میں زید سے ترک موالات مسلمانوں کو ضروری ہے یا نہیں؟

مستفتی: نذیر حسین راولپنڈی پنجاب۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا شخص نہایت خطرناک ہے(۱) اہل اسلام کو اس سے دور رہنا لازم ہے(۲) ورنہ اس کے زہریلے

---

(۱) قوله رحمه الله : ''خطرناک ہے''۔فأما قول السائل : ''تصویروں کو مباح بنا کر الخ'' فإن أخذ التصاویر حرام مرتكبه موعود بأشد العذاب بنص الحديث الشريف: ''عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما إذ جاء ه رجل فقال : ياابن عباس ! إني رجل، إنما معيشتي من صنعة يدي، و إني أصنع هذه التصاوير . فقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: لا أحدثك إلا ما سمعت من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، سمعته يقول: ''من صوّر صورةً، فإن الله معذبه حتى ينفخ فيه الروح، و ليس بنافخ فيها أبداً''. الحديث .

''و عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :''إن أشد الناس عذاباً يوم القيامة من قتل نبياً، أو قتله نبي،أو قتل أحد والديه، والمصورون ، و عالم لم ينتفع بعلمه''. (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس ، باب التصاوير ، الفصل الثالث : ص:٣٨٦، ٣٨٧، قديمي)

قال الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ:'' قال أصحابنا وغيرهم من العلمآء : تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، و هو من الكبائر ؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث ، سواء صنعه في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو غير ذلك''.(المرقاة شرح المشكوة ، كتاب اللباس ، باب التصاوير ، الفصل الأول : ٢٦٦/٨، رشيديه)

و أما قوله : ''میں اسلام پر بیسیوں نکتہ چینیاں الخ'' فمن جملة ألفاظ الكفر ، و من جملة إهانة الشرع ، و قد نص الفقهاء أيضاً بكفر هذا المرتكب ، و في شرح الفقه الأكبر للقاريّ : ''و في التتمة : من أهان الشريعة أو المسائل التي لا بد منها ، كفر''.(فصل في العلم والعلماء :ص: ١٧٢ ، قديمي)

(٢) ''عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : '' لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال''. الحديث. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر و التقاطع الخ، ص: ٤٢٧، قديمي)

قال الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ تحته : ''قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلّته، ولا يجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك . وفي =

اثرات سے ایمان کا خطرہ ہے، دین اسلام کے علاوہ آج کوئی دین حق موجود نہیں، نجات صرف اسلام میں منحصر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿و من یبتغ غیر الإسلام دیناً، فلن یقبل منه، وھو فی الآخرة من الخاسرین﴾ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الثانی/ ۶۱ھ۔

جاہل بدعقیدہ کی اصلاح کا طریقہ

سوال[۴۰۸]: ایک شخص اعتقادِ باطلہ رکھتا ہے، مثلاً کسی کام کی ابتدا میں چونگڑیاں دیکھتا ہے کہ یہ وقت اچھا ہے یا برا، جس طریقہ پر کہ غیر مسلم دیکھتے ہیں، اور کنواں کھدواتے وقت ناریل کا غیروں کے پاس چھوڑنا اور اس پر اعتقاد رکھنا، اور جب تحقیق کی گئی تو جواب میں کہتا ہے کہ میں تو مانتا ہوں، چاہے تم مانو یا نہ مانو، حتی کہ لڑکیوں کی رخصتی میں بھی خصوصی طور پر اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اب ایسے شخص سے تعلقات رکھنا اور اس کے یہاں کھانا پینا کیسا ہے؟ اور ایسا شخص جو اعتقادِ باطلہ رکھتا ہو تو اسے دین کے کسی کام میں بڑا بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بدنصیبی ہے کہ نہ علم دین حاصل ہے، نہ اہل حق علماء کی صحبت میسر ہے، جس کی وجہ سے ایسی غلط چیزوں

= حاشية السيوطي على المؤطا: قال ابن عبدالبر: .... وأجمع العلمآء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته ما يفسد عليه دينَه، أو يد خل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده، ورب صرم جميل خير من مخالطةٍ تؤذيه، ...... فإن هجرة أهل الأهوآء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح المشكوٰة، كتاب الأدب مانيهى من التهاجر و التقاطع الخ: ۷۵۸/۸، ۷۵۹، رشيديه)

(۱) (آل عمران: ۸۵)

قال العلامة الآلوسي تحت الآية المذكورة: "والإسلام قيل: التوحيد والانقياد، وقيل: شريعة نبينا عليه السلام، بيّن تعالىٰ أن من تحرى بعد مبعثه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم غير شريعته، فهو غير مقبول منه". (روح المعاني: ۲۱۵/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

میں مبتلا ہے، ایسے آدمی پر فتویٰ لگا کر تعلق منقطع کر دینا عامۃً مفید نہیں ہوتا، بلکہ مضر ہوتا ہے کہ ضد قائم ہو جاتی ہے، پھر حق کے ماننے اور سننے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے، اس لئے نرمی اور شفقت سے اس کو سمجھایا جائے اور کسی تدبیر سے بھی اس کو تبلیغی جماعت میں بھیج دیا جائے، ماحول بدلنے سے انشاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔